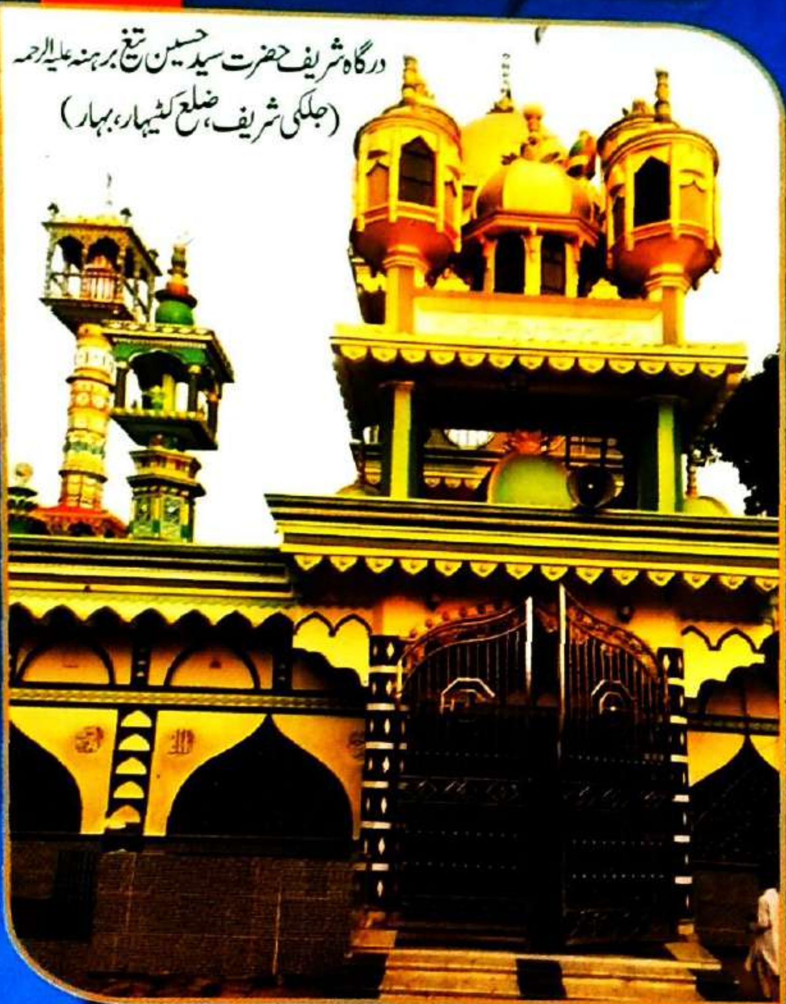
کاملانِ پورنیہ

جلد دوم



درگاہ شریف حضرت سید حسین تیغ برہنہ علیہ الرحمہ
(جلکی شریف، ضلع کٹیہار، بہار)

مفکرِ مسلکِ اعلیٰ حضرت، امیر القلم، حضرت علامہ
ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی دام ظلہ العالی
(ایم اے، پی ایچ ڈی، گولڈ میڈلسٹ)

طابع وناشر
برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاملانِ پورنیہ

(جلد دوم)

تحقیق و تصنیف

مفکر اسلام تاجدار فکر و تحقیق حضرت علامہ

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمسؔ مدظلہ العالی

[ایم اے، پی ایچ ڈی، گولڈ میڈلسٹ]

ناشر

برکات رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی

کتاب: کاملان پورنیہ (جلد دوم)
تحقیق وتصنیف: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی
حروف ساز: ابوالرمان/حیدر علی
تصحیح: علامہ افتخار عالم قمر بھاگل پوری
صفحات: پانچ سو بارہ/۵۱۲
تعداد: گیارہ سو/۱۱۰۰
طبع اول: نومبر ۲۰۱۶ء/صفر ۱۴۳۸ھ
اہتمام: برکات رضا فاونڈیشن، بمبئی
ناشر: برکات رضا فاؤنڈیشن، بمبئی
قیمت:

contact/رابطہ
Dr. Ghulam Jabir shams Purnavi
Ph:09869328511/8433327267
E.mail.Ghulamjabir@yahoo.com

ملنے کے پتے
بک سروس، گرلس اسکول روڈ، کٹیہار
رضا بکڈپو، سالماری بازار، کٹیہار
نوری بکڈپو، بائسی بازار، پورنیہ

دہلیزِ وَدر:

انتساب (۱)

☆ مخدوم جہاں مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری کے نام
جو آج بھی شانِ بہار ہیں، جانِ ہندوستان ہیں۔

☆ آئینۂ ہند شیخ سراج الدین معروف بہ اخی سراج سعد اللہ پوری کے نام
جن کا علمی رتبہ، روحانی مرتبہ، ہر درسگاہ، ہر خانقاہ کو مسلم ہے۔

☆ سالار قافلہ مخدوم علاء الحق والدین والملۃ پنڈوی کے نام
جن کا فیضان بواسطہ حضرت مخدوم سمناں ساری دنیا بھر میں عام ہے۔

☆ عظمت پورنیہ سید شاہ عظمت اللہ چشتی بازبیریاوی کے نام
جن کی عظمت و رفعت کا سکہ آج بھی کھنکتا محسوس ہوتا ہے۔

☆ جمال الاولیا شیخ جمال الحق مصطفیٰ بندگی چمنی بازار شریف کے نام
جن کی ہیبت وسطوت، رعب وداب امراو نوابین پر چھایا رہتا تھا۔

☆ قدوۃ الکاملین عمدۃ الواصلین شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمان پوری کے نام
جن کی خدمات دینیہ و روحانیہ کا سلسلہ بہار بنگال و بنگلہ دیش تک دراز رہا۔

☆ جلالۃ العلم قطب العارفین امام علمائے بلد شاہ محمد یوسف علیمی رشیدی ہری پوری کے نام
جن کی علمی وعرفانی فیوض وبرکات کا سائبان صبح قیامت تک سایہ فگن رہے گا۔

☆ شیخ الاسلام ضیغم ملت زعیم العلما شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی کے نام
جن کے مراتب ومقامات کی بلندی کوئی چھو نہ سکا اور جو اس خاکسار کا آئیڈل بھی ہے۔

قدست اسرارہم

ان درباروں کا جاروب کش
غلام جابر شمس پورنوی
بن قاضی عین الدین وشمس النسا عفی عنہم

گل و برگ:

[۱]

خامۂ شمس کی حکمرانی

[ص:۳۹تا۲۹۲]

[٢]

خودنوشتوں کی جلوہ سامانی

خامۂ خود یاد در حدیث دیگراں

[ص:٢٩٣ تا ٣٩٢]

[۳]

شاعر نامدار کی گوہر افشانی

نتیجہ فکر: فخر پورنیہ مولانا محمد مبارک رضوی، کھپرا، بائسی، پورنیہ

[۴]

اہل علم کی قدر دانی

'کاملان پورنیہ' جلد اول پر تاثرات وتبصرے

[ص ۴۱۹ تا ۴۵۱]

☆ ☆ ☆

فغانِ درویش

دیوانگی موسم کا منہ نہیں تکتی، آتش کدہ ہو یا کانٹوں کا بھنڈار، بے خطر کود پڑتی ہے۔ صحرا کی آبلہ پائی اسے ہراساں نہیں کرسکتی۔ اس لئے فرزانگی وہ کام نہیں کرسکتی، جو دیوانگی کرگزرتی ہے۔ یہی وہ دیوانگی تھی، جس نے شاہ محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ کو دیوانہ وار میدان میں لاکھڑا کیا۔ شاہ محمد یوسف جلالۃ العلم تھے، علمی جوہر دکھایا، نہایت تحقیقی اسلوب میں کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں عربی اردو، دونوں زبانوں میں ہیں، جو علمی و تحقیقی بھی ہیں اور اصلاحی ودعوتی بھی۔ وہ قطب العارفین بھی تھے، زہد واتقا کی وہ شان دِکھائی کہ زمانہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ قائد وقلندر بھی تھے، ان کی قیادت وقلندری پر علمائے عصر رشک کرتے رہے۔ وہ اپنے عہد کے اولین تاریخ نویس تھے اور تذکرہ نگار بھی۔ ان کی رکھی ہوئی بنیاد پر بعد کے قلمکاروں نے اپنی اپنی عمارتیں کھڑی کرتے رہے۔ خدا ان کا فیضان جاری وساری رکھے۔

تاریخ وتذکرہ کے موضوع پر صدیوں میں پہلی بار ان کی کتاب 'احسن التواریخ' معروف بہ 'تاریخ پورنیہ' حصہ اول ۱۹۳۶ء میں شائع ہوکر سامنے آئی اور اہل سیمانچل نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ سیمانچل کا نام فارسی، ہندی اور انگریزی کی تاریخی کتابوں میں ضرور درج تھا اور ہے۔ لیکن اردو زبان میں حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی کی یہ بالکل پہلی باقاعدہ کوشش تھی۔ یہ پہلی جلد خالص تاریخی وجغرافیائی نوعیت کی تھی۔ 'تاریخ پورنیہ' کی دوسری جلد بھی زیر ترتیب تھی۔ یہ اولیا وعلما کے تذکار پر مشتمل تھی۔ مگر نہ وہ جلد تیار ہوئی، نہ شائع ہوئی۔ چوں کہ مصنف علام کی عمر نے وفا نہ کی۔ پھر ان کی اس کوشش کی تکمیل کسی نے نہ کی۔

تب اس کے بعد 'کاملان پورنیہ' پہلی تذکاری کتاب ہے، جو ۲۰۱۱ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آئی۔ اب اس کی دوسری جلد ۲۰۱۶ء میں رونما ہورہی ہے۔ مجھے امید ہے۔ یہ کاوش علمی بھی قدردانوں کے لئے نئی سوغات ثابت ہوگی۔ ناقدری اور بدذوقی کا شکوہ نہیں، گلہ وشکوہ کریں، تو کس سے کریں اور کیوں کریں۔ پورنیہ سیریز کے سلسلہ میں میری جو بھی تحریر آرہی ہے، ہر تحریر میں سوز دل اور روغن دماغ کو نذرانۂ دل بنا کر پیش کرتا ہوں۔ خون جگر کا ارمغان کی صورت میں حاضر کرتا ہوں۔

اس سے میری مراد یہ نہیں ہوتی کہ سوفی صد رزلٹ سامنے آئے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ پندرہ سے پچیس فی صد ہی کامیابی مل جائے، تو میں سمجھوں، میری محنت کی معراج ہو گئی۔ اس بے نوا درویش کی بس اتنی سی آہ و فغان ہے۔ خدا کرے، یہ فغانِ درویش بے حسی کی کائیاں چیر کر، جمود کے کہرے کاٹ کر اور ناقدری کی برف پگھلا کر لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے۔

مجھے تو حیرت ہے ان حضرات پر، جن کا تذکرہ یا جن کے آبا واجداد، اساتذہ و مشائخ کا ذکر کتاب میں موجود ہوتا ہے، وہ بھی کتاب خرید کر نہیں پڑھتے۔ مفت میں تلاش کرتے ہیں۔ مفت میں بھی دے دی گئی، تو قدر نہیں کرتے۔ یہ کیا تک کی بات ہے؟۔ گلی گلی کی خاک چھان کر مواد اکٹھا کروں، وقت اور رقم صرف کروں، پھر تزئین وطباعت کے بعد خدمت میں مفت پیش کروں؟۔ اف اور تف ہے ایسی مفت خوری پر۔ ایک مفتی صاحب، جو کروڑوں میں کھیلتے ہیں، پہلی جلد کی پچاس کاپی منگوائی۔ سال بھر بعد یوں ہی واپس کر دی۔ جب کہ خود ان کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ یہ کیسی کڑی سزا ہے۔ یہ شکایت نہیں، حقیقت ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ ورنہ تلخ حقائق اور بھی ہیں۔ جن پانچ اضلاع کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، دیناج پور پر میں لکھتا ہوں، وہاں کے سیکڑوں علما کروڑوں پتی ہیں، لاکھوں پتی تک تو تقریباً سب ہیں۔ کیا وہ سو دو سو روپئے کی کتاب خرید نہیں سکتے؟۔ ملک بھر میں پھیلے سیماچل کے علما اپنے اپنے حلقہ میں پچیس پچاس کتاب نہیں نکال سکتے؟۔ جب کہ اس میں دینی و علمی خدمت تو ہے ہی، مالی منفعت بھی ہے۔ کیوں کہ تجارت نبیوں اور ولیوں کی سنت ہے۔ جو کثیر فوائد و مصالح رکھتی ہے۔ علما، خطبا، شعرا چاہیں، تو کیا نہیں ہو سکتا۔

میں مالی تعاون دینے کی بات نہیں کرتا کہ یہ میرا ذوق نہیں، میں تو محض اشتراک عمل کی بات کرتا ہوں۔ دس حضرات سو سو کتاب پیشگی بک کر لیں، یا پچاس پچاس نسخہ ہی بک کر لیں۔ پریس لاگت سے لے لیں۔ نفع کے ساتھ بیچیں۔ اس طور سے اصل رقم تو واپس ہو گی ہی، نفع بھی ملے گا۔ نہ اصل چاہیے، یہ نفع بھی مجھے نہیں چاہیے۔ لگانے والا خود ہی رکھ لے۔ یوں کتاب ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں میں بیک وقت پہنچ جائے گی، یہی خاکسار کا مقصد ہے کہ پورنیہ اور علمائے پورنیہ کا تعارف بھی ہو اور تاریخ کے ورق پر یہ محفوظ بھی رہیں۔ یہ تجویز میں شروع سے دیتا آ رہا ہوں۔ مگر میرے اس شورِ جرس پر لبیک کی جو آواز آنی چاہیے، اب تک ابھر کر سامنے

نہیں آئی۔ تاہم میں مایوس نہیں ہوں۔ ان شاء اللہ ایک دن آئے گا کہ میری فکر و تحریر کے رخ زیبا اور نقش پا کو لوگ اپنی ہتھیلیوں میں چراغ لے کر تلاش کریں گے۔

پیش نظر کتاب پانچ عنوان پر مشتمل ہے۔ 'خامۂ شمس کی حکمرانی' کے تحت خام مواد کو میں نے اپنے اسلوب میں پیش کیا ہے۔ 'خودنوشتوں کی جلوہ سامانی' کے ذیل میں اصل مواد کو من وعن رکھ دیا گیا ہے۔ عدم سہولت کی وجہ سے سنوار نہیں سکا۔ 'شاعر نامدار کی گوہر افشانی' یہ شاعر پورنیہ مولانا محمد مبارک رضوی صاحب کی شعری کاوش ہے، جوانھوں نے 'کاملان پورنیہ' جلد اول کے مطالعہ سے متاثر ہو کر اور میری فرمائش پر قلم بند کی ہے۔ 'اہل نظر کی قدردانی' کے ضمن میں وہ تحریریں جمع ہیں، جو انھوں نے کتاب مذکور کی جلد اول کی قدر و قیمت متعین کرنے کے سلسلے میں معرض وجود میں لائی ہیں۔ اس ضمن میں میں ان کا مشکور ہوں۔

'سیمانچل: کل اور آج' یہ مقدمہ ہے، جو ذرا قدرتی طور پر پھیلا ہوا ہے، اسے ہم نے الگ کتابی شکل میں بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ میری نواہائے تلخ کے لئے مجھے معذور رکھیں۔ پورنیہ سیریز کی تحریروں، کتابوں کے لئے پھر عرض کروں گا۔ منفی نقد و تبصرہ کا بازار گرم نہ کریں۔ کوتاہیاں ہوں، تو ہمدردی سے اصلاح فرمائیں۔ قبول اصلاح کے لئے میں دل کا ہر دروازہ کھلا رکھتا ہوں۔ اتنی گزارش وشفارش ضرور کروں گا کہ دردمیرا بانٹ لیجے۔ کرب میرا محسوس کیجیے۔ یہ تپش، یہ ہوک جو میرے دل سے اٹھتی ہے، وہ ہر دل سے اٹھے۔ میری فکر و سوچ، عسل اصیل اور شہد نایاب ہے، اس کی قدر کیجیے۔ یہ آہ فغاں فراموش نہ کیجیے۔ یہ پیام و پیغام خدارا بھول یے مت۔ یہ راز زندگی ہے، اسے پامال مت کیجیے۔ یاد رکھیے! ہر ایک کا اپنا ہوں میں۔ ہر ایک کا سپنا ہوں میں۔ ذرا اقبال کی سنئے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

یہ کتاب ۲۰۱۳ء میں چھپنے والی تھی۔ مگر مشیت ایزدی نہ تھی، نہ چھپی۔ اب اس کا وقت آ گیا اور ۲۰۱۶ء میں چھپ کر قارئین کی میز تک پہنچ رہی ہے۔ میرے بہت سے کرم فرما اور بہی خواہ اس کتاب کو دیکھنے کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھے۔ اب ان کی تکمیل آرزو ہوتے ہوئے ہمیں بھی بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ ان کی آرزو اور تمنا اب پوری ہو رہی ہے۔ ان کرم فرماؤں اور بہی خواہوں کے نام نامی کچھ اس طرح ہیں:

[۱] حضرت مفتی ظہور احمد صاحب قبلہ صدر المدرسین دار العلوم حسینیہ جلکی شریف، کٹیہار
[۲] عالی جناب سید عارف صاحب سیکریٹری درگاہ عالیہ جلکی شریف، کٹیہار
[۳] عالم اجل و اکمل حضرت مفتی وزیر احمد صاحب قبلہ، بیر گاچھی، پورنیہ
[۴] شارح کتب درسیہ حضرت مفتی شبیر احمد صاحب قبلہ، گھگڑا کشن گنج
[۵] خطیب و مدبر حضرت مفتی ذاکر حسین فناء القادری، قاضی گاؤں، اسلام پور
[۶] میرے دعا گو حضرت علامہ ابوالحسن علی رضوی صاحب، لوٹیاباڑی، بائسی
[۷] عالی جناب محمد شکیل صاحب، مقیم پونے
[۸] عالی جناب نیر عالم صاحب رضوی، مقیم بمبئی
[۹] عالی جناب عارف عالم صاحب، مقیم بمبئی
[۱۰] عالی جناب محمد نسیم اختر صاحب حال مقیم بمبئی
[۱۱] عالی جناب ظفر عالم صاحب رضوی، مقیم بمبئی

یہ اور ان جیسے کئی حضرات و افراد کی نیک خواہشوں، مچلتی آرزوؤں، تڑپتی تمناؤں، خوب صورت دعاؤں، خلوص بھری حمایتوں اور جزوی اعانتوں کے حسین نتیجے میں یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے۔ قارئین کرام سے مخلصانہ گزارش ہے کہ میرے چاہنے والوں، علم و ادب کے پرورش کرنے والوں اور اس کار خیر میں شرکت کرنے والوں، مجھ سے محبت کرنے والوں، میرے علمی کاموں سے دل چسپی رکھنے والوں، دین حق پر چلنے اور دین کی مدد کرنے والوں کو اپنے اوقات مخصوصہ کی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ جل مجدہ الکریم ہم سب کو دین متین، مذہب اہل سنت، برصغیر میں جس کی عرفی تعبیر 'مسلک اعلیٰ حضرت' سے کی جاتی ہے، پر استقامت سے قائم رکھے۔ زیادہ سے زیادہ خدمت دین و سنیت کی خدمت سر انجام دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ جائز مقاصد و کاروبار میں کامیاں عطا فرمائے۔ صحت و عافیت والی زندگی اور خیر و برکت والی روزی اور دونوں جہان کی نعمتوں، سعادتوں اور سرفرازیوں سے نوازے، آمین بجاہ خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وعلمائے ملتہ وشہدائے محبتہ اجمعین۔

خاکپائے علماو فقرا
غلام جابر شمس پورنوی

تقدیم

سیمانچل کے مسائل کا
حل کیا ہے؟۔

آیئے!
سر جوڑ کر بیٹھیں،
ذرا غور کریں
اور حل کی امکانی صورتیں ڈھونڈ نکالیں۔
یاد رکھیے!
مسائل کا رونا رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے،
مسائل حل ہوتے ہیں غور وفکر سے
اور عملی اقدام و پیش رفت سے۔

تعارف: پورنیہ کوئی نو آبادیاتی کالونی نہیں ہے۔ یہ ست جگ سے آباد ہے۔ جو انسانی آبادی کا سب سے پہلا دور ہے۔ پورنیہ کبھی حضرت پورنیہ تھا۔ سرکار پورنیہ تھا۔ کنٹری کہلاتا تھا۔ جنت آباد اور جنت البلاد تھا۔ اس کا ماضی نہایت روشن تھا۔ خود کفیل وخوش حال تھا۔ حال بھی تابناک ہے اور مستقبل تو حد درجہ درخشاں معلوم ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے، اہلِ پورنیہ ان رموز کو جانیں یا نہ جانیں، کوہِ نور کبھی بے نور ہو جاتا ہے اور کنکر پتھر چمکنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ پڑے پارس، بیچے تیل والی کہاوت بھی تو غلط نہیں ہے۔

جغرافیائی رقبہ: یہ رقبہ زمانی ہو یا مکانی، دونوں وسیع زمان ومکان پر پھیلا ہوا ہے۔ زمان ست جگ سے جڑا ہوا ہے۔ تو مکان بھی کئی سرحدوں سے بچ ہے۔ پچھم میں کوسی کے کنارے سہرسہ اور مدھے پورہ ہے، تو جنوب میں گنگا کے کنارے بھاگل پور اور مرشد آباد ہے۔ پورب میں ناگر ندی ہے، جو ہند اور حالیہ ملک بنگلہ دیش کو تقسیم کرتی ہے اور اتر میں نیپال کا ضلع مورنگ ہے۔ ۱۸۱۳ء سے پہلے بنگال کے ضلع مالدہ کا ایک وسیع ترین حصہ پورنیہ تھا۔ جس میں کلیا چک، بھولا ہاٹ، بھیم بھار، گور، ندیا، پنڈوہ شریف وغیرہ شامل تھا۔ ۱۹۵۶ء سے قبل دیناج پور پورنیہ ہی کے حدود میں تھا۔ ۱۹۷۲ء سے قبل کٹیہار پورنیہ ہی کا اٹوٹ انگ تھا۔ ۱۹۹۲ء سے قبل اررنیہ اسی پورنیہ کا عضو تھا اور کشن گنج اسی پورنیہ کا جزو تھا۔

اسلام کی آمد: ہندوستان میں اسلام سیاحت کرنے والے قافلوں اور تجارت کرنے والی جماعتوں کے ذریعے آیا۔ یہ قافلے اور جماعتیں ساحلی علاقوں میں پہلے پہنچیں۔ قدیم زمانہ میں یا تو زمینی راستے تھے یا بحری راستے، قدیم سے کلکتہ ایک تجارتی مرکزی شہر تھا۔ یہاں بندرگاہ بھی تھی۔ مسلم سیاح وتجار اور صوفیا یہاں اول اول وارد ہوئے۔ انھی کے ذریعہ بنگال و بہار میں اسلام عام ہوا۔ پانچویں صدی ہجری کی آخری دہائیوں سے ہی پورنیہ میں اسلام کا سراغ ملتا ہے۔ جو حضور غریب نواز کی آمد سے بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ ست جگ میں بھی پورنیہ میں موحدین موجود تھے۔ جو حضرت حام بن نوح کی اولاد میں تھے۔

مسلم تناسب: مسلم آبادی کے لحاظ سے ملک کی تمام ریاستوں میں ریاست بہار سب سے دوسری

بڑی آبادی ہے۔ ریاست کی مسلم آبادی کا اکیس فی صد حصہ صرف پورنیہ کمشنری میں آباد ہے۔ پورنیہ کمشنری کے چاروں اضلاع کٹیہار، کشن گنج، اررریہ بشمول پورنیہ میں تقریباً چار ہزار گاؤں ہیں۔ دس بارہ شہر اور قصبات ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں جو مردم شماری ہوئی تھی۔ اس کے مطابق پورنیہ میں کوئی سات لاکھ، کٹیہار میں ساڑھے سات لاکھ، کشن گنج میں ساڑھے سات لاکھ سے زائد اور اررریہ میں ساڑھے چھ لاکھ سے زائد مسلمان تھے۔ مجموعی تعداد اس وقت تیس لاکھ سے کم نہیں رہی ہوگی۔ کیوں کہ مردم شماری زیادہ تر قیاسی و اکثریتی ہی ہوتی ہے۔ جس میں بہت کچھ شمار میں چھوٹ بھی جاتا ہے۔ آج یہ آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ کیوں کہ ۱۹۹۱ء میں جو بچّے تھے۔ اب وہ جوان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا قیاس ہے کہ پورنیہ کمشنری کی مسلم آبادی چالیس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہوگی۔

اتر دیناج پور، جو ۱۹۹۶ء سے قبل پورنیہ کا عضو تھا۔ زمینی، مقامی بولی اور تہذیبی اعتبار سے آج بھی پورنیہ سے جڑا ہوا ہے۔ مقامی بولی میں چھے چھو کے استعمال سے بنگلہ سے کسی کو جوڑا نہیں جا سکتا۔ گو کہ وہ رقبہ کے اعتبار سے آج بنگال کا ایک ضلع ہے، لیکن چھے چھو کا استعمال جس طرح ہماری مقامی بولی، سرجا پوری یا کشن گنجیا بولی میں ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال گجراتی زبان یا بولی میں ہے۔ تو کیا اس برادری کو گجرات سے جوڑا جا سکتا ہے؟۔ اتر دیناج پور میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مقامی بولی، لباس، معاشرت، تمدن اور ایمان و عقیدہ کا اگر لحاظ کیا جائے۔ تو یہ تعداد اور بڑھ جائے گی۔ جو پچاس لاکھ سے کسی طرح کم نہیں ہوگی۔ یہ گفتگو قیاس و استقرا پر مبنی ہے، حتمی نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ اس خطہ کی غالب اکثریت یعنی کوئی اسی فی صد مسلم آبادی سنی حنفی بریلوی ہے۔ جو چالیس پچاس لاکھ سے کسی طور کم نہیں ہوگی۔ لیکن افسوس ہے۔ اتنی بڑی اکثریت کی نہ کوئی مذہبی قیادت ہے، نہ سیاسی اقتدار اور نہ ہی تعلیمی میدان میں اطمینان بخش پیش رفت ہے۔ اہلِ خطہ کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ جو انہیں فوری بیدار ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

تعلیمی تناسب: یہ علاقہ چونکہ سدا سے دینی تعلیم کا دلدادہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ بلکہ اب یہ رجحان اور آگے بڑھا ہے۔ ہر گاؤں میں دو چار علما ضرور ہوں گے۔ کسی کسی گاؤں میں تو درجنوں علما ہوں گے۔ گاؤں کے علاوہ کئی کئی گھرانے ایسے ہیں، جن میں دو دو، چار چار سے زائد علما، فضلا، حفاظ ملیں گے۔ اس اعتبار سے یہ علاقہ بڑا خوش قسمت واقع ہوا ہے۔ برسرِ کار علمائے کرام کے علاوہ ایک بڑی تعداد دینی طلبہ پر مشتمل ہے۔ جو علاقہ اور ضلع اور باہر کے مدارس میں زیرِ تعلیم ہے۔ یہ بھی ایک خوش آئند بات ہے۔ طبقۂ نسواں میں بھی دینی

تعلیم کا رواج فروغ پا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی مدارس سرگرم عمل ہیں۔ یہ تمام کچھ ہونے کے باوجود ہم ابھی زمانہ کی رفتار سے بہت پیچھے ہیں۔ اس کے لیے وقت کا جبری تقاضا ہے کہ ان پانچوں اضلاع میں معیاری تعلیم کا ایک کسا ہوا نظامِ تعلیم برپا کیا جائے۔

پورنیہ کمشنری کی قریب پچانوے فی صد آبادی دیہاتوں میں بستی ہے اور پانچ سے دس فی صد گھروں میں ہی بجلی فراہم ہو پاتی ہے۔ بنیادی سہولت نہ ہونے کی صورت میں بچے اسکولی تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ پانچ سے دس فی صد بچے ہی اسکول جا پاتے ہیں۔ بقیہ قریب نوے فی صد بچے مقامی و بیرونی شہروں میں نوکری، محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک تو وہاں اسکول و کالج کی تعداد ہی کم ہے اور جو کچھ ہے، وہ ناقص نظام اور بنیادی سہولیات کے نہ ہونے سے بچے پریشان رہتے ہیں۔ سکنڈری، ہائر سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم میں تاہم جو کچھ کامیابی ملی ہے۔ اس کا ایک سرسری جائزہ یہ ہے۔

آئی اے ایس اور آئی پی ایس یہاں ایک بھی نہیں ہے۔ کوئی خاتون ڈاکٹر بھی نہیں ہے۔ مرد ڈاکٹر گیارہ ہیں۔ آئی ٹی آئی ایک ہے۔ جی آئی ٹی انیس ہیں۔ مگر برسرِ عمل صرف چھ ہیں۔ جونیئر انجینئر نو ہیں۔ بینک سروس میں کچھ پینتیس لوگ ہیں۔ کلرک کوئی چالیس ہیں۔ جوڈیشل سروس میں فقط ایک ہے۔ کالج سطح کی نوکریوں میں بائیس افراد ہیں۔ ہائی اسکول کی نوکری ایک سو دس لوگوں کو میسر ہے۔ پرائمری ٹیچرس کی تعداد ۹۰۵ رہے۔ بہار پولیس وہ بھی سپاہی درجے کے افراد صرف نو دس ہی ہیں۔ بہار پبلک سروس کمیشن میں کوئی گیارہ اسامیاں ہیں۔ عصری تعلیم اور ملازمت کا یہ وہ آئینہ ہے، جو ۱۹۹۰ء کے سروے میں سامنے آیا تھا۔ اب اگر اک آدھ فی صد بڑھا ہو تو بڑھا ہو۔ اس شعبہ میں بھی، جو نہایت اہم ہے، زمانہ نے ہمیں کس قدر پیچھے ڈھکیل رکھا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پورنیہ شہر ڈاکٹروں کی کالونی ہے۔ مگر وہاں کوئی میڈیکل کالج ہے۔ نہ فارمیسی ہے۔ نہ آئی ٹی آئی ہے۔ کٹیہار میں ایک میڈیکل کالج ضرور ہے۔ مگر عوام کی دسترس سے باہر ہے۔ کٹیہار میں بھی معاش و روزگار کا کوئی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ نہیں ہے۔ پورے خطہ میں صرف کشن گنج میں ایک انجینئرنگ کالج کھولنے کی کوشش ہوئی تھی۔ جس کا دروازہ اب تک عام آدمیوں کے لیے کھلا نہیں ہے۔ پوری کمشنری میں ایک اکلوتا آئی ٹی آئی کا ادارہ کشن گنج میں کھلا ہے۔ جس کی افادیت ابھی عام نہیں ہوئی ہے۔ طب و صحت کے مراکز اول تو جگہ جگہ موجود نہیں ہیں، یا اگر کہیں کچھ ہیں بھی تو بالعموم بند ہوں گے یا بے فائدہ ہوں گے یا صرف

خانہ پری کے ہوں گے۔ یہ صورتِ حال پکار پکار کر کہتی ہے کہ خطہ کا تعلیم یافتہ باشعور دردمند
طبقہ ایک منٹ ضائع کئے بغیر بیدار ہو کر کام کا آغاز کر دے۔

پورنیہ میں فارسی: مغلیہ دور میں ملک کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ چونکہ فارسی روزی روٹی اور
معاش و روزگار سے راست پیوست تھی۔ اس لیے مسلمان ہندو اور عیسائی بھی فارسی پڑھنے پر مجبور
تھے۔ نثر و نظم اور زبان و بیان کی عبارت قابلِ رشک ہوا کرتی تھی۔ پورنیہ، جو لکھنو سے دور تھا، دہلی
سے دور تھا۔ جس پر مغلیہ سلطنت کی طرف سے امراء، نوابین اور فوجدار نامزد ہوا کرتے تھے۔ ان
کی دفتری زبان بھی فارسی ہوتی تھی اور روزمرہ کی زبان بھی یہی ہوتی تھی۔ فارسی زبان و بیان
کے معاملہ میں بھی پورنیہ نہایت سبقت لے گیا تھا۔ شیراز و اصفہان اور تبریز و غزنی کے لیے بھی
یہاں کی فارسی دانی قابلِ رشک تھی۔ کیوں کہ یہ علاقہ حاشیائی تھا۔ لیکن زبان و ادب کے سلسلے
میں یہ بالکل متن متین کا کردار ادا کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور عیسائیوں میں بھی اس
تھی۔ چونکہ یہ معاش و ملازمت سے جڑی ہوئی تھی۔
زبان کا چرچا تھا۔ اہمیت تھی۔ چونکہ یہ معاش و ملازمت سے جڑی ہوئی تھی۔
زبان کا چرچا تھا۔ اہمیت تھی۔ چونکہ یہ معاش و ملازمت سے لگایا جا سکتا ہے کہ مندروں، کلیساؤں اور ہندو،
اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مندروں، کلیساؤں اور ہندو،
اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فارسی زبان میں ہی کندہ ہوتے تھے۔
عیسائی کے مقابر پر جو کتبے آویزاں ہوتے تھے۔ وہ فارسی زبان میں ہی کندہ ہوتے تھے۔ اس
مثالیں تو بہت ہیں۔ یہاں ایک ہی درج کرتا ہوں۔ پورنیہ سٹی میں چاندنی چوک ہے۔ اس
سے ذرا پورب تھانہ ہے۔ اس سڑک کے ذرا آگے اتر کی طرف ایک مندر ہے۔ یہ مندر بابو رام
چند نے بنوایا تھا۔ جس کا سنگِ بنیاد ۱۲۷۲ ملکی ہے۔ سنگ مرمر کے کتبے پر چار اشعار فارسی میں
درج ہیں۔ آخری شعر آپ بھی ملاحظہ کریں۔

یک ہزار و دو صد و ہفتاد و دو رکن رقم
اندراں دم سالِ استھاپن چہ خوش ہاتف بگفت
۱۲۷۲ ملکی

عیسائیوں کی قبروں پر فارسی کتبوں کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔

☆ ڈاکٹر پی آئی فلورا ایم ڈی کی قبر کا فارسی کتبہ ۱۱۸۵ بنگلہ ہے۔
☆ جون ڈبلو براؤن کی قبر کا کتبہ ۱۱۹۵ بنگلہ ہے۔
☆ کپتان بنجمن بلیک کا کتبہ ۱۲۲۷ بنگلہ ۱۸۲۰ء ہے۔
☆ چارلس پارکر کی قبر کا کتبہ ۱۸۴۰ ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ مسلم فوجداروں، نوابوں، رئیسوں، زمینداروں کے ساتھ ساتھ
ہندو اور عیسائی راجہ و رؤسا بھی فارسی زبان و ادب کے قدرداں اور دلدادہ تھے۔ مثال کے طور پر راجہ

سری نگر کی لائبریری میں سینکڑوں فارسی کتابیں تھیں۔ جن میں قلمی مخطوطات بھی تھے۔ یہ لائبریری گرچہ برباد ہوگئی۔ لیکن اس کے بعض نسخے آج بھی کلا بھون پورنیہ میں موجود ہیں۔ راجہ مہندر نارائن رائے کی لائبریری قیمتی فارسی مخطوطات سے مزین تھی۔ ڈیوڑھی سیف گنج کٹیہار اور ڈھویلی اسٹیٹ کی لائبریریاں بھی کم قیمتی نہیں تھیں۔ مہن گاؤں اسٹیٹ اور خانقاہ عظمتیہ بازیریا کی لائبریریاں بھی قابلِ ذکر تھیں۔ خانقاہ بندگی چمنی بازار شریف کا علمی قلمی ذخیرہ آج بھی قیمتی ہے اور حد درجہ اہمیت کا حامل ہے۔ راجہ پیسی لال کی لائبریری کے فارسی واردو نسخے آج بھی جابہ جا پائے جاتے ہیں۔ ذاتی ذخیرے اور خاندانی لائبریریاں بھی بہت تھیں۔ الغرض پورنیہ فارسی دانی کے معاملہ میں نہایت مالا مال تھا۔ محققین و مصنفین اور شعرا و ادبا کی حیات وخدمات کئی اہم تحقیقی مقالات کا موضوع بن سکتی ہیں۔ یہ تو محض ایک اشاریہ ہے۔ قابلِ کار نوجوان چاہییں۔ تو مواد کافی مل سکتا ہے۔

پورنیہ میں اردو: پورنیہ میں مسلم برادریاں تین چار طرح کی ہیں۔ ایک برادری سرجاپوری ہے۔ ان کی مقامی بولی بھی سرجاپوری کہلاتی ہے۔ جو پورنیہ کی قریب تین تہائی آبادی میں بولی جاتی ہے۔ یہ صرف روزمرہ کی عوامی بولی ہے۔ یہ ابھی رسم الخط میں نہیں آئی ہے۔ ماسٹر عبد المغیر، بینی باڑی، کٹیہار، جب صغریٰ کالج نالندہ میں تھے۔ تو انہوں نے پٹنہ و نالندہ میں پڑھنے والے اور رہنے والے سرجاپوری طلبہ کی 'کٹیہار بوائز ایسوسی ایشن' بنائی تھی اور سہ ماہی 'کٹیہار بولٹن' جاری کیا تھا۔ انہوں نے اس بولی کو لپیانے کی کوشش شروع کی تھی۔ اسی طرح پروفیسر عبد المعنی کٹیہار نے لیپی میں لانے کا آغاز کیا تھا۔ اس وقت لوگوں نے بڑا سراہا تھا۔ مگر یہ کوشش زیادہ آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ کوئی ۸۵،۱۹۸۴ء کی بات ہے۔ دیناج پور والے بھی یہی بولی بولتے ہیں۔ البتہ شیر شاہ آبادی اور کلہیا برادری، جو اپنے کو شیخڑا بھی کہلاتی ہے۔ ان کی گھریلو بولی قدرے مختلف ہے۔ لیکن تمام آبادی اور ساری برادری کی تحریر و تقریر کی زبان اردو ہی ہے۔

فارسی کی طرح اردو کا چلن بھی یہاں شروع سے رہا ہے۔ اردو کی خدمت میں یہ علاقہ کبھی پیچھے نہیں رہا ہے۔ چونکہ یہاں مسلمان بکثرت ہیں۔ مدارس اور علما و طلبہ کی بہتات ہے۔ اس لیے اردو کے فروغ میں یہ نہایت اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ یہ تو حالیہ دور کی بات ہے۔ ہمیں تو بات کرنی ہے صدر اول کی۔ ملک پر جب انگریز قابض ہوا۔ تو فارسی روبہ زوال ہونے لگی۔ اس زوال کا سایہ پورنیہ پر بھی پڑنے لگا۔ ۱۷۷۰ء میں پورنیہ انگریزوں کی عملداری میں آیا۔ تاہم وہاں فارسی کا زور کم نہیں ہوا اور یہ زور آزادئ ہند کے بعد تک قائم رہا۔ اس کے اثرات اب بھی خال خال پائے جاتے ہیں۔

لیکن فارسی جیسے جیسے زوال پذیر ہورہی تھی۔ اس کے شانہ بہ شانہ ایک نئی زبان ابھر رہی تھی۔ جسے پیاری زبان اور امن ومحبت کی زبان اردو کہا جاتا ہے۔ پورنیہ کے نوابین اور فوجداران جس طرح فارسی کی سرپرستی کررہے تھے۔ اسی طرح اردو زبان کا بھی وہ والہانہ استقبال کررہے تھے۔ ان کے دربار علما، صلحا، شعرا، ادبا سے آراستہ رہا کرتے تھے۔ یہ کوئی ۱۷۲۱ء کا زمانہ تھا۔ جب نواب معین الدین سیف خان پورنیہ کا فوجدار ہوا۔ تو ان کے دربار میں فارسی کا چلن تو تھا ہی، دبے پاؤں اردو بھی داخل ہوچکی تھی۔ سیف خان کے بعد نواب صولت جنگ اور شوکت جنگ کے عہد میں اردو زبان دلہن اور ملکہ کی طرح راج کرنے لگی۔

سیف خان بابائے اردو نواب امیر خان کے بھائی تھے اور امیر خان میر میراں کے لڑکے تھے۔ انہوں نے تقریباً تیس سال پورنیہ پر حکومت کی۔ انہیں کی دعوت پر سید محمد علی اورنگ آبادی پورنیہ آئے اور عظیم آباد ہوتے ہوئے شاہ جہاں آباد تشریف لے گئے۔ عام بول چال سے ہٹ کر نثر ونظم میں تصنیف وتالیف ایک تحقیق طلب امر ہے۔ محدود مطالعہ کی حد تک مثنوی 'بدیا دھر' پورنیہ کی قدیم تصنیف ہے۔ جو ۱۷۲۸ء میں لکھی گئی ہے۔

اس کے مصنف شاہ کفایت اللہ، پورنیہ سے پچھّم دمکا گاؤں کے باشندے تھے۔ ان کا مزار وہاں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ان کے پیرومرشد شیخ محمد اعظم علیہ الرحمہ تھے۔ جو ناظر پور کے رہنے والے تھے۔ انہی کی فرمائش پر شاہ کفایت اللہ نے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اس وقت مصنف کی عمر بیس پچیس برس کے درمیان تھی۔ یہ کتاب مدت مدید کے بعد ۱۹۳۸ء میں چھپ سکی۔ صفحات ۲۳۷ رہیں۔ اردو کی اولین کتابوں میں اس کا شمار ہونا چاہیے اور اس کی قدر وقیمت متعین ہونی چاہیے۔

نواب صولت جنگ کا دور علمی ادبی اعتبار سے نہایت تابناک گزرا ہے۔ جید عالم دین ملا غلام یحیٰ، مفتی ضیاء اللہ، مولینا لعل محمد، شیخ ہدایت اللہ، سید عبدالہادی روشن، میر وحید اور سیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین طباطبائی جیسے اجلۂ علما اور اکابر ادبا کی موجودگی سے پورنیہ کا بازار علم وادب گرم تھا۔ میر سید عبدالہادی روشن، جہانگیر نگر، ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ شاہ جہاں آباد دہلی میں نشو و نما ہوئی۔ صولت جنگ کی دعوت پر پورنیہ آگئے۔ تو یہیں کے ہورہے۔ کہا جاتا ہے کہ مدفن بھی پورنیہ ہی بنا۔ میر باقر حزیں دہلی کے تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ دہلی سے عظیم آباد آئے۔ عظیم آباد سے پورنیہ پہنچے۔ صولت جنگ کی رفاقت میں زندگی بسر کی۔ گمان ہوتا ہے کہ ان کا مدفن بھی پورنیہ ہی بنا۔ یہ کوئی اٹھارویں صدی کی ساتویں آٹھویں دہائیاں تھیں۔ حسرت بھی

مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ یہ بھی پورنیہ تشریف لائے۔ ۱۲۰۱ھ میں وصال ہوا۔ میر مستقیم جرأت بھی پورنیہ میں مقیم ہوئے اور اپنے فن کا جوہر دکھایا۔

مثنوی مولینا روم کا علمی لسانی اور شعری رتبہ مسلم ہے۔ اس کا منظوم سلیس اردو ترجمہ پورنیہ میں ہوا تھا۔ جس کا نام 'باغِ ارم' رکھا گیا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۸۲۵ء کے بعد کا ہے۔ پروفیسر سید حسن عسکری نے یہ ترجمہ دیکھا۔ تو پھڑک اٹھے۔ تصدق حسین مشتاق نے پوری بوستان کا اردو ترجمہ کیا اور منظوم مخمس کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کس قدر فروغ پا چکی تھی۔ تفسیر پورنوی، تسطیر پورنوی یہ دونوں شوق نیموی کے شاگرد تھے۔ سالم لکھنوی ناسخ کے شاگرد تھے۔ پورنیہ رہ رہے تھے۔ یہیں وصال کیا۔ کھگڑا کے نواب سید عطا حسین کی کوشش و کاوش بھی فروغ اردو میں انتہائی درخشاں اور ضوفشاں ہے۔ یہ کوئی تحقیق نہیں، محض ایک جھلک ہے۔ بعد کی باتیں بعد والوں کے لیے چھوڑتا ہوں۔

مذہبی ادب: فارسی اور اردو میں ادبی موشگافیاں اور شعر و شاعری اپنی جگہ، مذہبی ادب کے میدان میں بھی اہلِ پورنیہ نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ نوابانِ کھگڑا اثنا عشری شیعہ تھے۔ نواب عطا حسین اور فدا حسین سنی حنفی بن گئے تھے۔ حافظ الحدیث علامہ قادر بخش سہسرامی کی فہمائش کا یہ نتیجہ تھا۔ علامہ ظل الکریم بردوان کے رہنے والے تھے۔ کھگڑا، پورنیہ میں رہ رہے تھے۔ نواب عطا حسین کی فرمائش پر انہوں نے 'حقیقۃ الاسلام' فارسی کا اردو ترجمہ کیا۔ جو مطبع نولکشور سے ۱۸۸۳ء میں چھپا۔ 'حقیقۃ الاسلام' قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصنیف ہے۔ 'شہاب ثاقب' علامہ ظل الکریم کی کتاب ہے۔ جو فارسی میں ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں نواب کی فرمائش پر ہوا۔ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۷۳ھ میں چھپا۔ ترجمہ بھی خود مصنف کا ہے۔ جس کا نام 'رجم روافض' ہے۔ علامہ قادر بخش سہسرامی نے کتاب 'الاربعین فی اشاعت مراسم الدین' لکھی۔ جس پر علامہ عبدالحئ فرنگی محلی کی تقریظ ہے۔ دوسری کتاب 'التقریر المعقول فی فضائل الصحابہ واہلِ بیت الرسول' تصنیف کی۔ یہ دونوں بھی نواب مذکور کے ایما سے معرضِ وجود میں آئیں۔ جو ۱۳۰۰ھ میں انوارِ محمدی لکھنو سے چھپی ہیں۔

قدوۃ الکاملین عمدۃ السالکین شاہ محمد حفیظ الدین رحمان پوری، جلالۃ العلم قطب العافین مظہر سرکار آسی شاہ محمد یوسف رشیدی علیہما الرحمہ کی تصانیف درجنوں درجن ہیں۔ جو ہیں تو مذہبی، مگر اردو زبان میں بھی ہیں۔ شاہ سکندر علی رشیدی بنی باڑی، علامہ عبدالرحمٰن بنی باڑی، شاہ شرف الدین گانگی کی تصانیف بھی اردو میں ہی ہیں۔ شاہ عبدالقادر رشیدی، شیخ

الاسلام شاہ غلام محمد یسین رشیدی کی اردو خدمات سے انکار ممکن نہیں۔ عصر حاضر کے علماء، ادبا، شعرا نے تو دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں۔

اقتصادی پہلو: پورنیہ کمشنری جب سے آباد ہے۔ بے حد خوشحال ہے۔ ماضی تو ایسا خوش حال اور پرسکون تھا کہ شاید و باید۔ یہی وجہ تھی کہ پانڈو جب کورو کے ظلم وستم سے تنگ آ گئے۔ تو جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے لیے سرزمین پورنیہ کا انتخاب کیا۔ مسلم دورِ حکومت میں خوش حالی اور خیر سگالی کا ایسا نمونہ تھا کہ تاریخ فرشتہ کے مصنف کو 'بہتر از مصر بود' لکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انگریز کا تسلط ہوا۔ خوش حالی بدحالی میں بدلنے لگی۔ زمینداریاں ضبط کی گئیں۔ معافیاں ختم کر دی گئیں۔ امرا و نوابین بے گھر کر دیئے گئے۔ فارسی زبان کے بے دخل ہونے سے معاش و روزگار کے دروازے بند ہو گئے۔ غربت و نکبت کا یہ سایہ آزادی ہند کے بعد تک قائم رہا۔

ریاستی حکومت ہو یا مرکزی سرکار، دونوں نے نہ تو ہمدردی کی نظر ڈالی، نہ انصاف کی نگاہ اٹھائی۔ تعلیم، روزگار، ملازمت، صنعت، حرفت، تجارت کسی شعبہ میں کچھ بھی معقول سہولت فراہم نہ کی گئی۔ اپنی جان پر کھیل کر اہلِ پورنیہ نے اپنی حالت سدھارنے کی کوشش کی اور آج وہ حالت زار نہیں۔ جو کچھ برسوں پہلے تھی۔ یہ بدلاؤ ذاتی انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ریاستی مرکزی حکومت کی نگاہ انصاف کا یہ علاقہ آج بھی منتظر ہے۔

آمدِ اسلام کی کہانی: مسلم سیاح و تجار کے ذریعے اسلام اول اول تجارت و سیاحت کے دوش پر ہندوستان آیا۔ کھمبات، سورت، تھانے، کندہ پور، مالا بار، کولم، چنئی، وشاکھا پٹنم، کلکتہ کے ساحلی علاقوں میں اسلام سب سے پہلے پہنچا۔ کیرالہ کے راجہ جمورون کے واقعہ سے براہِ راست اسلامی تعلق کا پتا چلتا ہے۔ محمد بن قاسم ۹۲ھ میں کراچی کے کنارے اترے، کراچی، دیبل ہوتے ہوئے ملتان تک پہنچے اور حکومت اسلامیہ کی طرح ڈالی۔ محمود غزنوی کی کوششیں بھی پے در پے ہوتی رہیں۔ حضور غریب نواز کی آمد سے اشاعت اسلام کا ایک بڑا دروازہ کھلا۔ پھر تو صوفیائے کرام نے وہ دھونی رمائی کہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں دھوم مچ گئی۔ صوفیا کی ساری جماعت سنی حنفی بزرگوں پر مشتمل تھی اور ہے۔

غریب نواز، قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیا، بندہ نواز گیسو دراز، آئینۂ ہند شیخ سراج الدین، مخدوم علاء الحق، مخدوم اشرف جہانگیر، سید سالار مسعود غازی ان سے پہلے مخدوم ماہی، ان سے پہلے حضرت داتا گنج بخش ہجویری، بہاء الدین شاہ ذکریا ملتانی غرض سارے صوفیا، ان کی نسلیں، ان کی شاخیں سب کی سب سنی حنفی ہی تھیں۔

جنوب ہند کیرالا وغیرہ میں سب کے سب سنی شافعی تھے۔ بادشاہوں میں محمود غزنوی، شہاب الدین غوری سے بہادر شاہ ظفر تک تمام حکمراں سنی حنفی ہی تھے۔ دنیا بھر میں سنی حنفی کی تعداد تقریباً تین تہائی ہے۔فوجی عسکری اعتبار سے ایرانی النسل شیعہ یہاں درآمد ہوئے، جو دہلی، لکھنؤ میں آباد ہوئے۔اسلام کی آمد سے لے کر بارہویں صدی ہجری تک ہندوستانی مسلمانوں کا دین وعقیدہ وہی رہا۔ جو صوفیائے کرام کے ذریعے پہنچا تھا۔

اپنی آمد سے لے کر ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ تک غیر منقسم ہندوستانی اسلام سوادِ اعظم اہلِ سنت ہی رہا اور 'ہدایہ' ہی راہِ ہدایت دکھاتی رہی۔ سنہ مذکورہ کے ماہِ ربیع الثانی میں 'تقویت الایمان' لکھی گئی۔ جو رائل اشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے چھپ کر پورے ہندوستان میں تقسیم کی گئی اور یہ برطانوی حکومت کی شہہ پر لکھی گئی اور برطانوی پریس سے طبع ہوکر عام ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت نے ہندوستانی اسلامی وحدت وشوکت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ سرسید نے لکھا ہے کہ ۱۸۲۵ء میں حکومت برطانیہ نے جن ہندوستانی کتابوں کا انگریزی ترجمہ کرا کر لندن سے چھپوائی تھی۔ ان میں 'تقویت الایمان' ساتویں نمبر پر تھی۔

شاہ ابوالحسن زید فاروقی لکھتے ہیں کہ ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان میں وہابیت کا پتا نہیں تھا۔ سب حنفی سنی تھے۔ شیعہ تھے بھی، تو آٹے میں نمک کے برابر، 'تقویت الایمان' سے مذہبی آزادی کا دور شروع ہوا۔ کوئی غیر مقلد ہوا۔ کوئی وہابی بنا۔ کوئی اہلِ حدیث اور سلفی کہلایا۔ احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی نوے فی صدی آبادی حنفی المسلک ہے۔ تقویت الایمان کی وجہ سے لوگ گروہ میں بٹ گئے۔ یہ گروہ یہی وہابی، سلفی، اہلِ حدیث، غیر مقلد، پھر دیوبندی، ندوی، قادیانی ہیں۔

پروفیسر ایوب قادری کے بقول وہابیت انگریز کا کاشتہ پودا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کا ریمارک کچھ یوں ہے۔ قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں ہی اس تحریک کی پیداوار، جسے عرفِ عام میں وہابیت کہا جاتا ہے۔ ثناء اللہ امرتسری یہی لکھتے نظر آتے ہیں کہ امرتسر میں ۸۰/اسّی سال قبل تقریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے۔ جن کو آج کل حنفی بریلوی کہا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے 'کلمات طیبات' میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام علاقوں اور ملکوں کے بادشاہ حنفی ہیں اور یہاں قاضی، مفتی، مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔ نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی یہی لکھا ہے کہ آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور اس مذہب کے عالم

فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے ہیں۔ ان شواہد سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کن کتابوں اور کن لوگوں سے وحدتِ اسلامی پارہ پارہ ہوئی ہے۔ اسلام کو بھاری نقصان پہنچا اور کن لوگوں نے گروہ بندیوں کا آغاز کیا۔ یہ رہی ہندوستان کی مذہبی آزادی کی ایک سرسری صورتِ حال۔

پورنیہ کا منظر نامہ: پورے برصغیر کی طرح پورنیہ میں بھی سنی حنفی مسلمان ہی تھے۔ اسلام کی آبیاری میں، جن بزرگوں نے خون پسینہ ایک کیا، ان کی ایک جھلک یہ ہے۔ مشائخ مہسو شریف، آئینہ ہند شیخ سراج الدین، مخدوم علاء الحق، مخدوم نور قطب عالم، سادات باز پیریا، حضرت بندگی چمنی بازار شریف وغیرہ اور پھر ماضی قریب میں مولینا ظل الکریم بردوانی، علامہ قادر بخش سہسرامی، شاہ حفیظ الدین رحمان پوری، جلالۃ العلم شاہ محمد یوسف رشیدی، شاہ سکندر علی رشیدی، شاہ شرف الدین گانگی وغیرہم علیھم الرحمہ۔

پورنیہ میں شیعیت: پورنیہ میں شیعیت بادشاہ ہمایوں کے زمانہ میں آئی۔ بھوٹانی اور نیپالی پورنیہ پر پے درپے کبھی رہزنی کرتے تھے۔ کبھی حملے کرتے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے ہمایوں نے سید دستور خان کو ایران سے بلایا۔ دستور خان مذہباً شیعہ تھے۔ جنگ جو، بہادر، مدبر شخص تھے۔ سید جلال الدین نے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ جو جلال گڑھ کہلایا۔ ان کو پرگنہ سرجاپور جاگیر میں دی گئی۔ اب یہ خاندان نواب کہلایا اور کھگڑا کشن گنج میں اپنی کوٹھی اور کچہری بنوائی۔ اسی خاندان کے لوگ مرشد آباد میں آباد ہوئے یا پہلے سے آباد شیعوں سے رشتے ہوئے۔ بہت بعد میں اس خاندان کے نواب سید عطا حسین اور سید فدا حسین نے شیعیت ترک کردی اور مذہب اہل سنت اختیار کرلیے۔ شیعوں کا ایک خاندان سٹی پورنیہ میں آباد ہے۔ چوڑی پٹی کشن گنج میں جو شیعہ خاندان ہے۔ وہ بلگرامی سادات کی ایک شاخ، جو شیعہ ہوئی تھی۔ اسی کی نسل سے ایک شاخ کواتھ آرہ، پٹنہ اور کشن گنج میں آباد ہوئی۔ یہ وہاں طبابت کی غرض سے آئے تھے۔ شعروشاعری بھی کرتے تھے۔ آج بھی ہیں۔

پورنیہ میں وہابیت: پورنیہ میں وہابیت بہت بعد میں آئی۔ یہ کوئی دس بیس سال کی بات ہے۔ اب وہ زوروں پر ہے۔ مگر اس سے پہلے وہاں دیو بندیت آئی، جو وہابیت ہی کی ایک زہریلی اور راہ مار شاخ ہے۔ یہ کوئی تیرھویں صدی ہجری کی آخری دہائی تھی۔ چودھویں صدی ہجری نصف اول تک یہ نہایت کمزور دبی کچلی رہی۔ نصف آخر میں اس نے کچھ بال و پر نکالے۔ یہ جنگِ آزادی کا دور تھا۔ باہر سے آئے ہوئے کانگریسی علما سیاست کے پردے میں اپنا مذہب پھیلا گئے۔ اب یہ تمام تریک جٹ ہو گئے ہیں۔ تعلیم، سیاست، لٹریچر اور فلاحی کام ان کے ہتھکنڈے ہیں۔ گاؤں کا گاؤں، شہر کا شہر اور علاقے کا علاقہ نگلتے، پیتے چلے جارہے ہیں۔ بدعقیدگی کی آہٹ ہر جگہ محسوس

ہونے لگی اور اس کا بڑھتے سیلاب نے ہمارے دروازوں تک دستک دینا شروع کر دیا ہے۔
ایسا کیوں ہوا؟ پچھلے چالیس پچاس برس پہلے جو علما وفضلا پورنیہ کمشنری کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج میں فارغ ہوکر آئے۔ ان میں جو زیادہ باصلاحیت تھے۔ عرصۂ دراز تک وہ باہر ہی رہے۔ اپنے علاقہ پر ان کی توجہ نہ رہی۔ کچھ افراد رہے بھی، تو انہیں وہ مالی وسائل فراہم نہ ہو سکے، جو ان کو درکار تھے یا وسائل کچھ نہ کچھ میسر بھی ہوئے۔ مگر ان کا استعمال صحیح رخ پر نہ ہوسکا۔ پچیس تیس برسوں میں فارغ ہونے والے علما کرام کا رخ یکسر باہر کی طرف رہا۔ خطہ سے باہر رہنے والے علما خطے میں سال دو سال میں آتے ہیں، تو وہ دینی موضوعات کی طرف توجہ نہ کر سکے، شادی بیاہ، خرید و فروخت، گھریلو کام کاج نپٹا کر واپس ہو گئے۔ نتیجہ میں میدان خالی رہا۔ غیروں کو کام کرنے کا خوب خوب موقع مل گیا۔ سنی حنفی بکثرت ہوتے ہوئے بھی ان کی سرگرمیاں زیادہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ جن کو یہ بدمذہب، بدعقیدہ کہتے ہیں۔

مدارس کا جائزہ: دارالعلوم مصطفائیہ، چمنی بازار، مجھے معلوم نہیں کہ یہاں کبھی شرح جامی سے آگے تعلیم ہوئی ہو۔ [بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں مشکوٰۃ، ہدایہ تک تعلیم ہوئی ہے۔] حالانکہ رقبہ اراضی اور عمارت کافی وسیع ہے۔ جامعہ بحر العلوم کٹیہار۔ یہاں حضرت ملک العلما کے زمانہ میں دورۂ حدیث تک معیار تعلیم رہا۔ کوئی دس بارہ سالوں تک نہایت پرزور تعلیم ہوئی اور علما فارغ ہوئے۔ بعد میں یہ بھی ثالثہ رابعہ تک کر ٹھہر گیا۔ تنظیم المسلین بائسی ایک تنظیم کی شکل میں وجود میں آئی۔ بعد میں تعلیمی ادارہ بن گیا۔ کچھ سالوں یہاں بھی وہی رابعہ تک تعلیم اچھی خاصی رہی۔ اب بھی ہے۔ [بیچ میں کچھ برس خامسہ تک تعلیم ہوئی] مگر وہ بات اب عطر میں نہیں، جو کبھی پسینہ میں تھی۔ حالانکہ اب یہاں بھی عمارت اور رقبہ زمین بہت وسیع ہے۔ دورہ حدیث تک کی مکمل گنجائش ہو سکتی ہے۔

جامعہ روح العلوم کٹیہار ہم نے نہیں دیکھا۔ غالب گمان ہے۔ یہاں بھی وہی صورتِ حال ہوگی۔ جو مذکورہ اداروں کی ہے۔ الجامعۃ انتظامیہ ملک پور نہایت طمطراق سے وجود میں آیا۔ خامسہ [بلکہ سادسہ تک] تک تعلیم ہوئی۔ پھر رابعہ تک محدود ہو گیا۔ یہاں بھی عمارت اور زمین بے حد وسیع ہے۔ دارالعلوم حنفیہ کھگڑا حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی صاحب کے عہد میں خوب عروج پر تھا۔ خامسہ [وسادسہ تک] تک تعلیم نہایت معیاری تھی۔ قابل طلبہ کی کھیپ کی کھیپ تیار ہو ہو کر باہر نکل رہی تھی۔ اب یہ ادارہ بھی ثالثہ تک رکا ہوا ہے۔ یہاں بھی عمارت ہے۔ بڑا رقبہ ہے۔ بڑا ادارہ چل سکتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد غیب سے ایک مرد قلندر سامنے آیا۔ کنہیا باڑی جنتا ہاٹ کشن گنج میں دارالعلوم اہل سنت قائم کیا۔ زمین فراہم کی، عمارتوں کی قطار لگائی۔ معیار تعلیم کو دورہ حدیث تک

پہنچایا۔ اس ادارہ نے کچھ نہ کچھ تو لاج بچائی۔ یہ کارنامہ ہے حضرت بابا احسان اللہ صاحب کا۔

الجامعۃ الاشرفیہ بہادر گنج ثالثہ ورابعہ سے آگے کبھی نہیں جا سکا۔ ۱۹۹۰ء کے دہے میں پورنیہ شہر میں دار العلوم محمدیہ عربک کالج قائم ہوا۔ شہری سطح پر اس ادارہ نے اچھا اثر چھوڑا۔ فضیلت تک تعلیم بھی ہوئی۔ مگر اب لگتا ہے۔ اس کی اٹھان بھی ڈھلان کی طرف ہے۔ ایک پرانا ادارہ اور مدرسہ لطیفیہ، تکیہ رحمان پور، یہ کوئی سو سالہ مدرسہ ہے۔ مفتی مطیع الرحمٰن کے زمانہ میں اچھی تعلیم تھی۔ پھر تو ثانیہ، ثالثہ کی سیڑھی سے کبھی اوپر اٹھ نہ سکا اور نہ ہی کوئی تعمیری پیش رفت ہوئی۔ سو سال پہلے جیسا تھا۔ سو اب بھی ہے۔ اتر دیناج پور کے مدارس، جہاں میں نہ گیا ہوں۔ نہ دیکھا ہوں۔ مگر یقین ہے، کوئی مدرسہ ثالثہ رابعہ سے اوپر جانے کی جرأت نہیں کیا ہوگا۔

کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، دیناج پور میں مدارس کا حال جیسا بھی ہے، بہت بہتر نہیں ہے۔ تو بالکل بھی گیا گزرا بھی نہیں ہے۔ لیکن ضلع ارریہ کا حال تو بالکل ہی گیا گزرا ہے۔ اس طرف کوئی جھانک کر دیکھنے کو بھی تیار نہیں ہے۔ دس بیس گاؤں میں تو لاکھ دو لاکھ سنی مسلمان ضرور ہیں۔ مگر یہ نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ امید کا ایک ستارہ وہاں ضرور طلوع ہوا ہے۔ مگر یہ ستارہ امریکہ کے افق پر چمک رہا ہے۔ اگر یہ چاہے تو، ارریہ کے تاریک گوشوں کو تاباں درخشاں کر سکتا ہے۔ فوراً سے پیشتر اسے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ یہ تابندہ ستارہ حضرت علامہ محمد منظر الاسلام ازہری ہیں۔ جو امریکہ رہتے ہیں۔ خدا کرے۔ وہ اپنی مٹی سے جڑے زمینی حقائق سے آشنا ہوں۔

پورنیہ کمشنری بشمول دیناج پور پچاس سے ساٹھ لاکھ مسلمان ضرور ہوں گے۔ دسیوں ہزار علما اور بیسیوں ہزار دینی طلبہ ضرور ہوں گے۔ اتنا بڑا ایریا، اتنی بڑی تعداد ہے۔ مگر ایک بھی ایسا ادارہ نہیں، جو تمام دینی تعلیمی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔ ایک ایسا ادارہ، جہاں دار الحدیث، دار الافتا، پندرہ بیس مدرسین، پانچ پندرہ سو یا ہزار طلبہ ہوں، نصاب تعلیم، نظام تربیت اور رہائش وخورد ونوش کا انتظام ایسا باعث کشش ہو کہ طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون علاقہ کا رخ نہ کریں۔ خدا کرے اس خطہ کے علما کرام اس جہت سے کوئی عملی قدم اٹھائیں اور دردمند باشعور عوام اہل سنت ان کا ساتھ دیں۔

دینی کتب: دینی اصلاحی کتابوں، مضامین کی تحریر واشاعت بھی ایک دینی ملی فریضہ ہے۔ اس خطہ میں سیمانچل اور دیناج پور کے علما سست روی کے شکار ہیں۔ ایک تو ہمارے علما لکھتے نہیں۔ اگر کچھ حضرات جان کے بل پر کھیل کر کچھ تحریر کرتے ہیں، تو صحیح ڈھنگ سے اس کی اشاعت نہیں ہو پاتی۔ لاکھوں لاکھ کی آبادی میں ہزار کتاب کی نکاسی میں سالوں لگ جاتے ہیں۔ اس

سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مطالعہ و کتب بینی کا ذوق کس قدر پژمردہ ہے۔ لاکھوں لاکھ روپے، جو جلسوں، کانفرنسوں پر خرچ ہوتے ہیں، کیا ہزاروں کی رقم دینی کتب کی خرید و اشاعت پر نہیں لگائی جا سکتی۔ جبکہ دعوت و اصلاح اور عوامی ذہن سازی میں دینی کتابیں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

ضرورت ہے کہ پورے خطہ میں بھاری تعداد میں کتب خانے قائم کیے جائیں۔ کچھ نو فارغ علما مدرسے کھولنے کی بجائے کتب خانے کھولیں۔ کتابوں کی طباعت و اشاعت اور تجارت کریں۔ جو سنت بھی ہے اور دینی خدمت بھی۔ تاریخ و تذکرہ کے باب میں بھی علماءِ سیمانچل بالکل صفر ہیں۔ انہیں چاہیے کہ علاقائی موضوعات پر کام کریں اور اپنے اسلاف کے نام اور کام کو زندہ تابندہ رکھیں۔ ماضی قریب میں دیکھا جائے، تو جلالۃ العلم قطب العارفین شاہ محمد یوسف علیمی رشیدی نور اللہ مرقدہ خطہ کے سب سے بڑے کثیر التصانیف بزرگ ہیں، قدوۃ الکاملین عمدۃ السالکین شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمان پو، دوسرے بڑے مصنف گزرے ہیں۔ ان دونوں کی تصانیف بہر صورت چھپنی چاہئے، عام ہونی چاہیے۔

صحافت: صحافت عصر حاضر کا ایک موثر شعبہ ہے۔ اس کے ذریعہ ترسیل وابلاغ اور عوامی ذہن سازی کا کام انجام پاتا ہے۔ اس شعبہ میں سنی حلقہ بالکل صفر ہے۔ کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج سے نہ کوئی اخبار نکلتا ہے۔ نہ کوئی پندرہ روزہ یا ماہنامہ شائع ہوتا ہے۔ اتنے بڑے حلقہ کا کوئی ترجمان نہیں، باعثِ حیرت ہے۔ ایسا نہیں کہ پورنیہ میں صحافت نہیں ہوئی ہے۔ میری مراد سنی صحافت سے ہے۔ کوئی نہ کوئی ہفت روزہ، پندرہ روزہ ہی سہی، ہونا چاہیے۔ مدارس والے چاہیں، تو ماہنامہ یا سہ ماہی، ہی سہی، جاری کرنا چاہیے۔ علاقائی موضوعات کے ساتھ ملکی آفاقی موضوعات کو بھی چھونا چاہئے۔ مدارس کے بڑے بڑے بجٹ میں اگر تھوڑی سی گنجائش لاکھ پچاس ہزار کی ہی سہی، لٹریچر اور سنی آرگن اور ترجمان کے لیے نکالنی چاہیے۔

خود باخبر رہیں، دوسروں کو باخبر رکھیں۔ یہ بے خبری اور بے بصری موت کے مترادف ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ آپ جاگ رہے ہیں یا بے حسی کی نیند سو رہے ہیں۔ زندہ ہیں، تو زندگی کا کچھ تو ثبوت دیا کیجئے۔ واضح رہے کہ پورنیہ میں صحافت کا آغاز ۱۹۰۶ء سے ہوا ہے۔ روزنامہ نکلا ہے، ہفت روزہ نکلا ہے۔ پندرہ روزہ بھی جاری ہوا ہے۔ ماہنامے بھی ایشو ہوئے ہیں۔ اردو، ہندی، بنگلہ، انگریزی میں صحافت ہوئی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے۔ اس کے لیے دیکھئے۔ میرا مضمون 'پورنیہ میں صحافت کا آغاز وارتقا۔ ایک تحقیقی مطالعہ'۔ میں تو جھنجھوڑ رہا ہوں ان کو، جو اپنے آپ کو سنی حنفی کہلاتے ہیں۔

پورنیہ میں سیاست: یہ شعبہ آج کی تاریخ میں سب سے بڑا طاقت ور ہے۔ اس شعبہ میں بھی پورنیہ کے جیالے وہ کارنامے انجام دے نہ سکے، جو ان سے متوقع تھے۔ ہمارے علما مدارس قائم کرتے ہیں، تو ان کی اڑان درجہ سوم و چہارم تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ دیتی ہے۔ اسی طرح ہمارے سماجی کارکن اور سیاست دان کی تان مکھیا، سرپنچ اور پرمکھ تک جا کر ٹوٹ جاتی ہے۔ کوئی اگر زیادہ خوش قسمت واقع ہوا۔ ایم ایل اے بن گیا، بس ان کی دوڑ اب بس پٹنہ تک۔ مکھیا جی اور بدھائک جی کیا کرتے ہیں، خدا جانے۔ بنیادی مسائل جوں کے توں ہی رہتے ہیں۔ تعلیم، تجارت، روزگار، سڑک، بجلی، راشن، حکومتی طبی امدادی اسپتال، جہاں دیکھئے، مکھیاں ہی مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ نتیجہ میں جہالت، غربت، بے روزگاری، امراض سے لوگ جوجھ رہے ہیں۔

سیاست کے لیے سیاسی علوم و تجربہ، سماجی علوم و تجربہ، سماجی نفسیات، تاریخی شعور، عصری آگہی، قانونی معلومات۔ پل پل بدلتے حالات کا مطالعہ و جائزہ، عوامی ہمدردی، عوامی ضروریات کی تکمیل، انسانیت سے محبت، خدمت خلق کا وافر جذبہ، ایمانداری، انصاف، وقف ہو کر قوم کے لیے کام کرنا ضروری ہے۔ یہ صفات اس وقت پیدا ہوں گی۔ جب آپ کا سبجیکٹ پولیٹکل سائنس رہا ہوگا۔ جب کوئی یہ سبجیکٹ پڑھا ہی نہ ہو۔ مطالعہ رکھتا ہو، نہ تجربہ رکھتا ہو۔ تو پھر وہ قوم کی خدمت کیا کرے گا۔ نہ اس میں علمی صلاحیت ہوگی، نہ لسانی لیاقت ہوگی، نہ جرأت اظہار حق ہوگی۔ اپنے حقوق کا حصول وہ کبھی نہیں کرسکتا۔ ہاں اتنا ہوگا کہ گھاگ سیاست دانوں کا حاشیہ و بالشتیہ بن کر صرف جی جی اور جی ہاں کرے گا اور اپنا الو سیدھا کرے گا۔ پورا سماج اور اس کے مسائل جائیں بھاڑ میں۔ سیمانچل میں اب تک یہی ہوا ہے۔

کٹیہار کا ایم پی کبھی طارق انور بنتا ہے۔ کشن گنج کا ایم پی کبھی ایم جے اکبر ہوتا ہے۔ پورنیہ کا کوئی اور ہوتا ہے۔ جو ہوائی جہاز سے آتا ہے۔ نوٹ بانٹتا ہے۔ ووٹ لیتا ہے اور پھر دہلی واپس ہو جاتا ہے، پھر کبھی واپس جھانکتا بھی نہیں۔ بھولے بھٹکے کبھی آ بھی گیا، تو صرف سیاسی بازی گری کے لیے۔ سبز باغ دکھانے کے لیے۔ مقامی رہنما ہو، تو مقامی مسائل جان سکے کہ کس کے پیٹ میں کیا درد ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا سماج درد سے کراہ رہا ہوتا ہے اور اس کے لیڈر کو اس کی بھنک بھی نہیں لگتی۔

سیمانچل زراعتی علاقہ ہے۔ غلہ اناج کی پیداوار میں یہ دوسرا پنجاب ہے۔ پچانوے فی صد لوگوں کا انحصار زراعت پر ہے۔ لیکن زراعت کے لیے جو بنیادی سہولت مطلوب ہے۔ وہ سیمانچل کو میسر نہیں۔ نہ بجلی پانی کی سپلائی ہے۔ نہ عمدہ کھاد بیج کا انتظام ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ کوسی،

پروان، کنکئی، مہانندا کے کٹاؤ بہاؤ اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے پورا سیمانچل نڈھال و بدحال ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی ندیاں، حتی کہ سمندر قابو میں کرلیا گیا ہے۔ مگر سیمانچل کی ندیاں شتر بے مہار ہیں۔ پاگل ہاتھی، خوں خوار شیر کی طرح علاقہ کا علاقہ، کھیت کھلیان، دکان مکان سب کو تہس نہس کرتی رہتی ہیں۔ نہ ہمارے لیڈروں نے آواز اٹھائی۔ نہ ریاستی و مرکزی حکومت نے کوئی اسکیم بنائی۔ یہ آواز اٹھائے، تو کون اٹھائے۔ ایم پی تو باہر کا ہوتا ہے اور بدھا ئنک جی لوگوں کو وہ قوت، جرأت، صلاحیت نہیں۔ جو وہ کوئی پرزور احتجاج کرسکیں۔

سیمانچل کا ایک ہی مسئلہ نہیں، گونا گوں مسائل سے یہ علاقہ گھرا ہوا ہے۔ گورنمنٹ کے قانون میں بچہ مزدوری ممنوع ہے۔ مگر سب سے زیادہ بچہ مزدوری سیمانچل میں ہے۔ سیمانچل کے لاکھوں لاکھ بچے ملک کے دوسرے بڑے شہروں میں مزدوری کررہے ہیں اور نوجوان آب کشی کررہے ہیں، خشت زنی کررہے ہیں۔ خون پسینہ ایک کررہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر آنکھوں کا دامن بھر جاتا ہے، ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیمانچل کوئی مزدور کالونی ہے؟۔

ایک مسئلہ ہو، تو اس کا تجزیہ، تصفیہ کیا جائے۔ یہاں مسائل ہی مسائل ہیں۔ اس لیے ہم آواز دیتے ہیں، سیمانچل کے ان جیالے نونہالوں کو جو پٹنہ، علیگڑھ اور دہلی کی یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ ان میں سے کچھ پولیٹیکل سائنس ضرور پڑھیں۔ علاقائی، صوبائی، ملکی سیاسیات کا مطالعہ کریں۔ بصیرت و مہارت اور عملی تجربہ کے بعد سیمانچل کی سیاسی قیادت کا فریضہ انجام دیں۔ دس بیس برسوں میں بہتر نتیجہ سامنے آئے گا۔ کوئی کام اچانک نہیں ہوتا۔ ہر کام کو ہدف اور ٹارگیٹ بنا کر کرنا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ ہر کام کا فائدہ و نتیجہ فوری نکل آئے۔ مثبت سوچ اور دیر پا کام دقت طلب ہے، مگر دیر پا ہوتا ہے۔ دوررس ہوتا ہے۔ مفاد و منفعت سے پرے ہو کر کام کرنا چاہیے۔ زمانہ در زمانہ یاد کرے گا۔ نسل در نسل یاد کرے گی۔

یاد رکھیئے، عزت، شہرت، دولت خدا کی توفیق سے ملتی ہے۔ انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ملتا۔ کسانوں، مزدوروں، غریبوں، بے کسوں، مظلوموں کا خون نہ چوسیئے۔ سماج کو پائیدان بنا کر، انسانیت کی مچان پر بیٹھ کر عیش کوشی نہ کیجئے۔ زرکشی، ذخیرہ اندوزی نہ کیجئے۔ اقتدار کے نشہ سے چور ہو کر سگریٹ کا دھواں نہ اڑائیے۔ خوب یاد رکھئے، میدانِ محشر میں خدائے قہار کو جواب دینا ہے۔

دینی جلسے: پہلے یہ جلسے 'جلسۂ سیرت النبی' اور اجلاس کے عنوان سے ہوتے تھے اور یہ تین روزہ، پانچ روزہ ہفت روزہ ہوتے تھے۔ مقررین، واعظین بھلے اور خداترس ہوتے تھے۔ عوام

وخواص کی اصلاح ہوتی تھی۔ لوگوں میں جذبۂ عمل پیدا ہوتا تھا۔ معاشرہ پاکیزہ اور ستھرا رہتا تھا۔ بچے جوان بے راہ رو نہیں ہوتے تھے۔ عورتیں بے پردہ نہیں ہوتی تھیں۔ اب یہ جلسے کانفرنس میں بدل گئے ہیں۔ سارے مولینا، علامہ اور سارے علامہ مفتی بن گئے ہیں۔ آئے دن جلسے ہوتے ہیں۔ محلّہ محلّہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر ہوتے ہیں۔ باہر سے مقررین یا ئی پلین آتے ہیں۔ گھنگرج تقریر ہوتی ہے۔ خوب نعرے لگتے ہیں۔ اصلاح خاک نہیں ہوتی۔ نہ کوئی کچھ بدلتا ہے۔ نہ کوئی کچھ سمجھتا ہے۔ سرمایہ اور وقت بے دریغ خرچ ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ فائدہ ہوتا ہے۔ تو پھر قوم اصلاح پذیر کیوں نہیں ہوتی۔ مسجدیں کیوں نہیں بھرتیں۔ برائیاں گھٹنے کے بجائے بڑھتی کیوں ہیں۔ شرح بندگی کا ریشو اوپر کیوں نہیں اٹھتا۔ معلوم ہوا۔ یہ جلسے بطورِ فیشن، رسم اور تسکین نفس کے لیے ہوتے ہیں۔ نام ونمود اور شہرت و دولت کے لیے ہوتے ہیں۔ میں جلسوں کا مخالف نہیں، جلسے کیجیے، بامقصد کیجیے، مفید و مؤثر کیجیے۔ دینی خدمت سمجھ کر خدا اور رسول کی رضا جوئی، اخروی سامان سعادت کے لیے کیجیے۔ بچوں اور جوانوں کو دھما چوکڑی سے باز رکھیے۔ عورتوں کو بے پردگی، بے حیائی سے بچائیے۔ عبدیت وعبودیت کا ثبوت دیجیے۔ نعت خواں حضرات نعت خوانی کو جس طرح فیشن بنا رہے ہیں۔ انہیں اس فیشن پرستی سے روکیے۔ آدابِ نعت کا خیال رکھیے۔ خوب خیال رکھیے، خدا اور رسول کی ذرا سی خوشنودی دنیا کی ساری شہرت و دولت سے زیادہ بہتر اور بڑھ کر ہے اور یہی مقصود اصلی ہے۔

پیروں کے دورے: سیمانچل بشمول دیناج پور میں پیروں کے دورے ہوتے رہتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پیر علاقہ میں موجود ہوتا ہے۔ اتنے دورے ہوتے ہیں۔ لگتا ہے دورہ پڑ جائے گا۔ مگر خانقاہی نظام کے اثرات جو ماضی میں تھے۔ ان کا عشر عشیر بھی آج نہیں ہے۔ سیمانچل کوئی چراگاہ نہیں، نرم چارہ نہیں کہ صرف چرا جائے، چگا جائے، وہاں کے کچھ مسائل بھی ہیں۔ ضروریات بھی ہیں۔ ان کی طرف دھیان نہ کوئی مقرر دیتا ہے۔ نہ پیر دیتا ہے۔ بس آندھی بن کر آئے، طوفان بن کر گزر گئے۔ کوئی مقرر یا کسی پیر نے آج تک اس خطہ میں نہ کوئی مسجد بنائی، نہ کوئی ادارہ قائم کیا۔ نہ کوئی تنظیم وتحریک چلائی۔ نہ کوئی مضبوط خانقاہی نظام برپا کیا۔ روحانی اثرات وتاثیرات سے ہمیں انکار نہیں۔

مگر علاقائی مسائل و معاملات اور ضروریات سے ہم آنکھیں بند نہیں کرسکتے۔ سیاسی لیڈروں نے جس طرح خطہ کو ووٹ بینک بنا رکھا ہے۔ اسی طرح مقرروں، پیروں نے بھی خطہ مذکورہ کو مرید بینک اور تقریر بینک بنا کر رکھا ہے۔ نہایت ادب وخلوص سے ہم گزارش کریں گے۔ حالات کی

نبض پہ ہاتھ رکھ کر وہاں مضبوط ادارے قائم کریں۔ پیرِ طریقت مولینا سید جلال الدین پھوپھوی نے پنڈوہ شریف میں ایک زبردست ادارہ قائم کیا ہے، جو اور پیروں کے لیے نمونہ ہے۔

میری یہ گزارش ہے کہ آپ مسجدیں بنوائیں۔ تنظیم وتحریک چلائیں۔ اسکول کالج، اسپتال کھولیں۔ طبی امداد، کفالت بیوگاں، جوان بچیوں کی شادی، غریب طلبہ کی مالی سرپرستی، لاوارث غریب خاندانوں کی خانگی ضرورت کی تکمیل کی اسکیمیں بنائیں اور چلائیں۔ علمی، تعلیمی روحانی تربیت کریں۔ حلقہ ذکر قائم کریں۔ اطفال، طبقہ نسواں کی بہتری کے لیے تجاویز پاس کریں۔ ہوس پرستی، مال پرستی، خود غرضی، گھریلو جھگڑے، آپسی چپقلش، زمین جائداد کے مقدمات، شادیوں میں اصراف، بغض، حسد، جلن، غیبت، چغلخوری، بدعملی، بدکرداری، فحش گوئی، فالتو گوئی، فالتو وقت گزاری، آپسی تنازعات سے بچنے کی سخت تاکید کریں۔

نماز کا پابند بنائیں، روزے رکھوائیں۔ زکوۃ ادا کروائیں، عشر نکلوائیں، میل محبت کا ماحول قائم کروائیں۔ اپنے مریدوں کو لے کر ہر وقت کی نماز محلّہ کی مسجد یا بستی کی مسجد میں ادا کریں۔ وہیں تھوڑا نکال کر دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتربیت کا کام کریں۔ فجر اور عشا میں کثیر مجمع اکٹھا کریں۔ وہیں تقریر شروع کردیں۔ تقریری انداز نہ ہو، وعظ ونصیحت کا پیرایا اپنائیں۔ سارا فیض بیٹھک، گھر اور قیام گاہ میں ہی نہ لٹائیں۔ سیمانچل ہی نہیں، پورے ملک میں، بستی بستی، گاؤں گاؤں، شہر شہر اگر پیران کرام روحانیت سے بھرپور یہ تربیتی خانقاہی نظام برپا کریں۔ تو اہل سنت میں اچانک ایک خوشگوار انقلاب آجائے گا۔ انشاء اللہ

ایک ضروری بات یہ کہ پیر کی جگہ دیوان خانہ، مردان خانہ، بیٹھک ہے۔ نہ کہ زنان خانہ، شرعی سماجی اخلاقی کسی طرح درست نہیں کہ پیر زنان خانہ میں قیام کرے۔ سوئے، بیٹھے، نہ عورتوں کو قریب بٹھائے۔ نہ ان کے سروں پر ہاتھ رکھے اور نہ ان کے بیچ بیٹھ کر گپ شپ کرے۔ یہ قطعی جائز نہیں۔ پیر اور مریدہ کا رشتہ بلاشبہ غیر محرم کا ہے۔ تو پھر یہ خلط ملط کیوں؟۔ جب خود نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم، جو پیرِ پیراں، میرِ میراں، امیرِ کاروانِ اسلام، قائدِ انقلابِ اسلامی، فتح بابِ نبوت، ختم دورِ رسالت ہیں۔ نہ بے محابا عورتوں میں گئے، نہ بیٹھے، نہ ان کو سامنے آنے دیا۔ تو پھر آج یہ پیروں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اس نکتہ کو سمجھئے اور سعادت دارین حاصل کیجئے اور ہاں۔ پیرانِ کرام، خطباءِ عظام اور ائمہ مساجد عورتوں کو روکیں، جلسوں میں جانے سے، عرسوں میں شرکت کرنے سے، بازاروں اور بھیڑ بھاڑ والی جگہوں سے۔ پیرانِ کرام روحانی پیشوا ہیں، خطبائے عظام مذہبی پیشوا ہیں۔

ائمہ مساجد معاشرہ کی جان ہیں۔ ہر طبقہ اپنی شرعی ذمہ داری پوری کرے۔ بنیادی

موضوعات پر گفتگو کریں۔ لفاظی اور ہوائی فائرنگ نہ کریں۔ وضو، نماز، طہارت، نجاست، بچوں کی تربیت، نوجوانوں کی اصلاح، سماجی برائیوں کا خاتمہ، اولاد کی تعلیم، آپسی میل جول، اخوت ومحبت، رواداری ومساوات، عدل وانصاف، اصولِ شرع کی پاسداری، بیع وشرا کے مسائل، رزقِ حلال کی تلاش، صدق مقال کی تاکید، جھوٹ، غیبت، حسد، بغض کی تباہ کاریاں، نماز وتلاوت کے فضائل، نماز چھوڑنے کی سزا، قربِ قیامت کی نشانیاں، قبر وحشر کی ہولناکیاں، تصور آخرت کا گہرا شعور، بے پردگی کی سزائیں، تعلیم، تجارت، تبدیلی، ترقی، تعمیرِ انسانیت، بگڑے سماج کی تشکیلِ جدید، خدا کی طرف پلٹ آنے کی دعوت، سیرت النبی، سیرتِ صحابہ، سیرتِ صحابیات، سیرتِ بزرگانِ دین، خلفاءِ راشدین کے زریں اخلاقی اصول، ان کی عبادتوں کے انداز وغیرہ جیسے عنوانات پر بھرپور مطالعہ کرکے مؤثر اسلوب، ناصحانہ مصلحانہ لہجہ میں دھیرے دھیرے، ٹھہر ٹھہر کر مثالوں سے سمجھا کر گفتگو کریں۔ یہی آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ ملی مذہبی فریضہ ہے۔ ہر جگہ بے موقع، بے محل ردوتعاقب نہ کیا کریں۔ تنفر نہ پھیلائیں۔ حسنِ تکلم سے عمدہ تاثر پیدا کریں، ہاں جب موقع ہو برمحل بولیں۔ برجستہ رد کریں۔ ایک ماہر وکیل کی طرح جرح بھی کریں۔ حاذق حکیم کی طرح جراحت بھی کریں۔ مگر انداز پھوہڑ نہ ہو، مؤثر ہو۔ ہمدردانہ ہو۔ تاکہ اصلاح واظہارِ حق ہو۔

حاصلِ کلام

دینی دعوت کا آغاز وارتقا: پانچویں صدی ہجری میں یہاں اسلام آیا۔ صوفیا اور مشائخ نے کام کیا۔ چھٹی اور ساتویں ہجری میں سہروردی بزرگوں نے یہ دعوت عام کی۔ ساتویں آٹھویں ہجری میں چشتی نظامی اکابر نے یہ تحریک خوب پھیلائی۔ نویں دسویں ہجری میں اس دعوت کی باگ ڈور سادات بازبیر، سادات مرزادپور کے ہاتھوں آئی۔ گیارہویں صدی ہجری میں یہ پرچم حضرت بندگی چمن بازار نے بلند کیا۔ فوجدارانِ پورنیہ اور نوابین انہیں کے دامن گرفتہ تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں یہ کام شاہ حفیظ الدین رحمان پوری نے آگے بڑھایا۔ تیرہویں صدی ہجری میں یہ قیادت علامہ ظل الکریم بردوانی اور علامہ قادر بخش سہسرامی نے سنبھالی۔ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں اس قیادت کا سہرا شاہ محمد یوسف رشیدی کے سر رہا۔ نصف آخر کی نمائندگی شیخ الاسلام ضیغم الملت زعیم العلما شاہ غلام محمد یسین رشیدی نے کی اور بھرپور نمائندگی کی۔

اور اب یہ نمائندگی وترجمانی کئی حضرات کے سر ہے۔ نصیر ملت شاہ محمد نصیر الدین چنامنا نے اپنی جولانگاہ اپنے علاقہ کو بنایا اور خوب کام کیا۔ علما کی فوج تیار کی۔ مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی شمس

العلما بن کر ملک کے آفاق پر چمکتے رہے۔ با صلاحیت علما کی ٹیم قوم کو دی۔ علامہ خواجہ خواجہ مظفر حسین رضوی امام علم وفن بن کر آفاق عالم پر چھا گئے۔ قابل ترین علما و فضلا کے قافلے تیار کئے۔ حضرت مفتی محمد عبید الرحمن رشیدی سقراطِ عصر ہیں، بقراطِ دہر ہیں۔ وقت کے رازی و غزالی بھی ہیں۔ سارے ملک میں ان کے کارنامے پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی فقیہہ النفس ہیں، مناظرِ اہلِ سنت ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ گنگا جمنا کی طرح بہتا ہوا ہے۔ پھیلتا ہوا ہے۔ خانقاہ و مدرسہ تکیہ رحمان پور کو استحکام انہی نے بخشا۔ دار العلوم حنفیہ گھگرا کی مرکزی حیثیت انہی کے دم قدم سے قائم ہوئی۔ جامعہ نوریہ شیام پور مالدہ میں قائم کیا۔ اور اب کشن گنج میں زمین کا بڑا رقبہ لے چکے ہیں۔ تعمیری کام جاری ہے۔ حضرت مفتی حسن منظر قدیری اپنی گونا گوں صفات میں منفرد ہیں۔ تعلیم، تحریر، افتاء، شاعری، ہر طرح کی خدمت ہے۔ حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی جواب خدا کو پیارے ہو گئے، خدا ان کے مرقد پر رحمت و غفران کی بارش برسائے، مفکر اسلام بن کر ایشیا سے افریقہ تک پھیل گئے تھے۔ تدریس و فتوی نویسی کا لوہا ملک سے منوایا۔ خطابت کا جوہر، زباندانی کا شعور ہر ایک کو مسلم تھا۔

انجمن اسلامیہ کشن گنج قائم شدہ ۱۹۰۷ء ہماری تھی۔ یہ پورے بہار کی سب سے پہلی انجمن تھی، لیاقت حسین مختار نے قائم کی تھی۔ آج وہ ایک مضبوط مالدار تعلیمی ادارہ ہے۔ غیروں کے قبضہ میں ہے۔ انجمن اسلامیہ پورنیہ یہ بھی ہماری تھی۔ لائن بازار کی خزانچی مسجد ہماری تھی۔ آج سے بیس سال پہلے ہمارا امام تھا۔ دار العلوم لطیفی کٹیہار ہمارا تھا۔ زمین اور سارا سرمایہ اہلِ سنت کا لگا تھا۔ کٹیہار میڈیکل کالج، اسپتال کا سربراہ کٹیہاری نہیں، ڈاکٹر سید حسن نے کشن گنج میں 'انسان اسکول' قائم کیا۔ تعلیمی انقلاب برپا کیا۔ یہ بھی کشن گنجوی نہیں۔ کشن گنج میں 'مرواڑی کالج' ہے۔ زمین، علاقہ، اساتذہ، طلبہ سب کشن گنج کے اور کشن گنج میں مرواڑی دو فیصد بھی نہیں، مگر کالج ان کے نام کا۔ بہادر گنج میں جو کالج ہے۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ نام 'نہرو کالج'۔ نام وام سے ہمیں کوئی غرض ہے، نہ اعتراض، کام تو ہمارا ہی ہوتا ہے۔ فائدہ تو ہمیں کو ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سیمانچل کے علما اور دانشور نے آخر کیا کیا۔ یہ ہوش کا ناخن کب لیں گے۔ بیدار کب ہوں گے اور وقت کی رفتار کا ساتھ کب دیں گے۔

حالات کی نبض بیٹھ رہی ہے اور یہ سو رہے ہیں۔ بس یہ بہت تشویشناک امر ہے۔

یہ تو بہت پہلے ہونا تھا۔ خیر کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ مسلم یونیورسٹی کی شاخ ہزار دقتوں کے بعد کشن گنج میں بن رہی ہے۔ حالیہ اخباری رپورٹ کے مطابق سنٹرل گورنمنٹ نے ملک بھر میں پانچ یونیورسٹیوں کی تجویز پاس کی ہے۔ ان میں ایک سیمانچل میں بننے والی ہے۔ یہ حوصلہ افزا بات ہے۔ ان دو اداروں سے وہاں کی شرح خواندگی یقیناً بڑھے گی۔ تدریسی و غیر تدریسی

اساتذہ وعملہ کی ہزاروں کی تعداد میں بحالی ہوگی۔ تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کا مسئلہ بھی حل ہوگا۔ جہالت پس ماندگی پسپا ہوگی۔ بے کاری اور بے روزگاری اپنی موت آپ مرے گی۔

جب سے بعض مدارس کا الحاق مدرسہ بورڈ پٹنہ سے ہوا ہے۔ مدارس کے جسم سے تعلیمی روح نکل گئی ہے۔ کسی بھی مدرسہ میں باقاعدہ تو دور کی بات، بے قاعدہ بھی تعلیم نہیں ہوتی۔ جب ان مدارس میں ملازمت کرنے والے سب نہیں مگر اکثر علما جھوٹ بولیں۔ رشوت دیں اور لیں، تو پھر دین کا خدا حافظ، سیمانچل میں ضرورت بھر اسکول کالج موجود نہیں، خال خال دور دور جو بھی ہیں۔ ان اسکولوں اور کالجوں میں بھی تعلیم و تدریس کا کوئی سسٹم نہیں۔ بنچ، تپائیاں، مرثیہ خواں ہیں۔ کلاس روم میں گرد جمی ہے۔ نتیش کمار حکومت نے آنگن واڑی، بال واڑی کھلوائی ہے۔ کھان پکوان، کھچڑا، سواری ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی ہے۔ مگر معاملہ وہی ڈھاک کے تین پات، کھچڑا اور پکوان کے نام پر جو گرانٹ آتی ہے۔ ان کا ایک آنہ استعمال ہوتا ہو، تو ہوتا ہو۔ بقیہ رقم کہاں ہضم ہوتی ہے۔ خدا معلوم۔ آنگن واڑی، اسکول، کالج سے لے کر مدارس تک یہی حال ہے۔ غیر مسلم اساتذہ وانتظامیہ سے گزارش ہے۔ کھانا ہے، تو کھائیں، مگر حسن کارکردگی کا مظاہرہ بھی تو کریں۔ پڑھائیں بھی تو۔ تب نا دیش ترقی کرے گا۔ مسلم اساتذہ وانتظامیہ سے مؤدبانہ گزارش ہے۔ ذرا اپنا ضمیر کو جگائیں۔ آپ حیوان و جانور یا کنکر پتھر نہیں، کہ بعد موت کچھ نہیں ہوگا۔ آپ انسان ہیں، وہ بھی مسلمان اور اشرف المخلوقات۔ امانت وصداقت آپ ہی کا وصف ہے۔ اپنی ذمہ داری اور دیانتداری کا ثبوت دیں۔ طلبہ کی زندگی سے کھلواڑ نہ کریں۔ قومی سرمایہ کا استحصال نہ کریں۔ خوب یاد رکھیں۔ کل قیامت میں کڑا سوال ہوگا۔ آپ کو جواب دہ ہونا ہوگا۔

عصری تعلیم یافتہ افراد: دین کی فکر اور ملت کی بقا، یہ صرف علمائے دین کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری ملت کے ہر فرد کی ہے۔ اپنے آپ اور دین وملت کا مسئول ہر شخص ہے۔ عصری تعلیم یافتہ افراد، جو معاشی اعتبار سے قدرے بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے، ہر کام علمائے کرام کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ یہ بہر صورت بہتر ہے، نہ مناسب ہے۔ یہ افراد گورنمنٹ کی ملازمت کرتے ہیں یا پھر اچھی تجارت اور کاروبار کرتے ہیں یا پھر سیاسی سماجی کارکنان بنتے ہیں۔ لیکن جتنی فکر وہ اپنی ملازمت، تجارت یا سیاست کے بارے میں کرتے ہیں، اتنی فکر دین، ملت، امت، جماعت کے تعلق سے نہیں کرتے۔ بہت سے افراد پٹنہ، علی گڈھ، دہلی کی یونیورسٹیوں، کالجوں میں پڑھاتے ہیں اور خوشحال زندگی گزارتے ہیں۔ یہ اگر ان اداروں میں زیر تعلیم سیمانچل کے طلبا کی یونین بنادیں، خود ان کی سرپرستی کریں اور انہیں دین ومذہب اور ملک ووطن کی خدمت کے لیے تیار

کریں۔ عملی تجربہ کرائیں۔ کچھ فنڈ لگے، تو لگائیں بھی۔ کچھ جیبِ خاص سے، کچھ پبلک ڈونیشن سے، تو بہت سارا کام سرانجام پا سکتا ہے۔ یہی نوجوان، جن کے ہاتھوں میں آنے والا وقت ہے۔ پہلے سے تیار رہیں گے۔ ذہن سازی اور عملی تجربہ ہو کے رہے گا۔ تب وہی کل ہمارے سپاہی، سالار، سپہ سالار بن جائیں گے۔ پتھر جب تک پتھر ہے، خس و خاشاک کی مثل ہے۔ جب ذرا شیپ، شکل دے دی گئی۔ تراش خراش کر دی گئی۔ تو پھر وہ شوروم، نگار خانہ کی زینت بن جاتا ہے۔ سیمانچل کے ٹیچرس، لکچرز، پروفیسرز، ڈاکٹرز اور بیرسٹرز اس نکتہ پر غور کریں۔ یہ کام وہ مذہبی فریضہ، دین و شریعت کی خدمت سمجھ کر کریں اور ضرور کریں۔ ایک آدھ عشرہ میں بھاری تبدیلی پیدا ہوگی۔

جو افراد تجارت یا کاروبارِ سیاست سے وابستہ ہیں۔ وہ بھی کارِ دین سے لا پرواہ نہ ہوں۔ اپنے اپنے دائرہ اثر و رسوخ میں اپنی ملی مذہبی ذمہ داری کا ثبوت دیں۔ یاد رہے۔ اکیلے خوش رہنا، خوش حال ہونا، بازار سیاست کا کھنکتا سکہ بن کر چمکتے رہنا۔ کامیابی نہیں، معیارِ زندگی نہیں، کامیابی جب ہے کہ آپ دین پر عمل کریں، دین کو چمکائیں۔ ملت کو چمکائیں۔ وطن و ملک کو چمکائیں۔ آپ خوش حال رہیں۔ معاشرہ نڈھال رہے۔ سماج و سوسائٹی زبوں حال رہے۔ پھر یہ خوش حالی کس کام کی۔ یہ مالداری اور سرمایہ کاری کس مرض کی دوا ہے؟ یہ سیاست کی گرم بازاری یا کالا بازاری کس بات کی۔ ارے ہم چودھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے تپتے ماحول میں جیتے ہیں۔ تھوڑی سی مسلمانی۔ اس میں بھی آنا کانی۔ یہ کیا تک کی بات ہے؟۔

اسلام کا شورائی نظام: مذہب اسلام شورائیت پسند ہے۔ اس کی فطرت میں اجتماعیت ہے۔ وحدت و اتفاق ہے۔ نبی کریم، خلفاءِ راشدین، صحابۂ کرام کی سیرت میں یہ نمونہ جلی خط میں موجود ہے۔ زمان و مکان کی دوری نے ہمیں بہت دور پھینک دیا ہے۔ نہ شورائیت ہے، نہ شورائیت پسندی، نہ اجتماعی قوت ہے، نہ اتحاد و اتفاق کی رمق، ہم بکھر گئے ہیں۔ ٹوٹ پھوٹ کر چیتھڑے چیتھڑے ہو گئے ہیں۔ شوکت، سطوت، ہیبت، رعب و داب سب ہم سے روٹھ گیا ہے۔ نتیجہ میں ذلت، خواری، بے وزنی، نکبت، ادبار ہمارا مقدر بن گیا ہے۔ اگر عظمتِ رفتہ اور شوکتِ برگشتہ کی بازیابی چاہیے۔ ملک و ملت میں باوقار زندگی چاہیے۔ تو ہمیں اسلام کا شورائی نظام واپس رائج کرنا ہوگا۔ اجتماعی ذہن پیدا کرنا ہوگا۔ بکھرے خوشے چن چن کر خالی کھلیان بھرنا ہوگا۔ تنکے چن چن کر آشیانہ پھر سے تعمیر کرنا ہوگا۔ بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے حرم بلانا ہوگا۔

یہ بہت پتہ ماری کا کام ہے۔ دقت طلب اور دشوار کن کام ہے۔ مگر بگڑے حالات کے ہاتھوں اپنے آپ کو حوالہ کر دینا، نہ عقلمندی ہے، نہ دانشمندی۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ ٹوٹے

شیشوں، بکھری کرچیوں کو جمع کر کے دوبارہ پگھلا کر پھر آئینہ ڈھالنا ہوگا اور یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں۔ آئینہ سازی اور حنابندی ہنر مند ہی کرتے ہیں۔ ہنر مند، دردمند افراد ملت یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔ دیکھئے۔ موسم خزاں میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ موسم بدلتے ہی پھر سے نئے برگ و بار آجاتے ہیں۔ بدلتے موسم کے حساب سے پرندے نئے نئے نشیمن بناتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ اسلامی نظام بار بار بکھرا ہے، دینی شیرازہ منتشر ہوا ہے۔ پھر سے یکجا ہوگیا ہے۔ مجتمع ہوگیا ہے۔ تلخ حالات سے مایوس نہ ہوں۔ مایوسی کے بطن سے امید و یقین کا سورج طلوع ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی ذات سے امید ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ بکھری قوت، ٹوٹی شوکت پھر سے بحال ہو جائے۔ ہم یکجا و متحد ہو جائیں۔ وقت کی پکار ہے کہ ہم منظم و مجتمع ہو جائیں۔ پنچایت، تحصیل، ضلع اور ملکی سطح پر ہم ایک ہو جائیں۔ ایک پرچم تلے جمع ہو کر اپنا کام شروع کر دیں۔

تنظیمی ڈھانچہ: ایک کہاوت ہے۔ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ اس پر غور کیجئے۔ ریت، کنکر، پتھر، تنکا، جب یہ الگ الگ ہے۔ پاؤں کی ٹھوکر میں ہے۔ جوتیوں کی نوک پر ہے۔ جب یہ یکجا ہوتے ہیں۔ تو ریت تودہ بن جاتی ہے۔ کنکر پتھر سے دیوار اور پہاڑ بنتا ہے۔ تنکا آشیانہ بن جاتا ہے۔ ہمارے علاقہ میں یہ کہاوت بہت رائج ہے۔ دس کی لاٹھی، ایک کا بوجھا۔ بلا تمثیل دیناج پور والوں سمیت اہل سیماچل سے سفارش کروں گا کہ وہ تنظیم قائم کریں۔ بستیوں کو پنچایت، پنچایت کو تحصیل سے اور تحصیل کو ضلع سے جوڑ دیں۔ ہر سطح کی کمیٹی بنائی جائے۔ نیچے والی کمیٹی اوپر والی کمیٹی کی اطاعت کرے اور مرکزی کمیٹی، جو ضلعی ہوگی۔ وہ سب کی قیادت کرے۔ افراد کو خانوں میں تقسیم کیا جائے۔ جو جس پوزیشن کے ہوں۔ ان سے اسی طرح کام لیا جائے۔ مثلاً علما کی الگ تنظیم ہو، دینی طلبہ کی الگ تنظیم ہو۔ اسکول کالج کے طلبہ کی الگ تنظیم ہو۔ عوامی سطح کی الگ کمیٹی ہو۔ تجارت پیشہ اور ملازمت پیشہ افراد کی الگ کمیٹی ہو۔ یہ کمیٹی سرمایہ کی فراہمی میں ہمدردانہ رول ادا کرے۔ غور و فکر کر کے باہم رائے مشورے سے نہایت خلوص و خاکساری سے کام کیا جائے۔ پھر آگے کی راہیں خود بہ خود روشن ہوتی رہیں گی اور طرح طرح کا کام ہوتا رہے گا۔ کوئی کمیٹی مدارس کا خیال رکھے۔ کوئی کمیٹی مساجد کی دیکھ بھال کرے، کوئی کمیٹی دینی عصری غریب طلبہ کی اسکالرشپ جاری کرے، کوئی کمیٹی حفظان صحت کا شعبہ سنبھالے۔

کوئی کمیٹی یتیم و بیوہ کی کفالت کی کوشش کرے، کوئی کمیٹی جوان بچیوں کی شادی کا انتظام کرے۔ کوئی کمیٹی جلسے جلوس، گیارہویں، بارہویں کا پروگرام، کوئی کمیٹی لائبریری اور اسٹڈی سرکل قائم کرے، کوئی ادبی ذمہ داری سنبھالے، کوئی کمیٹی لٹریچر شائع کرے، کوئی کمیٹی اخبار جاری کرے،

کوئی کمیٹی سیاسی امور دیکھے۔ غرض ہر طرح ملی مذہبی رفاہی فلاحی کام کیا اور کرایا جائے اور مل جل کر کام کرنے کی ذہنیت کو سراہا جائے۔ مفت خوروں، کمیشن خوروں، تخریب کاروں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ ایسے عناصر نے ہر مقام کے سماج کو کھوکھلا کمزور کر کے رکھ دیا ہے۔ برائیوں کا خاتمہ اور جرائم کا سدِ باب ہونا چاہئے۔ نیکیوں کا فروغ اور اچھائیوں کا عروج ہونا چاہئے۔ جہیز کے ناسور کو ختم کیجئے۔ طلاق کے معاملات کو حسن تدبیر سے نپٹایئے۔ دھیان رکھئے۔ کوئی گھر اجڑنے نہ پائے۔ زمین جائداد کے جھگڑے اور مقدمہ بازیوں سے ہر حال میں پرہیز کیجئے۔ سودی لین دین اور رشوت کی کالا بازاری سے ایسے بھاگئے، جیسے شیطان اذان سن کر بھاگتا ہے۔

وطن سے باہر جو لوگ رہتے ہیں۔ مثلاً کلکتہ، پٹنہ، دہلی، پنجاب، گجرات، مہاراشٹر، حیدرآباد، بنگلور وغیرہ میں، ہر شہر میں وہ سب مل کر اپنی تنظیم بنائیں۔ جس میں علما، طلبہ، تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ، مزدور اور مالک وسیٹھ سب شامل ہوں۔ لاکھوں لاکھ لوگ مختلف شہروں میں قیام پذیر ہیں۔ روزی روٹی کماتے، کاروبار کرتے ہیں۔ گھر سے وہ بے گھر ہیں۔ پردیس میں مسائل بڑھ جاتے ہیں، خصوصاً کاروباریوں کے اور جن مزدوروں کے۔ پھر یہ کہ باہر آ کر بچے اور جوان بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حیات، موت، دکھ درد، بیماری و علاج، لین دین کے معاملات اور بہت کچھ مسئلے کبھی بگڑ جاتے ہیں۔

اس طرح کے مسائل و معاملات کا حل مذکورہ تنظیم کرے۔ خدمت خلق کیجئے۔ پیام انسانیت عام کیجئے۔ مظلوموں کی دادرسی کیجئے۔ دکھیاروں کا آنسو پونچھئے۔ مذہب کی وفاداری اور شریعت کی پاسداری کیجئے۔ جماعت اہل سنت کے مرکزی دھارے اور مرکزی تھیم سے بالکل مضبوطی سے جڑے رہئے۔ زکوۃ بہر صورت ادا کیجئے۔ صدقات و خیرات کی عادت ڈالئے۔ یہ بلاؤں کو ٹالتی ہے۔ اپنی پاک کمائی کا کچھ حصہ اپنے غریب محتاج ضرورت مند بھائی بہنوں پر ضرور خرچ کیجئے۔ عثمان بنئے، قارون نہ بنئے۔ یاد رکھیئے۔ تنظیم قائم کرنا ہر گز نہ بھولئے۔ یہ ایک ایسی قوت مؤثرہ نافذہ ہوگی۔ جس کے بہت سے فوائد واثرات اور مفادات ومصالح ظاہر ہوں گے۔

☆☆☆

[۱]
خامہ ٔشمس کی حکمرانی

دعائیہ کلمات

وارث علوم امام احمد رضا، جانشین مفتی اعظم ہند، فاتح عرب وعجم

تاج الشریعہ حضرۃ الشاہ اختر رضا قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ

زیب مسند ارشاد وہدایت، بریلی شریف

ادارہ افکار حق کے زیر اہتمام اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی [اور اعلیٰ حضرت پر] کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہونا بڑا خوش آئند اور مسرت افزا ہے۔ میں نے چند کتابیں اس ادارے کی دیکھیں۔ جس سے بڑی خوشی ہوئی۔ اس سلسلے کے دوام وارتقا کے لیے اہل سنت کا تعاون ازبس ضروری ہے۔ مولائے کریم توفیق بخشے اور ناظم ادارہ وارا کین ومعاونین کو برکتوں سے نوازے، آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فقیر محمد اختر رضا خان ازہری قادری غفرلہ

....

ممتاز الفقہا سلطان الاساتذہ محدث کبیر جانشین صدر الشریعہ

حضرت علامہ شاہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی

بانی وسربراہ اعلیٰ جامعہ رضویہ امجدیہ گھوسی، مئو

مولانا غلام جابر شمس رضوی مصباحی اپنی شائستہ تحریروں میں ایک ماہر قلم کار نظر آتے ہیں اور حقائق کی تفتیش وجستجو میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ مزاج میں نرمی ہے اور قلم میں سرگرمی ہے۔ آپ نے امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے چند مخصوص کارناموں پر کئی مفصل کتابیں تالیف کی ہیں۔ اس وقت انہوں نے اپنی تازہ ترین تصنیف کا مبیضہ بنام 'سفر نامہ اعلیٰ حضرت' تقریظ کے لیے مجھے پیش کیا۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر میں اس کے چند صفحات ورق گردانی کر کے سرسری نگاہ سے جائزہ لیا۔ کتاب کے انداز بیان میں ندرت اور لسانی چاشنی پیدا کرنے ساتھ آپ نے واقعات کی تفتیش وتحقیق کی پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

قطب الاقطاب رئیس الاولیا

حضرت سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ لنگوٹ بند خراسانی ثم پورنوی قدس سرہ العزیز

از قلم: حضرت مفتی محمد ظہور حسن رضوی

[نوٹ: حضرت قطب الاقطاب خراسان سے براہ خلیج بنگال [کلکتہ] آج سے قریب چھ یا سات سو برس پہلے ہندوستان تشریف لائے اور قدیم پورنیہ کے ایک غیر معروف علاقہ موضع جلکی میں قیام پذیر ہوئے۔ جلکی انہی کی نسبت سے جلکی شریف کہلایا۔ جلکی شریف ضلع کٹیہار میں بارسوئی اسٹیشن سے پورب چار پانچ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ آل رسول ہیں اور سہروردی سلسلہ کے معروف و مشہور بزرگ ہیں۔ تاحیات آپ غیر شادی شدہ رہے۔ اس لیے 'لنگوٹ بند' کہلائے۔ ننگی تلوار ساتھ ہونے کی وجہ سے 'تیغ برہنہ' سے بھی معروف ہوئے۔ خونخوار جنگلی جانور، حتی کہ شیر نرو ببر بھی آپ کے مطیع و فرمابردار اور آپ کی حفاظت پر مامور و متعین رہے۔ دیکھنے والے بوڑھے بزرگ افراد آج بھی یہ روایت بکثرت بیان کرتے ہیں۔

قریب کی بستی رسل پور کا غیر مسلم راجہ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ اسی راجہ نے آپ کو قریب پچاسی بیگہ زمین نذر پیش کی تھی۔ وقف کی تحریر تانبے کے پتر پر مرقوم تھی۔ ۱۹۳۰ء میں قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قدیم پورنیہ کی تاریخ لکھنی شروع کی، تو مزارات اولیا، سادات کرام، تمام دیار کے قلعہ جات و کھنڈرات کو بچشم خود جا جا کر دیکھا اور چھان بین کر کے ثقہ مواد جمع کیا۔ اسی سلسلۂ تلاش و تحقیق کے وقت حضرت قطب العارفین جلکی شریف بھی تشریف لے گئے اور کئی روز قیام کیا۔ مزار پر انوار کی زیارت کی۔ صاحب مزار کی قوت تصرف اور کمالات و کرامات کا مشاہدہ کیا اور تانبے کے اس پتر کو بھی دیکھا۔

صدیوں پر محیط اس طویل فاصلے کے درمیان کسی نے کچھ لکھا ہے یا نہیں۔ اس کا سراغ سر دست پیش نظر نہیں۔ مسلم دور حکومت میں ہندی، بنگلہ، فارسی زبان میں لکھی گئی تاریخ و تذکورہ کی کتابیں اور انگریز عہد حکومت کی رپورٹ، سروے، گزیٹر تک ابھی میری رسائی بھی نہیں۔ سوائے بڑے بوڑھوں کی زبانی ثقہ روایات، تانبے کے پتر کا بکثرت مشاہدہ اور مؤرخ پورنیہ حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ کی تحریری شہادت کے ان کے احوال و مقامات کو جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ لیکن یہ طے ہے کہ تاریخ و تذکرہ میں ان کے احوال موجود نہ ہونے سے ان

کی شخصیت واہمیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ سب سے بڑا ثبوت، شہادت اور دلیل خود اپنا تجربہ و مشاہدہ ہے۔ جو کسی دلیل و حجت کا محتاج نہیں۔ جو چاہے، جا کر اس بافیض بارگاہ کی زیارت کر سکتا ہے اور روشن کرامتوں کا صدور اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہ پہلا قدم ہے، جو سیمانچل کی تلاش و تحقیق پر اٹھایا گیا ہے۔ آج نہیں، تو کل ثقہ جزئیات اور تاریخی حقائق ملنے پر حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ کی پرنور زندگی اور بافیض احوال ومراتب پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے گی، ان شاءاللہ تعالیٰ۔ اس سلسلہ میں جلکی شریف کے موجود خدام آستانہ کے سربراہ عالی جناب سید محمد عارف صاحب مخلص اور سرگرم ہیں۔ فی الوقت ہم ایک مضمون بطور تبرک حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ کے تعلق سے شامل کتاب کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ جو وہاں حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ کے نام نامی سے منسوب ادارہ 'دارالعلوم حسینیہ' کے صدر المدرسین عالم ربانی حضرت مفتی محمد ظہور حسن رضوی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ میری اس تحریک وفرمائش کا نتیجہ ہے۔ جب میں وہاں ۲/نومبر ۲۰۱۵ء کو بغرض زیارت آستانہ اور ایک جلسہ میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوا اور کامل ایک دن اور رات رہ کر ان حضرات کو اس کام پر آمادہ کیا اور پھر الحمدللہ یہ حضرات اس کام میں لگ بھی گئے۔ اس تمہید کے بعد حضرت مفتی صاحب کا مضمون نذر قارئین ہے۔ شمس پورنوی]

جس طرح فطرت کے اصول اٹل ہوتے ہیں، اسی طرح مشاہدہ کی حقیقتیں بھی جھٹلائی نہیں جاسکتیں۔ جب مشاہدہ ہوتا ہے، تو تلاش کی منزل ختم ہو جاتی ہے۔ جستجو کا اضطراب جاتا رہتا ہے۔ آنکھوں دیکھا حال کا انکار کون کرسکتا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ جگ بیتی کو ٹھکرا دے اور آپ بیتی کو فراموش کردے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ نعمتوں کا احساس اکثر ان کے زوال کے بعد ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ جو مثل مشہور ہے۔ قدرِ نعمت بعد زوال۔ بے حسی، لاپرواہی اور یاد ماضی کی فراموشی انسان کی عادت بنتی جا رہی ہے۔ اپنے مہربانوں کی مہربانیاں، کرم فرماؤں کی کرم فرمائیاں اور محسنوں کے احسانات غفلت شعار انسان بھولتا جا رہا ہے۔ جب یہ اپنے ہی آبا واجداد کی تاریخ ولادت ووفات یاد نہیں رکھ سکتا، تو وہ باہر سے وارد ہونے والے صوفیا ومشائخ اور فقرا ودرویش کی داستان حیات کیوں کر یاد رکھ سکتا ہے۔

غفلت شعاری کی اس عام بے رحم حقیقت کے باوجود صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے حالات وواقعات اور ان کی واضح کرامات ومحیر العقول حالات محفوظ بھی ہیں اور زبان زد خلائق بھی۔ ان کے فیوض وبرکات آب رواں کی طرح جاری وساری رہتے ہیں اور لوگ ان

سے فیض یاب و سرفراز ہوتے ہیں۔ حضرت قطب الاقطاب سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ لنگوٹ بند جلکی شریف قدس سرہ العزیز کا تعلق انہیں خاصان خدا اور پاکان امت سے ہے۔ گو ان کے احوال حیات اور کشف و کمالات تحریر شکل میں محفوظ نہیں، لیکن ان کی بافیض بارگاہ سے جو لوگ مستفید ہوتے ہیں، وہ اپنا تجربہ و مشاہدہ اور عینی شہادت آئے دن بیان کرتے رہتے ہیں اور قریب دو سالوں سے جو مجھے ان کی پائیتانے میں رہنے کا موقع ملا ہے، اپنا تجربہ و مشاہدہ بھی ان کی بابرکات ذات اور بلند و بالا مقام و حالات کا وہی ہے، جو ہم اپنے بچپن سے بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں اور آج یہاں موجود رہ کر لوگوں سے سنتے ہیں۔

خیر حضرت قطب الاقطاب سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ معروف بہ جلال الدین موضع جلکی شریف تھانہ اعظم نگر ضلع کٹیہار کا اصلی وطن خراسان بتایا جاتا ہے۔ سلسلۂ سہروردیہ کے مرتاض بزرگ تھے۔ چھٹی صدی ہجری یا اس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ جن دنوں آپ نے یہاں طرح اقامت ڈالی۔ یہ بالکل سنسان، بیابان، جنگلی علاقہ تھا۔ دور دور تک آبادی نہیں تھی۔ مرور ایام کے بعد جنگلات کٹنے لگے اور آبادیاں بڑھنے لگیں۔ قرب و جوار کے لوگ آ آ کر بستے گئے۔ آس پاس میں کئی بستیاں آباد ہو گئیں۔ خود آپ کے ہمراہ جو خدام تھے، ان کی نسل در نسل سے ایک گاؤں بن گیا۔ جو جلکی شریف کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

اس دور میں نہ تعلیم عام تھی اور نہ زیادہ پڑھنے کا رواج تھا۔ چہ جائے کہ تاریخ کی اہمیت کا احساس اور تاریخ نویسی کا خیال۔ اس جہت کے سب سے پہلے مؤرخ جلالۃ العلم حضرت علامہ الشاہ محمد یوسف علیمی رشیدی قدس سرہ العزیز ہیں۔ جن کا زمانہ بیسویں صدی عیسوی کا نصف اول رہا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے اس خطے کی تاریخ اور پھر صوفیا و مشائخ کی سیرت و تذکرہ لکھنے کی شعوری کوشش کا آغاز کیا۔ انہی کی مشہور مگر نایاب کتاب 'تاریخ پورنیہ' کے حصہ دوم میں حضرت قطب الاقطاب سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ قدس سرہ العزیز کا ہلکا سا تذکرہ ملتا ہے۔ جو قلمی صورت میں محقق دور حاضر امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی صاحب کے پاس موجود ہے اور اب وہی اس کام کے محرک بھی ہیں۔

قدیم دستاویز اور تانبے کے پتر کا سراغ تو ضرور ملتا ہے۔ لیکن بار بار کی خانہ سوزی کی وجہ سے یہ سب آج ناپید ہے۔ البتہ زبانی روایات جو نسل در نسل چلی آ رہی ہیں۔ تاریخی تسلسل اور تواتر کے پیش نظر ان کی صداقت سے انکار ناممکن ہے۔ چوں کہ ہر دور میں پیروں، فقیروں، درویشوں، علما اور مشائخ اس دربار عالی شان میں اپنی اپنی حاضریاں دیتے رہے ہیں اور ان کی ولایت و کرامت

کی شہادت دیتے رہے ہیں۔ عوام وخواص کا ہر صبح وشام جمگھٹا بھی اس بات کا کھلا ثبوت ہے۔ فیض وکرم اور حاجت منداور پریشان حال لوگوں کے بیانات وشواہد بھی کثرت سے موجود ہیں۔ مرادوں ومنتوں کی تکمیل کے کچھ شواہداور نظیریں آنے والی سطور میں پیش کی جائیں گی۔

یہ آساتانۂ عالیہ تین بڑے احاطوں پر مشتمل ہے۔ بیچ کے احاطہ میں مزار فائض الانوار ہے۔ دوسرے اور تیسرے احاطے حاضرین وزائرین کے لئے مخصوص ہیں۔ خوبصورت نقش ونگار سے مزین یہ عظیم وشاندار درگاہ پاک کا جالدار گیٹ، اس پر شادار منقش گنبد، چاروں کونوں میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے بلند وبالا منارے، اس پر لائٹ کی روشنی اور سجاوٹ، پورا احاطہ بقعۂ نور معلوم ہوتا ہے۔ آستانۂ عالیہ کے قریب خوب صورت مسجد حسینی ہے۔ زائرین ومعتقدین کے لئے دو بڑے ہال نما کمرے بھی ہیں۔ جن میں آنے والوں کے لئے مکمل سہولت وانتظام ہے۔ توشہ ولنگر عام کے لئے دو بڑے کمرے تعمیر کئے گئے ہیں۔ آفس اور جنریٹر روم الگ سے بنائے گئے ہیں۔ پیشاب خانہ، غسل خانہ اور وضوخانہ کا باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے۔ درگاہ شریف کے آگے بہت بڑا وسیع وعریض میدان ہے، جو جلسہ وعرس پاک کے زریں موقع پر کام آتا ہے اور خوب سجایا جاتا ہے۔ اس میدان کے تین طرف روڈ ہے۔ سڑکوں پر گڑے ہوئے کھمبے اوران پر لائٹ کا انتظام الگ ہی نظارہ پیش کرتا ہے۔ درگاہ شریف سے متصل گاؤں کا عام قبرستان بھی چہار دیواری سے گھرا ہوا ہے۔ سڑک کے کنارے کنارے کھانے پینے اور عام ضرورت کی چیزوں کی دکانیں بھی ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ گذشتہ سال ۲۰۱۴ء بعد عید قرباں سے ایک نئی فعال انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ عالی جناب سید محمد شکیل صاحب، عالی جناب مکھیا سید محمد عارف صاحب وکیل اور عالی جناب سید محمد طارق صاحب وغیرہ خلوص وتندہی اور نئے جوش وہمت کے ساتھ درگاہ شریف کی تعمیر جدید وتزئین کاری کا کام کروارہے ہیں۔ اس تازہ دم انتظامیہ کمیٹی کا ایک اہم کام 'الجامعۃ الحسینیہ النظامیہ' کا قیام بھی ہے۔ اس ادارے کو دینی وعصری علوم وہنر کا ایک قابل رشک ادارہ بنانا ان کے عزائم میں شامل ہے۔ فی الحال اس ادارے میں پانچ باصلاحیت، محنتی اور مخلص اساتذہ علوم دینیہ کے طالب علموں کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں۔ مقامی طلبہ کے علاوہ پچاس ساٹھ طلبہ بیرونی ہیں۔ جو ہاسٹل میں رہتے ہیں۔ معیار تعلیم درس نظامیہ میں اولی تا سابعہ ہے۔ ساتھ ہی دارالافتا بھی قائم کیا گیا ہے۔ صدرالمدرسین اور دارالافتا کی ذمہ داری وخدمت یہ فقیر خاکسار انجام دیتا ہے۔ خدا کرے، یہ ادارہ اللہ تعالی کے فضل وکرم، حضرت قطب الاقطاب کے

روحانی فیض وتصرف اور اساتذہ وارا کین کے باہمی اشتراک عمل سے ایک مثالی ادارہ بن جائے۔
حضرت قطب الاقطاب رئیس الاولیا سید شاہ محمد حسین عرف جلال الدین شاہ علیہ الرحمہ کی قوت تصرف، باطنی کشش اور روحانی فیوض و برکات کا عالم یہ ہے کہ صدیوں سے لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ بہار، بنگال اور یوپی ان صوبوں کے زائرین یہاں آتے رہے ہیں۔ کٹیہار، کشن گنج، پورنیہ، مالدہ، مرشد آباد، کلکتہ کے زائرین اور عقیدت مندوں کا تو تانتا لگا رہتا ہے۔ سالانہ عرس پاک، جو فصلی مہینہ کے ماہ بیساکھ میں ہوتا ہے، لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، کے علاوہ ہر جمعرات و جمعہ کو ہزاروں حاجت مندوں، پریشاں حالوں، آسیب زدوں، سحر اور جادو ٹونے کے مدتوں کے بیماروں، پاگلوں اور بے اولادوں کی بڑی کثرت رہتی ہے۔ جن کی مرادیں اور منتیں پوری ہوتی ہیں، وہ دوبارہ سہ بارہ حاضری دینے آتے ہیں۔ اب میں اپنی موجودگی کے کچھ واقعات و کرامات نذر قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔
[ا] زہر کے اثر سے نجات: مشہور عالم دین حضرت مولانا حسن مثنیٰ ازہری ابن محمد مزمل حق صاحب خوش حال پور ضلع مالدہ بنگال کا خود اپنا بیان ہے کہ ستمبر یا اکتوبر ۲۰۱۵ء میں جلاون کے ڈھیر میں ایک زہریلے سانپ نے ان کے داہنے ہاتھ پر زبردست ڈنگ مارا۔ ڈنگ مارتے ہی اس کا اثر تیزی سے اوپر تک چڑھ گیا۔ ایسا لگا کہ پورا ہاتھ ہی شل ہو گیا۔ سر چکرانے لگا اور پورے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ گھبراہٹ کے عالم میں کسی سے کچھ کہنے تک کا ہوش نہ رہا۔
چوں کہ مجھے ہر مصیبت کے وقت حضرت تیغ برہنہ علیہ الرحمہ کی دہائی دینے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی حضرت تیغ برہنہ علیہ الرحمہ ہی کا تصور کر کے عرض کیا کہ یا حضرت اس زہر کی وجہ سے میں مر نہ جاؤں۔ دعا فرمائیے اور دل ہی دل میں منت بھی مان لی اور پھر جیسے تیسے گھر آ گیا۔ یہاں بھی کسی سے کچھ کہنے کا خیال نہ آیا۔ اتنے میں غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اسی حالت غنودگی میں مجھے محسوس ہوا کہ زہر کی ٹیس کم سے کم ہو رہی ہے اور زہر کا اثر اتر رہا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد مجھے ہوش آیا اور محسوس کیا کہ اب نہ وہ ٹیس ہے اور نہ زہر کا اثر ہے۔ اپنے آپ کو میں بالکل ٹھیک ٹھاک اور اپنی اصلی حالت میں پایا۔ دوسرے ہی دن میں درگاہ شریف جلکی میں حاضری دی اور اپنی منت پوری کی۔ واپس آ کر یہ سارا ماجرا اپنی والدہ کو بتایا۔
آج آپ کے دریافت کرنے پر عرض کر رہا ہوں۔ کیوں کہ اس کم فہم کا یقین ہے کہ حضرت تیغ برہنہ علیہ الرحمہ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں ہیں، جو اپنی شہرت نہیں چاہتے، گم نامی

میں رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اور حضرت سے عقیدت بڑھی ہے، حضرت کی روحانی برکت سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔ دوسروں سے، جو میرے متعلقین ہیں، اسی طرح کے واقعات وکرامات کو سنتا چلا آرہا ہوں اور کئی واقعات کا تو میں چشم دید گواہ بھی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں حضرت کا بے حد معتقد ہوں اور درگاہ پاک میں حاضر ہوکر اپنے مسائل ومصائب کا مداوا چاہتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ اس بارگاہ عالی سے کوئی خالی ہاتھ اور بے مراد نہیں لوٹتا۔ چوں کہ آپ یہیں رہتے ہیں۔ آپ کو بھی اس کا اندازہ ہوگا۔

[۲] درگاہ شریف جلکی سے دکھن پورب ایک بستی چانچل ہے۔ اسی بستی کے جناب محمد مشرف حسین نے شادی کی اور شادی کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ولادت کا سلسلہ رک گیا۔ جو کچھ چھ سالوں تک رکا رہا۔ جناب مشرف حسین نے اپنے علاقے کے معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد نسیم رضا صاحب ازہری ناظم اعلیٰ مدرسہ ضیاء العلوم چندوا دمائی پور سے دعا وتعویذ کرائی۔ خدا کی حکمت کہ یہ تدبیر وترکیب کارگر نہ ہوئی۔

حضرت مفتی محمد نسیم رضا صاحب محمد مشرف حسین کو لے کر ۲۹ر اگست ۲۰۱۴ء کو قطب الاقطاب حضرت سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ قدس سرہ کی بارگاہ پاک میں حاضر ہوئے۔ ساتھ میں فقیر رضوی [ظہور حسن] کو بھی لیا۔ ہم لوگوں نے درگاہ شریف میں اولاد نرینہ کے لئے دعا مانگی۔ جب کہ میاں اور بیوی نے دعا کے ساتھ منت بھی مانی اور نذر و چادر چڑھانے کی نیت بھی کی۔ اللہ تعالیٰ کی شان وقدرت پر قربان کہ ٹھیک ایک سال بعد مشرف حسین کے یہاں لڑکے ولادت ہوئی۔ ایک سال بعد آج ۳۰ر اگست ۲۰۱۵ء کو حضرت مفتی نسیم رضا ازہری کے ساتھ جناب محمد مشرف حسین اپنی اہلیہ اور خاندان والوں کے ہمراہ درگاہ شریف حاضر ہوئے۔ ساتھ میں سال بھر کا خوب صورت بچہ بھی تھا۔ سب لوگ بہت ہی خوش تھے۔ چادر چڑھائی۔ نذر و منت پوری کی اور بچے کی صحت وعافیت کے دعائیں کی گئیں۔ جب پوچھا گیا کہ بچے کا نام کیا ہے، تو بتایا کہ حضرت ہی کے نام پر 'مشفق حسین' رکھا گیا ہے۔ پھر یہ ہنستا مسکراتا کافلہ خوش خوش واپس ہوگیا۔ اس قسم کے واقعات آئے دن بکثرت رونما ہوتے رہتے ہیں۔ جن و شیاطین کے ستائے ہوئے اور آسیب زدہ لوگوں کی تو گویا یہ ایک اہم دار الشفا ہے۔

[۳] ترک گناہ پر حصول نعمت: جواں سال عالم دین اور شہرت یافتہ خوش گلو شاعر حضرت مولانا محمد اصغر رضا ابن مولانا غلام مصطفیٰ صاحب ساکن پنکا گاؤں، جو جلکی شریف سے ۱۹ر کیلومیٹر کی دوری

پر واقع ہے، وہ اپنی سن رسیدہ والدہ محترمہ، جن کی عمر قریب ۷۵ ربرس ہے، سے حلفیہ بیان نقل کرتے ہیں کہ ان کی سات بیٹیاں تھیں اور صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ جب پھر حمل قرار پایا اور کچھ مہینے گزر گئے تو انہیں خیال بد آیا کہ وہ حمل ضائع کرا دیں۔ اس خوف سے کہ یہ بھی لڑکی نہ پیدا ہو جائے۔ اس لئے ارادہ پکا ہو گیا کہ اتنے میں ایک خواب دیکھا کہ ایک سفید پوش بزرگ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس بار تمہیں لڑکا ہی پیدا ہوگا۔ تم اپنا ارادۂ گناہ ترک کر دو۔ خوب یاد رکھو کہ یہ لڑکا تولد ہوگا اور یہ عالم دین بھی بنے گا۔ اطمینان رکھو۔

یہ فرما کر وہ بزرگ جانے لگے، تو میں نے پوچھا۔ یہ تو بتائیں کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس سوال پر اس بزرگ نے ارشاد فرمایا: میں سید حسین جلال الدین ہوں۔ جلکی سے آیا ہوں۔ جب میں خواب سے بیدار ہوئی، تو اللہ کی بارگاہ میں اس گناہ سے توبہ کی۔ مدت حمل پوری ہونے کے تمہاری ولادت ہوئی اور آج الحمد اللہ تم عالم دین بھی بن گئے ہو۔ والدہ محترمہ مزید یہ بھی کہتی ہیں کہ یہ سب جلکی والے بابا حضرت تیغ برہنہ علیہ الرحمہ کا فیض خاص ہے اور نظر عنایت ہے۔

[۴] جلکی شریف سے پچھم دکھن کچھ ہی فاصلے پر نیمول گاؤں ہے۔ وہاں سے محمد عالم صاحب کی اہلیہ اپنے ایک خوب صورت بچے کو لے کر میرے [محمد ظہور حسن] پاس تعویذ کے لئے آئی۔ احاطۂ مزار شریف سے دور باہر ہی سے اس نے بچے کے لئے تعویذ مانگی۔ وجہ پوچھنے پر اس نے بیان کیا کہ شادی کے بعد ان کی دو بچیاں پیدا ہوئیں، جو اب کافی بڑی ہو چکی ہیں۔ ان دو بچیوں کے بعد یکے بعد دیگرے کئی لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن پیدا ہو ہو کر انتقال بھی کر گئے۔ بہت ساری تدبیریں کیں۔ لیکن ناکامی ہی ہاتھ آئی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر میں جلکی والے بابا کے ہفتہ وار عرس میں شرکت کی اور بچے کی ولادت اور اس کی حفاظت کے لئے بابا کے وسیلے سے دعائیں مانگیں اور منت و نذر بھی مانی۔

سال بھر بعد حضرت بابا کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوب صورت بچہ عطا فرمایا۔ الحمد للہ کئی مہینے ہو گئے۔ صحت و سلامی کے ساتھ ہے۔ میں نے جو منت مانی تھی، وہ ہفتہ وار عرس سات جمعہ کی حاضری تھی اور سات چادروں کی نذر مانی تھی۔ یہ آخری جمعہ ہے۔ آخری حاضری اور آخری چادر ہے۔ حضرت آپ بھی دعا کریں کہ میرا اسی طرح صحیح و سالم رہے۔ جوان ہو اور اپنی زندگی کی ساری بہاریں دیکھے۔ یہ سارا واقعہ اس عورت نے مجھ سے ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو بیان کیا اور میں نے نوٹ کر لیا۔

[۵] اسی ۲۰۱۵ء کا ابتدائی مہینہ تھا۔ جمعہ کا تھا اور ہفتہ وار عرس کا سماں۔ احاطۂ مزار شریف میں بیٹھا ہوں

تعویذ دینے میں مصروف ہوں۔ زائرین جو بے قرینہ حاضری دیتے ہیں۔ انہیں تنبیہ بھی کرتا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ جس کا رنگ سانولا تھا اور عمر ہوگی کچھ چالیس بیالیس۔ بات چیت سے پڑھا لکھا اور شریف انسان لگ رہا تھا۔ اپنے پریوار کے کئی افراد کے لئے تعویذ مانگا اور میں دیتا گیا۔ آخر میں میں نے پوچھ ہی لیا۔ نام کیا ہے۔ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ اتنی تعویذات کی ضرورت، وجہ کیا ہے۔

یہ سنتے ہی چہرے پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ نام بتایا منہاج الدین۔ گھر سودھانی اسٹیشن کے قریب کندھیلہ گاؤں۔ پھر کہنے لگا کہ حضرت! میں بہت بڑی مصیبت میں تھا۔ بائیں آنکھ دکھاتے ہوئے بولا۔ دیکھیے اس آنکھ میں بے حد درد تھا اور پھر بھی روشنی ختم ہو چکی تھی۔ پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج، سلی گوڑی، نیپال تک علاج کرایا۔ امراض چشم کے ماہرین کا صرف ایک ہی جواب تھا کہ اب اس کے علاج کی کوئی صورت نہیں۔ اس آنکھ کی بینائی تو گئی ہی ہے۔ اس کی وجہ سے دوسری آنکھ کی روشنی بھی متاثر ہو سکتی یا جا سکتی ہے۔

یہ سن کر میں بہت گھبرایا اور میرا سارا وجود لرزنے لگا۔ مرتا کیا نہیں کرتا۔ گھر والوں کے بے حد اصرار اور دوستوں کی تاکید در تاکید پر جلکی والے بابا علیہ الرحمہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کیا۔ حضرت! میں احاطۂ مزار میں ہوں۔ جھوٹ نہیں، میں سچ کہتا ہوں۔ گذشتہ جمعہ حاضر ہوا تھا۔ مزار شریف کے میدان کے پورب والے کونے میں قدم رکھتے ہی اسی بائیں آنکھ میں ایک زوردار کا درد اٹھا اور آنکھوں کے سامنے ایک چمک سی معلوم ہوئی۔ اس چمک کو دیکھتے ہی میری گئی آنکھ میں روشنی آ گئی اور میں حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر مزار شریف میں حاضری دی۔ اس جمعہ سے اس جمعہ تک نہ کچھ درد ہے اور نہ کچھ تکلیف۔ دیکھنے میں بھی کوئی پریشانی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حضرت جلکی والے بابا علیہ الرحمہ کی کھلی کرامت ہے۔

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حضرت بابا کے فیض سے میرے بچے بھی ٹھیک رہیں گے اور ان کا کاروبار بھی ٹھیک ہی رہے گا۔ حضرت! میں منت نے پوری کر دی ہے۔ اب تو میں ہر جمعہ کو آؤں گا۔ آپ دعا کریں کہ حضرت جلکی والے بابا علیہ الرحمہ کے فیض سے اللہ تعالیٰ تمام حاجت مندوں اور مصبت زدوں کی حاجتیں پوری اور مصیبتیں دور فرمائے۔ اس قسم کے واقعات روز بہ روز پیش آتے رہتے ہیں۔ سب لکھا جائے، تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں۔

☆ ☆ ☆

صاحب کشف وکرامت ولی وبزرگ
حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین رحمۃ اللہ علیہ

قرآنی قصص پڑھیں، تو معلوم ہوگا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے کوئی بات بعید نہیں۔ وہ جب چاہے، وہ تِل کو تاڑ اور تاڑ کو تِل کردے۔ آباد وشاداب، بھرے پرے شہر نیست ونابود ہوجائے، جیسے قوم عاد وثمود کا واقعہ شاہد ہے۔ بے آب وگیاہ صحرا آباد وسرسبز بن جائے، جیسے مکے کی وادی غیر ذرع۔ بن ماں باپ کے بچہ پیدا ہوا اور بن باپ کے بچہ پیدا ہوا اور بن ماں کے بچی پیدا ہو، جیسے حضرت آدم وحضرت عیسیٰ علیہما السلام اور حضرت ماں حوا علیہا الرحمہ۔ باجبروت بادشاہ اور اس کے لشکر جرار کو تہہِ آب غرق کردے اور بظاہر بے نوا دبے سہارا پار گھاٹ اتر جائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ وغیرہ، یہ سب پروردگار عالم کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے روشن شواہد ہیں۔

علم وفن، فضل وکمال، شعر وادب اور کشف وکرامت کسی بھی قوم ونسل کی جاگیر نہیں۔ یہ سراسر فضل رب قدیر ہے۔ یہ بارش جس پر برس جائے، وہی سکندر وشہریار ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نافرمان ٹھہرا، تو نافرمان ہی رہا۔ اصحاب کہف کا کتا فرمابرداری اور وفاداری کا ثبوت دیا، تو اس کی تقدیر اوج ثریا تک پہنچی۔ مشہور قول ہے کہ یک من علم رادہ من عقل باید۔ علم گرچہ پہاڑ برابر ہو، اگر وہ علم نفع بخش نہیں، نہ اپنے لئے، نہ اوروں کے لئے، تب وہ کس کام کا؟۔ حضرت موسیٰ اشعری کی بیان کردہ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ نا اہلوں، کم ظرفوں، ناقدروں اور بے عقلوں کو علم دینا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سور کی گردن میں سونے کا ہار پہنانا۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بد است
تربیت نا اہل راچوں گردگاں برگنبد است

خیر! حضرت مولانا شاہ بہادر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ایسی روحانی وعرفانی باغ وبہار شخصیت کے مالک تھے، جیسے پہاڑ وچٹان کی چوٹی پر کھلا ہوا گلاب، جسے دیکھ کر ہر شخص آہ اور واہ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور بے ساختہ اس کی زبان سے سبحان اللہ وماشاء اللہ

کی صدا بلند ہونے لگتی ہے۔ان کی بستی چنکی مشہور نہ سہی۔ان کا خاندانی پس منظر روشن و منور نہ سہی، تو نہ سہی۔لیکن ان کی سدا بہار شخصیت نے وہ گل کھلایا اور خوشبو پھیلائی کہ زمانہ ان کا شیفتہ و فریفتہ ہو کر رہ گیا اور آج تک ان کی خطبہ خوانی اور قصیدہ خوانی کر رہا ہے۔واہ! کیا نصیبے کی ارجمندی ہے اور ذات و صفات کی سر بلندی و سرفرازی ہے۔ان سر بلندوں اور سرفرازوں کی کھوج میں ۲۰۰۸ء سے میں کوشاں اور سر گرداں رہا ہوں۔

میں نے اپنی بساط بھر کوشش کی کہ ان کے حالات و کمالات تک رسائی حاصل کروں۔لیکن کامیابی نہ ملی۔ان کے کمالات و کرامات کچھ تو بچپن سے سنتا آرہا ہوں اور کچھ ان کے گاؤں کے حضرت مولانا محمد جلال الدین نوری صاحب نے میری گزارش پر لکھ بھیجا ہے۔انہی معلومات کی پیشکش یہاں مقصود ہے۔۶رمئی ۲۰۱۱ء کی تلاشی مہم کی یادداشت میں خاکسار نے جو لکھا تھا، وہ یہ ہے:

> 'اس کے علاوہ راجہ ماسٹر نے ایک رقعہ بھی دکھایا اور دیا، جو بڑا کرشماتی و کراماتی ہے۔یہ رقعہ زندہ ولی حضرت مولانا شاہ بہادر حسین علیہ الرحمہ کی شادی کا ہے۔اس رقعہ کا بیان بڑا دلچسپ بھی ہے اور دلخراش بھی۔اس پر روشنی تو میں ڈالوں گا، مگر ابھی نہیں۔یہ ایک مضمون کا متقاضی ہے۔یہ آپ ہماری کتاب 'کاملانِ پورنیہ' کی دوسری جلد میں پڑھیے۔یہ دولتیں اٹھا کر میں گھر لایا۔ابا حضور سے عرض کیا:
>
> 'آج مجھے سات بادشاہ کی دولت ملی ہے۔اٹھاسی برس پہلے ہونے والی حضرت مولانا بہادر حسین کی شادی کا دعوت نامہ مجھے آج ملا ہے۔لہٰذا ان کی بارات میں شرکت کرنی ہے۔یہ سن کر ابا حضور کے منہ سے بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی'۔
>
> خیر آج کا دن انہیں کتابوں، شخصیتوں کے چرچے میں گزرا'۔

[سفر خوشبو دیش کا، معروف بہ 'سفر نامۂ پورنیہ' طبع بمبئی ۲۰۱۱ء، ص:۵۷، ۵۸]

میرے خاص رشتہ دار الحاج غلام خواجہ صاحب تارا باڑی سے میں کہہ آیا تھا کہ مولانا محمد جلال الدین نوری چنکی والے سے حضرت والا کے بارے میں مستند احوال لکھوا کر ہمیں ارسال کریں۔۲۴رنومبر ۲۰۱۰ء کو مولانا جلال الدین رضوی نے جو کچھ لکھا، وہ اسے اپنے صاحب زادے مولانا واصف ارشد صاحب کے ہاتھوں مجھے بمبئی بھجوا دیا۔اسی خام مواد اور اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں یہ شذرات سپردِ قلم اور نذرِ قارئین کرنے کی سعادت اٹھا رہا

ہوں۔ مولانا محمد جلال الدین صاحب رضوی لکھتے ہیں:

'میں ناچیز مولوی محمد جلال الدین رضوی ساکن چنکی، حال مقیم موبیہ ہوں۔ میں نے ایک بار حضرت مولانا شاہ غلام محمد یٰسین صاحب تاراباڑی سے پوچھا کہ حضور! ہم لوگ تو بچے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر حضرت مولانا بہادر حسین صاحب رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ خلاصہ اور تفصیل فرمائیں۔ حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

> 'مولانا! میں کیا بتاؤں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ چنکی کے مولانا بہادر حسین صاحب اور ہری پور کے مولانا محمد یوسف صاحب اور تاراباڑی کے مولانا صوفی تفضّل حسین صاحب نے مل کر بینی باڑی کے مولانا سکندر علی صاحب کو چمنی بازار کی سرزمین پر بیٹھایا اور فرمایا کہ مولانا! آپ چمنی بازار کی سرزمین پر بیٹھ کر درس وتدریس کا کام انجام دیں اور باہر سے وصول اور کلکشن کا کام، ہم لوگوں کا کام ہوگا۔ چنانچہ یہ حضرات ایسا ہی کرتے رہے۔ بعد کو اس ناچیز غلام محمد یٰسین کا چمنی بازار پہنچنا ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہی حضرات کی دین ہے، جو آج چمنی بازار کی سرزمین چمک اور دمک رہی ہے'۔

[مرسلہ مواد مولانا محمد جلال الدین نوری، موبیہ]

چنکی، بائسی ہی نہیں، بلکہ قدیم پورنیہ کے افق کا یہ تابندہ ستارہ عرصہ دراز تک گہن آلود رہا اور نئی نسلوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ یوم وصال پر عقیدت مندوں نے دھوم دھام سے عرس پاک تو منعقد کیا کرتے رہے۔ لیکن ان کے خاندانی حالات، تعلیمی مراحل، اساتذہ ومشائخ، مشاغل و معمولات، ذاتی خصائص، باطنی مقام ومرتبہ کو کسی نے اجاگر نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام بنیادی پہلو آج بھی پردۂ خفا ہی میں ہیں۔ مولانا شاہ بہادر حسین علیہ الرحمہ کے والد ماجد کا نام نامی 'خسرو' تھا۔ خسرو مرحوم کی ایک بیٹی کی شادی حضرت مولانا محمد غیاث الدین علیہ الرحمہ سے ہوئی تھی۔ یہ حضرت مولانا موصوف گرہرا، تحصیل امور کے متولد ومتوطن تھے اور یہ سب کو پتا ہے کہ مولانا محمد غیاث الدین صاحب ایک خاندانی اور ذی حیثیت مشہور ونامور فرد فرید ومرد خلیق تھے۔

اسی طرح جناب خسرو مرحوم کی بہن کی ایک بیٹی کی شادی حضرت مولانا محمد عبد الحمید صاحب رضوی بستہ ڈانگی سے ہوئی تھی۔ مولانا محمد عبد الحمید رضوی رحمۃ اللہ علیہ خاندانی

شریف اور زمیندار شخص تھے۔ علمی اور سماجی اور دینی وسیاسی رتبہ اتنا بلند تھا کہ شاید و باید۔ ان کا گھر اکابر علما و مشائخ کا مورد و مسکن تھا۔ بہار و بنگال کے سیاسی نمائندگان اور انتظامی افسران ان کے اشارۂ ابرو کے محتاج رہتے تھے۔ غرض دونوں پلیٹ فارم سے شیر بہار و بنگال حضرت مولانا محمد عبد الحمید رضوی علیہ الرحمہ نے دین اور سماج کی بڑی خدمات اور بڑے کارنامے سر انجام دیئے۔ رشتہ و ناتہ کی ان دو کڑیوں کو جوڑ کر دیکھا جائے، تو حضرت مولانا شاہ بہادر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و علمی اور سماجی و معاشرتی حیثیت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے معاصرین کا جو جتھا تھا، اس جتھے کا ہر فرد اپنے آپ میں عالم راسخ اور جبل شامخ تھا۔ عالم اجل حضرت علامہ صوفی شاہ محمد تفضل حسین رشیدی تاراباڑی، جلالۃ العلم قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی ہری پوری، ولی العصر حضرت مولانا شاہ محمد سکندر علی رشیدی بنی باڑی، شرفِ پورنیہ حضرت مولانا شاہ محمد شرف الدین لطیفی گانگی شریف، امین ملت حضرت مولانا شاہ محمد امین الدین لطیفی گوسائیں پور رائے گنج، مرشد وقت حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین لطیفی کوچھ گڑھ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، ایک سے بڑھ کر ایک فضل و کمال اور شرف و مجد کے بحر بے کراں تھے۔ جنہوں نے تیرہویں صدی ہجری کے اواخر اور چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں جی جان لگا کر قدیم پورنیہ میں شجر اسلام کی آبیاری فرمائی اور اس شجر سنیت کی ہر شاخ و کاخ کو تروتازہ رکھا۔ حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین علیہ الرحمہ اسی پاکیزہ جتھے اور پاک باز جماعت کے ایک رکن رکین تھے۔

حضرت مولانا شاہ بہادر حسین علیہ الرحمہ بسیار علم تھے۔ اس سے زیادہ بسیار عمل تھے۔ عملی پہلو اور باطنی گہرائی کا جواب نہیں۔ عمر طبعی کو نہیں پہنچے۔ عین جوانی میں انتقال فرمایا۔ وصال کی کہانی اور اس سے پہلے کی داستان حیات اتنی حسین و رنگین ہے کہ آج تک خواص و عوام اس حسن و رنگینی کا والا و شیدا ہیں۔ مقامی سطح پر ہی سہی، یہ نقش حسیں ایسا ہے کہ ہر فرد بشر اسے اپنے دل و دماغ پر نقش کر لے، تو اس کی زندگی ہی نور علیٰ نور بن جائے۔ باخدا بزرگوں اور صوفیا کی شفاف سیرت کا یہی وہ گوشہ ہے، جو اصلاح احوال کا اہم ترین نکتۂ ارتکاز ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین علیہ الرحم مادر زاد ولی تھے۔ بچپن کی اٹھان ہی کچھ اس شان کی تھی۔ حضرت مولانا شاہ محمد سکندر علی رشیدی کے ایک صاحب زادے بھی مادر زاد ولی تھے۔ جن کا وصال سرحد شباب پر پہنچنے سے پہلے ہی ہو گیا۔ قبر انور چمنی بازار شریف ہے۔ اس صاحب زادے کے بظاہر بے وقت وصال پر شہود الحق رشید الدین سید شاہ شاہد علی سبز پوش گورکھ پوری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار فرمایا تھا۔ دیکھنا ہو، تو میری

کتاب 'شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات' میں سبز پوش علیہ الرحمہ کا مکتوب دیکھیں۔
شاہ محمد بہادر حسین بھی اسی شان وصفت کے نوجوان ولی الزمان تھے۔لڑکپن اور شروع جوانی کے انہی ایام میں بہت سی خرق عادات واقعات وکرامات صادر ہوئیں۔ بیٹا کسی کا ہو۔ جب جوان ہوتا ہے،تو والدین کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بیٹا دولہا بنے۔ بہو خوشبو بن کر گھر آئے اور شمع خانہ بن کر رہے۔ شاہ محمد بہادر حسین ان کی اس خواہش کو ہر بار ٹالتے ہی رہے۔ والدین کریمین جب ذرا بے آس ونراس ہوئے،تو بہنوی حضرت مولانا محمد غیاث الدین نے فہمائش کی۔ پھر ہم عمر علما بھی اس کوشش وفہمائش میں شریک وسہیم رہے۔ بالآخر شاہ محمد بہادر حسین تیار ہو گئے۔ رشتہ دیکھا گیا اور تاریخ طے ہوگئی۔ شادی کا رقعہ ہونے والے نو شاہ میاں نے خود ہی لکھا۔ وہ رقعہ یہاں درج کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ محفوظ رہے اور سند بھی رہے۔ چوں کہ اس رقعہ سے ایک اہم واقعہ وابستہ ہے۔ جو تاریخ ساز بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ تو لیجیے، وہ کراماتی رقعہ، شاہ محمد بہادر حسین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

للہ الحمد شب غم نے اٹھایا بستر   مرحبا طالع بیدار مبارک ہو سحر

باغ امید میں بعد مدت فصل بہار کی آمد آمد کے باعث آج باد صبا اپنی دلربایانہ ادا سے،جس قدر اٹھلائے،بجا ہے اور بلبلانِ خوش نوا غایت مسرت سے، جس قدر چہچہائے، سزاوار ہے۔ دوستان، محبان، سرپرستگان اس خبر فرحت اثر پر، جس قدر اظہار خوشی کریں، کم ہے۔ ہاں! جملہ خیر خواہان و بہی خواہان کو مدت دراز سے جس بات کا انتظار تھا، بفضلہ تعالیٰ اس کا ظہور ہوا۔ محمد بہادر حسین پریشان زمانہ کی شادی حسب صلاح خویشان و بندگاں جناب مولوی عبد العزیز صاحب ......کی صاحب زادی سے ہونا تقرر پایا۔ چنانچہ بتاریخ...... ماہ...... ۱۳۴۳ھ روز...... بزرگاں بتاریخ...... ماہ...... روز قدر طعام...... وبتاریخ موافق تاریخ ماہ روز بعد نماز فجر روانگی بارات ہے۔

چل ساتھ کے حسرت دل مغموم سے نکلے   مجنوں کی ہے بارات ذرا دھوم سے نکلے

وبتاریخ ماہ روز ماحضر تناول طعام ولیمہ مسنونہ ہے۔

لہٰذا تکلیف دہ ہوں کہ از راہ بندہ نوازی و ذرہ پروری تو اریخ مذکورہ پر
شریک تقریب رہ کر ما حضر غریبانہ تناول طعام سے اپنے خادم قدیم کو شکریہ کا
موقع عنایت فرمائیں۔

....

.... اسلامیہ دلال گنج، پورنیہ   از مقام چتکی'۔

اس رقعہ کی چند خاص بات یہ ہے:

☆ جہاں جہاں نکتہ نکتہ چھوڑا گیا ہے، کاغذ خستہ ہو کر ٹوٹ چکا ہے۔ اس لئے یوں ہی رہنے دیا گیا۔ مثلاً مولوی عبدالعزیز صاحب کے بعد سکونت کا نام اور 'عنایت فرمائیں' کے بعد ایک شعر ہے، جو نصف نصف کٹ گیا ہے اور 'اسلامیہ دلال گنج' سے پہلے بھی کچھ ہے، جو کٹ گیا ہے۔

☆ اس رقعہ میں صرف سنہ ہجری مذکور ہے۔ ماہ و تاریخ درج نہیں ہے۔ نہ معلوم اس کی کیا حکمت تھی۔ **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ**، مثل مشہور ہی ہے۔

☆ رقعہ میں مذکور دونوں اشعار سے علما و عرفائے عصر نے یہ مفہوم اخذ کیا کہ حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین کو اپنی وفات کا علم پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا اور بعد نماز فجر روانگی بارات سے مراد شادی کی بارات نہیں، وفات و جنازہ کا ہجوم تھا کہ ٹھیک اسی صبح کو ان کا انتقال ہوا اور جنازہ اٹھا۔ مگر کس کو پتا تھا کہ شادی کا مسرت کدہ، ماتم کدہ میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ ان کی کھلی کرامت کا ثبوت تھا۔ جو آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

☆ ۱۳۴۳ھ میں ان کا وصال پر ملال ہوا۔ اس سے ان کی عمر کا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس دیار میں لڑکوں کی شادی عموماً بیس بائیس سالوں میں ہو جاتی ہے۔ شاہ محمد بہادر حسین کی شادی میں اگر تاخیر ہوئی بھی ہوگی، تو دو چار سال یا کچھ اور زائد ہوئی ہوگی۔ تاہم ان کی پیدائش ۱۳۰۰ھ کے بعد ہی ہوئی ہوگی اور پوری مدت عمر زیادہ سے زیادہ تیس برس رہی ہوگی۔ اب سال وصال ۱۳۴۳ھ ہے، تو ان کی ولادت ۱۳۱۰ھ کے بعد ہی مانی جا سکتی ہے۔ بہر حال یہ طے ہے کہ ان کی عمر عزیز تیس پینتیس برس ہی رہی ہوگی۔

یہ عمر تو عیش و مستی کی ہوتی ہے اور جوانی کی راتیں، بہاروں کے دن ہوتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ان کے لئے ہوتا ہے، جو اپنی ذات کا عرفان نہیں رکھتا اور اپنے مقصد تخلیق سے نابلد ہوتا ہے۔ لیکن جو اپنی ابتدائے عمر میں ہی اپنے من میں ڈوب چکا ہو اور مولائے کائنات کے عشق کی گرمی میں جل کر کباب بن چکا ہو، ان کی عیش و مستی کا عالم اور ہوتا ہے اور ان کی سہانی

راتیں اور سرور و وجد کے دن اور ہوتے ہیں۔ان کی شامیں سرور انگیز ہوتی ہیں،تو ان کی صبحیں وجد آفریں ہوتی ہیں۔غرض وہ کسی اور ہی راہ کے راہی، دشت کے سیاح اور صحرائے سحر آگیں کے مسافر ہوتے ہیں۔ جسے یہ مادہ پرست زمانہ سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن ہی کچھ اور تھا۔لڑکپن کا عالم ہی دوسرا تھا اور سرحد شباب تک پہنچتے پہنچتے وہ ولایت و کرامت کے سدرۃ المنتہیٰ پر فائز ہو چکے تھے۔جو لذت ابدی کا چسیدہ ہو اور جسے سرور سرمدی کی چاٹ لگ جائے، پھر تو اس کے لئے اس دنیائے دوں کے حسن و رعنائی مین کچھ کشش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ شاہ محمد بہادر حسین اپنی کچی عمر کی اٹھان سے ہی کسی عالم بالا کی سیر وسیاحت کرر ہے تھے۔جسے ان کے بالغ نظر معاصر علما اور حق آگاہ عرفا نے اول نگاہ ہی میں پہنچالیا تھا۔بقیہ دنیا تماشائی تھی ۔اہل دنیا تمنائی تھے۔خاندان اور علاقہ چشم حیرت اور نظر مسرت سے دیکھ رہا تھا۔شادی کی جس صبح ان کا جنازہ اٹھا، ظاہر بیں اشک شوئی کرر ہے تھے اور نگاہ حق بیں رکھنے والے ان کے نصیبے کی ارجمندی پر رشک کرر ہے تھے۔کیوں کہ شادی کا حقیقی مفہوم تو یہی تھا۔جبھی تو کہہ گئے تھے:

ع: مجنوں کی ہے بارات ذرا دھوم سے نکلے

جمال الاولیا حضرت شاہ جمال الحق مصطفیٰ بندگی چمنی بازار شریف کے فرزند فرید و مرید رشید خانقاہ رشیدیہ جون پور شریف کے بانی قطب الاقطاب شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب اپنی خانقاہ بنائی ،تو اول اول یہ خانقاہ خس پوش تھی ۔موسم برسات آنے پر وہ چھپر ٹپکنے لگا۔عقیدمندوں نے رائے دی کہ اس کی مرمت ہو جائے یا دوسرا چھپر بنا دیا جائے ،تو قطب الاقطاب نے فرمایا تھا:

'چھپر تو دھوپ سے بچنے کے لئے ہے اور بارش کا موسم تو چند روزہ ہے۔چند دن کے لئے کیا زحمت اٹھائی جائے'۔

[ملاحظہ ہو: سمات الاخیار]

مطلب یہ کہ چند روزہ زندگی کے لئے کیا اہتمام کیا جائے یا پھر اس میں حکمت یہ رہی ہو کہ سکون وسہولت میسر ہونے پر عبادت و ریاضت اور ذکر و مراقبہ میں خلل نہ پڑ جائے۔

موقع کی مناسبت سے یہاں ایک لطیفہ سن لیجیے۔یہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ غالب بہت بڑے شاعر تھے۔لیکن ان کا اپنا ذاتی مکان کبھی نہیں رہا۔ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہے۔بارش کے زمانے میں ان کی چھت ٹپکنے لگی اور کھڑکی و دروازے سے بارش کی بوچھار

آنے لگی۔ تو جیسا کہ ہر اہلیہ کچھ نہ کچھ بے صبر و ناشکر ہوتی اور لعن طعن کرتی رہتی ہے، غالب کی اہلیہ نے بھی زبان طعن دراز کی اور بارش کے ساتھ ساتھ وہ اپنے شوہر غالب پر برس پڑی۔ اب غالب بچارے کیا کرتے۔ از راہ مذاق و مزاح بیوی سے کہا:

'بیگم جی! پریشان نہ ہو۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے۔ لوگ اس کے لئے ترستے ہیں اور یہ تمہارے گھر میں گھس گھس کے آتی ہے۔ واہ! کیا خدا کی رحمت ہے۔ خدا کا شکر کرو۔ پریشان نہ ہو'۔

حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین علیہ الرحمہ کا گھر کچا تھا۔ صاحب جائداد تھے وہ۔ کھر ان کا اپنا ہوتا تھا۔ مگر ان کو اپنے گھر اور کھر کا خیال نہیں۔ گاؤں اور پڑوس کے ضرورت مند لوگ آتے اور اپنی ضرورت بتاتے اور وہ انہیں اپنا کھر دے دیتے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ ضرورت مندوں، بے کسوں اور بے سہاروں کو بہت کچھ دے دیا اور بانٹ دیا کرتے تھے اور خود فقر و قناعت کی راہ اپنا لیتے۔ یہ دیکھ کر ان کی والدہ ماجدہ نے کہا:

'بہادرا کو اپنے گھر کی فکر نہیں۔ دوسروں کی فکر کرتے ہیں۔ بڑے دیالو بنتے ہیں'۔

واضح رہے کہ ان کی ماں مرحومہ ان کو پیار سے بلفظ اسم تصغیر پکارا کرتیں تھیں، یعنی 'بہادرا' کہا کرتی تھیں۔ راوی کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت لوگ خدا کو یاد کرتے ہیں۔ حضرت والا کا اس میں یہی راز تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ، جو اپنے دور میں سرتاج اصفیا، شہریار زہاد اور فقرا و درویشوں کے تاجور تھے، نے کہا تھا:

جلی جلی بو مایۂ سمن ہے انہیں کی خوشبو چمن چمن ہے
کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

حضرت شاہ محمد بہادر حسین صاحب کو بھی دل ہی کے کباب میں مزہ آتا تھا۔ دنیا کے کباب و قورمہ میں ان کے لئے کچھ بھی لذت و کشش نہیں رہ گئی تھی۔ اس دن ان کے گھر فاقہ تھا۔ صبح ہی سے بھوک کا بھیڑیا پیچھا کر رہا تھا۔ جب ذرا دن چڑھا، تو اپنی والدۂ کریمہ سے شاہ محمد بہادر حسین نے عرض کیا:

'ماں محترمہ! مسالہ وغیرہ تیار کرائیں۔ آج پلاؤ کھانے کا من ہے۔ ان شاء اللہ! آج دیسی گھی کا پلاؤ اور مرغا بنے گا'۔

ماں محترمہ، جو جلی بھنی بیٹھی تھیں، بول اٹھیں:

'صبح سے تو روکھی روٹی نصیب نہیں۔ خوب چلے۔ پلاؤ اور مرغا کھلانے، بہادرا! کہ مسالہ تیار کروں، کراؤں'۔

حضرت والا نے بہادرانہ لہجے میں عرض کیا:

اماں جی! مذاق نہیں۔ آج ہمیں اللہ بے شک مرغا اور پلاؤ کھلائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ برائے مہربانی تیاری کریں'۔

بادل ناخواستہ ماں مرحومہ نے کام شروع کر دیا۔ کچھ ہی لمحے بیتے تھے کہ دور سے تین آدمی ملنے آئے۔ ایک نے خوشبودار چاول لایا تھا۔ دوسرے نے گھی لایا تھا اور تیسرے نے مرغا۔ ذوق و شوق سے لایا اور عقیدت و محبت سے حضرت والا کی خدمت میں نذر پیش کیا۔ حضرت والا نے حاضر باشوں سے فرمایا: 'لے جاؤ۔ اندر پہنچادو'۔

گھر والے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ ظاہر ہے۔ لذیذ کھانا تیار رہوا۔ گھر کے افراد، آنے والے مہمان اور بستی کے حاضر باش خدام نے خوب سیر شکم ہو کر کھایا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ تھا حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین علیہ الرحمہ کا کشف اور یہ تھی کھلی کرامت۔

ٹھیک اسی قسم کا ایک واقعہ ایک بار قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی ہری پوری علیہ الرحمہ کے یہاں بھی پیش آیا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں اُن کی ماں تھیں اور یہاں اِن کی اہلیہ تھیں۔ [ملاحظہ: حیات قطب پورنیہ]

جس دور کی یہ داستان پاستان ہے۔ اس دور میں بائسی علاقے کے لوگ دھان خریدنے سری پور یعنی بیسا بلاک اور اس سے آگے جاتے تھے۔ اس لئے کہ ادھر کسی تک بھاؤ کم رہتا تھا۔ ایک گاڑی بان سری پور سے دھان لے کر لوٹ رہا تھا۔ حضرت شاہ محمد بہادر حسین دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے خدام کے ساتھ ادھر ہی تشریف لے جا رہے تھے۔ سنسان راستے میں دیکھا کہ گاڑی بان زار و قطار رو رہا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا ایک بیل مر چکا ہے۔ پاس میں پیسہ بھی نہیں کہ دوسرا خرید لے۔ اب نہ جائے رفتن، نہ پائے ماند کی کیفیت ہے۔ حضرت والا نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ان کی گاڑی کسی گاؤں تک لے چلو'۔ کھینچ کھانچ کر یہ قافلہ گاؤں پہنچا۔ حضرت والا نے تب فرمایا:

'گاؤں والوں کو بول کر کچھ چاول اکٹھا کرو۔ یہ جو بچا ہوا بیل ہے، اسے ذبح کرا دو اور قرب و جوار کی بستیوں میں اعلان کرا دو کہ آج یہاں حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین کی تقریر ہونے والی

ہے اور گوشت بھات کھانے کی دعوت بھی ہے۔لوگ کثیر تعداد میں
تشریف لا کر اپنی دنیا و آخرت روشن کریں'۔
یہ دیکھ کر اور سن کر گاڑی بان کے اوسان خطا ہو گئے کہ رہا سہا بیل بھی ختم ہونے جا رہا ہے۔حضرت والا نے انہیں تسلی دی:
گھبراؤ نہیں۔اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے'۔
یہ سن کر گاڑی بان چپ ہو رہا۔رات ہوئی۔لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ آئے اور جلسہ بے حد کامیاب ہوا۔حضرت والا کی بے حد رقت انگیز تقریر ہوئی اور نہایت پر اثر وعظ فرمایا۔راوی کا بیان ہے کہ حضرت والا کی کرامت آثار تقریر سے سامعین کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہاں روپیوں کی بارش ہونے لگی۔مرے ہوئے اور ذبح کیے ہوئے بیل سے بہتر بیلوں کا ایک جوڑا خریدا گیا اور گاڑی بان کے حوالے کر دیا گیا اور جو روپیے بچ رہے، وہ بھی اس گاڑی بان کو دے دیئے گئے۔گاڑی بان خوش وخرم ہو کر بیل اور روپیے لے کر روانہ ہو گیا۔مگر اس علاقے کے افراد پر اس تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ سب نیکی و بھلائی کے پیکر بن گئے۔
حضرت شاہ محمد بہادر حسین نے پانجی پاڑہ، جو کشن گنج سے پورب ہے، میں ایک مسجد بنوائی تھی اور دوسری مسجد اسلام پور میں تعمیر کروائی تھی۔اسلام پور پانجی پاڑہ سے ذرا پورب ہے۔جب دونوں مسجدیں بن کر تیار ہو گئیں، تو نماز جمعہ سے دونوں مسجدوں کا افتتاح ہونا تھا۔دونوں جگہوں کے عقیدت مندوں نے پہلی نماز جمعہ پڑھا کر افتتاح کی دعوت دی۔دعوت کا یہ عمل باری باری ہوا۔یوم موعود اور وقت معہود پر بیک وقت حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین نے نماز جمعہ پڑھا کر مسجدوں کا افتتاح فرمایا۔اب جب وقت گزرنے پر ایک جگہ کے لوگوں کی ملاقات دوسری جگہ کے لوگوں سے ہوئی، تو ہر ایک گروہ کہنے لگا:
'حضرت نے ہماری یہاں نماز پڑھائی۔اس دن تو حضرت ہمارے یہاں تھے'۔
ہر گروہ اپنی بات پر اٹل تھا۔ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔معاملہ تو تکرار تک پہنچا۔بالآخر طے یہ پایا کہ چلو۔حضرت والا کے دولت کدے پر پہنچ کر معاملہ کا تصفیہ کرایا جائے۔دونوں گروہ کے بااثر افراد حضرت والا کے درِ دولت پہ پہنچے۔معاملہ کی پیشی ہوئی، تو حضرت والا نے یہ فرما کر بات رفع دفع کر دی کہ:
'بھئی! تم لوگ کہتے تو ٹھیک ہو۔لیکن آم کھایا کرو۔پیڑ گنا مت کرو'۔
لوٹیا باڑی، تارا باڑی، چنگی، مہیش بتھنہ اور کھاڑی، یہ سب بستیاں لب دریا آباد ہیں۔مشرق

میں مہانندا ہے اور پچھّم میں کنکئی بہتی ہے۔ یہ دونوں بڑے خونخوار دریا ہیں۔اس کے کٹاؤ بہاؤ سے لوگ بہت ہی پریشان رہتے ہیں۔دریاؤں کا یہ ظلم صرف کھیتوں اور آبادیوں پر ہی نہیں ہوتا،قبرستانوں پر بھی ہوتا ہے۔تارا باڑی کے مزارات مقدسہ بھی اس کے شکار ہوئے ہیں۔قطب العارفین شاہ محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ کا مزار شریف بھی اس ظلم سے محفوظ نہیں رہا۔حضرت مولانا شاہ محمد بہادر حسین صاحب کا مزار شریف بھی اس ظلم عظیم کا شکار ہوا ہے۔تباہی کے بعد جب دریا دوسرا رخ اختیار لیتا ہے،تو بستیاں پھر سے آباد ہو جاتی ہیں۔قبرستان بھی پھر سے گھیر لئے جاتے ہیں۔تب پھر اقربا،عشاق اور عقیدت مند حضرات مزارات مقدسہ کو بھی محفوظ کر لیتے ہیں۔

چتکی قبرستان میں جب یہ حادثہ پیش آیا اور کچھ دنوں بعد وہاں کا قبرستان خشک مسطح ٹیلے کی شکل میں نمودار ہوا۔ندی کے پچھّم پار سے کچھ لوگ پورب پار جا رہے تھے۔دو پہر کا وقت تھا اور سخت گرمی کا موسم تھا۔۔دیکھا کہ ریت اور ٹیلہ پر سفید لباس میں ملبوس ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔پورب طرف جانے والوں سے ان بزرگ صاحب نے فرمادیا کہ جا کر ذرا چتکی والوں کہہ دینا کہ حضرت مولانا محمد بہادر حسین صاحب کے مزار کے پاس گندگی ہے۔اسے صاف کرادے اور ان کو یہ بتادیں کہ مزار کے سرہانے اس شکل کا ایک پودا اگا ہوا ہے۔

چتکی والے حضرت مولانا محمد جلال الدین رضوی لکھتے ہیں کہ:

'وہ اس وقت مدرسہ فیاض المسلین بائسی میں پڑھتے تھے۔وہ بھی اور گاؤں والے بھی قبرستان پہنچے اور نشان زد مقام پر جا کر دیکھا،تو واقعی مزار شریف کی وہی جگہ ہے اور آس پاس کی دیگر قبریں بھی اپنی جگہ ہیں۔پھر عرس کمیٹی کے ارکان نے وہاں گائے بھینس کی جو گندگی تھی،صاف کرائی اور مزار شریف کا احاطہ کروایا اور مکمل حفاظت کا انتظام کیا اور حسب سابق چادر چڑھائی۔پھول،اگر بتی اور روشنی کا اہتمام کیا۔اب حسب دستور سابق ہر کام جاری وساری ہے۔'

[مرسلہ مواد مولانا محمد جلال الدین نوری،موبیہ]

☆ ☆ ☆

مرید وخلیفہ شاہ محمد حفیظ الدین رحمان پوری
حضرت مولانا شاہ محمد امین الدین نقشبندی لطیفی

قدیم پورنیہ کی ایک ایک بستی لعل یمن، درّ عدن سے کم نہیں۔ جس بستی میں جایئے، کوئی نہ کوئی لعل وگوہر آپ کو مل جائے گا۔ حیرت ہوتی ہے۔ یہ لعل وگوہر اپنے اپنے وقتوں میں چمک چمک کر روپوش ہو گئے۔ پھر کوئی پارکھ پیدا نہ ہوا۔ جو کم از کم ان کا ذکر ہی کرتا۔ علاقائی اور عوامی سطح پر زبانی قصہ گوئی تو ہوتی ہے کہ فلاں یوں تھا اور یوں تھا۔ مگر نوک قلم کند ہی رہی۔ ان کا چرچا نہ کرسکی۔ اب کہ یہ کام شروع ہوا ہے۔ تحریری شہادت کم یا نہیں کے برابر یا بالکل نہیں، زبانی روایت ووراثت پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ زبانی ذکر وروایت بھی ہم ثقہ افراد سے سنتے ہیں اور سپرد قرطاس کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت عقل ودرایت کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے، تو قبول کی جاتی ہے۔ تب اصل حقیقت لی جاتی ہے، فاسد مواد رد کر دیا جاتا ہے۔

یہ دیکھئے، یہ بستی گوسائیں پور ہے۔ جو علاقہ کرن دیگھی، علاقہ رائے گنج میں ہے۔ یہ کبھی قدیم پورنیہ میں تھی۔ اب مغربی بنگال کا حصہ ہے۔ یہ بستی کب سے آباد تھی اور مشہور تھی۔ مگر اس کی شہرت میں چار چاند اس وقت لگا۔ جب وہاں امین الدین نامی ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ کوئی عام بچہ نہیں تھا۔ یہ امین تھا۔ جو دین، دانش کا امانت دار، راز دار بن کر دین، قوم، علاقہ کا نام سربلند کر دیا۔ امین الدین اب امین الدین نہیں رہا۔ پیر طریقت حضرت مولانا شاہ محمد امین الدین لطیفی نقشبندی کہنے پر دنیا مجبور ہوگئی۔ پھر ان کی اولاد صلبی نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ کہتے ہیں کہ دنیا جھکتی نہیں، جھکائی جاتی ہے۔ یہ کہاوت شاہ امین الدین نے سچ کر دکھائی، ورنہ گوسائیں پور میں نہ جانے کتنے بچے پیدا ہوئے اور شہر خموشاں میں جا بسے۔ اس شہر کے سوئے شہریوں کی گنتی کون رکھتا ہے۔

شاہ امین الدین کی ولادت اسی گوسائیں پور میں ہوئی۔ پرورش بھی یہیں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم بھی یہیں پائی۔ ادھر انہوں نے کہاں کہاں اور کس کس سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ اس

کا مجھے تفصیلی علم نہیں ہے۔ لیکن وہ بارگاہ اور درسگاہ، جو اس دور میں مرکز ثقل بنی ہوئی تھی، وہاں وہ ضرور کھینچ کر چلے آئے۔ یہ بارگاہ اور درسگاہ تھی، برہانِ پورنیہ حضرت مولانا شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی قدس سرہٗ کی۔ علم اور ولایت کا یہ ایوان رحمٰن پور تکیہ شریف میں آراستہ تھا۔ یہاں مسجد بھی تھی، مدرسہ بھی تھا اور خانقاہ بھی۔ یہ مسجد، مدرسہ، خانقاہ آج بھی اپنی بہار جاں فزا دکھلا رہی ہے۔ مگر اس وقت کی بات کچھ اور تھی اور اس وقت کچھ اور ہے۔ تب دین کا غلبہ تھا۔ علم کا غلبہ تھا۔ ولایت و معرفت کا چشمۂ حیواں رواں تھا۔

شاہ محمد امین الدین گوشائیں پوری نے علم، عمل، ولایت، معرفت کے اس چشمۂ سیال سے پیا تھا اور جم کر پیا تھا۔ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کی ذات گرامی انتہائی بافیض تھی۔ وہ زبان سے پڑھاتے تھے۔ نگاہ سے پلاتے تھے۔ عملاً سنوارتے تھے۔ تعلیم الگ چیز ہے، تربیت شئی دیگر ہے۔ بارگاہ لطیفی میں یہ باتیں جمع تھیں۔ اب یہ باتیں ہوا ہو گئیں۔ شاہ محمد امین الدین گوشائیں پور سے رحمٰن پور آئے، تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ یہیں تعلیم پائی۔ یہیں سے تربیت لی۔ یہیں سے مرید بھی ہوئے۔ پھر یہیں سے خلافت و اجازت بھی عطا ہوئی۔ اس پورے عمل میں ایک عرصہ لگا ہوگا۔

برہانِ پورنیہ شاہ حفیظ الدین محض مدرس یا پیر محض تو تھے نہیں، ان کی نگاہ تو جوہر شناس تھی۔ کیمیا اثر تھی۔ جس پر پڑ گئی، بن گیا۔ جس پر جم گئی، جم گیا۔ خام تھا، خالص ہو گیا۔ ناقص تھا، کامل ہو گیا۔ ایسے ناموں کی تعداد بہت ہے۔ کچھ حضرات کا ذکر ہم نے ان کے تذکرے کے ضمن میں کر دیا ہے۔ اس کے لئے 'کاملانِ پورنیہ' کی جلد اول دیکھیے۔ اب جو دریافت ہو رہا ہے، یہ اس پر اضافہ ہے۔

شاہ محمد امین الدین علیہ الرحمہ جب بن سنور گئے۔ تو اب ان کو بنانے سنوارنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اپنے گاؤں گوشائیں پور واپس تشریف لائے۔ اپنی ذاتی زمین وقف کر کے مسجد کی بنیاد رکھی۔ تعمیر کی، مدرسہ بنوایا، تعلیم کا اجرا فرمایا۔ پھر خانقاہ تعمیر فرمائی اور عملی تربیت کا کام شروع کر دیا۔ تعلیم، تربیت، عبادت تمام کل پرزے بہ یک وقت شروع ہو گئے اور ایک عرصہ تک نہایت سرگرمی سے چلتے رہے۔ گاؤں، اطراف، دور دراز علاقے ان کی

تعلیم، تربیت، بیعت وارشاد، وعظ ونصیحت، نقوش وتعویذ اور فلاحی کاموں سے فیضیاب ہوئے۔ اس علاقہ میں گوشائیں پور کو مرکزیت حاصل رہی۔ بہت سے حفاظ فارغ ہوئے۔

عربی شعبہ کے طلبہ باہر کے مدرسوں میں گئے۔ فارغ التحصیل ہو کر دینی خدمت پر مامور ہوئے۔ گاؤں، دیہاتوں میں اسلامی شعور پیدا ہوا۔ جہالت اور جاہلی رسوم کا خاتمہ ہوا۔ ایک طویل مدت تک اس کارخانہ نے نہایت بے جگری سے کام کیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ علم وآگہی کا یہ کارخانہ تو جاری رہا، مگر کارخانہ کا بانی وکارساز چلتا بنا۔ یہ ۱۳۴۶ھ کا سال تھا کہ پیر طریقت حضرت مولانا شاہ صوفی محمد امین الدین لطیفی نقشبندی، جو ۲۳؍ ذیقعدہ سے پہلے دامت برکاتہم العالیہ تھے، آج سے وہ ہمیشہ کے لئے علیہ الرحمۃ والرضوان ہو گئے۔ اب اقارب اور عقیدتمندان کے یوم وصال پر عرس کی تقریب منعقد کرتے ہیں اور اپنے مربی کو یاد کرتے ہیں۔

پیر طریقت صوفی شاہ محمد امین الدین علیہ الرحمہ کے تین فرزند ارجمند تھے۔ تینوں زیور علم سے مزین تھے۔ وہ خود ہی صوفی تھے۔ تینوں کو راہ تصوف کی تربیت دی تھی۔ اول حضرت مولانا صوفی محمد حسام الدین نقشبندی تھے، جو چلتے چلاتے دہلی جا بسے۔ ان وصال وہیں ہوا۔ مسافر قبرستان دہلی میں مدفون ہوئے۔ فرزند دوم حضرت مولانا محمد حسن لطیفی نقشبندی تھے۔ جو صوفی صافی، باپ کے عکس جمیل تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی گدی پر بیٹھے اور زیادہ نہیں پانچ چھ برس والد گرامی کی نیابت کا فریضہ انجام دیا۔ ۵۳؍ یا ۱۳۵۲ھ میں مولانا محمد حسن لطیفی کا انتقال ہوا۔ تو فرزند ثالث جو سب سے چھوٹے تھے۔ زیب سجادہ ہوئے۔ یہ فرزند ثالث، جن کا نام حضرت مولانا محمد محبوب عالم لطیفی تھا اور ناظم صاحب کے عرف سے مشہور ہوئے۔

ناظم صاحب کو ایک لمبی مدت ملی، جس میں انہوں نے علاقہ کی خوب جم کر خدمت کی۔ لوگوں کی زندگی بنائی، آخرت سنواری۔ بے پناہ شہرت تھی۔ بے حد مقبولیت تھی۔ عالم تھے، عامل بھی تھے۔ صوفی بھی تھے۔ ان کے وجود مسعود نے لوگوں کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ بالآخر یہ ستارہ بھی غروب ہو گیا۔ غروب کی تاریخ ۱۷؍ صفر ۱۴۲۳ھ / یکم مئی ۲۰۰۲ء ہے۔ اب یہ تمام امور، جوان کے جد واب انجام دیتے تھے۔ حضرت مولانا محبوب عالم لطیفی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے

حضرت مولانا محمد آفتاب عالم صاحب انجام دیتے ہیں۔ موجوزہ ناظم وصاحب سجادہ کو خدا توفیق دے کہ وہ باپ دادا کی میراث کی حفاظت بھی کریں اور اسے فروغ بھی دیں۔

مولانا شاہ صوفی امین الدین علیہ الرحمہ تو برہانِ پورنیہ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی سے مرید بھی تھے اور مجاز وماذون بھی، لیکن ان کے تینوں فرزند عارف کامل حضرت سید شاہ محمد حمید الرحمٰن لطیفی سابق سجادہ بارگاہ عشق پال متن گھاٹ پٹنہ سے بیعت تھے اور سید شاہد حسین درگاہی میاں سے خلافت یافتہ بھی۔ اسی بارگاہ عشق پاک سے شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ بھی مرید تھے اور اجازت یافتہ بھی۔ بارگاہ عشق پاک بافیض بارگاہ ہے۔ اس بارگاہ کے فیضان سے یہ زیر بحث علاقہ نہایت مالامال ہوا۔

حضرت مولانا محمد آفتاب عالم ابھی رمضان ۲۰۱۱ء میں بمبئی تشریف لائے تھے۔ کرم فرما کر میری ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ یہیں آفس میں بیٹھ کر میں نے ان سے یہ معلومات حاصل کیں۔ زبانی انہوں نے جو کچھ بتایا۔ میں نے اپنے لفظوں میں قلمبند کر دیا۔ خانقاہ گوشائیں پور پہنچ کر معلوم کیا جائے، تو عین ممکن کہ کچھ تحریری دستاویز بھی مل جائے۔ لیکن سفر کے لئے وقت درکار ہے۔ اگر کبھی موقع ملا، تو کھنگالنے کی کوشش کی جائے گی۔

☆ ☆ ☆

مرید و خلیفہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین حفیظی لطیفی علیہ الرحمہ

برہان پورنیہ حضرت مولانا شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی قدس سرہٗ [متوفی ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء] یہ وہ شخصیت ہیں، جو میری آٹھ دس سالہ تحقیق و مطالعہ میں قدیم پورنیہ کے پہلے سند یافتہ عالم دین ہیں۔ ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ تحصیل تعلیم کے لئے لکھنؤ اور دہلی میں گزرا اور پھر حصول سلوک و معرفت میں عظیم آباد میں نکل گیا۔ تب پھر عملی حیات کا جوان حصہ پورنیہ سے باہر ہی پٹنہ اور سہسرام میں بیت گیا۔ اس طرح ان کے علم و فضل سے عرصہ دراز تک ان کا اپنا وطن محروم رہا۔ لیکن انہیں جب اپنے وطن کی مذہبی بدحالی کا خیال آیا، تو عمر عزیز کا کارواں اپنے منتہیٰ کی طرف تیزی سے رواں دواں تھا۔

اپنے وصال سے قریب دو عشرہ [سولہ سترہ برس] پہلے سہسرام سے اپنے وطن مالوف پورنیہ مراجعت فرمائی۔ لیکن اسی قلیل مدت میں اللہ کریم کے فضل و کرم سے برہان پورنیہ نے اس خطہ کے مذہبی حالات کو بہت حد تک سدھار دیئے۔ اس کے لئے انہوں نے دو دو مدرسے قائم کئے۔ ایک مدرسہ اسافت رحمت، محمدیہ اسٹیٹ، پورنیہ اور دوسرا مدرسہ لطیفیہ رحمان پور۔ مدرسہ اسافت رحمت میں خود بھی تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ مدرسہ لطیفیہ تو ان کی خانقاہ کے پہلو میں ہی تھا۔ اس مدرسہ و خانقاہ نے واقعی ایک تاریخی ریکارڈ قائم کیا۔ یہ محض مدرسہ نہیں، مدرسہ و خانقاہ کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ اس لئے کم وقت میں زیادہ کام سرانجام پا گیا۔ جیسا کہ قدیم صوفیا کا طریقہ تھا۔ یہاں چوں کہ شریعت کی تعلیم کے ساتھ طریقت کی عملی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں انسان ڈھلتا ہے۔ ذہن پگھلتا ہے۔ نفس کی شرارت و کدورت دور ہوتی ہے۔ تب پھر انسان محض انسان ہی نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ خود دوسروں کے لئے سیرت صوفیا کا سچا نمونہ بن کر رہبر و راہ نما بن جاتا ہے۔

برہان پورنیہ کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہی کیا۔ خانقاہ اور مدرسہ قائم کر کے انسان سازی و کردار سازی کی۔ سیرت سازی اور انسانیت نوازی کی۔ نتیجے میں ان کی ذات والا صفات اور لازوال خدمات واثرات کا دائرہ سیمانچل سے آگے موجودہ بنگلہ دیش کے کئی اضلاع تک پھیل گیا۔ انہوں نے اپنے تلامذہ اور تربیت یافتوں کا ایک کڑی کمان والا ٹولہ وٹیم

چھوڑا۔ جس نے ان کی وفات کے بعد پورے سیما نچل کو سنبھال لیا۔ لیکن اس ٹولہ ٹیم کے سربراہ تھے جلالۃ العلم قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی قدس سرہ، جو بحر العشاق والعرفا حضرت شاہ محمد عبد العلیم آسی غازی پوری قدس سرہ [م ۱۳۳۵ھ] کے مکتب عشق کے پالا وڈھالا تھے۔ برہان پورنیہ کے بعد قطب العارفین نے ہی پورنیہ کی مذہبی قیادت سنبھال لی تھی۔

برہان پورنیہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ علیہ کے درس وافادہ اور صحبت فیض سے ،جو دینی و تبلیغی دستہ تیار ہوا، اس کا ہر فرد ایسا ہے کہ اس کی مکمل تاریخ لکھی جائے۔ یہاں ہم چند اسمائے گرامی کی طرف ایک اجمالی اشارہ کرتے ہیں۔ پہلے قیام سہسرام کے چند نقوش:

[۱] برہان پورنیہ کے ایک شاگرد حضرت علامہ محمد عثمان شاہ جہان آبادی مدرسۂ صولتیہ مکۂ مکرمہ میں استاذ مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ کے بانی رد نصاری کے ماہر مناظر حضرت علامہ محمد رحمت اللہ کیرانوی مہاجر حرم مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

[۲] معمار قوم وملت حضرت علامہ شاہ محمد فرخند علی فرحتؔ سہسرامی متوفی ۱۳۵۳ھ، جنہوں نے مدرسہ خیریہ نظامیہ قائم کر کے اہل بہار کا سر فخر ومباہات سے اونچا کر دیا۔ تفصیل کے لئے ’تاریخ مدرسۂ خیریہ نظامیہ‘ مرتبہ ڈاکٹر ساحل سہسرامی کا مطالعہ کیجیے۔

[۳] حضرت مولانا شاہ محمد صادق علی علیہ الرحمہ، یہ غازی پور کے باشندہ تھے۔ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ کے شاگرد بھی، مرید بھی اور خلیفہ بھی تھے۔ ان کا وصال بھی ۱۳۵۳ھ میں ہوا۔ مزار مبارک محی الدین، غازی پور یوپی میں ہے۔

[۴] حضرت مولانا شاہ محمد عبد الحیٔ نظرؔ سہسرامی، یہ بھی تلمیذ و مرید وخلیفہ تھے۔ وصال ۱۳۵۸ھ میں ہوا۔ قبر شریف بابو شہید قبرستان سہسرام میں ہے۔

[۵] حضرت مولانا شاہ خواجہ میر نظام علی بن لیاقت علی علیہما الرحمہ، آپ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے شاگرد ومرید وخلیفہ تھے۔ ۱۳۶۰ھ میں وفات پائی۔ مزار شریف محلہ کبیر گنج سہسرام میں ہے۔

پنجتن پاک کے صدقے میں ان پانچ نفوس قدسیہ کے ذکر کے بعد ثانیاً ان کی اپنی اولاد نرینہ کا ذکر جمیل اس طرح ہے:

[۶] حضرت مولانا شاہ محمد امام مظفر لطیفی علیہ الرحمہ، یہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے بڑے صاحب زادے تھے۔ ابتداً اپنے والد ماجد سے پڑھی۔ شوق حصول علم کے ہاتھوں مجبور ہو کر دار العلم والعمل مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ روانہ ہوئے۔ دوران تعلیم حالات واحباب اور

ہوائے نفس کے شکار ہو کر دیو بند پہنچ گئے۔ والد گرامی شاہ حفیظ الدین کو جیسے ہی اس حادثہ کی خبر لگی۔ فوراً دیو بند کے لئے رخت سفر باندھ لیا۔ دیو بند پہنچ کر 'لا خیر فیکم' یا 'ماوجت خیراً فیکم' کہہ کر اعلان حق فرما دیا اور اپنے فرزند کو لے کر مراجعت فرمائی۔ پھر اپنی کڑی نگرانی میں خود شریعت وطریقت کی تعلیم کی تکمیل فرما دی۔ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے وصال کے بعد آپ ہی پہلے سجادہ نشین منتخب ہوئے۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تین ماہ بعد ہی اسی سال [۱۹۱۵ء] میں آپ واصل بحق ہو گئے۔

[۷] شاہ محمد شرف الہدیٰ لطیفی، یہ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے دوسرے فرزند تھے۔ اپنے والد ماجد ہی سے تعلیم پائی اور تکمیل سلوک کر کے منصب تدریس وارشاد پر فائز ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی کے وصال کے بعد آپ زیب سجادۂ لطیفیہ مقرر ہوئے اور ایک طویل مدت تک خانقاہ و مدرسہ کی خدمت کی۔ ان کے ایک صاحبزادے حضرت مولانا شاہ چراغ عالم لطیفی منظر اسلام بریلی سے فارغ التحصیل تھے۔ انہی کے ایک دوسرے بیٹے ابن نوح علیہ السلام کی طرح اپنے باپ اور دادا کے دین سے برگشتہ ہو کر قعر گمنامی میں چلے گئے۔

[۸] حضرت خواجہ شاہ محمد وحید اصغر قدس سرہ، یہ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے چھوٹے اور آخری فرزند ارجمند تھے۔ جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے فارغ تھے اور زندہ ولی تھے۔ والد کی وفات کے وقت آپ کی عمر چودہ برس کی تھی۔ اپنے منجھلے بھائی کے وصال کے بعد آپ ہی سجادہ نشین منتخب ہوئے۔ شاہ شرف الہدیٰ کے اس برگشتہ بیٹے نے مشکلات تو کھڑی کیں۔ لیکن ارباب حل وعقد ،علاقائی عمائدین ورؤسا، حتیٰ کہ کرٹ کچہری کے حتمی فیصلے نے خانقاہ ومدرسہ ومسجد کی تولیت کی مسند پر عملاً بیٹھا دیا۔ آپ اپنے والد ماجد کے سچے جانشین ثابت ہوئے اور تکیہ رحمان پور کے وقار کو دوبالا کر دیا۔ آپ حضرت ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی کے خاص الخاص احباب میں تھے اور اپنے بیٹے شاہ خواجہ شمس العالم کو تعلیم وتربیت کے لئے ملک العلما کے حوالہ کیا تھا۔ جو آج تکیہ لطیفی رحمان پور کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

اب آئیے، سہسرامی فیضیافتوں اور اپنی اولادوں کے بعد رحمان پور آمد پر جو کارہائے نمایاں انجام پائے۔ خصوصاً تعلیم وتربیت اور بیعت وارشاد کے حوالہ سے، اس کا ایک سرسری جائزہ پیش قارئین ہے۔ جو ان کی حیات مبارکہ کا آخری پڑاؤ ہے۔ سورج اپنے پیچھے کیسی شفق اور کیسے ستارے چھوڑ جاتا ہے۔

[۹] حضرت مولانا شاہ محمد امین الدین لطیفی نقشبندی قدس سرہ، یہ گوشائیں پور علاقہ رائے گنج، ضلع دیناج پور کے باشندہ تھے۔تعلیم وتربیت کے بعد تکیہ رحمان پور سے اٹھ کر گوشائیں پور تشریف لائے اور مدرسہ ومسجد وخانقاہ تعمیر کر کے قوم وملت کی تعمیر وتشکیل اور دعوت وتبلیغ میں لگ گئے ۔اس دیار میں آج جو دینی شعور ہے، یہ انہی مولانا محمد امین الدین لطیفی کی کڑی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ یہ حضرت برہان پورنیہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کے تلمیذ وتربیت یافتہ اور خلیفۂ خاص تھے۔

[۱۰] شرف پورنیہ حضرت مولانا شاہ محمد شرف الدین حفیظی لطیفی قدس سرہ،شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے یہ وہ عزیز از جان شاگرد ومرید وخلیفہ تھے،جن کو اپنے سامنے بیٹھا کر ارادت مندوں سے کہا کہ اب تم لوگ ان سے مرید ہو جاؤ۔ پھر شاہ محمد حفیظ الدین گانگی، ضلع کشن گنج تشریف لائے اور اپنے قابل فخر فرزند معنوی کے لئے زمین ہموار کی اور وہاں حضرت شاہ محمد شرف الدین نے مدرسہ ومسجد اور خانقاہ کی بناڈال کر وہ خدمات سرانجام دیں کہ اس علاقے میں مثال ٹھہریں۔

[۱۱] پیر طریقت حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین لطیفی قدس سرہ کوچہ گرڑھ،ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

[۱۲] چراغ پورنیہ حضرت مولانا شاہ محمد سکندر علی رشیدی قدس سرہ بینی باڑی، یہ جب اپنی بستی بینی باڑی سے دینی تعلیم کے لئے اٹھے،تو سب سے پہلے اسی مدرسہ وخانقاہ تکیہ رحمان پور میں آ کر بیٹھے اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر نکلے اور پھر جب دینی وعرفانی زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو کر لوٹے ،تو درگاہ بندگی چمنی بازار شریف کی خدمت وجاروب کشی تاحیات شعار کر لی۔ یہاں تک کہ اسی خاک خوشگوار کے نیچے ابدی نیند لینے کے لئے سو گئے۔

[۱۳] نازش علم وفن حضرت علامہ محمد عبد الرحمان قادری بینی باڑی، یہ ہر فن مولی شخص حضرت شاہ محمد حفیظ الدین کے خاص شاگرد تھے۔ان کی ایک بیاض میری نظر سے گزری ہے،جس میں علامہ بینی باڑوی نے اپنے مایہ ناز استاذ کی شان میں ایک مرصع منقبت لکھی ہے،جو ابھی قلمی صورت میں ہی ہے۔ علامہ شاندار ادیب وخطیب اور شاعر بھی تھے اور اس سے کہیں زیادہ مدرس، مصنف اور مناظر بھی تھے۔ عابد چندی پوری کے مباحثے ومناظرے میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

[۱۴] حضرت مولانا محمد کرامت حسین تمنا دلشاد پوری اور

[۱۵] حضرت مولانا تصدق حسین مشتاق دلشاد پوری

یہ دونوں سگے بھائی تھے۔ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ دونوں اعلیٰ پایہ کے فارسی داں تھے اور زبردست شاعر تھے۔ خاص فارسی دانی اور شعر وادب میں افق پورنیہ کے دونوں بھائی واقعی مہر و ماہ تھے۔ دونوں برادران گرامی کے فضائل و کمالات دیکھنے ہوں، تو اس خاکسار کی کتاب ' کاملان پورنیہ' جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء کا مطالعہ کیجیے۔ میں نے بڑی محنت کر کے ان دونوں پر خاصی معلومات جمع کر دی ہیں۔

[۱۶] حضرت مولانا محمد مراد حسین یتیم کھپراوی، ان کی حیات اور کمالات کا علم ' کاملان پورنیہ' نفس مصدر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کرامت حسین، تصدق حسین اور مراد حسین کو ہم نے یہاں 'مولانا' لکھا ہے۔ جبکہ یہ تینوں اس دور میں 'منشی' کہے جاتے تھے۔ یہ ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ دور حاضر کے سیکڑوں 'نصابی مولانا' یا 'دستار بند' یا 'سکہ بند' علما کہلائے جانے والوں پر وہ حضرات اپنے علم و عمل اور تقوی و بزرگی کے لحاظ بہر صورت فائق تر تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

[۱۷] عابد حسین چندی پوری، یہ وہ بدنصیب فرد فرید ہے، جو اسماعیل دہلوی کی طرح اپنے آبائی و موروثی عقائد و افکار سے پھر گئے اور اپنے استاذ و مرشد حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے معمولات و فرمودات سے مڑ اور مکر گئے۔ یہ امر تکیہ رحمان پور کے لئے ایک رستا خیز موذی مرض سے کم نہیں۔ خیر عابد حسین تو خاندان سے باہر کا تھا۔ خاص خانوادۂ حفیظی کا اب ایک فرد [پوتا] اسی ڈگر پر جا چکا ہے۔ افسوس اس کا نہیں کہ وہ کیوں بہک گیا، تاسف اس بات کا ہے کہ خم ٹھوک کر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ، ع: ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ یعنی برہان پورنیہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کی شخصیت اور ان کے عقائد و معمولات کو متہم کرنا شروع کر دیا ہے۔ باتیں بے سروپا کی ایسی کرتا ہے، لگے کہ اسے مرگی یا مالیخولیا کا مرض لاحق ہو گیا ہو۔ جب کہ خیر سے وہ ایک بہت بڑے بدمذہب ادارے کا فارغ بھی ہے اور جامعہ ملیہ دہلی سے بی اے بھی ہے۔

اب آئیے۔ پیر طریقت حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین حفیظی لطیفی علیہ الرحمہ کا ایک اجمالی بیان سماعت کیجیے۔ چوں کہ ان کے تعلق سے تفصیلی احوال سر دست مہیا نہیں۔ جب کہ مئی ۲۰۱۳ء میں خود کوچ گڑھ پہنچ کر میں نے جاننا اور سمجھنا چاہا۔ مگر حصول مقصد میں ناکام رہا۔ البتہ ان کے نامور فرزند طوطئی بہار و بنگال حضرت علامہ محمد ابو العلا علیہ الرحمہ کے پرانے کاغذات میں مجھے کچھ کارآمد اوراق پریشاں مل گئے۔ جن کی مدد سے بہت کچھ سمجھا جا سکتا ہے اور یہ چیزیں حضرت طوطئی بہار و بنگال کی حیات و خدمات کے بارے میں ہیں۔ تاہم اس کا

ڈوران کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین لطیفی سے جڑا ہوا ہے کہ بیٹا آخر تو باپ کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہاں مقامی زبان میں ایک کہاوت بھی ہے۔ باپے پوت، پراتے گھوڑا، نہیں بہت، تو جب بھی تھوڑا۔ خیر تفصیل نہ سہی، تو نہ سہی، اجمال ہی سہی۔ نا ماموں سے کانا ماموں ہی بھلا کے بموجب جستہ جستہ کچھ باتیں حوالہ قرطاس کرر ہا ہوں۔

حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین حفیظی لطیفی رحمۃ اللہ علیہ برہان پورنیہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ کے تراشیدہ وتربیت یافتہ تھے۔ خلافت واجازت سے سرفراز تھے۔ آپ نے گاؤں کوچ گڑھ میں اپنی زمین پر مسجد و مدرسہ اور خانقاہ بنائی۔ دین متین کی خدمت اور خلق خدا کی دینی وروحانی پیاس بجھائی۔ سنت اور اہل سنت کے چراغ کو روشن رکھا۔ اپنے کئی بیٹوں کو علم دین کے زیور سے آراستہ کر کے قوم وملت کے حوالے کیا۔

حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین لطیفی علیہ کی تعریف وتعارف اور ان کے پیرومرشد سے اٹوٹ تعلق ومحبت کے ثبوت کے لئے ہم دو قلمی دستاویز نقل کرتے ہیں، جو دونوں چیزیں حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ کے قلم کی شاہکار و یادگار بھی ہے اور مولانا محمد محی الدین لطیفی کے لئے قابل صد افتخار بھی۔ صد افتخار اس لئے کہ اس اسلوب کا استعمال کسی اور کے لئے ہرگز نظر نہیں آتا۔ تو لیجیے 'مکتوبات لطیفی' سے اہم یادگار مکتوب کا مطالعہ کیجیے:

"بحسن نگاہِ سرمایۂ تسکین خاطر حزین بدل اندر مکین عزیز جانم مولوی محمد محی الدین زاد عشقہ للہ وفی اللہ، از مشتاق لقائے سلام ودعا وعشق فقیر ارسیدہ باد آرے۔

دزدیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے

قربانِ نگاہِ تو شوم باز نگاہے

بلے؟۔ ع: چشمت بغمزہ لب بشکر خندہ می کنند۔ تفسیر آیت: خلق الموت والحیات۔ ہاں ہاں! اے نور جان دلم! با تو سر دارد کہ نتواں گفت و نیز با تو سر است کہ نتواں نہفت آرے۔ ع: نہاں گے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ ع: یارا مدام بادۂ عیشت بکام بار۔ اکنوں چیزے از راز وناز ونیاز حضرت عشق ازیں دعا گو ورضا جو بشنو کہ لفظ عشق درائے معنی مصدری بدو معنہائے دیگر مستعمل است۔ یکے

حالت است مر عاشق را نیز بنظرش در نیارد کہ گفتہ کہ: العشق نار تحرق کل شئی ماسویٰ الحبیب۔

یعنی عشق آتشے است کہ غیر دوست ہر چیزے را می سوزد و نور وحدت در دیدۂ عاشق می افروزد۔ اے کاش! اگر عاشق را چنیں حالت با معشوق حقیقی روزی بودتا البتہ یکے از واصلان بارگاہش شود و اگر مبادا با معشوق مجازی ہمیں حالت مر او را در رسد تا بشرط محض بے غرضی و عدم بوالہوسی وغیر ہوائے نفسی بآخر کار جانب معشوق حقیقی مر او را در کشد۔

عاشقے گرزیں سروگز ران سر است

عاقبت ما را بداں شہ رہبر است

و معنی دیگر ایں کہ عشق عین ذات واجب الوجود مبدأ ہر عاشق و معشوق و اصل ہر موجو است دمے بکسوت معشوقے بر آید و دمے دیگر بلباس عاشقی در آید آرے۔

گہے در کسوت لیلیٰ فرشد گہے بر صورت مجنوں بر آمد

ہاں ہاں! بہر زماں خود بہ خود عشق می باز دو باغیرے نمی پرداز دو ہر لحظہ آرزوئے معشوقے پردہ برانداز دو ہر لمحہ از راہِ عاشقی پردہ آغاز د۔

عشق در پردہ می نوازد ساز عاشقے کو کہ بشنود آواز
ہر نفس نغمۂ دگر سازد ہر زماں زخمۂ کند آغاز
ہمہ عالم صدائے نغمۂ اوست کہ شنید ایں چنیں صدائے دراز
راز او راز جہاں بروں افتاد خود صدا گے نگاہ دار دراز
سر او از زباں ہر ذرہ خود تو بشنو کہ من نیم غماز

ہاں! اے جان بے دلاں اندریں وقت و حالت بقدر فہم و خیالت بس می کنم و ازیں بیش را ہوس نمی کنم ورنہ ایں بیانے است کہ ایں را پایانے نیست۔

والدعا و بس

[محمد حفیظ الدین عفی عنہ]

[مکتوباتِ لطیفی، مطبوعہ سلیمانی پریس گائے گھاٹ بنارس، طبع اول ۱۹۲۸ء، مکتوب نمبر ۲۶/ص: ۳۲،۳۳]

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد محی الدین لطیفی اپنے گھر کوچ گڑھ تشریف لے گئے، تو حضرت شاہ محمد حفیظ الدین قدس سرہ نے اپنے اس عزیز از جان شاگرد و مرید و خلیفہ کی جدائی و ہجر میں چشم قلم کے اشک سے درج ذیل غزل لکھ کر ان کو روانہ کی۔ لیجیے، ذرا آپ بھی لطف اندوزی کیجیے:

بت سرمست ناز من کجائی — نمی بینی نیاز من کجائی
کجائی اے محی دین اے جان کجائی — تو اے دانائے راز من کجائی
دلم شد ز آتشِ شوقت کبابے — کجائی دلنواز من کجائی
بجان آمدہ دلا دلدادۂ تو — کجائی جان نواز من کجائی
چہ گویم روز شب چوں می گزارم — بہ بیں سوز وگداز من کجائی
دلم در انتظارتست بے جان — مسیح دلنواز من کجائی
بہر پہلو بہ بستر غلطم ایں جان — بہ بستر سرفراز من کجائی
منت مرغ کمین تو شاہبازے — خدا را شاہباز من کجائی
ز دیدہ خوں چکد از یاد چشمت — نگارِ عشوہ ساز من کجائی
بہ بستان گاہ ہستی جلوہ فرما — نہال سرو ناز من کجائی

لطیفی راز لعلت تازہ جانے
بیا اے جان نواز من کجائی

[دیوان لطیفی، مطبوعہ مطبع رحمانیہ مخصوص پور، مونگیر ۱۳۳۸ھ، طبع اول ص: ۱۳۹]

یہ مضمون زیر قلم تھا کہ خواجہ ساجد عالم رحمان پوری سے بات ہوئی۔ تو انہوں نے از راہ معارف پروری یہ دونوں چیزیں بھیج دیں۔ جو یہاں درج کردی گئیں۔ مواد کے ساتھ ان کا ایک مکتوب بھی آیا۔ وہ بھی یہاں نقل کردیا جاتا ہے۔ تاکہ سند رہے۔ خواجہ ساجد صاحب نے لکھا ہے:

مشہیر ہند و سندھ عالم اجل فاضل بے بدل فخر سیمانچل

حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، سلام مسنون۔

بحسب حکم و ارشاد چیزیں بہم پہنچائی جا رہی ہیں۔ لیں
،مطالعہ فرمائیں۔ الفاظ اور جملوں کی گہرائی میں اتر جائیں اور
اپنے بنیادی نصب العین کی خاطر بروئے کار لائیں۔

آپ کا
خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی
خانقاہ عالیہ لطیفیہ رحمان پور
۷/اگست ۲۰۱۵ء۔

یہاں ایک واقعہ کا اندراج دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ حالات کے جذبات کی عکاسی بھی کرتا ہے اور ان ایام کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ حضرت مولانا محمد محی الدین کوچ گڑھی کی شادی نندنیہ میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد نیا نیا دولہا سسرال پہنچا۔ تو نندیہ والوں نے مذاقاً یا شرارتاً دولہا کو گھر میں نظر بند کر دیا۔ نندنیہ میں فکری آزادی و آوارگی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ بات آگے بڑھ گئی۔ نوبت مباحثہ، مناظرہ تک پہنچ گئی۔ نندنیہ والوں نے جی کھول کر اپنی طرف کے عالموں کو بلایا۔ دولہا کی طرف سے تنہا جلالۃ العلم قطب العصر حضرت شاہ مفتی محمد یوسف رشیدی علیمی تشریف لے گئے۔ مولانا حافظ محمد عبدالرزاق کوچ گڑھی جو لینے آئے تھے، ہمراہ تھے، ساتھ میں کتابوں کا بستہ، پلندہ، پٹارا تھا۔ زوردار گفتگو، گرما گرم بحث ہوئی۔ ایک طرف تنہا قطب العصر تھے۔ دوسری طرف کئی مقامی بیرونی علما تھے۔ نندنیہ کے لوگ خود تعلیم یافتہ تھے۔ نتیجہ وہی ہوا۔ جو ہونا تھا۔ تنہا ایک شیر درجنوں بھیڑیوں پر غالب آ گیا۔ پھر دولہا اپنی دولہن کے ساتھ اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے فرزند اصغر و جانشین حضرت خواجہ وحید اصغر لطیفی علیہ الرحمہ کے ایک مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد محی الدین لطیفی عرصہ دراز تک تکیہ لطیفی رحمان پور میں رہے تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے مابین کیسی گہری رسم وراہ تھی۔ نقل ہے مکتوب گرامی، ملاحظہ کریں۔ تحریر کرتے ہیں:

۷۸۶

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادر فی الدین جناب بھائی مولوی محی الدین، سلام
ونیاز قبول باد۔ مخفی مباد کہ آپ کے یہاں نہیں رہنے کی وجہ سے
یہاں کام بالکل برباد ہو رہا ہے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر دیکھتے ہی خط
کے بہت جلد قدم رنجہ فرمائیں۔ کیوں کہ:

بے تو گل خار ست جا نادر چمن
زیادہ بہزار زوے ملاقات چہ عرض کنم

راقم خواجہ وحید اصغر۔

اس خط پر حضرت خواجہ صاحب کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔ اس خط کے دوسرے صفحہ پر کسی جناب محمد عبد الرحمٰن مرحوم کا نوٹ بھی ہے۔ جس میں 'حاضر الوقت' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صاحب نوٹ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کے خادم خاص تھے۔ خیر وہ نوٹ بھی ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں:

'از جانب حاضر الوقت محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ

سلام ودعائے مشفقانہ رسید باد وقبول باد

دل تو چاہتا ہے کہ ہر وقت آپ کی صورت زیر نظر رہے۔ لیکن زمانہ کی بے وفائی کا شاکی ہوں کہ ایک جگہ رہنے نہ دیا۔ افسوس! صد افسوس!! خیر بہر کیف اگر ہر وقت نہیں، تو گاہے گاہے اپنے لطف وکرم سے نوازا کریں۔ یہی بہت ہے۔ تہہ دل سے شکر گزار رہوں گا۔ بے اعتنائی نہ کریں۔ جذبۂ دل مجبور کر رہا ہے کہ لطف وکرم کو فراموش نہ کریں گے۔ ہمراہ برندۂ رقعہ ہٰذا جلوہ افروز ہو کر دل بے تاب کو سکون عطا فرمائیں۔

زیادہ والسلام اور تہہ دل دعا وبس۔'

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا محمد محی الدین کے بیٹے حضرت مولانا محمد ابو العلیٰ تھے۔ جو طوطئ پورنیہ اور کبھی طوطئ بہار وبنگال کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ ان کا وصال ماضی قریب میں ہوا ہے۔ مگر میرا ان کا دیکھنا مجھے یاد نہیں آتا۔ لیکن ان کی شخصیت، تقریر وخطابت اور لحن داؤدی میں

نعت خوانی کی شہرت کا سکہ دل دماغ کے پردے پر جما ہوا ہے۔ حضرت علامہ محمد ابوالعلی کا ایک اور ہم پلہ شہر پورنیہ میں طوطئی پورنیہ حضرت علامہ غلام محی الدین دلکش لال گنج ملکی ابھی حیات ہیں اور زندگی کے آخری کگار پر ہیں۔ ان دونوں کا دور دعوت وخطابت کے حوالے سے ایک زریں دور تھا۔ حضرت علامہ دلکش صاحب سے پہلے ان کے بھائی حضرت علامہ محمد مسلم رضوی اور ادھر حضرت علامہ محمد عبدالجلیل اشرفی علیہما الرحمہ کا بھی ایک تابناک دور گزرا ہے۔

طوطئی بہار و بنگال حضرت علامہ محمد ابوالعلیٰ چشتی ابوالعلائی کوچ گڑھی کی ذات، وہ ذات تھی، جس نے اپنے والد کریم کے مشن کو خوب خوب آگے بڑھایا اور مشرقی بہار اور پورے بنگال میں جلسہ چھوٹا ہو یا بڑا، ان کی شرکت لازمی اور واجبی سمجھی جاتی تھی۔ چھوٹے جلسوں میں وہ خطیب خاص ہوتے تھے اور بڑے جلسوں میں خطیب اوسط ہوتے تھے۔ کیوں کہ وہاں ملک کے مشاہیر خطبا مدعو ہوتے تھے۔ حضرت طوطئی بہار و بنگال اور ان کے سگے بھائی حضرت مولانا محمد عین العلی، جو ثانی بیکل سے معروف تھے، چوں کہ بہت خوش گلو بھی تھے۔ نعتیں خوب جھوم کر پڑھتے تھے اور پھر مجمع خود بخود جھوم جاتا تھا اور تڑپ اٹھتا تھا۔ آپ کہیں کہیں نقابت بھی شاندار کرتے تھے۔ کیوں کہ الفاظ اور برمحل اشعار کا ذخیرہ آپ کی نوک زبان پر رہتا تھا اور بعض مواقع پر آپ جلسوں کی صدارت اور سرپرستی بھی فرماتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر بدمذہبوں سے ڈٹ کر معرکہ آرائی بھی کرتے تھے۔ غرض ہر فن مولی تھے۔

حضرت طوطئی بہار و بنگال کی نعت گوئی کا ایک نمونہ سامنے ہے۔ فکر سخن میں تخلص حضرت کا اصغر تھا۔ اب چھوٹی، مگر مترنم بحر اور سہل الفاظ و انداز میں نمونۂ کلام ملاحظہ کیجیے:

عجب خوشنمائی عجب دل کشی ہے — بہاروں کا مسکن دیار نبی ہے
مبارک مبارک خیال مدینہ — تصور میں ہر سمت جنت بسی ہے
کجا طور سینا کجا عرش باری — وہ موسیٰ کی عظمت یہ شان نبی ہے
نبی مکرم ہیں قرآن ناطق — زباں سے جو نکلا وہی بس وحی ہے
جہاں پر سوالی ہیں شاہان عالم — وہ دربار عالی یہی ہے یہی ہے
وہ پر کیف طیبہ کا نہ منظر نہ پوچھو — کہاں کوئی جنت ہے جنت وہی ہے
بہاروں پہ چھوئی ہیں تازہ بہاریں — مدینہ سے شاید ہوا آ رہی ہے
عمل سے علی کے یہ ثابت ہوا ہے — کہ اصل عبادت تری بندگی ہے

نگاہوں میں شکل نبی پھر رہی ہے — نہ پوچھو ،وجوہِ مسرت نہ پوچھو
محمد کا رتبہ مگر کچھ اور ہی ہے — پیمبر تو آئے ہیں دنیا میں لاکھوں
مددگار تیرا خدا ہے نبی ہے — تجھے خوف محشر بھلا کیوں ہو اصغر

حضرت طوطیٔ بہار چشتی ابوالعلائی تھے۔تمام تر تعلیم و تربیت درسگاہ بریلی کی تھی۔اس لئے فکر و عقیدہ کے معاملہ میں ان کا رنگ اور آہنگ بڑا ہی کھرا اور خالص تھا۔بلفظ دیگر آج کی تعبیر و اصطلاح میں مسلک اعلیٰ کے سچے داعی ونقیب تھے اور علمائے بریلی سے ان کا رابطہ بہت ہی گہرا تھا۔تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے سچے چہیتے اور فدائی تھے۔کاش! وہ آج ہوتے اور میں ان سے ملتا،تو وہ سرکار مفتی اعظم ہند کے پورنیہ دوروں کی داستان نہایت دلچسپی اور تفصیل سے سناتے۔ان کی شخصیت کا پھیلاؤ اور دائرۂ عمل کی وسعت کی شہادت کے لئے ہم نیچے میں مشاہیر ہند کے چند خطوط درج کرتے ہیں۔تاکہ یہ محفوظ ہو جائیں اور جن سے یہ اندازہ لگانا بھی بالکل آسان ہو جائے کہ کیسی شخصیت تھی اور ان کا دائرۂ کار کتنا پھیلا ہوا تھا۔

پہلا خط:یہ خط حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب رشیدی موجودہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ جون پور شریف کا ہے۔جب وہ دار العلوم ندائے حق جلال پور میں تھے۔جب کہ خط چمنی بازار شریف سے لکھا گیا ہے۔لکھتے ہیں:

’از درگاہ شریف چمنی بازار

گرامی وقار مولانا المحترم،زیدت مکارمکم،سلام مسنون

چوکی[ضلع کٹیہار] کے جلسہ کے بعد جلال پور پہنچ کر آپ کے نام ایک رقعہ ارسال کیا تھا۔مگر ہنوز جواب سے محرومی رہی۔نہ معلوم میرا رقعہ آپ کو ملا کہ نہیں یا یہ کہ آپ جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔آپ سے استدعا ہے کہ اس ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں۔میرے گھر کا پتا اور مدرسہ کا پتا درج ذیل ہے۔

محمد عبید الرحمٰن،مقام بنی باڑی،پوسٹ ماہی نگر،وایا بارسئی گھاٹ،ضلع کٹیہار

مدرسہ کا پتا:دار العلوم ندائے حق،جلال پور،فیض آباد،یوپی

فقط والسلام

محمد عبید الرحمٰن غفرلہ

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ۔

دوسرا خط: یہ خط مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی پورنوی کا ہے۔ جب آپ دار العلوم فیضیہ، ایشی پور، بھاگل پور میں برسر تدریس تھے۔ لکھتے ہیں:

محترمی! سلام مسنون، امید ہے، مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

دار العلوم کا سالانہ جلسۂ دستار فضیلت ۷/۸/ ستمبر ۷۲ء بروز جمعرات، جمعہ منعقد ہونے جا رہا ہے۔ جس میں آپ کی شرکت اراکین مدرسہ نے طے کیا ہے۔ امید ہے۔ دعوت قبول فرما کر بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں گے۔ مشکور ہوں گا۔

آپ ۶/ ستمبر بروز بدھ شام کو کٹیہار پہنچیں۔ وہاں ۷/ ستمبر کو ۴/ بجے صبح گاڑی ملے گی۔ منیہاری گھاٹ تک کا ٹکٹ لیں۔ وہاں تقریباً ۷/ بجے آپ پہنچیں گے۔ پھر وہاں سے بذریعہ لنچ [پانی جہاز] صاحب گنج تشریف لائیں اور وہاں سے بذریعہ ٹرین پیر پینتی اسٹیشن، پھر وہاں سے بذریعہ رکشہ یا ٹیکسی یا بس باراہاٹ، پھر چند قدم کے فاصلے پر دار العلوم۔

نوٹ: حضرت صدر المدرسین مولانا محمد احمد صاحب قبلہ شاہدی سلام سے یاد کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی دلی خواہش ہے کہ آپ ضرور تشریف لائیں اور یہ دعوت مسترد نہ فرمائیں۔

محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی غفرلہ

مدرس دار العلوم بحکم صدر المدرسین۔

نوٹ: حضرت علامہ محمد احمد شاہدی صاحب قبلہ غازی پوری حضرت سرکار آسی سکندر پوری ثم غازی پوری قدس سرہ القوی کے رشتہ داروں میں تھے۔ بڑے سرکار حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش گورکھ پوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں ہوئی تھی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تحصیل و تکمیل کی۔ دار العلوم علیمیہ مظفر پور، جامعہ فاروقیہ بنارس، حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور، جین پور اور دار العلوم فیضیہ ایشی پور، بھاگل پور میں جم کر درس دیا۔ ذی استعداد عالم، شاندار خطیب اور صاحب فکر و تدبر شخصیت کے مالک تھے۔ [غلام جابر شمس، ملاحظہ کیجیے: ماہنامہ ماہ نور دہلی کا اشرف العلما نمبر فروری، مارچ، ۲۰۰۸ء میں ان کے مطبوعہ مضمون سے ماخوذ ص: ۱۵۰ اوبعد]

تیسرا خط: یہ خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کا خط ہے۔ واضح رہے کہ حضرت نظامی علیہ الرحمہ کا شیر اہل سنت حضرت علامہ محمد عبد الحمید رضوی بستہ ڈانگی، پورنیہ، فاضل منظر اسلام بریلی شریف، شاگرد محدث اعظم پاکستان حضرت شاہ سردار احمد گورو داس پوری ثم لائل

پوری، مرید خاص تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند کا گھر ان کا دوسرا گھر تھا۔ حضرت مولانا ابوالعلی علیہ الرحمہ سے حضرت نظامی صاحب کے برادرانہ گہرے تعلقات تھے۔ خطوط کے مندرجات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

'برادر مخلص! زیدحبہ، سلام ورحمت، مزاج گرامی؟۔

آپ کے خطوط مل گئے۔ برابر میں نے آپ کو جوابات دیئے۔ آپ ایسا کیوں خیال کر لیتے ہیں کہ بغیر آپ کے واسطے سے میں پورنیہ کا پروگرام لے لوں گا۔ خطوط تو بہت سے آتے ہیں۔ ایک بار خیال آیا۔ سارے خطوط آپ کو بھیج دوں۔ تاکہ آپ کے پاس اس کا ریکارڈ رہے۔ اب میری صحت بہت کمزور ہوگئی ہے۔ سفر کی تکان برداشت نہیں کر پاتا۔ 'سنی جمیعۃ العلما' کی وجہ سے مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔

علاوہ ازیں پورنیہ کے پروگرام میں اب خسارہ کے سوا کچھ رہ نہیں گیا ہے اور مجھے جو کچھ کام کرنا تھا، وہ میں کر چکا۔ اب علاقہ سید اظہار میاں کے حوالے ہے۔ اب پروگرام کی خاطر پورنیہ آنے کو جی نہیں چاہتا۔ صرف آپ لوگوں سے ملنے کے لئے میں خود بھی ملاقات کے لئے بے چین ہوں۔ خدا کرے، ملاقات کی سبیل نکل آئے۔ احباب اہل سنت سے سلام کہہ دیں۔ بچوں کو دعائیں۔ خدا کرے، آپ بخیر ہوں۔

مشتاق احمد نظامی

۲۶ردسمبر ۷۵ء'۔

چوتھا خط: یہ خط بھی حضرت نظامی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ ہی کا ہے اور طوطئی پورنیہ ہی کے نام سے ہے۔ لکھتے ہیں:

'برادر مخلص! زیدحبہ، سلام مسنون

میں جس روز الہ آباد پہنچا، اس کے دوسرے ہی روز میری بھانجی نواسی 'مہ جبین' کی طبیعت خراب ہو گئی۔ دیہات سے بلوا کر ہاسپٹل میں داخل کرو لیا۔ دوسرے روز آپریشن سے بچی پیدا ہوئی۔ دیہات سے ہمارا پورا گھر اور خاندان شہر آ گیا۔ اڑتالیس گھنٹہ موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا رہی۔ پورے گھر میں رونا پیٹنا مچا ہوا تھا۔ اس حال میں میں کسی طرح سفر نہیں کر سکتا۔ ہاسپٹل کا پرائیویٹ کمرہ لیا۔ ہم لوگوں کا پندرہ دن ہاسپٹل میں کٹ گیا۔ ہزاروں روپے خرچ ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب دونوں اچھے ہیں۔

جہاں جہاں کے لئے میرا وعدہ تھا۔ اس صورت حال سے مطلع کر کے معذرت کر

لی۔ میں نے قاری عبد الجبار صاحب کو جامع مسجد کشن گنج کے پتے پر لکھ دیا ہے کہ وہ آپ کو ڈیڑھ سو روپے واپس کر دیں۔ تا کہ آپ یہ روپیہ ان لوگوں کو دے دیں۔ جنہوں نے مجھے سفر خرچ دیا تھا۔ احباب اہل سنت اور پرسان حال سے سلام کہہ دیں۔ خدا کرے، مزاج بخیر ہو۔

مشتاق احمد نظامی

۱۱ر جنوری ۸۰ء۔

پانچواں خط: یہ خط مرشد طریقت حضرت سید شاہ اظہار اشرف میاں علیہ الرحمہ کا ہے۔ جو طوطیٔ پورنیہ کے نام مرسل ہوا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

"محبی مخلصی! سلام مسنون

۱۳ر۱۴ر دسمبر کو مدرسہ اسلامیہ گونگا مہلا کو جلسہ کے لئے تاریخ دے چکا ہوں۔ ہر دو اجلاس میں آپ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ ۱۳ر دسمبر سے پہلے بیر پور رہوں گا۔ ۱۳ر دسمبر کو بہادر گنج سے گونگا مہلا چلوں گا۔ بہتر ہوگا کہ جانے میں ساتھ ہی رہیں۔

فقط والسلام

سید اظہار اشرف"۔

چھٹا خط: یہ خط حضرت سید کلیم اشرف جائس کا ہے۔ ۱۹۵۷ء کا یہ محررہ مکتوب طوطیٔ پورنیہ کے نام اِمضا ہوا ہے۔ سید صاحب موصوف لکھتے ہیں:

"مخلص دیرینہ مولانا المکرّم! تحیات طیبہ مسنونہ

طالب الخیر مع العافیہ [ہے]۔ راجستھان، گجرات، کاٹھیاوار، مدھیہ پردیش اور یوپی کے ڈھائی ماہ پروگرام کے بعد واپسی ہوئی۔ تو خطوط کے انبار میں جناب کا خلوص نامہ بھی باصرہ نواز ہوا۔ یاد آوری پر مسرور و مشکور ہوں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ۶ر تا ۱۰ر فروری تک حضرت سید شمس الرحمن صاحب سجادہ نشین پنڈوہ شریف کے مرتبہ پروگرام میں مالدہ اور اطراف میں مدعو ہوں اور وہیں سے ۱۱ر کو کشن گنج پہنچنے کا پروگرام ہے۔ مندرجہ پروگرام میں حضرت مجاہد دوراں مولانا مظفر نانا اور حضرت غازی ملت ہاشمی ماموں مدظلہما بھی رہیں گے۔

اس لئے آپ کی خاطر ۱۰ر فروری کے لئے میں خود کو خالی کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ بشرطے کہ آپ خود ۸ر یا ۹ر فروری کو مالدہ آ جائیں۔ پنڈوہ شریف سے پتا چل جائے گا کہ ہم لوگ کہاں مقیم ہیں یا مندرجہ پتا سے ۶ر سے ۱۰ر فروری تک ہم لوگوں کا پروگرام اور قیام کا پتا

آپ جوابی خط لکھ کر معلوم کر سکتے ہیں۔ معلوم کر کے آپ آجائیں۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے ہمراہ کشن گنج ایک دوروز قبل چلا چلوں۔ [پتا کے بعد] گھر میں سب کو سلام۔

والسلام

سید محمد اشرف کلیم اشرفی جیلانی

۱۵ر جنوری ۷۵ء۔

ساتواں خط: یہ خط مجاہد دوراں حضرت سید مظفر حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا ہے۔ لیکن یہ خط حضرت سید اظہار اشرف میاں کے نام لکھا گیا ہے۔ صرف اس خطہ سے تعلق ہونے اور محفوظ کرنے کی غرض سے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

عزیزم اظہار میاں سلمہ، دعا

منورہ [نذدکانکی، کشن گنج] کے مریدین و معتقدین قطب میاں کا خط لے کر آئے تھے۔ جس میں انہوں نے میری طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اس لئے میں نے ان کے حکم کے مطابق ۱۱ر و ۱۲ر جنوری بروز دوشنبہ، سہ شنبہ ۱۳ر و ۱۴ر ذی قعدہ مقرر کی ہے۔ آپ و مقامی علما ۱۱ر جنوری کو شریک رہیں۔ میں ۱۱ر جنوری کو مقدمہ کر کے روانہ ہو جاؤں گا۔ انشاء اللہ ۱۲ر جنوری کو کشن گنج پہنچ جاؤں گا۔ آپ بس اس تاریخ کو قبول فرمالیں۔ تبدیلی پر میرے لئے بہت دشواری ہوگی۔

سید مظفر حسین

۹ر دسمبر ۷۰ء۔

آٹھواں خط: موضع جلکی، علاقہ بارسوئی، ضلع گزشتہ پورنیہ، حالیہ کٹیہار میں اللہ کریم کے ایک کامل ولی کا مزار فائض الانوار ہے، جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ نام نامی ہے حضرت سید شاہ حسین تیغ برہنہ لنگوٹ بند قدس سرہ العزیز۔ اسی درگاہ پاک کی دیکھ بھال اور خدمت گزاری میں سادات کرام کا خانوادہ صدیوں سے مصروف ہے۔ اس خانوادۂ سادات کے ایک نامور فرد گزرے ہیں۔ حضرت مولانا سید شاہ محمد ابوالحسنات علیہ الرحمہ۔ آپ منظر اسلام بریلی شریف سے فارغ التحصیل تھے۔ انہی سید صاحب موصوف کے دو خطوط اس وقت پیش نظر ہیں۔ ایک تو وہ، جب آپ منظر اسلام میں پڑھتے تھے اور دوسرا خط جلکی سے عرس میں شرکت کے لئے لکھا گیا ہے۔ یہ خطوط ہی نہیں، تاریخ کی اہم کڑیاں بھی ہیں۔ اس لئے ہم انہیں تاریخ کا حصہ بنا رہے ہیں۔ جو آنے والی نسل کے لئے آئینہ کا کام کریں گے۔ اچھا تو ملاحظہ کیجیے، ان کا پہلا خط

، جوطوطئی پورنیہ ارسال کیا گیا ہے۔

’از دار العلوم منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی

۲۶ر صفر ۱۳۶۸ھ

مصدر اخلاق انیس غمگسار من! سلام مسنون قبول باد

گزارش خدمت ایں کہ زمانہ بعید پر آپ کا ایک پرچہ ورود مسعود ہوکر باعث مسرت ہوا۔ اس ذرہ نوازی کا تہہ دل سے شکریہ جتنا ادا کروں، کم ہے۔ میں اس سے قبل دو کارڈ حاضر خدمت کیا ہوں۔ پھر بھی آپ لکھتے ہیں کہ ’امید مسرت تو منقطع ہو چکی تھی‘۔ ہاں! آپ لکھتے ہیں۔ لیکن آپ جیسا امید مسرت منقطع کر چکے تھے، میں تو اپنے دل میں اسی مضمون کو گردان رہا تھا۔ خیر اسی درمیان آ پہنچا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ: الانتظار اشد الموت‘۔ اس سے زیادہ میں لکھنا نہیں چاہتا ہوں۔ آپ اپنے دل میں جو بھی سمجھیں۔ لیکن میں تو ہر وقت اللہ رب العزت سے یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے ایسی نیت نہ دے۔ انشاء اللہ میں تو آج تک جواب میں تاخیر کیا ہوں، نہ کروں گا۔ میری ذات سے اس قسم کی امید بالکل منقطع کر دیں۔ خیر میں بہت کچھ لکھ دیا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

مقدمہ نہ صلح کی خبر سن کر بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ کیا کیجیے گا۔ مقدر میں یہی تھا۔ یہ سب مقدر کی بات ہے۔ ورنہ ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کیے جائیں۔ میں آپ کے لئے ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے اس مصیبت سے نجات دے۔ آمین ثم آمین۔ اللہ تعالیٰ مصیبت کے بعد انسان کو ضرور آرام دیتا ہے۔ میں بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں اور آپ لوگوں کی خبر و خیریت بدرگاہ قادر و قیوم نیک مستدعی۔

مولوی نازک صاحب بخیر ہیں۔ میں ان کو گھر جانے کے لئے بہت کچھ کہا۔ لیکن وہ کسی حالت پر جانے کے لئے روادار نہیں۔ جو انسان کے کہنے سے بات نہیں مانے، ان کو کیا کہا جائے۔ میں تو صرف یہی کہہ سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا؟۔ سنتے ہیں کہ رمضان شریف کے بعد مبارک پور تشریف لے جائیں گے۔ میں ان کو یہاں تک کہا کہ کم از کم ایک ہفتہ کے لئے چلے جائیں۔ پھر چلے آئیے گا۔ پھر بھی وہ تیار نہیں ہوا۔

ہم لوگوں کی پڑھائی بفضلہٖ تعالیٰ اچھی ہو رہی ہے۔ مشکوٰۃ شریف ختم ہوگئی اور باقی کتابیں کچھ باقی ہیں۔ امید ہے کہ رجب میں ختم ہو جائیں گی۔ میں انشاء اللہ رجب کے آخری ہفتہ یا شعبان کے

پہلے ہفتہ میں مکان چلے جاؤں گا۔ ان شاء اللہ مقررہ تاریخ کو آگے آگاہ کروں گا۔ بریلی کی فضا اچھی ہے۔ یہاں بارش دو چار قطرہ ہوتی ہے۔ ادھر کے حالات سے آگاہ کریں۔ گھر میں بھائی صاحب، والدہ صاحبہ و کل صاحبان کی خدمت میں سلام عرض کر دیں گے۔ جلدی میں لکھا ہوں۔ معافی کا خواستگار۔

فقط والسلام

فقیر سید ابوالحسنات غفرلہ، بریلی۔

نواں خط: یہ خط بھی حضرت مولانا سید ابوالحسنات صاحب جلکی کا ہے۔ لکھا ہے:

'از جلکی، مورخہ ۱۰/اپریل ۱۹۷۶ء

محترم المکرّم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ! میں بفضلہٖ تعالیٰ بخیر رہ کر آپ لوگوں کی خبر وخیریت بدرگاہ رب العزت نیک متدعی۔ احوال ضروری ایں کہ میں ایک خط عرس شریف کے متعلق آپ کے گھر کے پتے پر بھیجا ہوں۔ شاید آپ کو مل گیا ہوگا۔ میں آئندہ کل آپ سے ملاقات کرنے کے لئے نورنگا جانے والا تھا۔ لیکن آج شام معلوم ہوا کہ آپ کل بھینس بندھا کے پروگرام میں جانے والے ہیں۔

لہٰذا میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ آپ برائے کرم ۲۰/اپریل ۱۹۷۶ء بروز منگل جلکی عرس شریف میں تشریف لائیں۔ کیوں کہ ۲۱/اپریل بروز بدھ میرے ہاں عرس شریف ہے۔ میں آپ کو اس سے پہلے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ آپ اپنے ہمراہ جو بھی اچھے مقرر ہوں، ان کو ضرور بالضرور میرے ہاں کے عرس شریف کے لئے تشریف لانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں۔ آپ منگل کو کس ٹرین سے اور کس وقت بارسوئی اسٹیشن تشریف لائیں گے۔ خلاصہ تحریر فرمادیں۔ تاکہ میں اس وقت کے مطابق اسٹیشن [پر] سواری موجود رکھوں اور کوئی مقرر ہو، تو ان کو بھی ضرور ہمراہ لائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

فقط والسلام، آپ کا

سید ابوالحسنات غفرلہ

موضع جلکی۔

دسواں خط: یہ خط 'مسلم تنظیم کانفرنس، بہادر گنج، کشن گنج کے صدر محترم کا ہے۔ لکھا ہے:

'مورخہ ۱۴/دسمبر ۱۹۷۷ء

باسمہ تعالیٰ

محترم طوطئ پورنیہ حضرت مولانا ابوالعلیٰ صاحب! سلام مسنون

بخیر ہوں۔[امید کہ] مزاج اچھا ہوگا۔

کانفرنس کی تاریخیں طے ہوگئی ہیں۔۲۵/۲۶/۲۷/جنوری ۱۹۷۸ء، اس میں آپ کی زیر نگرانی کانفرنس ہوگی۔ عنقریب پوسٹر منظر عام پر آرہا ہے۔آپ کی شرکت ہر طرح ہوگی۔دیگر بات یہ ہے کہ ۲۹/دسمبر ۱۹۷۷ء کو بہادر گنج میں میٹنگ ہے۔ آپ تشریف لاتے، تو نیک مشورے سے نوازتے۔

نظامی صاحب کو ٹیلی گرام میں کر چکا ہوں۔ پھر آج کر رہا ہوں۔ان شاء اللہ آنے کی قوی امید ہے۔آپ سے بھی گزارش ہے کہ نظامی کو خط لکھیں۔ بمبئی، الہ آباد، دونوں جگہ۔واپسی ڈاک سے یہ تحریر کریں کہ میں آپ کے گھر کب تک آؤں۔

فقط: محی الدین احمدؔ۔

یہ دس سردست بس ہیں۔ یہ سارے خطوط حضرت مولانا محمد ابوالعلی اصغرؔ کوچ گڑھ کے نام ہیں۔ خطوط اور بھی ہیں۔ موقع ملا، تو پھر دیکھا جائے گا۔مواد و معلومات کا ایک خاص حصہ یہاں پیش کردیا گیا ہے۔ضرورت ہے کہ اس خاندان کی دینی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا جائے ۔تاکہ سیمانچل کی تاریخ اہل سنت آنے والی نسل کے لئے محفوظ رہے۔ حضرت مولانا محمد محی الدین لطفی علیہ الرحمہ کے پوتوں میں کئی علما ہیں ۔ انہیں اس طرف توجہ دینے کی از حد ضرورت ہے۔ کیوں کہ بدعقیدگی کا سیلاب بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

☆☆☆

دین وسنیت کے مجاہد جلیل
پیر طریقت حضرت علامہ محمد عبدالجلیل اشرفی علیہ الرحمہ

شہر پورنیہ سے پچھم اور ذرا اتر کرتیا نند بلاک ہے۔ اب اس کو شارٹ کٹ میں کے نگر بولا جانے لگا ہے۔ اسی کے نگر تحصیل سے تھوڑا آگے سبوتر بستی ہے۔ یہ سنی مسلمانوں کا گڑھ ہے۔ یہاں علما بھی ہیں۔ یہیں پاس میں کاجھا کوٹھی ہے۔ یہاں انگریز دور کا لال بنگلہ یا ڈاک بنگلہ بھی ہے۔ وہیں ایک بڑا سا تالاب بھی ہے۔ پہلے کاجھا کوٹھی ہی اصل گاؤں تھا۔ کسی وجہ سے لوگ کھسکتے کھسکتے اتر کی طرف آباد ہو گئے۔ چوں کہ بیشتر آبادی اتر کی جانب ڈھلک گئی۔ اس لئے لوگوں کی زبان پر سب اتر، سب اتر چڑھ گیا۔ اب اس نئی آبادی کا نام 'سب اتر' ہو گیا۔ پھر کثرت استعمال سے 'سبوتر' ہو گیا۔

پیر طریقت مجاہد جلیل حضرت علامہ محمد عبدالجلیل اشرفی علیہ الرحمہ اسی سبوتر بستی کے نامور سپوت ہیں۔ علامہ اشرفی کے مورث اعلیٰ پچھمی بہار چھپرہ ضلع کے رہنے والے تھے۔ جو کسی زمانہ میں یہاں آئے، تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ علامہ اشرفی کے والد ماجد مقصود علی مرحوم تھے۔ انہی کے گھر علامہ اشرفی کی ولادت ہوئی، سن ولادت ۱۹۲۵ء ہے۔ پرورش کے بعد سبق آموزی کی عمر ہوئی۔ تو گاؤں کے مکتب میں بیٹھائے گئے۔ قاعدہ، قرآن، اردو، ہندی، حروف سناشی اور املا نویسی کے بعد فارسی پڑھنے لگے۔ فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے، علامہ اشرفی حضرت علامہ محمد مسلم رضوی علیہ الرحمہ کی درسگاہ میں آئے۔ جہاں آپنے فارسی کی منتہی کتابیں پڑھیں اور عربی درسیات کی شروعات کی۔ عربی درجہ کی معتد بہ تعلیم آپ کی یہیں ہوئی۔

حضرت علامہ محمد مسلم رضوی رحمۃ اللہ علیہ، غالباً وہ اول عالم دین تھے۔ جو دارالعلوم بریلی سے پڑھ کر آئے تھے۔ پورنیہ کا مشہور محلہ لال گنج ملکی ان کا گھر تھا۔ 'مدرسہ عثمانیہ' انہیں کا قائم کردہ ہے، جو پورنیہ قدیم کا مشہور مدرسہ ہے۔ اس مدرسہ نے پورنیہ کے پچھمی حلقے میں دینی تعلیم کا چرچا عام کیا۔ علامہ محمد مسلم رضوی چن چن کر ذہین بچوں کو لاتے تھے۔ جو ناتراشیدہ ہوتے تھے، پڑھا، لکھا کر، تراش خراش کر جو ہر قابل بناتے تھے۔ پھر تکمیل کے لئے دارالعلوم بریلی یا دارالعلوم نعیمیہ مرادآباد بھیج دیتے تھے۔ اس اعتبار سے علامہ محمد مسلم رضوی علیہ الرحمہ آج دادا استاد کی

حیثیت رکھتے ہیں۔ بکثرت علما و تلامذہ کا سلسلہ تلمذ انہی پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔ حیرت ہے۔ ایسے محسنوں، مربیوں کی قدر اہل پورنیہ نے کیوں نہیں کی۔ عوام تو جانے دیجیے۔ آج خواص کی زبان پر بھی ان کا ذکر تک موجود نہیں۔ کیسی سرفروستانہ زندگی تھی۔ کچھ معلوم نہیں۔ آہ! یہ دنیا کتنی بے رحم ہے۔ احسان کا بدلہ مکمل خموشی اور فراموشی سے دیتی ہے۔

ہاں! تو یاد رکھئے۔ علامہ اشرفی اسی درسگاہ کے لعل یمنی، درعدنی تھے۔ علامہ اشرفی درسگاہ مسلم سے اٹھے، بڑا فاصلہ طے کیا۔ درسگاہ نعیم میں جا بیٹھے۔ ہاں! یہ اس دور میں بڑا فاصلہ تھا۔ لوگ اپنے ضلع سے باہر کا تصور کم ہی کرتے تھے، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین کی درسگاہ مراد آباد ہی نہیں، پورے غیر منقسم ہندوستان میں مشہور تھی۔ جو بعد میں جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور آفاق ہوئی۔ علامہ اشرفی کی تعلیم میں پورنیہ میں جو کسر رہ گئی تھی۔ وہ درسگاہ نعیم میں آکر پوری ہوگئی۔

تاج العلما حضرت مفتی محمد عمر نعیمی، استاذ الاساتذہ حضرت مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اس درسگاہ کے افراد ساز تھے، علما گر تھے۔ یہ دونوں نعیمی دبستان کے گل تر تھے۔ جنہوں نے نہ جانے کتنے خش وخاشاک کو اپنی طرح گل تر بنایا۔ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی تو بدستور اس نعیمی تدریسی خیابان کی پاسبانی کرتے رہے۔ لیکن حضرت مفتی محمد عمر نعیمی تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔ پھر تو خوشبوئے نعیم سے پاک وہند کا کوچہ کوچہ مہک اٹھا۔ بلکہ دنیائے اسلام کا کونہ کونہ نے اس مہکار کو محسوس کیا۔

علامہ اشرفی جب مراد آباد گئے تھے، تو محض محمد عبدالجلیل تھے۔ جب واپس ہوئے، تو گل سرسبد کے صورت میں ہوئے۔ یہ خوشگوار واقعہ تو ۱۹۴۶ء یا ۱۹۴۷ء کا ہے۔ جب کہ وہ دور نہایت بحرانی تھا کہ تقسیم ہند کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔ جس کا منظر انتہائی کریہہ وکربناک تھا۔ علامہ اشرفی نے اسی بحرانی و ہیجانی دور میں تعلیم حاصل کی۔ پھر اسی دور میں تعلیم کی برکتیں بانٹنے میں مصروف ہوگئے۔ حضرت مفتی محمد حسین سنبھلی، حضرت مفتی محمد طریق اللہ رشیدی بھاگل پوری، مرشد طریقت سید شاہ اظہار میاں کچھوچھوی، سید شاہ قطب میاں کچھوچھوی آپ کے ہم درس ساتھیوں میں تھے۔

مدرسہ عثمانیہ لال گنج ملکی، پورنیہ، جہاں آپ کی تعلیم اور سیرت کی تشکیل میں علامہ محمد مسلم نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ جب فارغ التحصیل ہوکر تشریف لائے۔ تو یہی مدرسہ آپ کی تدریس کی پہلی منزل تھا۔ جہاں آپ نے تدریس کا پہلا سبق دیا تھا۔ یہ آپ کے استاذ کا مدرسہ

تھا۔اب آپ یہاں استاذ تھے۔حسب منشائے الٰہی مدرسانہ فرائض انجام دیتے رہے۔مدرسہ اشرفیہ رحمانیہ منتھور، یہ درگاہ بندگی چمنی بازار سے پچھّم اترہے۔کچھ دنوں کے بعد علامہ اشرفی لال گنج کے مدرسہ سے منتھور کے مدرسہ میں آگئے۔کچھ برس یہاں رہے، پھر اپنی بستی واپس تشریف لائے۔مدرسہ 'حیات العلوم' کی بنیاد رکھی۔مدرسہ حیات العلوم سبوتر ۱۹۵۰ء کے بعد قائم ہوا۔ اول یہ مدرسہ نظامیہ تھا۔۱۹۹۲ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے ملحق ہوکر عالیہ ہوگیا۔

علامہ اشرفی نے اس مدرسہ کو بام عروج تک پہنچانے میں زندگی کا پل پل وقف کردیا تھا۔سبکدوش ہونے تک اس کے صدر مدرس رہے۔۱۹۸۷ء میں عہدۂ صدارت سے سبکدوش ہوئے۔ریٹائر ہونے کے بعد۔دھنر اہاٹ کے مدرسہ میں جادۂ تدریس بچھائے رکھا۔اب سورج ڈھل رہا تھا۔سیلاب کا پانی اتر رہا تھا۔عمر طبعی تقاضا کررہی تھی۔ضعیفی کہہ رہی تھی کہ اب وہ آرام کریں۔چنانچہ صبح کو نکلا ہوا پنچھی شام ہوتے ہوتے اپنے رین بسیرا پر آگیا۔

قریب پچپن برس آپ نے تعلیم دی، علاقہ کوردہ تھا۔لوگ پسماندہ تھے۔دینی تعلیم کا چلن نہیں تھا۔علامہ اشرفی کی شبانہ یوم کاوشوں نے کدال کا کام کیا۔کوردہی اور پسماندگی، ناخواندگی اور جہالت کی جڑ ہی اکھاڑ دی۔بدذوقی کی جگہ خوش ذوقی نے لے لی۔دینی شعور بیدار ہوا۔تعلیم کا چلن عام ہوا۔لوگ تعلیمی انقلاب کی آہٹ محسوس کرنے لگے۔ان اطراف میں آج جو مدارس اور علما کی فصل لہلہارہی ہے۔یہ انہی علامہ محمد عبدالجلیل علیہ الرحمہ کی گاڑھی محنت کی کمائی ہے۔شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔مگر مسئلہ وہی کہ یہ بہاری شخصیت محفوظ رہی، نہ ان کا کردار زندہ رہا، نہ ہی ان کا کارنامہ، چہ جائے کہ کی گئی شاگردشماری، جب عمارت ڈھہ گئی۔سب کچھ ملبہ میں دب گیا۔اب کوئی ملبہ ہٹائے بھی، تو کیا کیا ہٹائے اور کیا کیا نکالے۔چند شاگرد یہ ہیں:

[۱] حضرت مفتی محمد زبیر صدیقی رضوی، یہ گاؤں للیا، ضلع کٹیہار کے رہنے والے ہیں۔جید عالم، عمدہ خطیب، صاحب افتاو مدرس۔پیر طریقت بھی ہیں۔ایک عرصہ نیرونی مدارس میں پڑھاتے رہے۔اب دارالعلوم محمدیہ عربک کالج پورنیہ میں مدرس و مفتی ہیں۔

[۲] حضرت مفتی غلام رسول رضوی، یہ دھنہر ابستی کے باشندہ ہیں۔مستند عالم، مشہور مناظر و مقرر، مایہ ناز استاذ، عمدہ مفتی اور پیر طریقت ہیں، جامعہ روح العلوم کٹیہار کے بانی ہیں۔

[۳] خطیب وقت حضرت مولینا محمد محی الدین رضوی دلکش، یہ اسی لال گنج ملکی کے باشندہ

ہیں۔ یہ حضرت علامہ محمد مسلم رضوی علیہ الرحمہ کے بھائی ہیں۔ مدرسہ عثمانیہ کی خدمت کرتے ہیں۔ تقریر وخطابت میں آپ طوطیِ پورنیہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اب حیات کے آخری پڑاؤ میں ہیں۔ مجھ سے بہت محبت فرماتے ہیں۔

[۴] حضرت مولانا محمد ابوالقاسم صاحب مدرسہ نعیمیہ اجمیر شریف میں صدر مدرس ہیں۔

[۵] حضرت مولانا غلام محمد یٰسین رضوی سبوتری، بریلی کے بادہ خوار ہیں۔ جھونی مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ یہ عملیات کے ماہر مانے جاتے ہیں۔ ہر سال عرس رضوی میں بریلی شریف ایک قافلہ لے جاتے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے مخلص کارکن ہیں۔ میرے کرم فرما ہیں۔

[۶] حضرت مولانا صوفی محمد محسن رضا رضوی، یہ بھی سبوتری ہیں۔ پہلے تو یہ تعلیم و تعلم سے جڑے رہے۔ اب یہ دبئی میں رہ کر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم محمدیہ عربک کالج پورنیہ ان کی بلیغ کاوشوں کا نتیجہ ہے اور وہ اس اہم ادارہ کے بانی وصدر بھی ہیں۔

[۷] حضرت مولانا محمد عالمگیر رضوی، یہ آپ کے بڑے فرزند ہیں۔ صوفی منش آدمی ہیں۔ دارالعلوم محمدیہ پورنیہ میں استاذ ہیں۔

[۸] حضرت مولانا حافظ وقاری محمد عبدالوکیل صاحب، یہ دوسرے فرزند ہیں، اب یہی مدرسہ حیات العلوم کے صدر مدرس ہیں۔

[۹] تیسرے فرزند حافظ وقاری محمد عبدالعظیم اور [۱۰] چوتھے مولانا غلام محمد سمنانی وغیرہ۔

یہ تمام علامہ اشرفی کے افق تدریس کے جھلملاتے ستارے ہیں۔ ابھی اور بھی بہت ہوں گے۔ ان کی اولاد اور شاگردوں کو چاہیے کہ وہ علامہ اشرفی کی سیرت وکردار کے تمام ابواب کو مکمل کریں۔ علامہ اشرفی نے اس وقت کام کیا۔ جب علما خال خال ہی پائے جاتے تھے۔ اس وقت زیادہ فارسی داں ہی ہوتے تھے۔ مگر وہ دینیات کا گہرا درک رکھتے تھے۔ سند یافتہ علما کی تعداد کم تھی۔ تعداد میں بھلے وہ کم تھے۔ مگر تھے بڑے نامور اور کارگر۔ علامہ اشرفی کی لائف تعلیمی جدوجہد میں گزری، اشاعت علم میں گزری۔ مگر وہ حالات زمانہ کے بدلتے رنگ سے بے خبر نہیں تھے۔ دینی معاشرتی بگاڑ جب کبھی اور جہاں کہیں پیدا ہوتا، وہ اس سے باخبر رہتے اور اہل اسلام کو بھی باخبر رکھنے کی سعی بلیغ فرماتے۔ اس کے لئے انہوں نے وعظ و تقریر کا سلسلہ قائم رکھا۔ اصلاح احوال کیا۔ بگڑے حالات کو سدھار پہ لایا۔ ذہن بیدار رکھا۔

ذہنی بیداری کو مرنے نہ دیا۔ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ سفر کیا۔ کبھی پیدل، کبھی سائیکل، کبھی بیل گاڑی، کیونکہ موٹر سائیکل اور کار ماروتی کی سہولت جواب مہیا ہے، تب کہاں تھی۔ تب سہولیات کم تھیں۔ خدمات زیادہ تھیں۔ اب سہولتیں بڑھ گئی ہیں، خدمتیں گھٹ گئی ہیں۔

الغرض علامہ اشرفی نے تقریر و وعظ کے ذریعہ دین متین کا بڑا کام کیا۔

علامہ اشرفی اجالوں کے سفیر تھے۔ ظاہر ہے۔ اندھیرے ان کی راہوں میں روڑے بنتے تھے۔ علامہ اشرفی چیتے کا جگر رکھتے تھے۔ اندھیروں کا سینہ چاک کرتے تھے۔ آگے بڑھتے تھے۔ جب بھی مڈبھیڑ ہوگئی۔ بے دغدغہ بھڑ گئے۔ حق کے طرف دار چوکتے کب ہیں۔ کئی ایسے مواقع آئے کہ باطل کے چوکیداروں سے دو دو ہاتھ کئے۔ مادھو پاڑہ کے مولٰینا محمد علاء الدین اور مولٰینا محمد محی الدین اور مولٰینا محمد شفیع سے ہمیشہ ہمیشہ ان کی چھیڑ چھاڑ رہی۔ مباحثے اور مناظرے جاری رہے۔ جھروا، سمراہا اور ارریہ وغیرہ، نہ جانے کہاں کہاں انہیں باطل کے مقابل اترنا پڑا۔ لیکن خدا کی شان، جب بھی اور جہاں بھی اترے۔ ان چوکیداروں کو شکست کے گھاٹ اتار کر آئے، کیا مجال کہ پھر وہ لوٹ کر آتے۔ علامہ اشرفی کا وار ہی کچھ ایسا بھاری ہوتا تھا اور ضرب کاری ہوتی تھی۔

اعتقادی اور نظریاتی معاملات میں علامہ اشرفی نہایت حساس واقع ہوئے تھے۔ علاقہ پورا خالص مسلمانوں کا تھا۔ خوش عقیدگی کا چوکھا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ جمعیۃ العلما ہند کے گرگے جب دغا بازی کا چولا پہن کر میدان سیاست میں اترے، تو قوم کو جم کر بے وقوف بنایا۔ اپنی دکان چمکائی۔ دنیا کمائی اور بنائی۔ اس کا اثر دین پر بھی پڑا۔ گو کہ یہ گنتی کے دو چار ہوتے۔ مگر سیاست کی پشت پناہی میں زیادہ دِکھتے۔ آج بھی جمعیۃ العلما کا یہی حال ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جمعیت تمام مسلمانان ہند کا منتخبہ نمائندہ جماعت ہے۔ خیر جمعیت کے کارندے یہاں وہاں تھے۔ علامہ اشرفی خالص مذہبی شخصیت تھے۔ ان کارندوں سے ان کا ہمیشہ چھتیس کا آنکڑا رہتا تھا اور ہمیشہ پچھاڑ کر ہی دم لیتے۔ کیوں کہ مسلمانوں کا مزاج بہر حال مذہبی تھا۔ دین و ایمان سے آزادی مسلمانوں کو کب گوارہ ہوسکتی ہے۔ نتیجہ میں علامہ اشرفی ان کا دینی قائد و پیشوا بنے رہے۔ کیوں کہ یہ اگوائی اور پیشوائی انہی کو زیب دیتی تھی۔

امام احمد رضا کے خلیفۂ خاص ملک العلما حضرت مولٰینا محمد ظفر الدین قادری ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک بحر العلوم کٹیہار میں جلوہ فگن رہے۔ کار تدریس تو تھا ہی، دعوتی اور تبلیغی دورہ تمام دیار میں

ہوتا رہتا تھا۔ علامہ اشرفی کے وہ مربی تھے۔ جب کبھی تشریف آوری کی زحمت دی، بے چوں چرا تشریف لائے۔ تقریر فرمائی، وعظ کہا اور کبھی ردومناظرہ کی ضرورت درپیش ہوئی، تو ردومناظرہ کی بزم آراستہ کردی۔ ملک العلما تو ملک العلما تھے۔ پھر کس میں پاور کہ ان کی زبان کو جنبش دیتا۔

تقابل ادیان کے اکسپرٹ اور توریت، انجیل، قرآن کے ماہر علامہ قتیل داناپوری، درسگاہی مملکت کے بادشاہ حضرت مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی، دینی علوم کے بحر بے کراں حضرت علامہ محمد نعیم الدین چھپروی، فن مناظرہ اور فن خطابت کے بادشاہ و بادشاہ گر حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، علامہ فصیح غازی پوری، مذہب اور سیاست کے راز آشنا حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی اور پیران کچھوچھہ میں سرکار کلاں سید شاہ مختار اشرف اشرفی الجیلانی، سید شاہ مجتبیٰ اشرف، سید شاہ اظہار اشرف، جیسے اساطین ہند کو بکرات ومرات اپنے علاقوں کا دورہ کرایا۔ جگہ جگہ بڑے بڑے اجلاس منعقد کرائے۔ ان کی تقریریں کروائیں۔ ان سے وعظ کہلوائے۔ اپنی قوم، اپنی جماعت کا عملی اور اعتقادی حصار کو مستحکم کرایا۔ یہ سب آفاقی علما و مشائخ تھے۔

مقامی علما میں طوطیِ پورنیہ حضرت مولانا محمد محی الدین دلکش پورنوی، شاہین پورنیہ حضرت مولانا ابوالعلیٰ کوچ گڑھی، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، مناظر اعظم ہند حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، مفکر اسلام مفتی محمد ایوب مظہر رضوی، رئیس التحریر حضرت مفتی حسن منظر قدیری، اور نہ جانے کون کون علامہ اشرفی کے جلسوں کے صدر ہوتے، قائد ہوتے، خطیب منبر ہوتے اور زینت اجلاس ہوتے۔ الغرض علامہ اشرفی درجنوں پورنوی، غیر پورنوی علما و مشائخ کے داعی بھی ہوتے، میزبانی کرتے۔ علامہ اشرفی کی زندگی اس تعمیری شوروشر اور نوشانوش میں گزری۔

علامہ اشرفی پکے اشرفی تھے۔ طریقتاً اشرفی تھے، عقیدۃً رضوی تھے۔ وہ اشرفیت ہی کیا۔ جس میں رضویت رچی بسی نہ ہو۔ علامہ اشرفی مرشد طریقت سید شاہ مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی سے بیعت تھے۔ پیر طریقت شاہ محمد عبدالسلام فریدی مظفر پوری سے خلافت حاصل تھی۔ سید شاہ قطب اشرف نے بھی یہ تمغہ عطا فرمایا تھا۔ علامہ اشرفی پیری مریدی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بہت سے پیروں کو ہراہرا سوجھتا ہے، نئی نئی چراگاہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہاں تو غریب بستیاں تھیں۔ جہاں وہ جانا پسند نہیں کرتے۔ عوامی حلقہ دینی اعتقادی بے راہ روی کا شکار ہو رہا تھا۔ اسی ضرورت نے علامہ اشرفی کو پیر طریقت بنادیا۔ جہاں کوئی پیر نہیں پہنچتا۔ وہاں پہنچ کر علامہ اشرفی لوگوں کی

دینی رہنمائی کرتے، اصلاح عمل کرتے، اعتقادی پیشوائی کرتے۔ جولوگ داخل سلسلہ ہوتے، ان کو دامن میں پناہ دیتے۔ قرب و جوار میں ان کے مریدین موجود ہیں۔ علامہ اشرفی تعویذات عملیات کے بھی ماہر تھے۔ خداوند قدوس نے دست شفادے رکھا تھا۔ اس صیغہ سے بھی انہوں نے مخلوق خدا کی بے حد خدمت کی۔

علامہ اشرفی نے بھرپور عائلی وخانگی زندگی بھی گذاری، اہل وعیال کی کفالت فرمائی۔ چار لڑکوں اور تین لڑکیوں کے والد و مربی تھے۔ سب کی دینی تربیت فرمائی، سب کو دینی تعلیم دی، آج سب شادی شدہ ہیں۔ پچھتر برس سے زائد عمر پائی۔ ۲۰۰۰ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۲۰۰۲ء میں وصال فرمایا۔ مزار ان کے قائم کردہ مدرسہ کے احاطہ میں ہے۔ اسی احاطہ میں ایک بڑی مسجد بھی ہے۔ یوم وصال پر اب ان کے اعزہ، تلامذہ اور عقیدت مندل کر تقریب عرس منعقد کرتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ الرحمۃ واسعۃ۔

۱۰/مئی ۲۰۱۱ء کی تاریخ تھی۔ ہم دارالعلوم محمدیہ عربک کالج پورنیہ پہنچے تھے۔ حضرت مولٰینا محمد عالمگیر رضوی، علامہ اشرفی کے بڑے صاحب زادے ہیں، دارالعلوم محمدیہ میں استاذ ہیں۔ حضرت مولٰینا محمد شمس الحق رشیدی، یہ دارالعلوم محمدیہ کے مہتمم ہیں، حضرت مفتی محمد زبیر صدیقی رضوی اور دیگر اساتذہ بھی موجود تھے۔ ان سب نے جو بھی معلومات فراہم کیا اور پھر ۱۱/مئی کو سبوتر گئے۔ وہاں مولٰینا الحاج غلام محمد یسین رضوی، جو علامہ اشرفی کے شاگرد بھی ہیں اور شب و روز کے مشاہد بھی۔ انہوں نے جو مواد بہم پہنچائے۔ اس مضمون کی اساس انہی کی فراہم کردہ معلومات ہیں۔ اس سفر کا متعلقہ حصہ یہ ہے:

> '۱۰/مئی ۲۰۱۱ء: اب میں یہاں سے دارالعلوم محمدیہ عربک کالج گیا۔ حضرت مفتی محمد زبیر صاحب رضوی نہیں تھے۔ مہتمم مولانا شمس الحق رضوی اور دوسرے اساتذہ ملے۔ تھوڑی دیر بعد مفتی صاحب آ گئے۔ وہ 'کاملانِ پورنیہ' کی پچاس کاپیاں منگوا چکے تھے۔ پڑھ چکے تھے۔ یہی کتاب یہاں زیر تبصرہ رہی۔ ان حضرات کی موجودگی میں معلومات لیتے رہے۔ اشاریئے تیار کرتے گئے۔ نماز ظہر ہوئی۔ ظہرانہ ہوا۔ مفتی زبیر صاحب ارریہ پروگرام میں چلے گئے۔ میرا موبائل یہاں آ کر خراب ہو گیا تھا۔ مولانا شمس الحق نے دوکان والے کو یہیں بلوالیا۔ میرا بچہ محمد رمان رضا نے پسند کر کے ایک نو کیا

موبائل خرید لیا۔ سہ پہر کو سواری آ گئی۔ اب ہم باپ بیٹے کرتیا نند نگر تحصیل کی نامی گرامی بستی سبوتر روانہ ہو گئے۔

سبوتر اہل اسلام کی خوش حال بستی ہے۔ مسلمان سب خوش عقیدہ ہیں۔ حضرت مولانا محمد عبدالجلیل اشرفی علیہ الرحمہ اس بستی کی مشہور مخلص شخصیت تھی۔ انہوں نے اس خطہ میں ایک تعلیمی انقلاب برپا کیا۔ حضرت مولانا غلام محمد یٰسین رضوی ان کے شاگرد رشید ہیں۔ استاذ کے چھوڑے ہوئے مشن کو اب یہ چلا رہے ہیں۔ مولانا غلام محمد یٰسین رضوی نے 'کاملانِ پورنیہ' کی پچاس کاپیاں منگوا کر علاقہ بھر میں پھیلا دی تھیں۔ اسی حوالے سے لوگ مجھے مل رہے تھے۔ کتاب کی شان میں رطب اللسان تھے۔ یہاں آج ایک شادی تھی۔ مولانا مفتی محمد مناظر حسین رضوی کی بارات صبح نکلنے والی تھی۔ یہ شب، شب ملیاد تھی۔ احباب بضد ہو گئے۔ تھکا ماندہ تھا۔ مگر جانا پڑا۔ نوجوان مفتی محمد محسن رضا نے تقریر کی۔ میرا تعارف کرایا۔ ناچار مجھے کچھ بولنا پڑا۔ پھر طعام کے بعد آرام کیا۔

۱۱ر مئی ۲۰۱۱ء: مولانا غلام محمد یٰسین صاحب مصروف تو تھے۔ تاہم ہم نے ان سے ضروری حالات معلوم کیے۔ ان کے فرزند مولانا حافظ توقیر رضا پل پل میرا خیال رکھتے رہے۔ اب بارات میں شرکت کا بھی اصرار ہونے لگا۔ بالآخر دولہا ہی کی گاڑی میں بیٹھا دیا گیا۔ یہ بارات سبوتر سے جھونی استمبرا آئی تھی۔ ناشتہ کے بعد نکاح ہوا۔ پھر کھانا ہوا۔ یہ شادی شریعت، سنت، سادگی کا سچا نمونہ تھی۔ یہاں مجھے ریٹائرڈ ٹیچر ماسٹر محمد غیاث الدین صاحب ملے۔ جو 'کاملانِ پورنیہ' پڑھ کر بے حد خوش، شاداں و نازاں تھے۔ خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا۔ کھینچ کر اپنے گھر لے گئے۔ شربت پلایا۔ عزت و محبت سے رخصت کیا۔ سرِ شام پورنیہ لوٹ آیا'۔

[سفرنامہ پورنیہ، طبع بمبئی، ۲۰۱۱ء ص: ۶۲، ۶۳]

☆ ☆ ☆

حضرت خواجہ شاہ چراغ عالم لطیفی رحمان پوری علیہ الرحمہ

شاہ چراغ مخدوم شرف الہدیٰ لطیفی کے فرزند تھے اور شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی کے حفید (پوتا) تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کی تحصیل ملک العلما علیہ الرحمہ سے کی۔ وہ ۱۹۵۳ء میں جامعہ بحر العلوم میں داخل ہوئے۔ جہاں وہ ۱۹۵۶ء تک رہے۔ حضرت ملک العلما سے جو کتابیں پڑھی بعض یہ ہیں۔ ہدایہ اولین، میبذی، دیوان حماسہ وغیرہ۔ ایک سال کے لئے وہ بریلی شریف تشریف لے گئے۔ جہاں ان کی ۱۹۵۷ء میں جامعہ منظر اسلام سے فراغت ہوئی۔ تدریس کا آغاز وہیں ہوا۔ جہاں انکی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی تھی۔ یعنی مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رحمان پور ہی میں مدت مدید تک درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ حضرت خواجہ سید شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں سجادہ نشین تکیہ عشق متن گھاٹ پٹنہ سے بیعت وارادت تھی۔ انہیں سے خلافت واجازت بھی حاصل تھی۔ ایک وقت وہ آیا کہ آپ خانقاہ لطیفیہ رحمان پور کے گدی نشین ہوئے۔ گدی نشینی کا دورانیہ ۱۹۸۶ء تا ۲۰۰۰ ہے۔ بہار و بنگال کے اطراف واکناف میں مریدین ومتوسلین کی ایک بھاری تعداد موجود ہے۔ ۶۸ رسال کی عمر میں وصال ہوا۔ تاریخ ۵ رصفر ۱۴۲۱ھ، دس مئی ۲۰۰۰ء ہے۔ مولٰنا خواجہ تہذیب عالم اکلوتے فرزند ہیں، جو آپ کی یادگار ہیں۔ خواجہ تہذیب امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے شاگرد ہیں۔

میں نے خواجہ شاہ چراغ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا تھا۔ دیکھنے کی تقریب یہ ہوئی۔ میرے چھوٹے بھائی مولٰنا غلام ناصر مصباحی مدرسہ لطیفیہ رحمان پور میں زیر تعلیم تھے۔ میں ناصر میاں کو ناشتہ، روپیہ دینے کبھی کبھی جاتا تھا۔ کبھی میں نے وہاں عرس میں بھی شرکت کی تھی۔ خواجہ شاہ چراغ علمی شخصیت کے مالک تھے۔ خلیق وشفیق، حلیم وبردبار، مسلک اعلیٰ حضرت کے سخت پابند تھے۔ متوسط قد، دوہرا بدن، سانولا رنگ تھا۔ آنکھوں میں بڑی چمک تھی۔ اخیر عمر میں کچھ اونچا سنتے تھے۔ سماع خانہ سے پورب، دیوان خانہ کے مغربی برآمدہ میں ان کی نشست گاہ تھی۔ جہاں وہ قبلہ رو ہو کر تشریف فرما ہوتے تھے۔ مریدین واہل تعلق وہیں ان سے شرف نیاز حاصل کرتے تھے اور وہ اہل حاجات کو تعویذات ونسخہ جات لکھ کر دیتے تھے۔ میں اس وقت چھوٹا تھا۔ زیادہ باتیں یاد نہیں۔ [جہانِ ملک العلما، طبع بمبئی، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۴۷]

خلیفہ، حضور مفتی اعظم ہند

امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ

گورا گندمی رنگ، اونچا سیدھا قد، سیدھی صراحی جیسی گردن، نور برساتی پیشانی، بڑی بڑی نشیلی آنکھیں، حضرت ملک العلماء کا منظور نظر، حضرت مفتی اعظم کا جھوٹا خور، لعاب خور، چہیتا، پیارا، دلارا، لاڈلا، علم وفن کا پہاڑ، بحرالکاہل بھی، بحراوقیانوس بھی، اخلاق کا عطردان نہیں، عطر کے بھنڈار، یہ تو ہوا، اس شہر یار خوباں کا حلیہ وتعارف، مگر ہے وہ نسلاً خواجہ، اسماً مظفر حسین، مذہباً سنّی، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری رضوی، مولداً منشاً پورنوی، لقباً خطاباً حل المشکلات، مخزن المعلومات، خیرالاذکیاء، امام علم وفن، مظہر علوم اعلیٰ حضرت۔

بائسی کہنے کو تو ایک قصبہ ہے، جو پورنیہ کی ایک تحصیل ہے۔ مگر مشرق ومغرب کے نہ جانے کتنے آفاق اس میں گم ہیں۔ یہیں سے ذرا پچھم دکھن ایک بستی ہے سنگھیا، فاصلہ ہوگا کوئی پانچ چھ کلو میٹر، یہ شرفا کی بستی، زمینداروں کی بستی، خودداروں کی بستی، یہ لوگ خواجہ کیوں کہلاتے ہیں۔ یہ تو خواجہ لوگ ہی بتائیں گے۔ حضرت مولیٰنا خواجہ محمد زین الدین رضوی امام علم وفن کے والد ماجد تھے۔ دولت علم، دولت دنیا، خدا نے ان کو دونوں سے نوازا تھا۔ گھرانہ سارا خوش حال تھا، خوش خصال تھا۔ اس علمی متمول گھرانے کے آپ چشم وچراغ ہیں۔ جہاں آپ کی پیدائش ۱۹۳۴ء میں ہوئی۔

ظاہر ہے، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، گاؤں میں پائی، عربی کی تعلیم از ابتدا تا شرح جامی مدرسہ اساقت رحمت سے حاصل کی۔ جہاں آپ کے والد بزرگوار اعلیٰ استاذ تھے۔ مولیٰنا زین الدین رضوی اطراف میں 'بڑے مولیٰنا' سے مشہور تھے۔ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ سے شرف بیعت رکھتے تھے۔ ۱۳۸۲ھ میں ان کا وصال ہوا۔ 'اختر آفاق' مادۂ تاریخ وصال ہے۔

محمد یہ اسٹیٹ، پورنیہ کا مدرسہ اساقت رحمت شاہ حفیظ الدین لطیفی کا قائم کردہ ہے۔ مدرسہ کی زمین اسٹیٹ کے مالک مرحوم محمود الٰہی بخش نے فراہم کی تھی۔ مصارف مدرسہ کا بار بھی الٰہی بخش مرحوم کے بازوئے ہمت پر تھا۔ الٰہی بخش مرحوم شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمان

پوری کے نیاز مندوں میں تھے۔ مخیّر، خوش اخلاق، خوش عقیدہ، یہ شاہ حفیظ الدین کی صحبت کا اثر تھا۔ وہی شاہ حفیظ الدین جو امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ہمعصر بھی تھے، ہم فکر بھی۔ اجلاس اہلسنّت پٹنہ جو ندوۃ العلماء کے خلاف ۱۳۱۸ھ میں منعقد ہوا تھا۔ علماء و مشائخ پورنیہ کی طرف سے نمائندگی شریک اجلاس ہوکر شاہ حفیظ الدین کی ہی تھی۔

۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۰ء میں جامعہ بحر العلوم کٹیہار قائم ہوا۔ بحر العلوم کا افتتاح ہنگامی حالات میں، مگر بڑی شان و شوکت سے ہوا تھا۔ اس کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ تفصیل تو نہیں، اجمالی اشارہ یہ ہے۔ پورنیہ نہ کبھی علمی میدان میں پیچھے رہا، نہ مالی شعبہ میں کبھی کنگال ہوا۔ بڑا ذرخیز، بڑا مردم خیز خطہ، شاہ حفیظ الدین اسی زمین ذرخیز کی پیداوار تھے۔ ان کے ایک شاگرد و مسترشد عابد شب زندہ دار مولینا شاہ شرف الدین تھے۔ جنہوں نے گانگی ہاٹ کشن گنج میں خانقاہ و جامعہ لطیفیہ کی بنیاد ڈالی، جہاں کے علمی و روحانی فیض سے پورنیہ کا اتری پوربی حصہ متمتع ہوا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی الہٰ آباد میں جب دار العلوم قائم کر رہے تھے۔ نام ذہن میں نہیں آرہا تھا۔ شاہ شرف الدین کے مزار پر حاضری دی، تو دار العلوم کا نام 'دار العلوم غریب نواز' کا القا ہوا۔ جس کا ذکر نظامی صاحب نے اپنی تحریر میں کیا ہے۔

دوسرے شاگرد مولینا عابد حسین چندی پوری، یہ اولاً سنی صحیح العقیدہ تھے۔ بعد میں عقیدے کے الزام سے متہم ہوگئے۔ چندی پوران دنوں ضلع مالدہ مغربی بنگال کی ایک بستی ہے۔ جلالۃ العلم والعرفان مولینا شاہ محمد یوسف رشیدی علیمی کی ایک قلمی تحریر میرے پاس ہے۔ جو دراصل ایک سوالنامے کی صورت میں مولینا چندی پوری کو بھیجی گئی تھی۔ سوالنامہ کے گیارہ سوالوں میں ایک اہم سوال 'تقویت الایمان' اور اس کے مصنف مولینا اسمعیل دہلوی کے بارے میں ہے۔ جواب میں مولینا چندی پوری نے لکھا ہے کہ وہ کتاب اور صاحب کتاب کے فکر و عقیدہ سے بیزار ہیں اور اس سے وہ اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ الزام عقیدہ والی بات بے پر کی نہیں تھی۔

خیر مولینا چندی پوری نے دار العلوم لطیفی کا خواب دیکھا۔ جلد ہی خطہ بھر کے سنی مسلمانوں کی توجہ و عنایت سے دار العلوم تعبیر کی شکل میں بن گیا۔ اساتذہ کا جو انتخاب ہوا، وہ بہت خلط ملط تھا۔ یہ دیکھ کر اہلسنّت مضطرب ہوئے۔ شور شرابہ ہوا۔ مولینا چندی پوری صفائی

دیتے رہے۔ دار العلوم چلتا رہا۔ ایک وقت وہ آیا کہ اہل سنّت جن کے تعاون سے دار العلوم کی زمین تیار اور تعمیر ہوئی تھی۔ وہ بالکل بدظن ہو کر رہ گئے۔

تصفیہ کے لیے پٹنہ سے سید شاہ حمید الدین لطیفی سجادہ نشین خانقاہ عشق پاک تشریف لائے۔ چونکہ شاہ حفیظ الدین اسی خانقاہ کے تربیت یافتہ تھے اور اس علاقہ میں اس کا اثر بھی تھا۔ ادھر شاہ حمید الدین حضرت ملک العلماء کے خاص الخاص احباب میں سے تھے۔ علماء و رؤسا کی موجودگی میں مولانا چندی پوری کو بلا کر معاملہ صاف کرنا چاہا۔ مگر مولانا چندی پوری کے رویہ نے علما و مشائخ اور معتمدین کے گمان کو یقین میں بدل دیا۔ یہ حضرات مجلس بحث سے مایوس ہو کر اٹھے۔

مگر طے یہ ہوا کہ اسی کٹیہار میں دوسرا دار العلوم قائم کیا جائے۔ شاہ حمید الدین پٹنہ واپس تشریف لے گئے۔ یہاں کے حالات و جذبات سے حضرت ملک العلما کو آگاہ فرمایا۔ حضرت ملک العلما جو طویل تدریسی خدمات کے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ کے عہدہ پرنسپلی سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ ارادہ تھا کہ اب تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت، ذکر و فکر آخرت، وہ علما جو ظفر منزل میں ملک العلما سے بعض علوم سیکھتے تھے، ان کی تعلیم، اصلاح عوام، درس قرآن و حدیث، مریدین و متوسلین کی تربیت میں وقت دیا کریں گے۔ مگر حالات کا تقاضہ کچھ ایسا تھا کہ مسافر ابھی ایک سفر کی تکان بھی نہیں اتار پایا تھا کہ دوسرے سفر کا رخت باندھنا پڑا۔ شاہ صاحب موصوف اور حضرت ملک العلما کٹیہار پہنچے۔ پھر جامعہ بحر العلوم کا قیام عمل میں آگیا۔ یہ ہے بحر العلوم کے قیام کی ایک جھلک۔

پورنیہ (بشمول کٹیہار، کشن گنج، ارریہ وغیرہ) جو سدا سے اہل سنت کا مرکز رہا تھا۔ تقویت الایمانی گروہ کے خلاف جو علما صف آراء تھے۔ شروع ہی سے اہل پورنیہ انہی علما کے ہم زبان تھے۔ علمائے خیر آباد، جون پور، بدایوں، بریلی علی الخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تو پورا خطہ دلدادہ و شیدا تھا۔ یہ نادیدہ عشق تھا۔ اعلیٰ حضرت تو پورنیہ پہنچے نہیں۔ اب جو اعلیٰ حضرت کے علمی و فکری جانشین کی آمد آمد ہوئی، اہل پورنیہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ایک تو بارگاہ عشق پاک پٹنہ کی عقیدت، دوسرے ملک العلما کی صورت میں اعلیٰ حضرت کا وہ فیضان، جو پورنیہ کے افق سے پورنیہ کی زمین برسنے والا تھا۔ یہ نہ پوچھو کہ جوش و خروش کی کیا حالت تھی۔ قدیم پورنیہ کی تاریخ میں یہ ایک اہم موڑ تھا۔

تار، اشتہار کے ذریعہ جب یہ خبر نشر ہوئی۔ حضرت ملک العلما نے بحر العلوم کا افتتاح

فرمایا ہے، تو کیا یو پی، کیا سی پی، تمام اقطار ہند سے طلبہ مشہور درسگاہیں خالی کر کے آنے لگے۔ یوماً فیوماً، قافلوں کے قافلے اترنے لگے۔ اراکین جو تازہ دم تھے۔ مکمل تگ وتاز سے انتظامات میں لگ گئے۔ تابڑتوڑ خیمہ نما خس پوش مکانات بننے لگے۔ خورد ونوش کا انتظام ہوا۔ طلبہ سماتے گئے۔ درسگاہیں لگیں، مسندیں آراستہ ہوئیں، قرآن وحدیث کی خوشبوؤں سے فضائیں مہک اٹھیں۔ حضرت ملک العلما کا قیام سیہی پور کے رئیس وقت کی کوٹھی کے اس حجرے میں ہوا، جو بالکل سامنے اتر پورب جانب ہے۔ دیگر اساتذہ عارضی جگہوں میں رہے۔ بعد میں خس پوش کی جگہ ٹین اور پختہ عمارتیں بن گئیں۔

اسی مشکبار جوش وخروش کے ماحول میں امام علم وفن بحر العلوم میں داخل ہوئے۔ ملک العلما نے اسٹاف کا جو انتخاب کیا تھا۔ وہ منتخبات روزگار سے تھا۔ امام علم وفن نے حضرت ملک العلما سے جو کتابیں پڑھیں وہ یہ ہیں: اصول الشاشی، مشکوٰۃ شریف، صحیح البہاری شریف، طحاوی شریف وغیرہ، استاذ المتکلمین مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، جن کے شاگرد علامہ ارشد القادری جیسی شخصیت تھے، ان سے آپ نے شرح تہذیب، قطبی، ہدیہ سعیدیہ، شرح جامی وغیرہ کا درس لیا۔ علامہ محمد یوسف جو پٹنہ کے رہنے والے تھے، آپ نے ان سے شرح وقایہ، ہدایہ، قلیوبی پڑھی۔

ملک العلما کی خدمت میں امام علم وفن ۱۹۵۰ء میں آئے۔ ۱۹۵۵ء تک رہے۔ کامل پانچ سال حضرت ملک العلما کی صحبت سے فیض اٹھاتے رہے۔ حضرت ملک العلما بھلے ہی اس وقت ضعیفی کے عالم میں تھے۔ مگر وہاں پہنچ کر ان کا شباب لوٹ آیا تھا۔ مدرسہ شمس الہدیٰ میں گو وہ پرنسپل تھے۔ مگر ضابطہ کی پابندی بہر حال تھی۔ یہاں ضابطہ ساز وہ خود تھے۔ آزاد فضا تھی، کھلا ماحول تھا۔ جاں نثاروں کا جم غفیر تھا۔ صوبۂ بہار وبنگال کے سنگم کی ریاست انہیں راس آئی تھی۔ اراکین جو سب کے سب رؤسا، امراء تھے، مگر مثل خدام، وفادار، اطاعت شعار تھے۔ ہوتا وہی تھا، جو ملک العلما فرمادیتے تھے۔ اساتذہ کی بحالی، برطرفی، طلبہ کا داخلہ، خارجہ سب انہیں کے اشارۂ ابرو سے ہوتا تھا۔ امام علم وفن نے درسی علم جو پایا تو پایا ہی، مجلسی علم زیادہ حاصل کیا۔ فیض صحبت سے سماعاً جو کچھ اخذ کیا، وہ اس سرمایہ علم سے بڑھ کر تھا، جو درسگاہوں سے پایا تھا۔ اس کا اعتراف امام علم وفن خود ہی کرتے ہیں۔

امام علم وفن جن پر ذہانت، ذکاوت کو ناز ہے، ایسا شاگرد جب کسی جوہر شناس استاذ کو ملے

گا، تو اس کا بوڑھا پا جوانی میں کیوں کر نہ بدلے گا۔ وہی ہوا، جو ہونا تھا۔ ساٹھ ستر سالہ استاذ نہیں، استاذ الاساتذہ، سولہ سالہ انتخاب عصر شاگرد کو وہ پلاتا رہا۔ یہ پیتا رہا۔ نہ اس نے دینے میں بخیلی کی، نہ اس نے لینے میں کوتاہی کی۔ ساقی سخی ہو، شفیق ہو، تو پینے والا کتنا پئے گا۔ جاموں جام، نا کوں ناک، شبہہ نہ ہو۔ بدہضمی ہوگئی ہوگی۔ میکدہ کا مالک تجربہ کار تھا۔ اسے پتہ تھا۔ کتنا دینا تھا۔ کتنا پلانا تھا۔ جب میخوار کا ہاضمہ درست ہو، تو انڈیل انڈیل کر پلانے میں قباحت کیا ہے۔

۱۹۵۵ء کے بعد امام علم وفن بریلی آگئے۔ مگر حضرت ملک العلما کی اجازت سے، مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔ امام علم وفن نے بتایا، یہاں کے اساتذہ میں یہ حضرات تھے: شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب، یہ مئوناتھ بھنجن کے رہنے والے تھے۔ ان سے آپ نے دو تین مہینے بخاری شریف کا درس لیا۔ علامۃ العصر مولانا معین الدین خاں، یہ فتح پور تال نرجا گھوسی کے باشی تھے۔ ان سے آپ نے رسالہ میر زاہد پوری پڑھی اور مسلم الثبوت کے چند اسباق بھی، شیخ الادب مولانا غلام جیلانی یہ بھی گھوسی کے متوطن تھے۔ ان سے آپ نے مقامات حریری کا محض ایک سبق پڑھا۔ مفتی شریف الحق امجدی یہ بھی گھوسی کے رہ باشی تھے۔ ان سے ملا حسن آپ نے پڑھی، مگر صرف دو یا تین سبق۔ پھر آپ کے سر پر فضیلت کی دستار سجادی گئی۔ یہ ۱۹۵۶ء کا سن تھا۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے۔ تحصیل ہوگئی۔ دستار ہوگئی۔ اب آپ وطن لوٹ رہے ہیں، تو دیکھا، مفتی اعظم ہند سے لوگ حدیث کی سند خاص بھی لے رہے ہیں۔ آپ بھی حاضر ہوئے۔ عرض کیا: مجھے خاص سند حدیث چاہیے۔ مفتی اعظم ہند نے فرمایا: کچھ پڑھا بھی، کچھ بنا بھی؟۔ آپ نے عرض کی۔ نہ کچھ پڑھا، نہ کچھ بنا۔ حضور سے گذارش ہے۔ پہلے بنا دیجئے۔ پھر سند عطا فرمائیں۔ مفتی اعظم ہند نے نگاہ اٹھائی۔ نظر بھر آپ کو دیکھا۔ سند نکالی، دست خاص سے لکھا۔ یہ فرماتے ہوئے: یہ لیجئے۔ نوشتہ عطا کر دیا۔ حضرت امام علم وفن کہتے ہیں۔ آج میرے پاس جو کچھ ہے، وہ اسی 'یہ لیجئے' کی برکتیں، بہاریں ہیں۔ کیوں نہ ہو، اب تک تو مکتب کی کرامت تھی اور اب فیضان نظر کی بھی بارش ہوگئی۔ درسگاہ مفتی اعظم ہند سے دولت علم لوٹی، بارگاہ مفتی اعظم ہند سے برکت نظر پائی۔ عقل تو روشن تھی ہی، دل بھی جگمگا اٹھا۔ اب جو دل ودماغ پر خمار چھایا۔ مخمور ہو کر رہ گئے۔

تدریس کا آغاز امام علم وفن نے وہیں سے کیا، جہاں ان کے درس کا اختتام ہوا تھا۔ یہ

تو تھے ملک العلما کے شاگرد۔ چنانچہ ان ہی کی سنت پر عمل ہوا۔ حضرت ملک العلما نے منظر اسلام سے تکمیل کی۔ ان کے استاذ امام احمد رضا نے ملک العلما کی تدریس کا آغاز اسی منظر اسلام سے کرادیا۔ امام علم وفن مظہر اسلام سے فارغ ہوئے۔ آپ کے سرمایۂ کل مفتی اعظم ہند نے آپ کے لئے اسی مظہر اسلام میں مسند تدریس بچھوادی۔ یہ جوہر قابل تھا۔ جوہر شناسوں نے نوازا تھا۔ ماچس کی تیلی ذرا رگڑ دیجئے۔ آگ روشن ہوجاتی ہے۔ امام علم وفن کا ذہن ماچس کی وہی تیلی تھا۔ حضرت ملک العلما نے رگڑ کر شعلہ جوالہ بنادیا تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی نظر کیمیا گر نے خالص کندن بنا کر رکھ دیا۔ مسند تدریس مفتی اعظم ہند کے حکم سے بچھی تھی۔ پھر کس میں خم تھا، جو اس کو خمیدہ کرتا۔ یہ مسند جہاں جہاں بچھی، علم وفن کا گوہر تابدار اگلتی رہی۔ زمانہ جانتا ہے۔ شخصیتیں مشہور اداروں سے چمکیں، مگر امام علم وفن اداروں سے نہیں، ادارے ان کے دم قدم سے چمکے۔ یہ مسند نشین جہاں پہنچا، بازار علم سجادیا۔ جہاں سے نکلا، ساری رونق ساتھ رخصت ہوگئی۔

اب ایک اجمالی جائزہ ان اداروں کا، جہاں وہ رہے۔ مظہر اسلام بریلی میں پانچ سال، دارالعلوم مصطفائیہ چمنی بازار پورنیہ میں تین سال، مظہر اسلام میں دوسال، منظر اسلام میں ایک سال، جامعہ عربیہ سلطان پور میں آٹھ سال، دارالعلوم فیضیہ ایشی پور بھاگلپور میں آٹھ سال، جامع اشرف کچھوچھہ میں ایک سال، دارالعلوم فیض الرسول براؤں بستی میں دوسال، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں ایک سال، مدرسہ قادریہ بدایوں میں چھ سال اور اب دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور میں یہ سولہواں یا سترہواں سال ہے۔ ابھی یہ سلسلہ خیر و برکت جاری ساری ہے۔ وہ ایک بہتا دریا ہے، برستا بادل ہے، جب جہاں ضرورت پڑتی ہے، بہتا رہتا ہے، برستا رہتا ہے۔ علم وفن، فکر ونظر کے کھیتیوں کو جل تھل کرتا رہتا ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں امام علم وفن سیماب صفت شخصیت ہیں۔ شاہین صفت، عقابی نظر رکھتے ہیں۔ رئیس کا بچہ رئیسی میں پلا بڑھا۔ ناز کا پالا، نعم کا چسیدہ، ذہن میں خودی، دماغ میں خودداری، عزت نفس کا پاس، ان کے اندر جو گنج شائیگاں ہے، اس کا لحاظ، نہ مصلحت کوش، نہ حق پوش، نہ اصول شکن، وعدہ کا پکا، عہد کا سچا، پھر وہ عقاب نچلا کیسے بیٹھتا؟۔ ان کو درس گاہوں کی ضرورت نہیں۔ ادارے ان کے محتاج ہیں، وہ اداروں کے محتاج نہیں۔ وہ درسگاہوں کی ضرورت ہیں، ان کو درسگاہوں کی ضرورت نہیں۔ اس لئے جب ذرا طبیعت کے خلاف

ہوا۔ اچھا اللہ حافظ کہہ دیا۔ اتنا سننا تھا کہ مدارس کے اراکین واساتذہ منانے میں لگ گئے۔ مگر وہ عرش وفرش کی آواز سے کہاں رکنے والا۔ ابھی ایک ادارہ سے نکلے نہیں کہ درجنوں ادارے دیدہ ودل فرش راہ کئے خدمت میں حاضر، بلکہ پیشگی ڈورے ڈالے رہتے۔ اس لئے کبھی محتاجی، معذرت خواہی کی نوبت ہرگز نہ آئی۔ جس علمی کروفر اور عزت واحترام سے امام علم وفن نے تدریسی زندگی گذاری ہے۔ اداروں، استاذوں کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

امام علم وفن کی پیدائش ۱۹۳۴ء میں ہوئی۔ عربی ابتدائی بنیادی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء میں جب وہ بحرالعلوم کٹیہار آئے، اس وقت عمر کی سولہویں بہار تھی۔ ۱۹۵۵ء تک وہ وہاں رہے۔ متوسطات ومنتہیات کی ٹھوس تعلیم وہیں پائی۔ مظہر اسلام بریلی میں وہ چند مہینے تحصیل علم میں رہے۔ جب دورے کی رسم پوری ہوئی، تو دستار ہوئی۔ اپنے ہم سفروں پر گوئے سبقت لے گئے۔ جب ان کی تدریسی زندگی کا تجزیہ کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے۔ پرورش، تعلیمی ماہ وسال کو چھوڑ کر زائد از پچاس برس سے میدان تدریس کے وہ تاجور نظر آتے ہیں۔ ان کے تلامذہ، جو اس طویل مدت میں تیار ہوئے، کی تعداد بتانا سردست مشکل ہے۔ اس پر خود ان کے تلامذہ کو قلم اٹھانا چاہیے، مگر اتنا طے ہے۔ ملک کی شاید ہی کوئی ایسی درسگاہ ہو جہاں ان کے تربیت یافتہ صدرالمدرسین وشیخ الحدیث نہ ہوں۔

مضمون نگاری، کتاب نویسی بہرحال ایک کام ہے۔ اس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں، لیکن فنی اصول کی روشنی میں فنی نکات پر زبان کھولنا یا قلم اٹھانا جگر گردے کا کام ہے۔ یہ امام علم وفن ہی کا جگر ہے، جہاں علمائے عصر، فقہائے دہر، دانشوران دیار پھنس چکے ہوتے ہیں، وہاں حل المشکلات بن کر امام علم وفن ہی کام آتے ہیں۔ شواہد بہت ہیں۔ یہاں ایک مثال بس ہے۔ کتنے فقیہان حرم تھے۔ جب ان کی ٹی وی کی تحقیق سامنے آئی، تو اپنے موقف سے رجوع کر گئے۔ یوں ہی مسئلہ سمت قبلہ شمال امریکہ، نماز عشا و فجر کا مسئلہ بلغاریہ وغیرہ۔ ان کی بعض تحریریں کتابی شکل میں شائع ہوئی ہیں۔ زیادہ مضامین کی صورت میں رسائل و جرائد کی زینت بنے ہیں۔ جن کی تعداد پچاس کے قریب ہوگی۔ یہ اشد ضروری ہے۔ ان کی جملہ تحریرات کو کتابی شکل دے کر چھاپ دیا جائے۔

بیعت کا شرف مفتی اعظم ہند سے رکھتے ہیں۔ خلافت بھی مفتی اعظم ہند نے خود ہی عنایت فرمائی تھی۔ سند حدیث، سند خلافت دونوں کی اصل کاپی میری تحویل میں ہے۔ یہ امام علم وفن،

تھے، جو مفتی اعظم ہند کو پہلی بار پورنیہ لے گئے تھے۔ مفتی اعظم ہند کی دید، عید، رویت، روایت، شفقت، محبت، سفری، حضری مشاہدات و حالات وواقعات، جس والہانہ انداز سے امام علم وفن سناتے ہیں۔ اگر ان کو ترتیب دے دیا جائے، تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ جس سے مفتی اعظم ہند کی سیرت و شخصیت کے نامعلوم گوشے اجاگر ہوں۔

خاکسار نے کچھ کچھ اپنی ڈائری میں نوٹ کیا ہے، یونہی آپ نے امام احمد رضا کے بیشتر ہندوستانی خلفاء وتلامذہ کو دیکھا ہے۔ ان سے بہت کچھ سنا اور سمجھا ہے۔ پھر بعد کے اکابرین ومشاہرین سے مصاحبہ کیا ہے۔ مباحثہ کیا ہے۔ علمی مذاکرے کئے ہیں۔ ان کو دیکھا ہے۔ برتا ہے۔ طویل تدریسی زندگی کے تلخ وشیریں تجربات ومشاہدات غرض پچاس پچپن سالہ یادداشتیں ان کے نہاں خانۂ خیال میں محفوظ ہیں۔ جب آپ خوشگوار موڈ میں ہوتے ہیں، تو مزے لے لے کر سناتے ہیں۔ جہاں تہاں سے ہم نے کچھ کچھ قید تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہ تمام کچھ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ اس وقت تو صرف ان کی زندگی کا ایک اجمالی احوال نامہ حاضر ہے۔

[مشمولہ: 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس پورنوی، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۵۰]

نومبر ۲۰۰۸ء کو میں نے قدیم پورنیہ کا مطالعاتی دورہ کیا تھا اور مواد ومتن کی تلاش میں راہوں کی خاک اڑائی تھی۔ اس کوچہ گردی کے وقت سنگھیا بھی گیا تھا۔ جب اس کی سرگشت سفر کی لکھی، تو حضرت خواجہ صاحب کے بارے میں درج ذیل پیراگراف لکھا:

'امام وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب تو تھے نہیں کہ وہ دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد جا چکے تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ، بہو صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔ جن سے پہلے ہی فون پر گفتگو ہو چکی تھی۔ خواجہ صاحب بے نیاز آدمی ہیں۔ اپنی کتابیں اپنے پوتے مولانا خواجہ آصف رضا مصباحی کو وقف کر چکے ہیں۔ تاہم بچا کھچا جو کچھ تھا، الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ان کے مضامین وکاغذات میں سے کچھ نہ کچھ اٹھا لایا۔ جس کو لانے کی حضرت خواجہ صاحب نے پہلے ہی سے اجازت دے رکھی تھی۔

متضاد صفت، پراسرار شخصیت، حضرت خواجہ صاحب ظاہر سے

جتنے حسین ہیں، باطن میں کہیں اور خوبصورت ہیں۔ مظہر اسلام سے فارغ، مفتی اعظم کے مرید، خلیفہ، تراشیدہ، جوٹھا خور، نور نظر،، برودت جگر، امام احمد رضا کے علوم وفنون کے مظہر، معارف ملک العلما کے پرتو، بذات خود خداداد صلاحیتوں کے مالک، کسبی اور وہبی علوم و اسرار کے حامل، جن فنون کے جاننے والے آج دنیا میں تقریباً ناپید ہیں، ان پر کامل مہارت رکھنے والے، ملک کے علمی منظرنامے کو زیروزبر کرنے والے خواجہ صاحب ان دنوں بہت علیل، بہت کمزور ہو چکے ہیں۔

انہوں نے کوئی دارالعلوم نہیں بنایا۔ مگر دنیا جانتی ہے۔ ان کا ہر شاگرد اپنی جگہ دارالعلوم ہے۔ ذروں کو چمکا کر مہر و ماہ ہی نہیں، رشک مہر و ماہ بنادیا ہے۔ اپنی ابتدائی جوانی میں دو چار سال اپنے پورنیہ میں اور کچھ سال بھاگل پور میں پڑھائے۔ پھر جو صوبہ سے باہر ہوئے اب تک باہر ہیں۔ بریلی، سلطان پور، براون شریف، الہ آباد، بدایوں ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچ گئے۔ جہاں کوئی پندرہ برس سے اپنا لٹا رہے ہیں۔ علم کا موجزن سمندر جہاں چاہتا ہے، بہتا رہتا ہے۔ برستا بادل، جہاں تہاں برس کر جل تھل کر دیتا ہے۔ انگلینڈ، امریکہ جا کر دعوت کا کام تو ہو سکتا ہے، وہاں کی سمت قبلہ درست نہیں کی جاسکتی۔ یہ خواجہ صاحب ہی ہیں، جو ہند میں رہ کر امریکہ کا قبلہ درست کرتے ہیں۔ پہلے یہ کام امام احمد رضا کرتے تھے۔ پھر ملک العلما کرتے تھے۔ اب خواجہ صاحب کرتے ہیں۔ حقیقت میں وہ مظہر اعلیٰ اور ملک العلما کے عکس جمیل ہیں'۔

['سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص: ۳۹، ۴۰]

اب اخیر میں 'منظوم سفرنامۂ بائسی' سے چند اشعار کا لطف اٹھائیے۔ حضرت مولانا محمد مبارک رضوی نے یہ سفرنامہ میرے کہنے پر لکھا تھا۔

جو سچے منطقی بھی ہیں جو پکے فلسفی بھی ہیں
دکھاتا ہوں میں علمی نمونہ دیکھتے جاؤ

امام علم وفن خواجہ مظفر نام ہے ان کا
نہیں ثانی جہاں میں آج ان کا دیکھتے جاؤ
زمانے پر کرم بالا کرم ہے آج بھی ان کا
زمانہ جس کا پیاسا ہے وہ دریا دیکھتے جاؤ
ہزاروں علم کے کوہ گراں اس نے بنا ڈالے
ہمالہ در ہمالہ در ہمالہ دیکھتے جاؤ
ابھی بھی تشنگان علم کو سیراب کرتے ہیں
علوم دین کا جاری یہ جھرنا دیکھتے جاؤ
یہ دریا ہے جہاں سے علم کے سوتے نکلتے ہیں
ہے اس بستی کا پیارا نام سنگھیا دیکھتے جاؤ

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفر نامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص: ۱۱۷]

۱۹۸۹ء سے میں رضویاتی مواد کی طباعت کا کام شروع کیا۔ جب میں ابھی زیر تعلیم ہی تھا۔ ۱۹۹۰ء میں لکھنے کی مشق شروع کی۔ تحقیق ومطالعہ کا ذوق نمو پذیر ہوتا رہا۔ ۲۰۰۰ء میں جب میں نے اعلیٰ حضرت پر پی ایچ ڈی کا کام شروع کیا، تو ایک جہان علم وفن نظر آیا اور اپنے موضوع کو نبھاتے ہوئے دوسرے موضوعات بھی میری توجہ کھینچنے لگے یا میری دلچسپی ان موضوعات کی طرف بڑھ گئی اور پھر میں نے ذہن بنا لیا کہ اس رخ سے ہی کام کرنا ہے۔ اللہ کریم کا لطف وکرم ایسا ہوا کہ ایک سے ایک نادر مواد اور نئی تحقیق سامنے آنے لگی۔ الحمد اللہ! ہند وپاک کے اہل نظر نے ان تحقیقات کو رضویات کے باب میں ایک نیا اضافہ قرار دیا۔

جمع وتحقیق وترتیب کے اسی سلسلہ کا ایک اہم کام 'تحقیقات امام علم وفن' کی تلاش وتحقیق اور ترتیب وتدوین بھی ہے۔ دراصل یہ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی علمی تحریرات وفنی شذرات کا مجموعہ ہے۔ اس کی طرف ۲۰۰۹ء، ۱۹۱۰ء میں متوجہ ہوا۔ الحمد اللہ دو تین برسوں کی محنت اور تلاش نے ممکنہ حد تک قریب ۵۶ر مضامین ومقالات اکٹھا کر لئے۔ پھر ترتیب اور کتابت کا مرحلہ طے کیا گیا اور ۲۰۱۲ء میں ۲۷۴ر صفحات کی کتاب تیار ہو کر شائع ہو گئی۔ اہل علم نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور مرتب کو کلمات خیر اور دعائے خاص سے نوازا۔ خواجہ

صاحب کے وصال کے بعد 'امام علم وفن نمبر' قابل قدر شائع ہوا، تو اس کے قلمکاروں اور مضمون نگاروں نے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر اپنا اپنا مضمون و مقالہ تیار کیا۔ خیر 'تحقیقات امام وفن' کی اشاعت کے وقت جو میں نے 'عرض مرتب' لکھا، وہ یہ ہے:

'امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ نادر زمن ہستی ہیں۔ نادر زمن اس لئے کہ مروجہ علوم دینیہ کے ماہرین آج بھی بکثرت ہیں۔ امام علم وفن ان میں سے ایک ہیں اور وہ ان علوم میں بھی خاصا درک رکھتے ہیں، جن کے سمجھنے والے تقریباً ناپید ہیں۔ ایک شخصیت علی گڈھ میں تھی علامہ شبیر حسن غوری، وہ خدا کو پیاری ہوگئی۔ انہوں نے امام احمد رضا کو علوم عقلیہ کا آخری دانائے راز قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیقات خدا بخش لائبریری پٹنہ سے کتابی صورت میں شائع ہوئی ہیں۔ دوسری شخصیت تھی شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی کی۔ وہ اب دنیا میں نہیں رہی۔ پروفیسر ابرار حسین اسلام آباد پاکستان بھی ان علوم میں واقفیت رکھتے ہیں۔ مگر دقت یہ ہے کہ تحقیقات رضویہ عربی فارسی الفاظ واصطلاحات پر مشتمل ہیں اور پروفیسر موصوف انگریزی جانتے ہیں۔ پروفیسر سر ضیاء الدین بھی نہیں رہے۔ وہ ہوتے، تو شاید وہ تحقیقات رضا کی کچھ شرح ووضاحت کر پاتے۔ کیوں کہ انہوں نے امام احمد رضا سے ایک مسئلۂ ریاضی سمجھا تھا۔

خیر آج دینی درسگاہوں اور عصری دانشگاہوں میں امام علم وفن خواجہ صاحب قبلہ کی ذات ہی ایسی ہے۔ جو امام احمد رضا کے اس نایاب فکر وفن پر خامہ فرسائی کر سکتے ہیں۔ اس لئے انہیں امام علم وفن، خیر الاذکیا، حل المشکلات، نادر زمن کہا، لکھا جا رہا ہے اور حق یہ ہے کہ بجا کہا، لکھا جا رہا ہے۔ چوں کہ دینی و عصری شخصیات کی آخری امید گاہ خواجہ صاحب ہی ہیں۔

نادر تحقیقات رضویہ کی خواجہ صاحب نے جو تشریح وتوضیح کی ہے، رضویات کا یہ ایک نایاب گوشہ ہے۔ یہ گوشہ نہایت قیمتی ہے۔ یہ گوشۂ بیش بہا یہاں وہاں رسائل وجرائد کی فائلوں میں بکھرا ہوا تھا۔ آج سے دو سال پہلے خیال آیا کہ اس نایاب گوشہ کو قابو میں کیا جائے اور کتابی شکل دے کر اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب اس کی اطلاع خواجہ صاحب کو دی، تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ سنبھل میں مولانا حکیم نفیس احمد صاحب نے کچھ مضامین اکٹھے کئے ہیں۔ ان سے رابطہ کر لیجیے۔ حکیم صاحب سے رابطہ کیا اور ان کی فہرست مضامین منگائی، تو میری فہرست سے زیادہ مضامین اس میں نہیں تھے۔ بلکہ میں نے بہت سے مضامین ان کی فرمائش پر ان کو بھجوا دیئے۔

پھر بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا اسید الحق بدایونی بھی اس ذخیرہ کی ترتیب کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے رابطہ کیا، تو انہوں نے اپنا جمع شدہ مواد بطیّب خاطر بھیج دیا۔ مگر اس مواد میں بھی کوئی خاص اضافہ نہیں تھا۔ میرے شاگرد مولانا فائق رضا رضوی نے بھی بہت سے مضامین جمع کیے تھے۔ مگر حضرت خواجہ کی خواہش، بلکہ فرمائش تھی کہ ان کے مضامین ومقالات کی ترتیب وتزئین میں ہی کروں۔

میں بار ہا لکھ چکا ہوں۔ رضویات میری شیرین ہے۔ چوں کہ یہ رضویات کا اہم گوشہ تھا، اس لئے میری ذاتی دلچسپی کا سبب بنا۔ جب کہ میں اس فن کا آدمی ہرگز نہیں ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ علمی مواد تصحیح کے اعتبار سے غلط نہ چھپ جائے۔ میں نے ہزار کوشش کی کہ خواجہ صاحب یہ مجموعہ ایک نظر دیکھ لیں، مگر ممکن نہ ہو سکا۔ تب سوچا۔ فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب تصحیح فرمادیں۔ انہوں نے حامی بھری اور ان کو ای میل سے کتابت شدہ مواد بھیج دیا۔ پرنٹ آؤٹ بھی بھیجا۔ انہوں نے نظر ثانی بھی کی۔ مگر حادثہ یہ پیش آیا کہ ان کا لیپ ٹاپ غائب ہو گیا۔ رابطہ کرنے پر فرمایا:

> 'میں نے بہت سے مضامین دیکھ لئے تھے۔ تقریباً ٹھیک تھے۔
> اب آپ یہ مواد جوں کے توں چھپوا دیجیے۔ غلطیاں تو ہوں گی، مگر مواد محفوظ ہو جائے گا۔ چھپنے کے بعد بھی تصحیح ہو سکتی' ہے۔

یہی رائے خواجہ صاحب کی بھی تھی۔ حضرت مفتی قاضی شہید عالم صاحب یہ مواد دیکھ سکتے تھے۔ مگر وہ ہمیشہ عدیم الفرصت رہے۔ چوں کہ میں اس فن کا آدمی نہیں ہوں۔ اس لئے مجھے اعتراف ہے۔ کتاب میں غلطیاں ہوں گی۔ اہل نظر خود اصلاح فرمالیں۔

طباعت کا مرحلہ بھی پر پیچ تھا۔ اس حوالے سے دو افراد سامنے آئے۔ ایک مولانا نیاز احمد صاحب [بائسی] اور مولانا مسعود رضا صاحب [بائسی]، مگر یہ دونوں ٹھنڈے پڑ گئے۔ دوسرے حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب رضوی گجراتی۔ یہ رہنے والے گجرات کے ہیں۔ بولٹن، یوکے میں خدمت دین کر رہے ہیں۔ یہ حضرت خواجہ صاحب کے مستفید بھی ہیں اور دوست بھی۔ انہوں نے ذاتی دوستی اور علم دوستی دونوں کا حق نبھایا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بولٹن یوکے سے مالی تعاون کرایا۔ حضرت مولانا محمد نظام الدین رضوی کا حکم تھا کہ ناشر کی حیثیت سے امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کا نام رہے گا۔ چنانچہ اسی نام سے یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ نام وام سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ کسی بھی نام سے ہو، کام تو ہوا۔ مقصد اپنا کام ہی کرنا ہے۔

خدا کرے، یہ کام مقبول عام ہو جائے، یہی میرا انعام ہے۔

آخر میں، ہم حضرت خواجہ صاحب کا شکر گزار ہیں کہ بہتوں کی بھیڑ میں میرا انتخاب فرمایا۔

حضرت مولانا محمد نظام الدین رضوی زید مجدہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے جماعت رضائے مصطفیٰ یو کے کے اراکین کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ کاتب محمد ارشاد شیخ کے لئے بے حد دعائیں کہ یہ ہماری ہر کتاب کی بڑی عرق ریزی سے کمپوزنگ اور تزئین کاری کرتے ہیں۔

غلام جابر شمس مصباحی

۱۴ر نومبر ۲۰۱۱ء۔

[تحقیقات امام علم وفن، مرتبہ غلام جابر شمس پورنوی، مطبوعہ بریلی شریف، ۲۰۱۲ء ص: ۸تا۱۰]

'تحقیات امام علم وفن' کی طباعت کے وقت میں نے حضرت مولانا محمد نظام الدین رضوی صاحب سے گزارش کی تھی کہ آپ حضرت خواجہ صاحب کے تعلق سے اپنے تعارف و رابطہ اور ان کی شخصیت، علم و فضل اور مروت واخلاق کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ بھیجیں۔ آپ کی تحریر کتاب میں شامل کر لی جائے گی۔ چنانچہ مولانا صاحب نے میری بات مانی اور اپنی تحریر بھیجی۔ مگر وہ تحریر مجھے تاخیر سے موصول ہوئی اور جب کہ یہاں کتاب چھپ چکی تھی۔ خیر اب یہاں ان کی تحریر شامل کی جارہی ہے۔ مولانا اپنی آپ بیتی لکھتے ہیں:

'خواجہ علم وفن: میری نظر میں

اس فرش گیتی پر ہر دور اور عصر میں کچھ افراد ایسے پیدا ہوتے رہے ہیں، جن کے علم و فضل اور علوم وفنون میں تبحر کو زمانے نے مانا اور تسلیم کیا، انہیں افراد میں عصر حاضر میں خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین الرضوی حفظہ سرفہرست ہیں۔ آپ درس نظامی میں رائج تمام علوم وفنون میں کمال درجہ کی مہارت کے ساتھ تقریباً علوم وفنون وہ ہیں، جو بغیر استاذ کی مدد کے محض اللہ عزوجل کے فضل اور اس کے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ و طفیل اور فیضان امام احمد رضا قدس سرہ کے ساتھ ان کے مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی نظر عنایت سے حاصل کئے ہیں۔ ان میں جفر، زیچ، ہیئت، لوگارثم، ریاضی، اسطرلاب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ناچیز خواجہ علم وفن کے نام سے تو گجرات ہی سے واقف تھا۔ مگر زیارت کا موقع مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں نصیب ہوا۔ لیکن یہ صرف زیارت ہی تھی۔ جانبین سے کوئی تعارفی ملاقات

تا حال نہ ہو سکی۔ پھر فراغت کے ایک سال بعد برطانیہ آنا ہوا۔ یہاں آ کر برطانیہ اور یوروپ میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل سے آگاہی ہوئی۔ خاص طور سے یہاں کے مسلمانوں کو اوقات صلوٰۃ اور رویت ہلال کے مسئلے میں کافی پریشان دیکھا۔ علما سے عوام تک کی باتیں سنتا۔ مگر ہیئت و توقیت سے نا واقفیت کی وجہ سے اظہار رائے سے گریز کرتا۔ پھر میں نے اوقات صلوٰۃ کے مسئلہ میں دلچسپی لینا شروع کی اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ہند میں اس فن میں خواجۂ علم وفن کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔

مگر حضرت سے رابطے کے لئے میرے پاس اس وقت کوئی ذریعہ نہ تھا۔ نہ حضرت کے ادارہ کا پتا معلوم تھا اور نہ ہی فون نمبر۔ خیر کسی طرح فون نمبر مل گیا۔ پھر کیا تھا۔ میں نے فون لگایا۔ سلام و جواب ہوا۔ اس کے بعد رابطہ جاری رہا اور ایک دن میں نے یوروپ میں اوقات صلوٰۃ کے تعلق سے بات چھیڑی۔ حضرت نے فرمایا:

> 'میں بیمار ہوں۔ مگر چوں کہ آپ نے اتنی دور سے رابطہ کیا ہے۔ لہٰذا
> میں آپ کے سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا'۔

چنانچہ سوالات آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ حضرت نے جوابات عنایت فرمائے۔ اس سلسلہ نے اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے میرے ذہن کو کھول دیا۔ آخر اس ناچیز نے حضرت سے گزارش کی کہ حضور! ٹیلی فون سے مجھے علم توقیت تعلیم فرمائیں۔ حضرت نے حامی بھر لی اور چند ہی دنوں میں الحمد للہ عزو جل حضرت نے مجھے وقت نکالنے کے جو قاعدے امام احمد رضا قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں، سکھا دیئے۔ مگر چاند کی پہلی تاریخ کس دن ہوگی، وہ قاعدہ بھی تعلیم فرمایا۔ اس تعلیم کے دوران دوسرے بھی بہت سے مسائل میں نے حضرت سے معلوم کئے اور آپ نے ان کے تشفی بخش جوابات عنایت کئے۔

اس تعلیمی سلسلہ کے دوران میں نے یہ بات محسوس کی کہ اگر کوئی تفہیم کا اسلوب سیکھنا چاہے، تو وہ حضرت سے سیکھے۔ یقیناً آپ اس فن میں بھی اپنے عصر میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ آپ عزوانکساری کے پیکر، خوردہ نوازی اور دوسروں کی حوصلہ افزائی، صاف گوئی، شیریں مقالی، خوش مزاجی، قوت حفظ کی مضبوطی، بریلی سے وفاداری وغیرہ اوصاف عالیہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

مذکورہ بالا چیزیں وہ ہیں، جن سے دور رہتے ہوئے بھی میں بہت متاثر ہوں۔ اس ناچیز پر حضور اتنے مہربان ہیں کہ اگر آپ آرام فرما ہوں اور میں کبھی فون لگاؤں، تو پہلے آپ اچھی طرح جواب عنایت فرماتے ہیں اور پھر احسن انداز میں اپنے آرام اور رابطہ کا وقت بتاتے ہیں۔ ورنہ اگر کوئی

دوسرا ہوتا، تو شاید ڈانٹ دیتا یا پھر فون ہی نہ اٹھاتا۔ کبھی میں حضرت سے عرض کرتا۔ حضور! ذرا یہ بات نوٹ فرمالیں۔ تو چوں کہ اس وقت آپ تنہا کمرے میں ہوتے اور علالت کی وجہ سے فوراً قلم، کاغذ تھامنا آپ کے لئے بہت مشکل ہے، تو آپ اپنی حالت کا اظہار اس شعر سے فرماتے:

زندگی بے بس ہوئی بے کسی کا ساتھ ہے
ایک ہم ہیں اس قفس میں یا خدا کی ذات ہے

حضور خواجۂ علم وفن کا وجود ہم اہل سنت کے لئے اللہ عزوجل کی عظیم نعمت ہے۔ ہم اخیر میں دعا گو ہیں کہ اللہ عزوجل اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں خیریت سے حضرت کا سایہ دراز فرمائے اور آپ کو تمام مسلمان بالخصوص یوروپ کے مسلمانوں کی طرف سے دارین میں جزا عطا کرے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

محمد نظام الدین المصباحی۔

جب سے لکنا پڑھنا شروع کیا، بات میں بات نکال کر پورنوی علما کا ذکر کہیں اصالتاً اور کہیں ضمناً کرتا رہا اور وہ ہند و پاک کے رسائل وجرائد میں چھپتا رہا۔ مثلاً 'ملک العلما کی اولیات: ایک چشم کشا تحریر' کے عنوان سے لکھا، جو ماہنامہ 'جام نور' دہلی میں چھپا۔ پھر 'جہانِ ملک العلما' میں شامل کیا گیا۔ اس میں ہے:

> 'اس علم [ہیئت وتوقیت] میں امام احمد رضا نے ایک ہی شاگرد پیدا کئے۔ وہ اکلوتے شاگرد ہیں ملک العلما اور حضرت ملک العلما نے بھی ایک فرد پیدا کیا اور وہ ہیں مظہر اعلیٰ حضرت امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی۔ اب حضرت خواجہ صاحب نے ایک سے دو بھلے سہی کے مصداق دو شاگرد تیار کئے۔ ایک مناظر اسلام فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی، دوسرے ہیں خاموش طبع باعمل عالم دین حضرت مفتی قاضی شہید عالم رضوی استاذ جامعہ نوریہ بریلی۔ ابھی حال ہی میں قاضی صاحب نے امام احمد رضا کی مشہور زمانہ تصنیف 'کشف العلۃ عن سمت القبلۃ' جو قلمی تھی، حضرت امام علم وفن کی مشورت و معاونت سے ایڈٹ کیا ہے، جو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

سے چھپ چکی ہے۔ یہ ساری علمی و فنی بہار امام احمد رضا ہی کی ہے، جو بواسطہ ملک العلما دور دراز کے ملکوں تک پھیل رہی ہے۔

ابھی چند برس ہوئے۔ امریکہ میں شمال امریکہ کی سمت قبلہ زیر بحث آئی۔ مسائل پر گفتگو ہوئی۔ استفتا مرتب ہوا۔ کئی ملکوں کے کئی کئی علمی حلقوں نے جواب رقم کیا۔ مگر مسئلہ علی حالہ جوں کا توں برقرار رہا۔ ایک روایت کے مطابق چھ سات ملکوں کے جوابات وفتاوے آئے۔ جو کشف امر میں ناکام و ناتمام رہے۔ یہ امام علم وفن خواجہ ہی ہیں، جنہوں نے اپنے ذہن اخاذ سے کام لیا۔ 'کشف العلۃ عن سمت القبلۃ' قلمی کا مطالعہ کیا اور پھر ایسا فتوی تحریر کیا کہ تمام شبہات یکسر کافور ہو کر رہ گئے۔ مستفتی تھے حضرت مولانا قمر الحسن مصباحی بستوی اور حضرت مولانا احمد القادری مصباحی'۔

[مشمولہ: 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس پورنوی، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، ص: ۲۵۸، ۲۵۹]

آج سے قریب سولہ سترہ برس پہلے میں نے ایک مضمون لکھا۔ عنوان تھا: ملک العلما: مکتوبات رضا کی روشنی میں'۔ جو ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی میں شائع ہوا۔ اس کے حواشی نمبر ۲ رمیں خواجہ صاحب کا تعارف پہلی بار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا:

'علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب سنگھیا، علاقہ بائسی، پورنیہ، بہار کے متوطن ہیں۔ حضرت ملک العلما اور حضور مفتی اعظم ہند کے اخص الخاص فیض یافتہ ہیں۔ سیکڑوں شہرت یافتہ متبحر علما کے استاذ اور درجنوں علمی وفنی مقالات و کتب کے مصنف ہیں۔ علمائے عصر انہیں خیر الاذکیا اور امام علم وفن جیسے پر شکوہ لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ علوم مذہبی کے علاوہ سائنس و حکمت میں ید طولی رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا نے ملک العلما کو علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ فرمایا تھا۔ یہی جملہ اگر آج خواجہ صاحب کے لئے کہا جائے، تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ۱۹۹۶ء میں ہندوستان آئے۔ بریلی میں عرس رضوی کے بعد شاہی مسجد فتح پوری دہلی میں علما کی ایک نشست ہوئی، تو پروفیسر محمد مسعود احمد نے فرمایا:

'وہ فنون، جن کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یا تو مٹنے سے بچا لیا یا ایجاد کیا ہے، ان کو سامنے لایا جائے، تو علمی دنیا پر احسان ہوگا اور

سائنسی دنیا ششدر رہ جائے گی'۔

علمائے مجلس نے کہا کہ ان افکار کی توضیح وتشریح کرنے والی شخصیتیں ہندو پاک میں دو ہی نظر آتی ہیں۔ پروفیسر شبیر حسن غوری، علی گڈھ اور علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی۔ کاش! جماعتی سطح پر غور وفکر ہو۔ مذکورہ شخصیتیں آمادہ ہوں، تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق وانکشاف اور اور ایجاد و دریافت ضائع ہونے سے بچ جائے'۔

[مشمولہ: 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس پورنوی، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، ص:۳۷۹]

فیورک نامی تنظیم اور اس سے وابستہ افراد سے متعلق امام علم وفن کی ایک نادر اور آخری تحریر بعنوان 'ضروری اعلان' برائے ریکارڈ یہاں نقل کی جاتی ہے:

'ضروری اعلان

از: امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد

راقم الحروف نے سورت اعلامیہ اور فیورک نامی تنظیم کے دستور کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ کے بعد فقیر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مذکورہ اعلامیہ اور دستور کی متعدد دفعات خلاف اسلام اور صریح کفر ہیں۔ کفریہ دفعات پر اطلاع پانے کے بعد اس قسم کی تنظیم میں شرکت نہ صرف گمراہی، بلکہ کفر ہے۔

فیورک کی دفعات کے خلاف علمائے اہل سنت نے جو فتاوے دیئے ہیں، وہ حق اور درست ہیں۔ ہاں! البتہ مذکورہ تنظیم میں وابستگی کی بنیاد پر کسی شخص معین کی تکفیر کلامی ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ میں اس وقت بستر علالت پر ہوں۔ علالت کے باعث خود کو کار افتا اور بالخصوص جیسے نازک مسئلے پر اظہار خیال کا اہل نہیں پاتا۔ اس لئے اس سلسلے میں کوئی حکم لگانے سے قاصر ہوں۔

اس معاملے سے متعلق فریقین سے میری گزارش ہے کہ میری اس وضاحتی تحریر کے بعد اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ کرنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ زیر بحث معاملے میں یہ فقیر کی آخری تحریر ہے'۔

[ماہنامہ 'جام نور' دہلی شمارہ جنوری ۲۰۰۷ء ص:۵۳]

☆ ☆ ☆

خلیفۂ مفتی اعظم ہند

امام النحو حضرت مفتی بلال احمد نوری مدظلہ العالی

بلخ، بخارا، بیہق، نیشاپور، ماترید، بغداد، ایسے ہی دوسرے مقامات دور ہوتے ہوئے قریب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان اماکن ومقامات کے رجال وشخصیات نے وہ علمی وفنی فتوحات حاصل کیں، جو تاریخ علوم اسلامی کے اہم دریچے ہیں۔ ہندوستان کے صوبہ مہاراشٹرا میں قطب کوکن حضرت مخدوم علی ماہمی، صوبہ گجرات میں ملا وجیہ الدین علوی، مدھیہ پردیش کے برہان پور میں محدث علی متقی، صوبہ اتر پردیش کے ملا نظام الدین سہالوی اور صوبہ بہار کے عظیم آباد میں ملا محبّ اللہ بہاری اور ان جیسی نوابغ روزگار اور صنادید لیل ونہار کو کوئی شریف انسان کیوں کر فراموش کر سکتا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت محمد نظام الدین محبوب الٰہی کے 'اخی' اور 'آئینۂ ہند' حضرت شیخ محمد سراج الدین نظامی چشتی سعد اللہ پوری قدس سرہ الباری کا شمار ان عباقرۂ دہر میں ہے، جن کی علمیت وروحانیت چہار دانگ عالم میں صدیوں بعد آج بھی بج رہا ہے۔ جن کی درسی تصانیف 'میزان' و 'منشعب' اور 'ہدایۃ النحو' برصغیر کے تمام مدارس اسلامیہ میں آج بھی شامل درس ونصاب ہے۔ سعد اللہ پور آج کے بنگال، ضلع مالدہ میں ہے۔ لیکن کل برطانوی دور حکومت میں وہ قدیم پورنیہ کا اٹوٹ حصہ تھا۔ جی! ذرا ۱۸۱۳ء سے اوپر اٹھ کر جغرافیائی تقسیم کا رقبہ وحدود اربعہ دیکھا جائے، تو یہ سعد اللہ پور اور پنڈوہ واضح صورت میں دِکھائی دیں گے۔

خاکِ پورنیہ میں وہ خم ہے، جس کے آگے مہر و ماہ خم رہے۔ کیوں کہ جو ذرہ جہاں سے اٹھا، رشک مہر و ماہ بن کر چمکا۔ اوپر کی بات تو اوپر، بہت ہی اوپر ہے۔ حضرت مخدوم محمد تقی الدین مہسوی، آئینۂ ہند حضرت شیخ محمد سراج الدین اخی سعد اللہ پوری، مخدوم آفاق حضرت مخدوم محمد علاء الحق پنڈوی، جن کے پروردہ وتربیت یافتہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ الربانی ہیں، حضرت مخدوم نور قطب عالم پنڈوی، جمال الاولیا حضرت شیخ محمد جمال الحق مصطفیٰ بندگی عثمانی قدس سرہ، حضرت شیخ فیض اللہ چشتی مرزاد پوری، یہ سب علم و معرفت کے تاجدار تھے۔ جن کے در کی جبیں سائی خود آسماں کرتا ہے۔

بارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمان پوری [م ۱۳۳۳ھ]، حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی ہری پوری [م ۱۳۶۴ھ] حضرت شاہ محمد سکندر علی رشیدی بینی باڑی [م ۱۳۶۶ھ] حضرت شاہ محمد شرف الدین لطیفی گانگی [م ۱۳۶۹ھ] حضرت شاہ محمد عبدالقادر رشیدی تاراباڑی [م ۱۹۸۰ء] شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یسین شاہدی رشیدی [م ۱۹۸۷ء] حضرت شاہ محمد نصیر الدین اشرفی چنامنا [م ۱۹۹۷ء] وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم، یہ شخصیات سرزمین پورنیہ کی لعل وگوہر تھیں، جن کی مثال ڈھونڈنے سے ملیں گی۔

اس نوری نہاد قافلہ کے بعد امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی، فقیہ لاثانی حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی، فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، عالم ربانی حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی، ادیب شہیر حضرت مفتی حسن منظر قدیری، باعمل وباصلاحیت عالم حضرت قاضی شہید عالم رضوی وغیرہم، علم وفن کے یہ وہ ہمالہ ہیں، جو ان خیر سلف کے خیر خلف ہیں اور جن کے سامنے زمانہ جھک مار کر آتا ہے اور جھک کر سلام کرتا ہے۔ اسی مشار الیہ زمرے کے ایک فرد فرید شخص رشید وحید العصر امام النحو شیخ طریقت حضرت مفتی بلال احمد نوری مدظلہ النورانی مرید بامراد ومجاز وماذون حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز ہیں۔ آج کی صحبت میں انہی کا ذکر جمیل مقصود ہے۔

امام النحو کے آباواجداد بستی لوہا گاڑا کے متوطن تھے، جو ڈنگھڑا گھاٹ کے پورب، دالکولہ سے دکھن اور مشہور ملک پور ہاٹ کے قریب ہے۔ وہاں سے منتقل ہوکر ان کے اجداد بستی بنگواں میں قیام پذیر ہو گئے۔ جو کنکئی ندی سے پچھم پار بائسی تحصیل میں ہے۔ امام النحو کی پرانی پیڑھی خوش حالی، آسودہ حالی، شیر چشمی اور زمین داری میں اپنی مثال آپ تھی۔ سماجی حیثیت سے امیرانہ ونوابانہ ٹھاٹ باٹ رکھتی تھی۔ ہاتھی کی چنگھاڑ، گھوڑے کی ہنہناہٹ نہ کبھی بند ہوتی تھی اور نہ چولھے کی آنچ کبھی سرد پڑتی تھی۔ مطلب آسودہ حال، بااقتدار، فیاض ومہمان ومسافر نواز جماجمایا فارغ البال گھرانہ تھا۔ اسی زمین دار ودیندار گھر گھرانہ میں حضرت امام النحو نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

امام النحو کے والد ماجد کا نام منشی محمد عبدالغنی تھا۔ دادا قدم علی مرحوم اور پردادا کا نام الحاج شیر علی مرحوم تھا۔ جائے پیدائش بستی بنگواں، تحصیل بائسی، ضلع پورنیہ ہے اور سنہ ولادت ۱۹۲۸ء ہے۔ ایام طفلی ناز ونعم میں گزرے۔ خاندان چوں کہ دینی وتہذیبی تھا۔ سماجی حیثیت خاصی اچھی تھی۔ اس لئے مذہبی ومعاشرتی رنگ کا چڑھنا لازمی تھا۔ چنانچہ بچپن ہی سے ذہن وخیال

مذہبی اور مہذب تھا اور نسلی و نسبی اقدار و اطوار بھی غیر شعوری طور پر قبول کرتا رہا۔

تربیت و طفلی کے دن گزرنے کے بعد تعلیم کا آغاز اہتمام سے کیا گیا۔ جیسا کہ اس دور میں شرفا کا طریقہ تھا۔ آغاز تعلیم خانگی مکتب سے ہوا۔ قاعدہ، قرآن کریم، اردو، املا نویسی، قدرے ہندی، پہاڑے، حساب اور ابتدائی فارسی کی تعلیم والدین کریمین کی کڑی نگرانی میں ہوئی۔ اس دور اول کے اساتذہ میں منشی محمد مظفر حسین، منشی محمد اوصاف علی اور مولانا محمد عباس حسین مرحومین کے اسما قابل ذکر ہیں۔ اللہ کریم ان حضرات کی مغفرت فرمائے اور فرادیس جناں میں بلند درجات عطا کرے۔ تعلیم کا یہ پہلا پائیدان اور نقش اول تھا۔

دوسرا مرحلہ مدرسہ شرفیہ چندر گاؤں چکلہ، بائسی میں طے پایا۔ جو قریب پانچ برسوں کو محیط ہے۔ یہ مدرسہ اس دور کا نامی گرامی اور بافیض مدرسہ تھا۔ دور دراز کے طلبہ یہاں زیر درس ہوا کرتے تھے۔ اساتذہ سب اچھے کردار اور اچھی قابلیت کے مالک تھے۔ امام النحو نے یہاں فارسی از ابتدا تا انتہا پڑھی۔ جو اس دور کا پورا تعلیمی کورس سمجھا جاتا تھا اور ذہین طالب علم میں خاصی استعداد پیدا ہو جاتی تھی۔ اردو و فارسی میں خط نویسی، ترجمہ نگاری اور مضمون نویسی اور شاعری کے باب میں شعر فہمی، سخن طرازی اور بیت بازی اس دور کا محبوب شغل تھا۔ امام النحو نے ان سب مراحل میں درجۂ اختصاص حاصل کر لیا۔

تب جا کر عربی ابتدائی قواعد و گرامر کی شروعات ہوئی۔ میزان و منشعب سے کافیہ و قدوری تک نہایت محنت و مستعدی سے پڑھ کر اساتذہ و اراکین مدرسہ کی نظر میں محبوب و منظور نظر بن گئے۔ فارسی درسیات کے تمام دروس حافظ محمد جمال مرحوم اور فارسی زبان وادب کے ماہر و مشہور استاذ حضرت منشی محمد عبدالمتین بہتا والے سے لئے۔ منشی جی علیہ الرحمہ کا علمی وادبی و شعری پایہ اتنا بلند تھا کہ دور حاضر کے سیکڑوں نصابی واصطلاحی علما آنکھ ملا کر شاید ہی ان سے بات کر سکتے۔ یہ میری خوش فہمی نہیں، حقیقت ہے۔ مفتی بلال احمد نوری، مفتی حسن منظر قدیری، منشی محمد طیب رشیدی، یہ سب ان کے شاگرد رہے ہیں اور ابھی حیات ہیں۔ شہادت دے سکتے ہیں۔

اور عربی حضرت مولانا محمد تمیز الدین علیہ الرحمہ وغیرہ سے پڑھی۔ میزان سے شروع کیا۔ کافیہ کی جماعت تک پڑھ ڈالی۔ حضرت مولانا محمد تمیز الدین علیہ الرحمہ پرانی قدر اور وضع کے باصلاحیت، باعمل، حسن کردار اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ یہ بھی بہتا ہی کے باشندہ تھے۔ خیر حضرت امام النحو، جو اس وقت محض بلال احمد تھے اور حضرت مفتی محمد عبدالجلیل اشرفی علیہ الرحمہ

گوہاس والے آپ کے رفیق درس تھے۔ حضرت مفتی محمد عبدالجلیل اشرفی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر میرا اولین مضمون ہے۔ جو میری کتاب 'کاملان پورنیہ' کی جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء میں شامل اشاعت ہے۔ بلال احمد نوری جب مدرسۂ شرفیہ میں ۱۹۴۵ء میں آئے تھے اور اب ۱۹۵۰ء تھا۔ درمیان میں جنگ آزادی کا طوفان گزر گیا اور ملک آزاد ہو گیا۔ لیکن آپ حصول تعلیم کی جنگ لڑ رہے تھے اور بھاری علمی فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ ٹھہرے جو جوہر قابل اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات اور بقول شیخ شیرازی:

بالائے سرش ز ہوش مندی   می تافت ستارۂ بلندی

۱۹۵۰ء/۱۳۷۱ھ، یہ وہ سال تھا کہ وہاں مقامی اور مذہبی طور پر نہایت ہنگامی حالات میں جامعہ بحر العلوم کا قیام شہر کٹیہار میں ہوا تھا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تلمیذ رشید، مرید خاص اور خلیفہ با اختصاص ملک العلما محدث عصر حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی کے بابرکت ہاتھوں تعلیمی افتتاح ہوا تھا۔ عالم یہ تھا کہ سال اول ہی تمام اقطار ہند سے متوسط و منتہی طالبان علوم نبوت کا وہاں جمگھٹا لگ چکا تھا۔ اسی علمی و تعلیمی شور وزور کے ماحول میں امام النحو حضرت مفتی بلال احمد نوری قبلہ مدظلہ جامعہ بحر العلوم میں دبے پاؤں داخل ہوئے۔ جب آپ نے یہاں داخلہ لیا، تو یہ ۱۹۵۱ء کا سال تھا۔ یہاں آپ نے خوب دل جمعی کے ساتھ تین برس ۱۹۵۳ء تک تعلیم حاصل کی۔

اساتذۂ کرام میں ایک نام تو وہی ملک العلما علیہ الرحمہ کا ہے۔ دوسرا اور تیسرا نام شیخ المعقولات حضرت علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری اور فاضل اجل حضرت علامہ محمد یوسف عظیم آبادی علیہما الرحمہ کا ہے۔ حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ سے درج ذیل کتابیں آپ نے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ اصول الشاشی، صحیح البہاری، سبعہ معلقہ، قصیدہ بردہ، مقامات حریری، نور الانوار، شرح جامی، حسامی، ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف اور تفسیر جلالین۔

حدیث و تفسیر و فقہ اور فنون و ادبیات کی تمام تر تعلیم کے حصول کے بعد ۱۹۵۳ء کے اواخر میں آپ نے بہار سے کوچ کیا اور بہار علم بریلی میں ورود کیا اور حضور مفتی اعظم ہند کے قائم کردہ ادارہ دار العلوم مظہر اسلام کی درسگاہ میں دوزانو بیٹھے۔ پھر یہاں تین سال بافیض اساتذۂ علم وفن سے اکتساب واستفادہ کیا اور تکمیل تعلیم کے بعد ۱۹۵۶ء میں دستار اور سند فضیلت سے نوازے گئے۔ مظہر اسلام میں درج ذیل مشفق و مایہ ناز اساتذہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں، مثلاً بحر العلوم حضرت مفتی سید محمد افضل حسین مونگیری، محدث وقت حضرت علامہ محمد ثناء اللہ مئوی، ولی العصر

حضرت علامہ محمد مبین الدین امروہوی اور بعض اسباق شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی اور شیخ الادب حضرت علامہ غلام جیلانی گھوسوی سے بھی پڑھے۔

یہ آپ کی خصوصیت رہی کہ تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے خود اپنے دست پاک سے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ جب کہ سرکار محدث اعظم ہند حضرت سید شاہ محمد کچھوچھوی، امام النحو صدر العلما حضرت علامہ سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی اور شیخ المعقولات حضرت علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری نے تکمیل فرمائی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ آپ کے ہم درس رفقا میں امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی اور پیر طریقت حضرت مفتی مجیب اشرف رضوی گھوسوی ثم ناگ پوری وغیرہ تھے۔

چوں کہ آپ ذہین وفطین تھے اور اساتذۂ کرام کے حد درجہ خدمت گزار اور اطاعت شعار بھی۔ اس لئے آپ کو نہ کہیں جانے کی ضرورت پڑی اور نہ جگہ تلاش کرنے کی نوبت آئی۔ جگہ نے آپ کو خود ہی ڈھونڈ لیا۔ فارغ ہوتے ہی جامعہ منظر اسلام میں آپ کو بحیثیت مدرس بحال کر لیا گیا۔ یہ آپ کی علمی صلاحیت، درسی استعداد، ہوش وخرد، فہم وفراست اور حسن کردار وعمل کا کھلا ثبوت تھا۔ آپ یہاں ۱۹۵۶ء میں بعد فراغت فوراً بحال ہوئے۔ تین سال ۱۹۵۹ء تک رہے۔ اسی سال پھر آپ اپنے مادر علمی دار العلوم مظہر اسلام میں آگئے اور ۱۹۶۲ء تک تدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دیں۔ منظر اور مظہر جڑواں بھائی جیسے ادارے ہیں یا دونوں کی مثال پیٹ اور پیٹھ کی ہے۔

۱۹۶۰ء ہی میں آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو چکے تھے۔ اس لئے اہل قرابت کو یہ دوری شاق گزرتی تھی۔ چنانچہ آپ نے بادیدۂ نم اپنے مادر علمی اور بریلی کی بہاروں کو الوداع کہا اور دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں جادۂ تدریس بچھایا۔ جو آپ کے وطن کا محبوب ومشہور ادارہ تھا اور گھر سے نزدیک بھی۔ انہی ایام میں امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ بھی اس ادارہ میں برسر تدریس تھے۔

یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی اور خواجہ صاحب کے استاذ حضرت علامہ محمد معین الدین علیہما الرحمہ بھی اس دار العلوم میں پہنچ گئے تھے۔ علامہ محمد معین الدین اور مفتی صاحب دونوں کا تعلق قصبہ گھوسی، ضلع مئو سے تھا۔ دار العلوم مصطفائیہ کا یہ بڑا زریں دور تھا اور یہ سب کچھ شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی ناظم دار العلوم ومختار عام درگاہ بندگی کے حسن تدبر وانتظام کا نتیجہ تھا کہ علم وفن کے سب شمس وقمر اکٹھے ہو گئے

تھے۔ حضرت امام النحو یہاں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک تعلیمی و تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔
بریلی کا پالا و پروردہ تھا۔ بریلی سے بلاوا آ گیا۔ جسم و ذہن اور علم و فن کی عین جوانی میں بریلی کی راہ پر روانہ ہو گئے۔ اپنے پیر و مرشد کے مرکزی دار العلوم مظہر اسلام میں جا کر مسند تدریس پر بیٹھ گئے۔ مسلسل چار سال ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۹ء تک اپنے درس و افادہ کا جوہر دِکھاتے اور گوہر لٹاتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں جامعہ عربیہ سلطان پور کی زبردست پیش کش پر اپنے مرشد پاک کی اجازت سے جامعہ مذکور تشریف لے گئے۔ جہاں آپ ۱۹۷۲ء تک طالبان علوم دینیہ و شرعیہ کو سیراب و فیضیاب کرتے رہے۔ اسی برس بریلی کی بہاروں نے پھر پکارا اور آپ لبیک کہتے ہوئے ہوا کے دوش پر بریلی حاضر ہو گئے۔ اب کی بار مظہر کے بجائے جامعہ منظر اسلام کی درسگاہ آپ کی منتظر تھی۔ جہاں آپ نے بحیثیت شیخ الحدیث چارج سنبھالا اور ۱۹۸۰ء تک مسلسل آٹھ برس اپنی پرشور علمی موجوں سے تشنگان علوم نبویہ کی پیاس بجھاتے رہے۔
۱۹۸۱ء میں تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے حکم فرمایا کہ آپ جامعہ نعیمیہ مراد آباد چلے جائیں۔ چنانچہ آپ مراد آباد چلے گئے۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ نوریہ بریلی شریف کے نوزائد ادارہ کو اپنی علمی توانائی سے استحکام بخشا۔ ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء میں پھر سے شیخ الحدیث مقرر کئے گئے۔ ۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۸ء آپ اپنے قدیمی و وطنی ادارہ جامعہ بحر العلوم کٹیہار کی عظمت رفتہ اور شوکت برگشتہ کی واپسی و بازیابی میں اپنا خون جگر صرف کرتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں آپ دار العلوم اہل سنت کنہیاباڑی جنتاہاٹ، ضلع کشن گنج کو رونق بخشی۔ ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۵ء پھر سہ بارہ جامعہ مظہر اسلام میں شیخ الحدیث بحال ہوئے۔
۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۸ء میں آپ نے وطن کا معروف و مشہور ادارہ الجامعۃ النظامیہ ملک پورہاٹ ضلع کٹیہار میں صدر المدرسین کے فرائض انجام دیئے۔ درمیان میں ایک سال کبھی آپ نے جامع اشرف کچھوچھہ شریف کو بھی وقت دیا اور ولیعہد صاحبزادہ مولانا سید محمود اشرف بن سید شاہ اظہار اشرف علیہ الرحمہ کو خصوصی درس دیا۔ اب ۲۰۰۰ء سے تا دم تحریر آپ بانی مدارس کثیرہ سید شاہ انوار اشرف عرف مثنی میاں شہید راہ مدینہ علیہ الرحمہ کے قائم کردہ معروف ادارہ جامعہ قادریہ اشرفیہ بمبئی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ یہ ہے آپ کی داستان درس و تدریس کے تابندہ و درخشندہ اوراق۔ خدا کرے، یہ سلسلۂ خیر و برکت تادیر چلتا رہے۔
امام النحو حضرت مفتی بلال احمد نوری قبلہ دامت برکاتہم کی تدریس کا دورانیہ قریب ساٹھ

سالوں کومحیط ہے۔ اس طویل مدت اور عرصۂ دراز میں آپ ہمیشہ ملک کے مشہور ترین اداروں میں کہیں ابتداً استاذ رہے۔ پھر چند ہی برسوں بعد کہیں شیخ الحدیث کا منصب سنبھالا اور صدر المدرسین کے فرائض انجام دیئے اور کہیں دونوں منصب پر بیک وقت فائز ہوئے اور کہیں کہیں دارالافتا کی ذمہ داری بھی نبھائی، یوں کہیں کہیں تینوں عہدوں کو زینت بخشی۔ الغرض آپ کے تلامذہ ومستفدین کی ایک لمبی فہرست ہے، جو ہزاروں ہزار افراد واشخاص پر مشتمل ہے۔ اس کا احاطہ تو سردست میرے لئے ممکن نہیں۔ لیکن چند اسمائے تلامذہ مثالاً درج کئے جاتے ہیں۔

[۱] فقیہ لاثانی ومرشد طریقت حضرت مفتی محمد عبیدالرحمٰن رشیدی زیب سجادۂ عالیہ رشیدیہ جون پور شریف
[۲] استاذ کامل حضرت مفتی سید محمد عارف صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف
[۳] فقیہ عصر ومناظر وقت حضرت مفتی محمد ہاشم یوسفی سابق مفتی مرکزی دارالافتا بریلی شریف
[۴] عالم ربانی مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وارثیہ لکھنؤ
[۵] پیر طریقت وخطیب عصر حضرت سید شاہ محمد کلیم اشرف جائس
[۶] غازی ملت حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھہ شریف
[۷] پیر طریقت وخطیب ملت حضرت سید شاہ محمد اجمل میاں کچھوچھہ شریف
[۸] پیر طریقت وسجادہ نشین حضرت سید شاہ محمود اشرف کچھوچھہ شریف
[۹] حضرت علامہ غلام یزدانی فائق القادری گھوسوی ولد شیخ الادب حضرت علامہ غلام جیلانی
[۱۰] خطیب دوراں حضرت سید کاظم پاشا حیدر آباد، دکن
[۱۱] حضرت مفتی ولی محمد رضوی سربراہ سنی تبلیغی جماعت وامام وخطیب جامع مسجد صدر بازار باسنی ناگور
[۱۲] ادیب عصر حضرت علامہ انور علی بہرائچی مدرس منظر اسلام بریلی شریف
[۱۳] ومبلغ اسلام حضرت علامہ محمد عبدالہادی رضوی بانی وسربراہ سنی رضوی سوسائٹی موریشش افریقہ
[۱۴] خطیب وامام ومبلغ اسلام حضرت علامہ محمد اسرارالحق صاحب حال مقیم انگلینڈ
[۱۵] باعمل بزرگ عالم حضرت علامہ ابوصالح رضوی سابق استاذ منظر اسلام بریلی شریف
[۱۶] پیر طریقت حضرت مولانا صوفی محمد افتخار عالم صاحب الہ آباد
[۱۷] خطیب الہند حضرت مولانا قاری رضی اللہ چھپرا، بہار
[۱۸] فدائے مسلک اعلیٰ حضرت مفتی ناظر اشرف رضوی بانی وناظم دارالعلوم اعلیٰ حضرت ناگ پور
[۱۹] حضرت علامہ سید حسن منظر شروانی

[۲۰] داعی و مبلغ حضرت مولانا محمد مقادم رضوی افریقہ

[۲۱] حضرت مفتی محمد ایوب رضوی، دیناج پور

[۲۲] حضرت مفتی محمد کاظم رضوی، پورنیہ

[۲۳] حضرت مفتی قاضی فضل احمد رضوی کٹیہاری، بنارس

[۲۴] حضرت مولانا قاضی فضل رسول رضوی کٹیہاری مہراج گنج یوپی وغیرہ وغیرہ۔

مظہر اسلام کے دوران درس ہی تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے فتوی نویسی کی مشق کی اور بعد فراغت سند فضیلت کے ساتھ سند افتا بھی عطا ہوئی۔ دوران درس ہی سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے دامن کرم سے وابستہ ہو کر سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں داخل ہو کر غلامی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال لی تھی۔ ۱۹۶۶ء میں اجازت وخلافت کی مثال وشہادت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ مظہر اعلیٰ حضرت ملک العلما حضرت شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی، محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ شاہ سردار احمد رضوی گورداس پوری ثم لائل پوری اور محدث عصر حضرت علامہ محمد احسان علی رضوی مظفر پوری نے بھی سلاسل تصوف وطریقت کی سندات سنیہ سے سرفراز کیا۔

چوں کہ آپ ایک علمی و درسگاہی شخصیت کے حامل ہیں۔ اس لئے عرصۂ دراز تک پیری مریدی کی طرف توجہ نہ کی اور اپنے بزرگوں کی دی ہوئی روحانی امانتوں کے صرف امین رہے اور ان پاکیزہ نسبتوں کی بہاروں اور برکتوں سے خود ہی مالا مال ہوتے رہے۔ لیکن بادلوں میں سورج کب تک چھپا رہتا۔ عوام وخواص کے بے حد اصرار پر ادھر چند برسوں سے یہ سلسلۂ حسنات وبرکات بھی آپ نے شروع فرما دیا ہے۔ ہزار ہا افراد دامن سے لپٹے ہوئے ہیں۔ چوں کہ ضعیفی کا عالم ہے۔ سفر مشکل سے ہوتا ہے۔ عموماً لوگ خود ہی آ آ کر داخل سلسلہ ہوتے ہیں اور کبھی کبھار اپنے عقیدت مندوں کی دلداری سے مجبور ہو کر سہولت وآرام کا مکمل خیال رکھتے ہوئے دعوتی وتبلیغی دورے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ بطور خاص بلرام پور یوپی، بارہ بنکی یوپی، دہلی، مہاراشٹرا، تاراپور اور جزیرہ دیوودمن وغیرہ ہے۔

اسی طرح کچھ علمائے کرام کی طلب صادق اور اہلیت کی بنیاد پر اجرا وبقا کے پیش نظر آپ نے خود بھی اجازت وخلافت سے ان کو نوازا ہے۔ مثلاً:

[۱] حضرت علامہ محمد فخر الدین چشتی صاحب گونڈہ یوپی،

[۲] حضرت مولانا حافظ محمد حبیب رضا صاحب بلرام پور یوپی،

[۳]حضرت مولانا محمد مبارک رضوی صاحب کھپرا باکسی پورنیہ،
[۴]حضرت علامہ محمد رفیق القادری صاحب دلاّ گجرات،
[۵]اوراپنے صاحبزادے حضرت مولانا محمد افضال احمد رضوی، بنگواں بائسی پورنیہ۔

۱۹۹۷ء میں حضرت امام النحو حضرت مفتی بلال احمد نوری مدظلہ العالی نے حرمین شریف کا مبارک سفر کیا اور حج وزیارت حرمین شریفین سے اپنے آپ کو مشرف فرمایا۔یہی وہ سال تھا۔ جب میدان منیٰ شریف میں آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔

رسم کتخدائی ۱۹۶۰ء میں ادا ہو چکی تھی۔اولاد کی تعداد پنجتن پاک کے صدقے میں پانچ ہے۔تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں اور سب شادوآباد ہیں۔ بڑے صاحبزادے جلال احمد نوری ڈاکٹر ہیں۔ولد اوسط حضرت مولانا افضال احمد نوری صاحب عالم وفاضل شخص ہیں اور تیسرے حسین احمد نوری ہیں، جوابھی غالباً زیر تعلیم ہیں۔

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند امام النحو حضرت مفتی بلال احمد نوری دامت فیوضہم کا اسم گرامی چوں کہ بلال ہے۔اس لئے رنگت بھی بلالی ہے۔قد وقامت سڈول اور جسامت اکہری ہے۔جو علمائے ربانیین خاشعین کی ایک خاص علامت بھی ہے۔چہرے پر بزرگانہ چمک اور آنکھیں چھوٹی، مگر نہایت خوبصورت اور تیز ہیں۔ہونٹ پتلے اور ڈاڑھی ہلکی ہلکی ہے۔لب ولہجہ عام طور پر انتہائی شریں وشگفتہ، مگر کبھی کبھی تیکھا وتیز بھی، جو خفگی وجلال کا نتیجہ ہوتا ہے۔لباس بریلی کی خاص وضع کا استعمال کرتے ہیں۔کلی دار کرتا، کھلتا پائجامہ، عام حالات میں ٹوپی اور خاص مواقع پر دستار زیب سر ہوتی ہے۔صدری ضرور ہوتی ہے۔لیکن اب جبہ زیب جسم زیادہ رہنے لگا ہے۔آنکھوں پر عینک اور ہاتھ میں مشائخانہ عصا ہوتا ہے۔چلنے میں **'لا تمشی فی الارض مرحا'** کی سچی تفسیر معلوم ہوتے ہیں۔اخلاق بہت ہی بلند، متواضع، علما نواز اور مہماں نواز۔دیکھتے ہی کوئی بھی کہے گا کہ ہاں! یہ ہیں بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف، عالم اجل اور بزرگوں کا کامل نمونہ۔

جامعہ بحرالعلوم کٹیہار ہی میں اپنے استاذ گرامی حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ کی زبان فیض ترجمان سے بریلی کی علمی برتری اور روحانی فیض بخشی کے بارے میں سن چکے تھے۔اعلیٰ حضرت سے محبت اور مفتی اعظم ہند سے دلی لگاؤ کا ہی اثر تھا کہ آپ ملک العلما کی اجازت سے تکمیل تعلیم کے لئے بریلی شریف وارد ہوئے۔پھر بریلی نے آپ کو ایسا بنایا، سنوارا کہ بریلی ہی کی خوشبو بدن کے ہر تار میں سما کر رہ گئی۔اب اسے بھلانا بھی چاہیں، تو وہ کسی صورت بھی اسے بھلا نہیں سکتے۔

مرشد طریقت و اجازت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے ایسا کچھ پلا دیا اور اپنا متوالا بنا دیا۔ برسہا برس کی صحبت فیض، سفر و حضر کی معیت و نوازش، پل پل نظر کرم کی بارش، تدریس و افتا پر بھرپور اعتماد، بیٹا جیسا پیار اور شفقت، بھلا کیا کچھ نہیں ملا مرشد پاک کے در سے۔ اب جو کچھ ہے، سب مرشد کریم کی جوتی سیدھی کرنے صدقہ اور سراپا فیضان ہے۔

ایک دفعہ حضور مفتی اعظم ہند بائسی تشریف لائے۔ مفتی بلال احمد نوری گھر پہ موجود تھے۔ خبر تو تھی ہی، قیام گاہ پر آئے اور سرکار کو اپنے گھر لے جانے کی سبیل نکالی۔ اتنے میں مفتی شریف الحق امجدی، جو ہمراہ تھے، بیچ میں آڑے آئے، مفتی بلال احمد نوری ادب سے ہی سہی، مگر انہیں آڑے ہاتھوں لیا اور پھر جیسے ہی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو سرکار نے خود ہی فرمادیا: مولانا بلال! چلو تمہارے گھر چلتے ہیں۔

خوشی کے مارے مفتی بلال احمد نوری کا سینہ باون گز کا ہو گیا۔ فوراً پالکی کا انتظام کیا۔ سرکار کو بیٹھایا اور کہاروں کی جگہ خود ہی جت گئے۔ سرکار نے منع فرمایا۔ مگر کچھ ہی دور سہی، پالکی اٹھانے کی سعادت حاصل کر لی۔ جب بستی بنگواں پہنچے، سارا گاؤں عید کا سماں پیش کرنے لگا۔ مفتی بلال احمد نوری کے گھر آنگن میں نور ہی نور برس رہا تھا اور تمام گاؤں اور تمام اطراف کے لوگ شرابور ہو رہے تھے۔ دوسرے دن سرکار کی واپسی ہوئی۔ نم نگاہوں سے عقیدت و محبت کے ماروں نے اپنے مرشد و مربی کو الوداع کہا۔

یہ روایت خود اپنی زبان سے حضرت مفتی بلال احمد نوری نے بتائی۔ یہ مضمون مفتی بلال احمد نوری مدظلہ کا مصدقہ ہے۔ امام النحو کی منظوم سوانح کے تین اشعار نذر قارئین کر کے رخصت چاہتا ہوں:

امام نحو کے وہ نام سے پہنچانے جاتے ہیں
زمانے بھر میں ان کا ہے یہ چرچا دیکھتے جاؤ
ہزاروں عالم دین نحو پڑھ کر ہو گئے عالم
انہیں کی کوششوں کا ہے یہ ثمرہ دیکھتے جاؤ
خدائے پاک عمر خضر تو ان کو عطا کر دے
رہے تا دیر ان کا علمی سایہ دیکھتے جاؤ

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص: ۱۴۰]

☆ ☆ ☆

خلیفہ مفتی اعظم ہند فقیہ النفس
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی صاحب

پورنیہ کی ایک بستی پچھلا ہے۔ دالکولہ، پورنیہ موڑ سے آگے کشن گنج شاہ راہ پر، سورج کمل بس اسٹاپ سے ذرا پچھّم یہ گاؤں آباد ہے۔ کون جانتا تھا۔ عرصہ سے آباد یہ پچھلا گاؤں کبھی اگلا بن جائے گا۔ فقہ وقضا میں کوفہ، حکمت وفلسفہ میں یونان، شاعری میں شیراز واصفہان اور اردو میں میر وغالب کی بستی کہلائے گا۔ حیران نہ ہوں۔ ذات بدلتی ہے، تو جہت بدل جاتی ہے۔ عرب میں ڈھیر سارے شہر ہیں۔ مگر مکہ کی فضیلت کس کو حاصل ہے، مدینہ کی عظمت کس کو میسر ہے۔ آقائے کون ومکاں کی وہ ذات ہے کہ کعبہ جس کا طواف کرتا ہے۔ دنیا کا سارا اقتدار آج امریکہ کے ارد گرد گھومتا ہے۔ پچھلا کو اگلا بنانے والی ذات مفتی محمد مطیع الرحمٰن کی ہے۔ مناظر اعظم ہند، فقیہ النفس، محقق لامزحم، ان القابات سے آج پورا ملک ان کو یاد کرتا ہے۔

فقیہ النفس کی پیدائش ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ والد مرحوم منشی محمد ایوب کا شمار رئیسوں میں ہوتا تھا۔ دینی اور سماجی حالت بہت اچھی تھی۔ گو گھرانہ کا ماحول علمی، مذہبی اور تہذیبی تھا۔ منشی محمد ایوب زمیندار تو تھے ہی۔ اردو، فارسی کے اعلیٰ باذوق استاذ بھی تھے۔ ایسے ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی۔ سخن آموزی کا وقت آیا، تو والد مرحوم نے بسم اللہ خوانی اور ابجد خوانی کرائی۔ قاعدہ، قرآن، اردو، فارسی کی تعلیم بھی دی، گاؤں کے اساتذۂ مکتب سے بھی فیض اٹھایا۔ اب ذرا شعور بالغ ہو چکا تھا۔ تو بابھن ٹولی سید پور اسکول میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوا۔ جہاں آپ نے ہندی، حساب اور انگلش کی تعلیم لی۔ پڑھتے پڑھتے چھٹی کلاس تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر ان کی تعلیمی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا، جو علمی صدرۃ المنتہیٰ تک رسائی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

مولانا محمد عبد السلام نقشبندی، یہ بستی، نہرا کول، علاقہ روٹا کے رہنے والے ہیں۔ یہ فقیہ النفس کے خاص رشتہ دار ہیں۔ یہ آپ کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ ان کے پاس 'خون کے آنسو' نامی کتاب تھی۔ اس کے مصنف علامہ مشتاق احمد نظامی تھے۔ یہ کتاب تازہ تازہ چھپ کر منظر عام پر آئی تھی اور ہر دو خیمے میں ہلچل مچا رہی تھی۔ فقیہ النفس، جو اس وقت فقیہ النفس نہیں، محض مطیع الرحمٰن تھے۔ نے یہ کتاب اٹھائی اور پوری پڑھ ڈالی۔ ذہین، فطین،

حساس، اخاذ، نباض، طباع، تو تھے ہی، جزرسی کا مادہ بھی کسی حد تک پیدا ہو چکا تھا۔ کتاب کے مندرجات سے مطمئن نہیں ہوئے۔ مولٰینا عبد السلام نقشبندی سے کہنے لگے۔ جن عبارتوں اور مصنفوں کو زیر بحث لا کر گفتگو کی گئی ہے۔

اس میں مبالغہ زیادہ، سچائی کم معلوم ہوتی ہے۔ عالم تو عالم، ایک عام مسلمان بھی خدا و رسول کے تیئں نہ ایسی باتیں سوچ سکتا ہے، نہ ایسی باتیں لکھ سکتا ہے۔ ہر چند کہ مولٰینا عبد السلام ہر طرح کی فہمائش کی کوشش کی۔ مگر وہ نہیں مانے۔ تب مولٰینا عبد السلام نے کہا:

'ایک کام کرو۔ دیوبند کے مکتبہ والوں کو خط لکھو اور پوچھو کہ جن کتابوں اور عبارتوں کا اس کتاب میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ ان کے بزرگوں کی ہیں یا نہیں ہیں'۔

فقیہ النفس نے خط لکھا۔ جواب تصدیق میں آیا۔ پھر فقیہ النفس نے ان کتابوں کا آڈر کر دیا۔ چند دنوں کے بعد کتابوں کا بنڈل آ گیا۔ فقیہ النفس نے توجہ سے مطالعہ کیا۔ 'خون کے آنسوں' کی مندرجہ محولہ عبارتوں کا مقابلہ کیا۔ تب ان کو اطمینان کلی حاصل ہوا۔ اب سب ان کے سامنے مسئلہ الم نشرح تھا۔ اب انہوں نے ٹھان لیا کہ اب اسکول میں نہیں، مدرسہ میں پڑھنا ہے ۔اس موڑ پر بھی کچھ ڈرامائی موڑ ہے۔ مولٰینا عبد الحکیم ملہنا والے، یہ بھی کچھ قریب، کچھ دور کے رشتہ دار تھے۔ مگر یہ تھے علمائے دیوبند کے طرفدار، انہوں نے فقیہ النفس کو اطمینان دلایا کہ وہ 'خون کے آنسو' کا جواب لکھیں گے۔ مگر صدائے برنخواست۔ اب معاملہ تھا مدرسہ میں داخلہ کا۔ مولٰینا عبد السلام کی خواہش تھی کہ وہ بریلی چلا جائے اور مولٰینا عبد الحکیم چاہ رہے تھے کہ ان کے ہم خیال مدرسہ میں پڑھے۔ یہ امر لے کر دونوں میں من ہی من میں کھینچا تانی تھی۔

انہی دنوں مولٰینا عبد السلام کا کوئی عزیز بریلی جا رہا تھا۔ منشی محمد ایوب سے طے پا گیا کہ مطیع الرحمٰن بریلی چلا جائے گا۔ یہ خبر جب مولٰینا عبد الحکیم کو تو ملی، بھاگے بھاگے آئے اور منشی محمد ایوب کا سمجھا بجھا کر بریلی جانے کا پروگرام کینسل کر دیا۔ ادھر مفتی مطیع الرحمٰن بریلی جانے کی ساری تیاری کر چکے تھے۔ رشتہ داروں سے الوداعی ملاقات کر چکے تھے۔ اس التوائی امر نے ان کو متوحش کر دیا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ دیہات میں رہٹ اور کنواں ہوتا ہے۔ منشی محمد ایوب کنواں کے پاس نہا رہے تھے۔ سامان سب سائڈ میں رکھا ہوا تھا۔ مطیع الرحمٰن نے جیب کے سے چابی اٹھائی۔ اندر گئے۔ بکس کھولا۔ کچھ پانچ سو روپئے نکالے۔ لے کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ سیدھے نہرا کول پہنچ کر

مولانا عبد السلام سے کہا: میں بریلی جاؤں گا۔ دیکھئے یہ روپۓ لایا ہوں۔ مولانا عبد السلام نے اس حرکت کو غیر اخلاقی سمجھا، روپۓ اور مطیع الرحمٰن کو لے کر دوسرے دن پچھلا پہنچ گئے۔ منشی محمد ایوب سے سارا ماجرا کہہ سنایا اس واقعہ نے منشی محمد ایوب پر گہرا اثر ڈالا۔ منشی محمد ایوب کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ ان کے صاحب زادے کو بگاڑیں گے نہیں۔ اسی اثنا میں مولانا عبد السلام کا عزیز، جو بریلی جانے والا تھا، چلا گیا۔

تب یہ طے پایا کہ اس سال مطیع الرحمٰن دار العلوم لطیفی کٹیہار میں پڑھے، آئندہ دیکھا جائے گا۔ اس فیصلہ پر مولانا عبد الحکیم کی باچھیں کھل گئیں۔ رازدارانہ زوردار خط لکھا اور پرزور سفارش کی کہ اس طالب علم کا داخلہ دار العلوم میں بہر صورت، بہر قیمت ہونا ہے۔ اراکین و اساتذہ معاملہ کی نزاکت سمجھ گئے۔ داخلہ اس شان سے ہوا کہ مطیع الرحمٰن کسی دار العلوم میں نہیں، نانا ماموں کے گھر آیا ہے۔ مولانا ابو القاسم جو دار العلوم میں معزز استاذ اور شہر کٹیہار کے قاضی بھی تھے، کے کمرے میں چارپائی لگائی گئی۔ کھانا، جو مدرسین کو ملتا تھا۔ وہی مطیع الرحمٰن کے لئے آنے لگا۔ انتظام سب ٹھاٹ باٹ کا کر دیا گیا۔

مطیع الرحمٰن پڑھنے لگے۔ مطالعہ میں جٹ گئے۔ منطق کی پہلی کتاب صغریٰ، یہی مولانا ابو القاسم پڑھا رہے تھے۔ دوران درس انہوں نے ایک مثال یہ دی، **محمد انسان و کل انسان حیوان، فمحمد حیوان**۔ مطیع الرحمٰن فطرتاً منطقی تھا۔ 'خون کے آنسو' کا اثر بھی تھا۔ اس مثال نے ان کے ذہن کو مکدر کر دیا۔ فوراً بول پڑا۔ مثال بھلے صحیح ہے۔ مگر شان رسالت مآب کے پیش نظر بالکل غلط ہے۔ حضور حیوان کیوں ہو سکتے ہیں۔

مدارس کے اساتذہ اور طلبا شام کو چہل قدمی کیلئے نکلتے ہیں۔ مولانا ابو القاسم اور مولانا نجم الہدیٰ ایک شام سیر کیلئے نکلے۔ حدیث کی کتاب مشکوٰۃ مولانا نجم الہدیٰ کے زیر درس تھی۔ مولانا ابو القاسم نے یہ کہا: مشکوٰۃ کہاں تک پہنچی ہے۔ مولانا نجم الہدیٰ نے جواب دیا۔ باب المعراج ختم ہونے کو ہے۔ عائشہ رہ گئی ہے (حدیث عائشہ) کل اسے بھی سمیٹ لوں گا۔ بات درست تھی۔ مگر انداز تمسخر آمیز اور انتہائی بھونڈا تھا۔ اس گفتگو نے مفتی مطیع الرحمٰن کو کچھ زیادہ ہی برگشتہ کر دیا۔

حضرت مولانا محمد حنیف، اب حیات بھی ہیں کہ نہیں۔ چوکی بستی کے رئیس ترین سنی عالم دین تھے۔ کٹیہار شہر میں ان کی زمین تھی۔ مکان تھا اور وہ صدر کتب خانہ چلاتے تھے۔ مفتی محمد مطیع الرحمٰن کی ملاقات ان سے اچانک ہو گئی۔ گفت و شنید ہوئی۔ تو مولانا محمد حنیف تاڑ گئے کہ یہ بچہ بڑا ہونہار ہے۔ انہوں نے پانچ روپۓ میں مفتی احمد یار خاں کی کتاب جاء الحق، خرید لی اور مطیع الرحمٰن

کو یہ کہہ کر نذر کر دی کہ اس کو پڑھو۔ اس کا مطالعہ کرو؟۔ کتاب پڑھتے گئے، سوالات، جوابات اور دلائل سمجھتے گئے۔ نتیجہ میں خدشات دور ہوتے گئے۔ شبہات یقین میں بدلتے گئے۔

ابھی آپ دار العلوم لطیفی میں زیر تعلیم ہی تھے اور ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ کے والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ خبر ملتے ہی کٹیہار سے گھر آ گئے۔ اس غم نے آپ کو نڈھال کر دیا۔ پھر آپ کٹیہار نہیں گئے۔ تعلیم منقطع ہو گئی۔ اب طے ہوا کہ آئندہ آپ بریلی چلے جائیں گے۔ مگر آپ کے چچا اور وہی مولانا عبد الحلیم نہیں چاہ رہے تھے کہ وہ بریلی جائے۔ ان کا منشا تھا مطیع الرحمٰن کٹیہار ہی میں پڑھے یا دیو بند بھیج دیا جائے۔ مگر یہ تدبیر دھری کی دھری رہ گئی۔ نہرا والے مولانا عبد السلام نقشبندی آپ کو جامعہ نعیمیہ بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔

مخفی مباش! دار العلوم لطیفی کٹیہار اپنے روز تاسیس سے مشکوک اور متنازع ادارہ رہا ہے۔ ہر چند کہ تاسیس، تعمیر، ترقی میں اہل سنت کا خون جگر شامل ہے۔ ایک عرصہ تک اساتذہ اور طلبہ دونوں حلقے کے رہے ہیں۔ مگر اب یہ ادارہ خالص نظریہ دیو بند کا ترجمان بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی تھوڑی تفصیل میں نے، 'جہاں ملک العلما' طبع بمبئی ۲۰۰۹ء اور 'کاملان پورنیہ' جلد اول طبع بمبئی ۲۰۱۱ء میں دی ہے۔ اس جلد میں بھی اس کی گونج سنائی دے گی۔

مفتی صاحب جامعہ نعیمیہ پہنچ گئے۔ مفتی حبیب اللہ نعیمی، مفتی محمد طریق اللہ رشیدی اور علامہ محمد یونس علیہم الرحمہ سے پڑھنے لگے۔ سادات کچھوچھہ شریف تشریف لاتے، تو ان سے شرف نیاز حاصل کرتے۔ ایک دفعہ سرکار مفتی اعظم ہند تشریف لائے، تو مفتی صاحب فرماتے ہیں:

'اساتذہ اور طلبہ سب الرٹ تھے۔ پورا ادارہ ایک پاؤں پر کھڑا تھا۔
خدمت میں جو بھی حاضر ہوتا، دو زانو بیٹھتا، سر جھکا ہوتا، احترام کا
یہ عالم تھا، قدموں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی'۔

ادب و احترام کی یہ ادا دیکھ کر مفتی مطیع الرحمٰن بے حد متاثر ہوئے۔ آپ بھی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مفتی اعظم ہند کے چہرے کی طلعت زیبا دیکھتے رہے۔ دیکھتے دیکھتے دل بھر گیا۔ ایک وجدانی کیفیت سی طاری ہو گئی۔ قلب نے شہادت دی۔ ہاں! یہ اللہ کے واقعی ولی ہیں۔ بس بیعت کی سعادت حاصل کی اور دامن پناہ میں آ گئے۔ مرشد کریم کی نگاہ ناز نے مفتی صاحب کو نواز دیا اور یہ مرید اپنا دل دے بیٹھا۔ اب یہ دل محض دل ہی نہیں، مرشد گرامی کی حسین یادوں کا تاج محل بھی ہے۔ مفتی صاحب فطرتاً اخاذ ہیں۔ بات کی تہہ تک جب تک پہنچ نہیں جاتے، منہ نہیں کھولتے۔ بات نپی تلی کرتے ہیں۔ دلیل ٹھوس دیتے ہیں۔ بچپن سے مطالعہ کی عادت

پڑھ چکی تھی۔ کتاب جو زیر درس ہوتی، بحث و تکرار کر کے پڑھتے۔ ہندی کی چندی ضرور نکالتے۔ مگر خارجی مطالعہ ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ عمر چھوٹی تھی۔ دماغ باون گز کا تھا۔ حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو پڑھا، مدت العمر یاد رہا۔ چوں چرا، قیل وقال، سوال جواب، بات میں بات پیدا کرنا، از خود سوال کرنا، پھر اس کا جواب دینا، ان کے ذہن جوال کی غذا تھی۔ جب آپ جامعہ نعیمیہ میں زیر تعلیم تھے، کسی دن چھٹی ہوتی یا گھنٹی خالی رہتی یا خود ہی چھٹی کر کے کبھی مدرسہ شاہی اور کبھی مدرسہ حیات العلوم پہنچ جاتے۔ اساتذہ پڑھاتے اور یہ سماعت کرتے۔ دوران درس یہ سوالات کرتے ،اعتراض پیدا کرتے۔ 'خون کے آنسو' تو سمجھ چکے تھے۔ 'جاء الحق' کا مطالعہ بھی تھا۔ مراد آباد پہنچ کر صدر الافاضل کی ،الکلمۃ العلیا، پوری پڑھ ڈالی تھی۔ گرفت در گرفت کا سلیقہ آچکا تھا۔ مدرسہ شاہی میں بیٹھے، تو مدرس کو زچ کر کے اٹھے۔ بالآخر شاہی والوں نے ان کے آنے پر پابندی لگادی۔

یہی حال حیات العلوم کا ہوا، حیات العلوم کے استاذ مشکوۃ شریف پڑھا رہے تھے۔ درس زیر حدیث سے علم غیب مصطفیٰ ثابت ہو رہا تھا۔ مگر وہ اس کی نفی پر دلیلیں دے رہے تھے۔ مفتی صاحب نے لقمہ دیا۔ جم کر بحث کی۔ دلیلوں پر دلیلیں جڑ دیں۔ سبق بند ہو گیا۔ استاذ تنگ آ گیا۔ طلبہ سمجھ رہے تھے۔ آخر کار مفتی صاحب کا آنا جانا یہاں بھی ممنوع قرار پایا۔ مولانا منت اللہ رحمانی، یہ امارت شرعیہ پٹنہ کے امیر تھے۔ انہوں نے قضا کا کوئی مسئلہ لکھا۔ اتفاق سے مسئلہ کی کسی شق کی کمی رہ گئی تھی۔ مفتی صاحب نے زید و بکر کے نام سے یہی مسئلہ لکھا اور اپنے استاذ مفتی حبیب اللہ نعیمی سے استفتا کیا۔ مفتی حبیب اللہ نعیمی نے جواب لکھا۔ اس جوابی فتویٰ پر مدرسہ شاہی کے مفتی سے تصدیق کروائی۔ ظاہر ہے۔ مفتی حبیب اللہ کا فتویٰ اور مدرسہ شاہی کے فتویٰ کی تصدیق میں مولانا منت اللہ رحمانی کی تغلیط میں تھا۔ یہ دیکھ کر امارت شرعیہ پٹنہ والے تاؤ میں آگئے۔ ارباب دیوبند سے سفارش کرا کے مدرسہ شاہی کے مفتی کو فی الفور برطرف کرادیا۔

مراد آباد تو مراد آباد ہے، ایک ہی برس میں مراد پوری ہو چکی تھی۔ مرشد پاک کی نظر کیمیا اثر پڑ چکی تھی۔ شہر بریلی کی کسک ستا رہی تھی۔ چنانچہ اگلے ہی برس جامعہ نعیمیہ سے مظہر اسلام آگئے۔ یہاں مظہر اسلام کی درسگاہ تھی۔ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ تھی۔ وہاں مظہر میں پڑھتے تھے۔ یہاں مزار سے فیض پاتے تھے اور اب کتابیں پڑھتے کیا تھے، پی جاتے تھے۔ مہذب و مؤدب اور انتہا درجہ کے ذہین تو تھے ہی، ذہن سارا بارود تھا۔ چنگاری کی ضرورت تھی۔ بارگاہ مرشد کی حاضری نے آگ لگادی۔ ذہن سلگ اٹھا۔ دماغ دہک گیا۔ برس کی تعلیم مہینہ، مہینہ کی ہفتہ میں اور ہفتہ کی دن میں ہوتی گئی۔ لیل و نہار، صبح شام خدمت شیخ کی

ملازمت حاصل رہی اور ہفت خوانی کرتے رہے، ہفت افلاک کی سیر کرتے رہے۔
سال ختم ہوا۔ سالانہ امتحان لینے امام علم وفن خوجہ مظفر حسین رضوی، سلطان پور سے بریلی آئے ۔خواجہ صاحب سے پہلی ملاقات مفتی صاحب کی یہیں ہوئی۔ دوران امتحان ایک اہم واقعہ رونما ہوا، جس نے مفتی صاحب کو بے حد متاثر کیا۔ طالب علمانہ زندگی تھی۔ ثم خیراً کا مرض تو ہونا چاہیے۔ دوسرے برس سلطان پور روانہ ہو گئے۔ ایسا نہیں کہ مرشد گرامی کی اجازت کے بغیر چلے گئے۔ جانے سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اجازت طلب کی۔ مفتی اعظم ہند نے نگاہ اٹھائی اور فرمایا اچھا! اس 'اچھا' کو مفتی صاحب نے اجازت پر محمول کیا اور وہ اسٹیشن پہنچ گئے۔ ٹرین مل گئی اور وہ سلطان پور روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہی مفتی اعظم ہند نے حاضر باشوں سے پوچھا: مطیع الرحمٰن کہاں ہے؟۔ بلاؤ۔ حاضر باشوں نے جواب دیا۔ حضور! وہ تو سلطان پور چلا گیا۔ مفتی اعظم ہند کو قلق ہو۔ فرمایا: ابھی وہ اسٹیشن پہ ہوگا۔ جاؤ، بلالاؤ۔ مفتی محمد طاہر حسین رضوی اسٹیشن تک گئے۔ مگر ٹرین جا چکی تھی۔ واپس آ کر عرض کیا: حضور! میرے پہنچنے تک وہ جا چکا تھا۔ تو مفتی اعظم ہند نے پھر فرمایا: اچھا!

گھوسی میں ذیقعدہ کو صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی علیہ الرحمہ کا عرس ہوتا ہے۔ مفتی اعظم ہند بریلی سے گھوسی تشریف لے جا رہے ہیں۔ بریلی سے گھوسی کا راستہ سیدھا تھا۔ مگر مفتی اعظم ہند نے ڈرائیور کو تاکید کر دی کہ سلطان پور ہوتے ہوئے جانا ہے۔ جب کہ سلطان پور کا راستہ ذرا گھماؤ پر تھا۔ مفتی مطیع الرحمٰن اپنے مرشد گرامی کو اچانک دیکھ کر ٹھٹھک گئے کہ ڈانٹ نہ دیں۔ مفتی اعظم ہند ڈانٹتے کیوں، وہ تو سراپا شفقت تھے۔ مجسم کرم نواز تھے۔ ہمراہ لیا۔ گھوسی روانہ ہو گئے۔ مفتی اعظم ہند کا صدر الشریعہ کے مکان میں قیام ہوا۔ اکابر علما مفتی اعظم ہند کی قیام گاہ پہ ملنے کے لئے تشریف لائے۔ جامعہ اشرفیہ کے اساتذۂ کرام بھی آئے۔ چائے نوشی، حقہ نوشی، پان خوری ہو رہی تھی۔

تفنن طبع یا تفریح طبع کے لئے مفتی اعظم ہند نے فرمایا: اس بچے سے کچھ سوال کیجئے۔ دیکھئے، کیا جواب دیتا ہے' شمس العلما حضرت قاضی محمد شمس الدین رضوی نے منطق کا کوئی سوال کیا۔ مفتی صاحب نے جواب دیا۔ شمس العلما نے دوسرا کیا۔ مفتی صاحب نے پھر جواب دیا۔ یوں سوال پر سوال اور جواب پر جواب ہوتے ہوتے شمس العلما کا لہجہ تیز ہو گیا۔ نباض عصر علامہ ارشد القادری جو وہاں موجود تھے، مفتی مطیع الرحمٰن کو دونوں ہاتوں سے پکڑا۔ گود میں اٹھایا اور یہ کہتے ہوئے: چلو! تم کو گھما کے لاتے ہیں' کمرے سے باہر لا کر چھوڑ دیا۔

باہر طلبہ اشرفیہ ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ جب ان طلبہ کو خبر ہوئی کہ مطیع الرحمٰن نے اشرفیہ

کے استاذ شمس العلما سے بحث کی ہے۔ ان طلبہ نے مفتی مطیع الرحمٰن کو گھیر لیا۔ صرف، نحو، منطق، فلسفہ، فقہ، اصول کے چوطرفہ سوالوں کی بوچھار کردی۔ مفتی مطیع الرحمٰن نے کہا: ایک ایک آدمی ایک ایک سوال کرو، پہلے جواب سن لو۔ پھر دوسرا بولو۔ طلبہ تو طلبہ ہوتے ہیں۔ باتوں بات میں طیش میں آگئے۔ زائرین عرس نے دیکھا کہ ابھی ان میں ہاتھاپائی شروع ہوجائے گی۔ یہ دیکھ کر درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کردیا۔ اب وہاں ماحول بالکل خوشگوار تھا۔ یہ کنارے بیٹھ گئے۔

مفتی اعظم ہند نے گھوسی سے مراجعت فرمائی، تو مطیع الرحمٰن کو ساتھ بریلی لے آئے۔ اب آپ مظہر اسلام میں پڑھنے تو لگے۔ مگر بیشتر اوقات خدمت شیخ میں گزرنے لگے۔ صحبت شیخ کا فیض اور مجلسی علم کا ذخیرہ جمع ہونے لگا۔ فتاوی کی نقل و تبیض بھی کرنے لگے۔ فتوی نویسی بھی اور معیت میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ مفتی اعظم ہند کا طریقہ تھا کچھ اہم سوالات کے جوابات تو دارالافتا بریلی میں بیٹھ کر صادر فرماتے تھے۔ جو بچ جاتے، وہ ساتھ لے کر سفر پر نکل جاتے۔ ٹرین میں یا جب جہاں فرصت ملی، فرماتے: مطیع الرحمٰن وہ سوالات نکالو۔ مفتی مطیع الرحمٰن ایک ایک سوال پڑھ کر سناتے۔ مفتی اعظم ہند املا کراتے۔

مثل مشہور رہے۔ پڑھے کی بلی بھی پڑھی ہوتی ہے۔ اتنی خدمت، صحبت، کتابوں کے الٹ پھیر، سوال و جواب کی قرأت وسماعت سے مشق افتا اور فتوی نویسی کی شد بد پیدا ہوتی چلی گئی۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ مفتی اعظم ہند فرماتے: مطیع الرحمٰن بتاؤ۔ اس سوال کا جواب کیا ہوگا'۔ جب یہ جواب دے چکتے، تو فرماتے: اچھا! یہ بتاؤ۔ یہ جواب درست ہے یا غلط؟۔ اگر درست ہے؟۔ تو کیوں ہے اور غلط ہے، کیوں ہے؟۔ استفتا و فتوی کی دلیل کی ایک ایک شق پر بحث کرتے اور بحث کرا کر حل کرا دیتے۔

یہی وہ خدمت اور تربیت تھی۔ جس نے مطیع الرحمٰن کو مفتی مطیع الرحمٰن بنا دیا اور آئندہ کے لئے فقیہ النفس اور مناظر اعظم ہند ہونے کی راہ ہموار کردی۔ محبت اور شفقت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر مفتی مطیع الرحمٰن ایک دفعہ پھر بریلی سے اٹھ کر سلطان پور جاکر بیٹھ گئے۔ امام علم و فن خواجہ صاحب سے نقلی و عقلی علوم کامل ہوش و گوش سے پڑھے۔ خصوصاً منطق، فلسفہ، کلام، مناظرہ میں مکمل درک پیدا کیا۔ اسی دوران وہ خواجہ صاحب کے ساتھ کچھوچھہ شریف عرس میں گئے۔ یہاں ایک بار پھر ان کی علمی جھڑپ طلبۂ اشرفیہ سے ہوگئی۔ کہانی مکمل نوٹ ہے۔ خوف طوالت سے اس وقت چھوڑتا ہوں۔

حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب سیماب صفت شخصیت ہیں۔ سلطان پور میں وہ سلطان الاساتذہ سے پڑھ رہے تھے۔ مگر مرشد کریم کی یاد بڑی ستارہی تھی۔ کپڑا سمیٹا اور بستر اٹھالیا۔ بریلی آکر یہ کہتے ہوئے

اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں ڈیرا ڈال دیا۔ روز و شب کے معمولات، جو پہلے تھے اب پھر سے جاری ہو گئے۔ جلوت و خلوت، نشست و برخاست، سفر و حضر میں وہی شرف ملازمت حاصل رہا۔ مفتی اعظم ہند کی توجہ خاص بطور خاص متوجہ رہی۔ مطیع الرحمٰن اب محض مطیع الرحمٰن نہیں رہے۔ اب جوہر خالص اور گوہر تابدار بن چکے تھے۔ مگر ان کو اس کا احساس نہیں تھا۔ وہ چاہ رہے تھے کہ ابھی درسگاہی و افتائی علم و ہنر میں اور ڈوبے رہیں۔ سوالات پڑھنا، جوابات املا کرنا، حوالجات تلاش کر کے نکالنا، متون و شروح کی کتابیں الٹ پلٹ کرتے رہنا۔ مفتی اعظم ہند کے قیل و قال سے استفادہ کرنا، جزئیات فقہ کی باریکی، جزرسی، نزاکت، افتا کی تہہ داری، اس کے پیچ و خم اور اس کی کنہہ کا جاننا اور سمجھنا، یہ ان کے ذوق جستجو اور ذہن متجسس کی غذا تھی۔ ابھی یہ انبار وہ جمع کر ہی رہے تھے کہ مدرسی کی پیشکش ہو گئی۔

حضرت مفتی رجب علی رضوی مفتی نانپارہ تھے۔ اس گوہر تابدار کا ادراک سب سے پہلے انہیں کو ہوا۔ مفتی نانپارہ نے کہا: بھئی! تم دورۂ حدیث کرلو۔ میرے 'مدرسہ عزیزیہ' میں صدر مدرس بن جاؤ'۔ مفتی مطیع الرحمٰن کے لئے یہ پیشکش بالکل غیر متوقع تھی۔ انہوں نے جواب دیا: کہاں میں اور کہاں آپ کے مدرسہ کی صدر مدرسی؟۔ مفتی نانپارہ نے کہا: بھئی! میں جو کہہ رہا، سچ کہہ رہا ہوں۔ تم اسے مذاق پر محمول نہ کرو۔ تیاری کرلو۔ ہم تمہیں صدر مدرس بنا دیتے ہیں۔ جب مفتی نانپارہ کا اصرار بڑھا۔ تو مفتی مطیع الرحمٰن نے جواب دیا: میں کیا ہوں، کیا نہیں ہوں، میں نہیں جانتا، میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم ہند کی خدمت میں ہوں۔ جو وہ فرما دیں گے، وہی کروں گا'۔ مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں مفتی نانپارہ کو قرب حاصل تھا۔ فوراً گزارش کرائی۔ مفتی اعظم ہند نے فرمایا: مولانا (مفتی نانپارہ) صحیح کہتے ہیں۔ دستار بندی کرالو، مولانا کے یہاں چلے جاؤ۔

مفتی مطیع الرحمٰن کہتے ہیں: یہ جمادی الآخر کا آخری ہفتہ تھا۔ منظر اسلام میں جا کر دورۂ حدیث میں شریک ہو گیا۔ دستار بندی کے اجلاس سے قبل سالانہ امتحان ہوا۔ حضرت مفتی محمد رضوان الرحمٰن، جو مفتی مالوہ کہے جاتے تھے، امتحان کے دن تشریف لائے، امتحان ہوا۔ سب سے زیادہ نمبرات مفتی مطیع الرحمٰن نے حاصل کئے۔ ممتحنین نے رپوٹیں لکھی۔ مفتی مالوہ اپنی رپوٹ میں یہ تحریر کیا: میری زندگی میدان تدریس میں گزری۔ ایسا ذہین اور طباع طالب علم کبھی نہیں ملا۔ اب یہاں اس موڑ پر ایک نیا واقعہ رونما ہوا۔

مظہر اسلام میں یہ دستور تھا۔ جس طالب علم کا نمبر اول ہوگا۔ دستار پہلے اسی کی ہوگی۔ مگر طلبہ میں جب یہ خبر پھیلی کہ مطیع الرحمٰن کو سب سے زیادہ نمبر ملا ہے۔ تو تمام طلبہ نے صدر مدرس

کے یہاں یہ شدید احتجاج درج کرایا کہ دستار سریل نمبر کے لحاظ سے ہوگی۔ صدر العلما حضرت مولانا شاہ محمد تحسین رضا قادری صدر مدرس تھے اور حضرت علامہ مفتی حاجی محمد مبین الدین رضوی امروہوی شیخ الحدیث تھے۔ صدر المدرسین نے فرمایا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ دستار دستور کے مطابق ہی ہوگی۔ قلمدان صدارت سے جب طلبہ کو مایوسی ہوئی، تو وہ مہتمم ادارہ حضرت مولانا خالد رضا خان کے پاس پہنچ گئے۔

خالد میاں کے یہاں اس احتجاج کی شنوائی ہوگئی۔ انہوں نے صدر المدرسین سے شفارس کی کہ دستار سیریل نمبر سے کرائی جائے۔ تحسین میاں بھی تو خان ہی تھے۔ طیش سے نہیں، دستور کی تہہ داری کی روشنی میں انکار کر دیا اور دستور تو دستور ہے۔ اس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اگر بقیہ طلبہ دستار نہ لینے کی دھمکی دیتے ہیں۔ تو دیتے رہیں۔ جس کو جانا ہے، چلا جائے، سب چلے جائیں، تو بھی کوئی حرج نہیں، اکیلے مطیع الرحمٰن کی دستار بندی ہوگی۔ مگر قدیم دستور کی پامالی نہیں ہوگی۔ یہ فیصلہ سن کر طلبہ کا نشہ اتر گیا اور سب ٹھنڈے پڑ گئے۔

دستار وفضیلت کا اجلاس منعقد ہوا۔ پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی ناظم اجلاس تھے، ناظم اجلاس نے مفتی مطیع الرحمٰن کا نام اول نمبر پر اعلان کیا۔ سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی نے جبہ پہنایا۔ مفتی اعظم ہند نے اپنے دست ناز سے پوری پگڑی سر پر باندھی۔ جب کہ دیگر طلبہ کی دستار بندی دیگر مشائخ نے کی۔ مفتی اعظم ہند نے سب کے سروں پر ہاتھ رکھا۔ مفتی مطیع الرحمٰن کے لئے مفتی اعظم ہند نے حدیث وفقہ کی سندیں اپنے دست ناز، قلم خاص سے تحریر فرمائیں، جس میں مفتی اعظم نے 'مولانا الولد الاعز' کا پیارا لفظ استعمال فرمایا اور سندیں مطیع الرحمٰن کے حوالے کر دیں۔ یہ قابل فخر، باعث رشک واقعہ ۱۹۷۰ء کا ہے۔

خالی دامن آیا تھا۔ اب یہ لبالب بھر چکا تھا۔ فراغت ہو چکی تھی۔ مفتی ناناپارہ ٹوہ میں تو تھے ہی ، آکر جم گئے۔ اب بریلی کا رسیا بریلی چھوڑ رہا ہے۔ دل بھر آیا ہے۔ آنکھوں کی کٹوڑیاں لبریز ہیں۔ مفتی اعظم ہند نے ایک سو سولہ روپیہ مشاہرہ طے کر دیا۔ سر پہ دست شفقت پھیرا۔ ناناپارہ روانہ کر دیا ۔ چھوٹی عمر، چھوٹا قد کا نو فارغ عالم منصب صدارت پہ جا کر بیٹھا۔ جسمانی قد بھلے چھوٹا تھا۔ مفتی اعظم ہند کا تربیت یافتہ تھا۔ دست ہنر مند کا تراشیدہ تھا۔ علمی قامت زیبا اور قد رعنا کتنا بلند تھا۔ اوروں کے لئے ناپنا مشکل ہو گیا۔ کیوں کہ یہ اس مہا ساگر کا پروردہ، دیدہ، چسیدہ، نوشیدہ تھا۔ جس کو دنیا نے مفتی اعظم عالم اسلام مانا تھا۔ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی لکھتے ہیں:

'مفتی اعظم قدس سرہ سے فتویٰ نویسی کے زمانے میں فتویٰ

دکھاتے اور سناتے وقت تفسیر وحدیث وفقہ واصول کی سیکڑوں کتابوں
کے مطالب سمجھے اور جو کچھ آج فقیر کے پاس ہے، وہ حضرت ہی کا
عطیہ ہے۔مگر درسیات میں کوئی کتاب حضرت سے نہیں پڑھی تھی۔
ایک روز حضرت مفتی اعظم قدس سرہ خوش ہوکر رضوی دارلافتا میں
پہلی اور آخری حدیث کمال شفقت ومحبت اور پوری شرح وربط کے
ساتھ پڑھائی اور' الاجازات المتینۃ' کی اجازت عطا کی'۔

(خلفائے مفتی اعظم، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، طبع بمبئی، ۱۹۹۰ء، ص:۴۸)

طریقہ تعلیم اور تربیت افتا میں مفتی اعظم ہند کی کیا شان تھی۔اس ضمن میں مفتی مطیع الرحمٰن رضوی تحریر کرتے ہیں:

'حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ درس وافتا میں اس کا التزام
فرماتے تھے کہ محض حکم پر واقفیت نہ ہو، بلکہ اس کے ماعلیہ ومالہ کے
تمام نشیب وفراز ذہن نشین ہوجائیں۔آیات، احادیث سے
استدلال کرتے۔پھر اصول فقہ وحدیث سے اس کی تائید دکھاتے
اور قواعد کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزئیات
پیش فرماتے۔پھر مزید اطمینان کے لئے فتاوی رضویہ یا امام احمد رضا
کا ارشاد نقل فرماتے۔اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا، تو قول راجح کی
تعیین دلائل سے کرتے اور اصول افتا کی روشنی میں ماعلیہ الفتوی کی
نشاندہی کرتے۔پھر فتاوی رضویہ یا امام احمد رضا کے ارشاد سے اس
کی تائید پیش فرماتے۔مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا۔عام طور سے
جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے۔ہاں کسی عالم کا بھیجا
ہوا استفتا ہوتا اور وہ ان کی تفصیلات کا خواستگار ہوتا، تو پھر جواب
میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے'۔

(خلفائے مفتی اعظم، مولانا محمد شہاب الدین رضوی، طبع بمبئی، ۱۹۹۰ء، ص:۵۲)

مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں ابھی سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگلپوری، جو استاذ المتکلمین والمناظرین تھے، جن کے شاگردوں میں ایک نمایاں نام علامہ ارشد القادری کا ہے، نے خواجہ مظفر حسین رضوی، جو ان کے شاگرد بھی ہیں، سے فرمائش کی کہ

مفتی مطیع الرحمٰن کو فوراً مدرسہ فیضیہ ایس پور، بھاگلپور بھیج دیا جائے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنے استاذ کی فرمائش پر اپنے مایہ فخر شاگرد مفتی مطیع الرحمٰن کو بھاگلپور بھیج دیا۔ مفتی صاحب یہاں کئی برس رہے۔ عمر اور علم، دونوں کا شباب کا زمانہ تھا۔ جس فن کی کتاب زیر درس آئی۔ فن، کتاب اور طلبہ نہال ہو کر رہ گئے۔ جس کا چرچا درسگاہی دنیا میں ہر سو ہونے لگا۔

دارالعلوم محی الاسلام بجرڈیہہ، یہ بائسی میں ہے۔ رئیس التحریر مفتی حسن منظر قدیری یہاں پہلے پہنچ چکے تھے۔ یہ ادارہ عالیہ تھا، مگر درس نظامیہ ہی رائج تھا۔ ضرورت تھی۔ مفتی حسن منظر کی خواہش بھی تھی۔ مفتی مطیع الرحمٰن کا اپنا علاقہ تھا۔ ان عوامل کی یکجائی نے مفتی مطیع الرحمٰن کو بھاگلپور سے بھگا کر بائسی لا بسایا۔ یہاں بھی تدریس، تقریر، افتا اور مناظرہ کی خوب گرم بازاری رہی۔ کئی برس تک اس بازار علم و افتا کا نرخ اونچا ہی اونچا ہوتا رہا۔ مگر ان کا ایک بڑا کارنامہ تنظیم المسلمین کی بنا میں مکمل حصہ داری ہے۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ:

> 'حضور مفتی اعظم کے ایما پر تنظیم المسلمین کا وجود عمل میں آیا۔ خواجہ مظفر حسین صاحب، فقیر مطیع الرحمٰن، مولانا عبدالعزیز رضوی، مولانا رحمت حسین کلیمی، مولانا اختر حسین رضوی ہرن توری، مولانا عبدالوہاب رضوی کھوکھسوی، مولانا محمد ایوب رضوی کھوکھسوی، سید معین الدین مرحوم، مولانا عبدالسلام رشیدی بریلی، اس تنظیم کے تاسیسی اراکین و ممبران تھے۔
>
> پھر جب باضابطہ تشکیل ہوئی، تو شیخ الاسلام حضرت مولانا شاہ غلام محمد یٰسین علیمی شاہدی اور ولی کامل حضرت مولانا شاہ الحاج عبدالقادر علیمی شاہدی کو سرپرست نامزد کیا گیا۔ مولانا رحمت حسین کلیمی کی چوں کہ بائسی میں دوکان تھی۔ اس لئے ان کو سیکریٹری بنایا گیا۔ فقیر (مفتی مطیع الرحمٰن) کو مفتی و قاضی مقرر کیا گیا۔ میرے غائبانہ میں افتا و قضاء کا کام مفتی حسن منظر قدیری صاحب سنبھالتے تھے۔ مولانا امام مظفر رضوی کی جب کپڑے کی دوکان
> بائسی میں کھلی، تو وہ بھی تنظیم سے جڑ گئے۔ 9
>
> علاقائی مساجد کی دیکھ بھال، قیام، تعمیر، ائمہ کی بحالی، مدارس

میں اساتذہ کی تقرری، چاند کی رویت، رمضان وعید کا اعلان، قضا وافتا کے مسائل، حاجیوں کے معاملات کی دیکھ ریکھ، اصلاح معاشرہ کے لئے جلسے وغیرہ تنظیم کے فرائض و مقاصد میں شامل تھے۔ کئی سالوں تک یہ کام نہایت سرگرمی سے انجام پایا۔ پھر ادارہ شرعیہ پٹنہ کی شاخ اتفاق رائے سے قائم کی گئی۔ پھر کچھ دنوں بعد میں پٹنہ چلا گیا۔ مگر تنظیم سے تعلق قائم رہا۔

جناب کلیم الدین کی زمین جب بائسی میں بک رہی تھی، تو مجھے خبر دی گئی اور مجھ پر دباؤ ڈالا گیا کہ میں چھٹی لے کر ہفتہ پندرہ دن کے لئے بائسی آؤں اور زمین کی خریداری میں ہاتھ بٹاؤں۔ تمام ارکان نے مل کر تمام علاقہ کا دورہ کیا، نقد وجنس، دھان، پٹوا، گیہوں وغیرہ وصول کیا گیا۔ پندرہ دن کی سخت محنت کے بعد قریب قریب مطلوبہ رقم جمع ہوگئی اور یہ زمین تنظیم المسلمین کے نام سے خرید لی گئی۔ جب رجسٹری کی باری آئی، تو بحیثیت نمائندہ مولانا رحمت حسین کلیمی کو بھیجا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ تنظیم کے بجائے مولانا رحمت حسین نے رجسٹری اپنے نام سے کرائی ہے۔ ہرچند کہ ان کی نیت بخیر رہی ہو، مگر بغیر مشورۂ ارکان یا اطلاع ممبران، ان کے اس عمل نے تمام اراکین کو کبیدہ خاطر کردیا۔ اس کے باوجود کاموں کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی'۔

دارالعلوم محی الاسلام بجرڈیہہ بائسی سے مفتی صاحب مدرسہ فیضیہ بھاگلپور تشریف لے گئے۔ ابھی یہاں ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ ادارہ شرعیہ پٹنہ کے قاضی مفتی فضل کریم رضوی کی وفات کی خبر عام ہوگئی۔ حالاں کہ وہ حیات سے ہی تھے۔ مگر شدید بیمار تھے۔ علامہ ارشد القادری جمشید پور سے، پٹنہ نہیں، سیدھے بھاگلپور تشریف لائے اور ان کو اٹھا کر پٹنہ لے آئے۔ اس کی تفصیل میں نے اپنے مضمون 'علامہ ارشد القادری پورنیہ میں' بھی دی ہے۔ جو سہ ماہی امجدیہ گھوسی میں ابھی حال ہی میں چھپا ہے اور ابھی آگے اس مضمون میں مفتی صاحب کی زبانی بھی سنئے گا۔

ادارہ شرعیہ میں مفتی صاحب افتا وقضا کی خدمات جوش وخروش کیساتھ انجام دے رہے تھے۔ پھر اچانک ایک شدید دینی ضرورت نے ان کو پٹنہ سے رحمٰن پور، کٹیہار جانے پر مجبور

کردیا۔ ہوا یہ کہ چراغ پورنیہ حضرت مولانا شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمٰن پوری کے خلف اوسط مولانا شاہ شرف الہدیٰ کا وصال ہوگیا۔ تکیہ لطیفیہ کی گدی، مسجد لطیفی کے محراب ومنبر، مدرسہ لطیفیہ کی مسند، بہ یک وقت خالی ہوگئی۔ خانقاہ لطیفیہ اور خاندان حفیظی کا ایک باغی شخص اپنی شاطرانہ چال بازیوں سے سب پر قابض ہوگیا۔

اس غاصبانہ قبضہ نے پورے علاقہ میں تہلکہ ڈال دیا۔ صورت حال بڑی گمبھیر تھی۔ اس پر قابو پانے کے لئے اس وقت مفتی مطیع الرحمٰن سے زیادہ موزوں فرد نظر نہیں آیا۔ چنانچہ علما ورؤسائے دیار کے زبردست دباؤ پر مفتی صاحب تکیہ شریف، رحمٰن پور، کٹیہار آگئے۔ فقیہ بے بدل مرشد طریقت حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی موجودہ زیب سجادہ خانقاہ رشیدیہ جون پور، عالم ربانی مفتی محمد ایوب مظہر رضوی بائسی، وکیل محمد عبد السلام رشیدی سیہی پور، سیاسی رہنما رفیق عالم کشن گنج، سماجی کارکن رئیس وقت محمد ظفر ایم ایل اے سہرول وغیرہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں پیش پیش تھے۔ بلکہ فیصل بورڈ کی حیثیت رکھتے تھے۔

مفتی صاحب جب پٹنہ سے رحمٰن پور تشریف لائے، تو مسجد میں ہی تعلیم دینے کی شروعات کی۔ خانقاہ کا ایک کمرہ، جو جنوب میں تھا، اسی میں قیام کیا۔ مفتی صاحب کی نقل وحرکت اس باغی شخص کو ناگوار خاطر گزری۔ اس نے کیس کردیا۔ مفتی صاحب اول ملزم تھے۔ وکیل محمد احسان رحمٰن پوری، جو ابھی پٹنہ لا کالج میں زیر تعلیم تھے۔ وہ دوسرے ملزم تھے۔ تھانہ بارسوئی کا داروغہ محمد عبد القیوم، جو بہار شریف، نالندہ کا باشندہ تھا، کٹر سنی صحیح العقیدہ تھا۔ وہ داروغہ جانتا تھا کہ یہ خانقاہ اہل سنت کی ہے اور علاقہ میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

مفتی صاحب ایک دن صبح سویرے داروغہ کے ڈیرے پر تشریف لے گئے اور اپنی دلیلوں سے مقدمہ کو بالکل بے وزن، بے جان کردیا۔ فرد جرم ساقط ہوگئی۔ داروغہ نے مفتی صاحب اور وکیل محمد احسان کا نام کٹوادیا۔ پھر علما وکلا وغیرہ معززین، پولیس وغیرہ کی موجودگی میں مسجد، مدرسہ، خانقاہ کی چابیاں لے کر اس باغی شخص کو بے دخل کردیا گیا۔ جب سے وہ باغی شخص روپوشی، گمنامی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اب تو اس کا ایک کمرہ اس کے لئے قید خانہ بن چکا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ خانقاہ لطیفیہ اور مسجد و مدرسہ کی واگزاری، یہ تاریخ ساز کارنامہ حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کی حیات کا ایک حسین سرنامہ ہے۔

حضرت مولانا محمد معین الدین رضوی، بانس باڑی، بائسی کا باشندہ، دار العلوم بریلی کا تعلیم یافتہ، اپنے مرشد سرکار مفتی اعظم ہند کا والا وشیدا، بڑی خدمات ہیں ان کی۔ تفصیل تو

مجھے معلوم نہیں، مگر یہ ضرور معلوم ہے کہ کشن گنج اور کھگڑا کی گلی گلی ان کی مساعی جمیلہ کی گواہ ہے۔ الادارۃ الاسلامیہ دار العلوم حنفیہ کھگڑا انہی کی جگر کاوی کا روشن مینارہ ہے۔ خاصہ بڑا رقبہ ہے۔ کوئی دوا یکڑ تو ضرور ہوگا۔ جس کو انہوں نے حاصل کیا۔ ادارہ کی داغ بیل بے سروسامانی کے عالم میں ڈالی۔ پروان چڑھایا۔ مولانا محمد معین الدین رضوی کو کہیں جانا تھا۔ ادارہ کی سربراہی کے لئے کسی مرکزی شخصیت کی ضرورت تھی۔ ان کی نگاہ انتخاب واعتماد مفتی صاحب پر پڑی اور ان کو بلا کر ادارہ کا سربراہ بنادیا۔ تین چار برسوں میں رحمٰن پور کا معاملہ مستحکم ہو چکا تھا۔ معیار تعلیم تو خاصہ بلند ہو گیا تھا۔ مفتی صاحب کو کلی اطمینان بھی حاصل ہو چکا تھا۔ لہٰذا رحمٰن پور سے مفتی صاحب دار العلوم حنفیہ کھگڑا تشریف لے آئے۔

یہ ادارہ خس پوش تھا۔ تعلیم بھی واجبی سی تھی۔ مفتی صاحب کے آتے ہی یہ ادارہ بے حد ترقی کر گیا۔ مفتی صاحب نے اس کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ شہر اور قریہ کے رستے ناپے، خون جگر دے کر سینچائی کی۔ مکانات بنوائے، کچھ تو وہی خس پوش رہے۔ کچھ کھپریل اور ٹین کے ہو گئے۔ درسگاہیں لگوائیں، اچھے اساتذہ بحال کئے۔ تعلیم درجہ خامسہ تک ہونے لگی، مگر نہایت اور معیاری، مفتی آل مصطفیٰ، مفتی فضل احمد، قاضی فضل رسول، نوشاد حنفی، مولانا غلام ناصر رضوی، مولانا فخر عالم رضوی، اسی دور خیر القرون کے ثمرۂ شیریں ہیں۔ تعلیم، تربیت، جسمانی ورزش، نظم ونسق، صفائی ستھرائی، درسگاہوں کے اردگرد پھولوں کی کیاریاں، پورے گراؤنڈ میں اگی ہوئی، ترشی ہوئی دوب، عجب رونق تھی اس دور میں، یہ شہر کشن گنج ہی نہیں، پورے بہار میں امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔ یہ صرف چار سال کی محنت تھی۔

تب حضرت خواجہ صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں، استاذ تھے، ان کی خواہش ٹھکرا نہ سکے۔ نتیجہ میں ہرا بھرا چمن چھوڑ کر مفتی صاحب مدرسہ قادریہ بدایوں آگئے۔ یہاں ابھی دوسرا سال ہی پورا ہوا تھا کہ گرسہائے گنج قنوج کے الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم والے بضد ہو کر انہیں وہاں سے اٹھا لے گئے۔ یہاں ابھی سال بھر بھی نہیں ہوا تھا کہ بابری مسجد کا قصہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسفار سے مضمحل ہو کر وہ اپنے گھر متقاعد ہو گئے۔ اس قضیہ نارضیہ کی آگ جب ذرا سرد ہوئی، تو غالباً دار العلوم سراج العلوم مہراج گنج، گورکھپور تشریف لے گئے۔ گورکھپور کا دوسرا برس پورا ہوا، تو پھر وہی خواجہ صاحب سامنے سیدھے کھڑے ہو گئے۔ یہ لاڈلے شاگرد خواجہ صاحب کی خواہش رد کرنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ گورکھپور سے دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، فیض آباد استاذ کے حضور حاضر ہو گئے۔

فیض آباد میں آمد کا دوسرا برس پورا ہو رہا تھا۔ علامہ ارشد القادری نے پٹنہ میں ادارۂ شرعیہ کی جدید کاری کی تحریک اٹھائی۔ علامہ کو مفتی مطیع الرحمٰن پھر سے یاد آئے۔ علامہ نے مولانا عبید اللہ خان اعظمی کو فیض آباد بھیجا۔ مولانا اعظمی نے حالات بتائے۔ معاملات کا تصفیہ کرایا اور مفتی صاحب کو فیض آباد سے پٹنہ لے گئے۔ اراکین ادارہ، علامہ، مولانا اعظمی، امین شریعت دوم مفتی محمد انیس عالم، سب نے مل کر مفتی، قاضی، قاضی القضاۃ، بحال و برطرفی کے تمام اختیارات کے ساتھ اس منصب جلیل پر بٹھلایا۔ اب کی بار آپ یہاں کوئی پانچ برس رہے اور ادارہ کی ہلتی چولیں بکھرنے سے بچ گئیں۔ بلکہ یہ دور ادارہ کا ایک زریں دور رہا ہے۔

الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ سٹی پٹنہ کا معروف ادارہ ہے۔ چار برس اس ادارہ کی خدمت کی اور بلا تنخواہ خدمت کی۔ چریا کوٹ کے مولانا عبدالمبین نعمانی اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ تعلیم، تعمیر، تربیت افتا، دعوت و تبلیغ، ردو مناظرہ، تصنیف و تالیف، ہر شعبہ میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ 'حیات اعلیٰ حضرت' کی ترتیب جدید یہیں کی یادگار ہے۔ مفتی صاحب یہاں چار سال تک شیخ الجامعہ رہے۔

جامعہ بلال بنگلور وہاں کا مشہور مرکزی ادارہ ہے۔ اراکین کے شدید اصرار پر مفتی صاحب پٹنہ سے بنگلور تشریف لے گئے۔ تعلیم، تعمیر، تربیت، افتا، قضا، مناظرہ کے حوالہ سے نمایاں دینی خدمات سرانجام دیں۔ وہاں کا یہ تیسرا سال تھا کہ اسی دوران ان کی اہلیہ محترمہ مرحومہ بیمار اور پھر انتقال کر گئیں۔ جس سے مفتی صاحب ٹوٹ کر رہ گئے۔ زندگی بکھر کر رہ گئی۔ علم، ادب، تہذیب، مذہب کا یہ سپہ سالار صبح ہی کو نکلا تھا۔ اب دن ڈھلتے ہی نہیں، سہ پہر کو پہنچ چکا تھا۔ ادھر نصف بہتر کے انتقال نے ان کو غم، الم، اندوہ بداماں کر دیا۔ دل کے دورے بھی پڑے اور امراض نے بھی گھیرا ڈالا۔ مدت کی تکان تھی۔ سوچا، گھر ہی رہا جائے۔ یہیں بیٹھ کر سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ مگر ٹھہراؤ نصیب نہیں، دوسرا ہو، تو ان کی جگہ لے۔ چنانچہ دینی ضرورت جہاں سے پکارتی ہے، چلے جاتے ہیں۔ جلسوں کی صدارت، کانفرنسوں کی سرپرستی، آئے دن مناظروں کی بھی گہما گہمی، فقہی سیمیناروں کی لازمی شرکت، ایک پل کی فرصت نہیں۔ سامان سفر ابھی کھلتا نہیں کہ پلٹ کر پا بہ رکاب ہو جانا پڑتا ہے۔

جامعہ قادریہ رضویہ مظہر العلوم، یہ علی پور، کلیا چک، مالدہ ضلع میں ہے۔ ایک دفعہ وہاں سالانہ اجلاس میں تشریف لے گئے۔ ختم بخاری شریف کرایا۔ شب اجلاس میں تقریر فرمائی۔ اب تمام اراکین جامعہ پیچھے لگ گئے کہ وہ جامعہ کی سربراہی کریں۔ دیکھ بھال کریں۔ رہیں،

تب بھی، نہ رہیں، تب بھی، جامعہ کی سرپرستی قبول کریں۔ یہ کہتے، گذارش کرتے، پیچھے پیچھے ان کے گاؤں پچھلا تک آ گئے۔ پیچھے ایسے پڑ گئے کہ ایک سننے کو تیار نہیں، لاچار اس جامعہ کی سرپرستی قبول کرنا پڑی۔ تشریف لے گئے۔ تو جامعہ کا بھلا ہو گیا۔ تعمیر میں اضافہ ہوا۔ مسجد، جو نہیں تھی، وہ بنوا دی۔ موجود ہوتے ہیں، دورے کی کتابیں پڑھا دیتے ہیں۔ زیر تربیت افتا طلبہ کو مشق کرا دیتے ہیں۔ موجود نہیں ہیں، تو کچھ بھی باز پرس نہیں۔ کوئی قید و بند نہیں، آزاد، خودمختار سربراہ ہیں۔ خودی اور خودداری کا پیکر جو ٹھہرے۔

فقیہ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ کی شخصیت اور علمیت کا ہندوستان بھر میں جواب نہیں۔ درسگاہ، دارالافتا، دارالقضا اور میدان مناظرہ میں کوئی ان کا بدل نہیں۔ جس ادارہ میں تشریف لے گئے، اس کی شہرت سربام پہنچی۔ وقار سر فلک پہنچا۔ جس مناظرہ میں شریک ہو گئے، فتح کی ضمانت بن گئے۔ جس سیمینار میں اپنا مقالہ پیش فرمایا۔ ان کی تحقیق حاصل سیمینار رہی۔ مجلس مذہبی ہو یا ادبی، جس میں بھی بیٹھ گئے، میر مجلس قرار پائے۔ کاروان علما و فقہا میں امیر کارواں لوگوں نے تسلیم کیا۔ علم کا پہاڑ، ادب کی چٹان، زبان کا بادشاہ، جو ہیں۔ کھان پان، رہن سہن، پوشاک میں نہایت اعلیٰ ذوق کے مالک ہیں۔

فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ العالی اعلیٰ اچھوتا قلمی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ اسلوب تحقیق نہایت بلند ہے۔ ہم جیسوں کا وہاں گذر کہاں؟۔ یہ تو اہل نظر خوب محسوس کرتے ہیں۔ تحقیق تو تحقیق ہے، حرف آخر نہیں، مگر کبھی کبھی ان کی تحقیق حرف آخر بن جاتی ہے اور پورا ملک صاد کرتا ہے۔ اسلوب تحقیق سے ہٹ کر تحریر بھی جداگانہ مردانہ ہے۔ نرگسیت، نسائیت، روباہیت نام کو نہیں۔ گفتگو بھلے ہی فقہی اصولی کیوں نہ ہو، اردو ادب کا اردو پن، سبک پن، سادگی، شگفتگی اور بانکپن برقرار رہتا ہے۔ دلیلیں گو عربی فارسی میں ہوں۔ مگر ترجمہ، تشریح، تفہیم میں وضاحت اور قطعیت پوری جلوہ سامانی کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ اغلاق، الجھاؤ سے پاک تحریر، اردو ٹھوس ہوتی ہے۔ عربیت، فارسیت یا مولویت سے بوجھل نہیں ہوتی۔

فقیہ النفس فرماتے ہیں:

> "مضمون نگاری بچپن یعنی طالب علمی کے زمانہ سے شروع کر دی تھی۔ پچاس سے زائد مضامین و مقالات ہند و پاک کے مؤقر جرائد میں چھپ چکے ہیں۔ جن میں بعض مقالات رسائل کی

صورت بھی اختیار کر گئے ہیں'۔

سستی شہرت و ناموری کے وہ قائل نہیں۔ ورنہ وہ کتابچوں اور کتابوں کی تعداد بڑھا سکتے تھے۔ یوں بھی ان کا نام چوتھے فلک پر شہاب ثاقب کی طرح دمک رہا ہے۔ مضامین اور مقالوں کے علاوہ بعض درسی و غیر درسی تصانیف کی ایک نا تمام فہرست یہ ہے:

[۱] ازہر قواعد، مدارس اسلامیہ کے بچوں کے لئے 'نحو میر' کے طرز پر فارسی قواعد، غیر مطبوعہ

[۲] ازہر اصول، غیر مطبوعہ، درسیات

[۳] ازہر منطق، غیر مطبوعہ، درسیات

[۴] ازہر فلسفہ، غیر مطبوعہ، درسیات

[۵] ازہر فرائض، غیر مطبوعہ، درسیات

[۶] الدین المظفر، مطبوعہ، علمائے دیوبند کے وہ ستر سوالات، جن کے جواب کو انہوں نے جھریا [دھنباد] مناظرہ کے لئے شرط قرار دیا تھا۔ ردومناظرہ

[۷] شیخ کی تصویر، 'الجمعیہ' دہلی کے شیخ الاسلام نمبر کی روشنی میں مولانا حسین احمد مدنی کے احوال، مطبوعہ ماہنامہ 'نوری کرن' بریلی وغیرہ میں قسط وار اشاعت۔ ردوتنقید

[۸] حرف آخر، مطبوعہ، ردوتنقید

[۹] نذر آخر، مطبوعہ، ردوتنقید

[۱۰] قول فیصل، مطبوعہ، امام اعظم کے مذہب کے مطابق لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا درست نہیں۔ تنقید و تنقیح

[۱۱] اہل قبلہ کی تکفیر، مطبوعہ، فقہ وکلام

[۱۲] پروفیسر کعبی کا تنقیدی جائزہ، مطبوعہ، شعروادب، تنقید و تفہیم

[۱۳] امام احمد رضا حقائق کے اجالے میں، مطبوعہ، سیرت، سوانح، تحقیق

[۱۴] فیصلۂ حق، مطبوعہ، فقہ وکلام، تحقیق و تنقیح

[۱۵] اذان کا مسئلہ، غیر مطبوعہ، فقہ وحدیث، تحقیق وتنقید

[۱۶] سنت کیا ہے؟۔ مطبوعہ، حدیث وفقہ

[۱۷] فیصلہ کن مناظرہ کا تنقیدی جائزہ، غیر مطبوعہ، ردومناظرہ، تنقید و تنقیح

[۱۸] اسلام کا تصور زکوٰۃ، مطبوعہ، فقہیات ومعاشیات

[۱۹] ہندوستانی مسلمان اور بنک کے کاروبار، فقہیات و معاشیات

[۲۰] ہندوستانی مسلمان اور فرقہ بندیاں، تاریخ و تحقیق

(۱) فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن رضوی زید مجدہٗ کی اصل شناخت، افتا کی مہارت، فقہی، اصولی، کلامی جزئیات پر عبور اور رد و مناظرہ ہے۔ فتاویٰ کے رجسٹر اور قضایا کے فیصلے، جہاں کہیں رہے، وہاں محفوظ ہوں گے۔ کچھ تو ان کی تحویل میں بھی موجود ہوں گے۔ جن کو مرتب کیا جائے، تو کئی مجلدات ہوں گی۔ جن کی ترتیب وطباعت کی طرف ان کے اعزہ وتلامذہ کو فی الفور متوجہ ہو جانا چاہیے کہ حیات میں جو کام ہو جاتا ہے، تو ہو جاتا ہے اور اس کی استنادی حیثیت بھی مشتبہ نہیں، مسلم ہوتی ہے، بعد میں کوئی توجہ دے، نہ دے، یوں یہ کام سرد خانہ میں پڑ سکتا ہے۔ رہی بات رد و مناظرہ کی، تو اس کی سب تو نہیں، کئی رودادیں چھپ چکی ہیں۔ یادداشتوں اور ان کی خود نوشت کی مدد سے کچھ مناظروں کے نام، مقام، تاریخ درج ذیل ہے:

[۱] مناظرہ کوسیاری، ۱۹۷۴ء، بحیثیت معاون مناظر، مفتی مناظر حسین سنبھلی اور شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی علیہما الرحمہ مناظر تھے۔ اس کی روداد شمس العلما نے 'قہر خداوندی بر فرقہ دیوبندی' کے عنوان سے مرتب کی تھی۔ واضح رہے، کوسیاری شمس العلما کا گاؤں ہے۔

[۲] مناظرہ راج محل، جھارکھنڈ، ۱۹۷۵ء، بمقابلہ مولوی اختر حسین دیوبندی بھاگل پوری۔

[۳] مناظرہ کدوا، کٹیہار، صدارت وشرکا، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی، حضرت مفتی حسن منظر قدیری، حضرت مولانا رحمت حسین کلیمی بائسی۔

[۳] مناظری نیپال، بمقابلہ مولانا محمد ایوب صاحب مدنی، مولانا موصوف حق بیں تھے۔ انہوں نے حق قبول کرلیا اور دیوبندیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔

[۴] مناظرہ ارریہ،

[۵] مناظرہ اکبرپور، رہتاس، بمقابلہ مولوی طاہر حسین گیاوی۔

[٦] مناظرہ جھریا، ۱۹۷۷ء، بحیثیت معاون مناظر

[۷] مناظرہ کٹک، بحیثیت معاون مناظر

[۸] مناظرہ آشاپور، مالدہ، بنگال، ۱۹۸۰ء، بمقابلہ مولوی اختر حسین بھاگل پوری۔ اس مناظرہ حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی بھی تھے۔

[۹] مناظرہ کلکتہ، بمقابلہ مولوی طاہر حسین گیاوی، یہ مناظرہ ڈی ایس پی کی آفس میں

ہونا طے تھا، مگر مولوی طاہر گیاوی مناظرہ گاہ میں نہیں پہنچے۔

[۱۰] مناظرہ پورنیہ،

[۱۱] مناظرہ شام پور، رائے گنج، بنگال، بمقابلہ مولوی طاہر حسین گیاوی۔

[۱۲] مناظرہ داتون، اڑیسہ، مولوی طاہر حسین گیاوی، جو مناظر تھے، اسٹیج پر نہیں پہنچے۔ جب کہ مناظر اہل سنت اور علمائے اہل سنت ایک دن پہلے ہی مناظرہ گاہ پہنچ چکے تھے۔

[۱۳] مناظرہ بنگلور، دیو بندی علما اسٹیج پر نہیں آئے۔

[۱۴] مناظرہ رانی گنج، آسنسول، دیو بندی علما نہیں آئے۔

[۱۵] مناظرہ گلسی، بردوان،

[۱۶] مناظرہ اٹارسی،

[۱۷] مناظرہ دمکا، جھارکھنڈ، مولوی مبارک اور مولوی سکندر نے توبہ کی۔

(۲) مفتی صاحب کا مزاج صرف تنقیدی و تردیدی نہیں، اس سے زیادہ وہ مثبت سوچ رکھتے ہیں اور تعمیری کام کے قائل ہیں اور اس کے صرف قائل ہی نہیں، بلکہ عامل بھی ہیں۔ وہ تعمیری کاموں میں جی جان سے حصہ بھی لیتے ہیں۔ کرتے بھی ہیں اور کرواتے بھی ہیں۔ تعلیم مسلم معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے لئے پل پل وہ کوشاں رہے ہیں۔ جس مدرسہ میں گئے۔ کچھ نہ کچھ ترقی ضرور کر دکھائی۔ یہ ان کے تعمیری، تحریکی، تعلیمی دماغ کی ہی اپج ہے۔ دار العلوم حنفیہ کھگڑا میں صرف چار برس رہے۔ مگر اس کی شہرت زمین سے آسمان تک پہنچائی۔ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ تشریف لے گئے۔ تو تعلیم، افتا، تربیت افتا اور تعمیر مکانات میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔ ایک شام وہ، مالدہ مناظرہ کے لئے گئے۔ فتح ہوئی۔ مقامی مسلمان گرویدہ ہو گئے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے وہاں بہت بڑی زمین حاصل کی اور بہت بڑا ادارہ قائم فرمایا۔ اب کشن گنج میونسپلٹی میں بہت بڑا رقبہ حاصل کر کے تعمیری کام کروا رہے ہیں۔ چھوٹے بڑے مکاتب و مدارس کی تعداد تو غالباً پچاس سے زائد ہوگی۔ فقیہ النفس خود فرماتے ہیں:

'جہاں بھی جلسہ میں جاتا ہوں، وہاں اگر اہل سنت کی کوئی درسگاہ نہیں ہے، تو تحریک کر کے مکتب یا مدرسہ کی بنیاد رکھواتا ہوں۔ اس طرح چھوٹے مکاتب اور مدارس کی تعداد پچاس سے متجاوز ہوگی۔ بڑا مدرسہ 'جامعہ نوریہ' شام پور کا قیام ہے، جو تقریباً دو

ایکڑ کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ جس میں اب تک چہار دیواری کے ساتھ اکیس کمرے تعمیر ہو چکے ہیں اور عالمیت تک کی تعلیم ہو رہی ہے۔ فی الحال کشن گنج کے قریب پونے تین ایکڑ زمین میں 'جامعہ عائشہ' اور بچوں کے لئے دینیات کی تعلیم کے ساتھ اسکول کی تعمیر کا کام سست روی سے جاری ہے'۔

(۳) تعلیم گاہوں، عبادت گاہوں کی آپ نے بنیادیں رکھی ہیں۔ کئی مساجد کی تعمیر یا تعمیر جدید میں سرگرم حصہ لیا ہے۔ مستقل از سرِ نو مسجدیں بھی بنوائی ہیں اور ان کی تعمیر مکمل کرائی ہے۔ آپ خود ہی فرماتے ہیں:

'قوم کو توجہ دلا کر ایک درجن سے زائد جگہوں پر مسجدیں بنوا چکا ہوں۔ نوری مسجد چانچل، سنی مسجد بارسوئی، جامع مسجد ایٹہار رائے گنج میری ہی جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ جامعہ قادریہ مظہر العلوم علی پور، کلیا چک [مالدہ] میں میری ہی تگ و دو کے نتیجہ میں حضرت شیخ ابو بکر کیرالا کے ذریعہ شاندار مسجد تعمیر ہوئی'۔

(۴) کچھ شعرا کی شاعری محض ذہنی عیاشی ہوتی ہے یا پھر خیالی پلاؤ، ایسی شاعری مجاز محض تو ہو سکتی ہے۔ ایمانی بالیدگی، روحانی مزاج کا درجہ کبھی نہیں پا سکتی ہے۔ جو شاعری، اس درجہ کی ہوتی ہے۔ دینی قدروں کی حامل شخصیات نے جو شاعری کی ہے، وہ اسی درجہ کی شاعری ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ افتا و قضا سے منسلک افراد کی زبان کاٹ دار ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس کا مزاج تعزیری ہوتا ہے۔ ادب لطیف یا فنون لطیفہ کی زبان طرح دار اور لچک دار ہوتی ہے۔ اصحاب افتا و قضا اس معیار پر اتر نہیں سکتے۔ یہ خیال خام خیالوں کا تو ہو سکتا ہے۔ دل داروں کا نہیں۔ علما کی شاعری، ادبا کے لئے باعث حیرت ہوتی ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ دل لگی، دل دہی اور دل داری کیا چیز ہوتی ہے۔ حضرت گرامی موصوف مفتی ہیں، قاضی ہیں، فقیہ ہیں، مگر دیکھئے۔ ذرا ان کی شاعری کی لطافت دیکھئے۔ زبان کی حلاوت دیکھئے۔ فقیہ النفس نے شاعری اس وقت شروع کی، جب آپ بریلی میں زیر تعلیم تھے۔ اپنے مرشد کریم سرکار مفتی اعظم ہند سے اصلاح لیتے تھے۔ لوح بدایونی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ مضطر آپ کا تخلص ہے۔ اب ذرا نمونہ کلام دیکھئے۔ مگر جستہ جستہ، بستہ بستہ دیکھنا ہو، تو ان سے ملئے یا ان کی بیاضوں کو کھولیے۔ یہاں تو صرف مثالوں کی ہی گنجائش ہو سکتی ہے۔

نمونۂ اشعار نعت

غریبوں کے دل بے کسوں کے سہارے دو عالم کے ہیں تیرے در سے گزارے
تو موجوں میں پیدا ہوئے ہیں کنارے پکارا ہے طوفاں میں جب بھی ان کو
زہے سبز گنبد کے دلکش نظارے خشا خلد طیبہ کا پر کیف منظر
تو بھولیں وہ جنت کے رنگیں نظارے کبھی شیخ دیکھیں جو طیبہ کا منظر
سمٹ آئے دامن میں لاکھوں ستارے بہائے جو عشق محمد میں آنسو
ملک چومتے ہیں لبوں کو ہمارے زباں پر یہ اوصاف ہیں کس کے مضطر

نمونۂ اشعار منقبت

رسول پاک کی اس شہر پہ کتنی عنایت ہے
بریلی میں مزار تاجدار اہل سنت ہے
ترا ہر کام سنت ، ہر سخن تیرا شریعت ہے
اطاعت اے رضا تیری شہ دیں کی اطاعت ہے
گھٹا چھائی ہے کفر و شرک کی ہر سو زمانے میں
پھر اس دور فتن میں اے رضا تیری ضرورت ہے
عجم سے تا عرب کہتے ہیں جس کو مفتی اعظم
وہی شیخ طریقت جانشین اعلیٰ حضرت ہے
رہا ہوگا سکندر کوئی اس کو ان سے کیا نسبت؟
یہ وہ ہیں دوستو! جن کی ہر اک دل پر حکومت ہے
لحد کی ظلمتوں سے خوف کھاؤں کس لئے مضطر
مثال ماہِ تاباں ہوں مجھے نوری سے نسبت ہے

متفرق اشعار غزل

دونوں بے مثل ہیں زمانے میں ہم وفاؤں سے تم جفاؤں سے
کون اپنا ہو پھر زمانے میں دل ہی اپنا نہیں جب اے مضطر

....

جوانی، حسن، عشوہ، پاکپن، شوخی ادائیں سیکڑوں اور ایک دل تنہا
جام و مینا ہو تو خلوت ہو مضطر تشنہ کام ہو ساقی

قطعات

میں رہا جس وقت تک تو رنگ میخانہ رہا پھر نہ وہ محفل نہ وہ ساقی نہ وہ پیمانہ رہا
لب پہ ہر اہل سخن کے میرا ہی افسانہ سہی لیکن اپنے درد سے مضطر میں بے گانہ رہا

....

پتلیوں میں جلوۂ مستور رہے میرے سینے میں نبی کا نور ہے
قلب مضطر میں ہے آقا جلوہ گر کون کہتا ہے کہ طیبہ دور ہے

....

شب معراج کے قوسین شرحِ میم احمد ہیں یہی وہ فاصلہ ہے جس پہ قربت ناز کرتی ہے

....

دل میں تھا دیکھی نہیں شکل رضا نا رسا کتنا ہوں قسمت دیکھیے
غیب سے ہاتف نے مضطر دی صدا مفتی اعظم کی صورت دیکھیے

....

قافلۂ حجاج کی روانگی پر

مدینہ جانے والے جا رہے ہیں مراد زندگانی پا رہے ہیں
کسی کی یاد تازہ کر کے مضطر دل مہجور کو تڑپا رہے ہیں

....

صوفی اقبال احمد بریلوی کے سفر حج کے موقع پر

ان کو معراج محبت مل گئی یہ ہیں قسمت کے سکندر دیکھیے
ڈال کر اقبال کی آنکھوں میں آنکھ گنبد خضرا کا منظر دیکھیے

(۵) فقیہ النفس کی شادی ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ معزز خاندان کے تھے۔ معزز قبیلہ میں نکاح ہوا۔ اہلیہ نیک خاتون تھیں، پابند شرع تھیں، جب تک اس جہاں رہیں، فقیہ النفس کی زندگی زعفران زار بنی رہی۔ اب تو خدا کو پیاری ہو چکی ہیں۔ خدا ان کو ہر کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ فقیہ النفس کی اولاد چار ہیں۔ لڑکے تین اور لڑکی ایک ہے۔ جو شادی شدہ اور نہایت

خوشحال ہے۔ لڑکے سب تعلیم یافتہ ہیں۔ چھوٹا لڑکا قابل عالم دین بھی ہیں۔ باپ کی نشانی ہیں۔ نام مولانا محمد احمد رضوی ہے۔ فقیہ النفس نے ۲۰۱۰ء میں حج بھی کیا ہے۔ اس سفر مبارک کے علاوہ افریقہ کا تبلیغی دورہ بھی کیا ہے۔

کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج میں علمائے کرام کی بڑی کثرت ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد خاندانی زمیندار علما کی ہے۔ جو وقار علم اور عزت نفس کی پاسدار بھی ہے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی، فقیہ لاثانی حضرت مفتی محمد عبیدالرحمٰن رشیدی، فقیہ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی کا شمار انہی علما میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ علما کہیں ایک جگہ جم کر نہیں رہے۔ دینی ضرورت انہیں کشاں کشاں لئے جاتی رہی۔ کہیں مزاج میل نہیں کھایا۔ کہیں آب وہوا راس نہیں آئی۔ کہیں عزت نفس کی قیمت پر رہنا پسند نہیں کیا۔ درسگاہی چپقلش، اساتذہ کی رسہ کشی، جوڑ توڑ کی گندی پالیسی، خالص دینی تعلیمی ماحول میں سیاسی چال بازی یا بلفظ دیگر زمانہ سازی و بوالہوسی، ایسی فضا میں بھلا کون شریف شخص یا بھلا انسان کیونکر سانس لے سکتا ہے۔ اس تعلق سے مفتی مطیع الرحمٰن رضوی سے سوال ہوا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب سے بھی پوچھا گیا تھا۔ یہاں مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی کا جواب سنیے:

سوال: عام رائے یہ ہے کہ آپ بہت دنوں تک کسی ایک ادارہ سے وابستہ نہیں رہ سکتے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟۔

مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر: آپ کا یہ سوال سنجیدہ بھی ہے اور خاص پر لطف بھی۔ مجھے اس پر حافظ شیرازی کا مصرع یاد آ رہا ہے۔

ع: کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا۔

غالباً اس طرح کا خیال کرنے والے بیشتر وہ افراد ہیں، جو گورنمنٹ سے منظور شدہ مدارس میں ہیں اور حکومت سے تنخواہ پاتے ہیں کہ ملت کو کہیں اور کیسی ہی ضرورت کیوں نہ درپیش ہو، وہ وہاں نہیں جاسکتے۔ کیوں کہ یہاں کے فوائد انہیں وہاں حاصل نہیں ہوسکتے، ورنہ ہمارے سامنے اکابر کی زندگیاں ہیں، جو:

خنجر چلے کہیں پر تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کے مصداق تھے۔ حضرت محدث سورتی، حضرت صدر الشریعہ، حضرت ملک العلما وغیرہ کن کن بزرگوں کے نام لوں۔ سبھی حضرات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے اور دین کی ضرورتیں پوری فرماتے رہے۔ میں نے بھی کئی جگہ تبدیل کی ہے۔ ادارۂ شرعیہ بہار ہی دوبار آیا، گیا ہوں۔ سردست وہیں پر آنے جانے کے اسباب کا تذکرہ کر دینا کافی ہوگا کہ:

ع: قیاس کن زگلستان من بہار مرا

یہ غالباً ۱۹۷۸ء کی بات ہے۔ میں مدرسہ فیضیہ ایشی پور، بھاگل پور میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا۔ ادارۂ شرعیہ کے واحد مفتی وقاضی مولانا فضل کریم صاحب، جو شدید علالت کی وجہ سے تقریباً دو ماہ سے اپنے گھر ضلع سیتامڑھی میں قیام پذیر تھے۔ ان کے متعلق یہ خبر پھیل گئی کہ وصال فرما گئے۔ حالاں کہ یہ خبر غلط تھی۔ وہ باحیات تھے۔ البتہ مرض کی شدت سے کبھی کبھی سکر کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ سوچ نہیں سکتے کہ اس خبر سے بانی ادارہ حضرت علامہ ارشد القادری کی کیا کیفیت ہوئی؟۔ وہ ہوش وحواس گم، افتاں وخیزاں سیتامڑھی کے بجائے ایشی پور، بھاگل پور پہنچ گئے۔ درد بھرے دل اور ڈبڈباتی آنکھوں سے ادارۂ شرعیہ میں میری ضرورت کا مجھے احساس دلایا اور مدرسہ کے ناظم اعلیٰ جناب صدیق صاحب سے بات کی۔ علامہ نے ادارۂ شرعیہ کا قرار واقعی تعارف اور بروقت اس کی ضرورت کو بیان کر کے صدیق صاحب سے فرمایا:

'ادارۂ شرعیہ پورے بہار کے اہل سنت کا مرکزی ادارہ ہے اور فیضیہ سمیت صوبہ کے سارے مدارس اس کے ذیلی ادارے ہیں۔ ہم مفتی صاحب کو فیضیہ سے مستقل طور پر نہیں لے جا رہے ہیں۔ ہنگامی حالات کے تحت ڈپوٹیشن کے طور پر چلیں۔ انہیں فیضیہ ہی کے مدرس اور ڈپوٹیشن کے اصول پر تنخواہ بھی فیضیہ ہی ادا کرے۔ ادارے میں

جوں ہی دوسرے آدمی کا انتظام ہو جائے گا۔ وہ واپس آجائیں گے‘‘۔

حضرت علامہ کی ان باتوں کا جواب صدیق صاحب بچارے کیا دے سکتے تھے۔ مجبور ہو گئے اور مفت کی ادائیگی تنخواہ سے بچنے کے لئے مجھے فیضیہ کی خدمت سے سبکدوش کر دیا۔ اس طرح میں پہلی بار ادارۂ شرعیہ پہنچا۔ پھر کچھ دنوں بعد قاضی فضل کریم صاحب بھی صحت یاب ہو کر آگئے۔ ابھی مجھے ادارۂ شرعیہ کی خدمت کرتے ہوئے صرف ایک سال ہوا تھا کہ ایک نئی افتاد آپڑی۔

ضلع کٹیہار میں مولانا حفیظ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ مشہور خانقاہ و مدرسہ ہے۔ مولانا موصوف مشرقی بہار کے وہ تنہا بزرگ ہیں، جو ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کے اندر ندوہ کے خلاف منعقد شدہ اہل سنت کی ہفت روزہ عظیم کانفرنس میں شریک رہے تھے اور امام احمد رضا کو مجدد کا خطاب دیئے جانے کی تائید فرمائی تھی۔ شروع ایام سے آپ ہی کی نسل کا ایک فرد، جو بچپن میں گھر سے فرار ہو گیا تھا اور بد مذہبوں کے مدرسہ میں جا کر تعلیم حاصل کر لی تھی۔ وہ اپنی ہوشیاری اور صلح کل کی پالیسی سے مدرسہ اور خانقاہ پر قابض ہو گیا تھا۔ جس سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہاں کے متعلقین و منتسبین کے عقائد نہ بگڑ جائیں۔ اس لئے اس پورے علاقے کے علما اور عمائدین اہل سنت نے اس خانقاہ و مدرسہ کو واگزار کرنے کے لئے مجھے مجبور کیا۔ اس طرح میں ادارۂ شرعیہ چھوڑ کر وہاں چلا گیا اور کئی سال کی مسلسل علمی، قانونی اور عملی جد و جہد کے بعد الحمد للہ مدرسہ و خانقاہ واگزار ہو گئی، تو اسے اسی خاندان کے سنی صحیح العقیدہ افراد کے ہاتھوں سونپ کر الگ ہو گیا۔

دوسری بار میں استاذ گرامی حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی کے زیر سایہ دار العلوم نور الحق فیض آباد میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا کہ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ادارۂ شرعیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ملک بھر سے نمائندہ بہاری علما، دانشوران

اور عمائدین اہل سنت کی جنرل میٹنگ بلائی۔ فیض آباد سے حضرت خواجہ صاحب کے جلو میں میں بھی حاضر ہوا۔ دو شبانہ روز کی بحث و تحیص اور کامل غور وخوض کے بعد متعدد نئی کمیٹیوں کی تشکیل ہوئی۔ مجلس عاملہ کے صدر ممبر پارلیامنٹ مولانا عبید اللہ خان اعظمی، مہتمم مولانا محمد ایوب مظہر منتخب ہوئے اور انہوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا عہد کیا۔ پورے صوبے میں بیداری لانے کے لئے اصلاح معاشرہ کانفرنسوں کا انعقاد کیا جانا طے کیا گیا۔ ضلعی شاخوں کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ افتا وقضا کی تربیت کے لئے نئے شعبے کے اضافہ کی تجویز ہوئی اور اس کے لئے حضرت علامہ کی تحریک پر سب نے بیک زبان میرے نام پر صاد کی۔ میں نے اپنی کم علمی اور بعض دوسری وجوہات کی بنا پر مسلسل انکار کیا، تو حضرت علامہ نے میری ایک نہیں سنی اور نہایت ہی رقت بھرے لہجے میں فرمایا:

'مفتی صاحب! ادارۂ شرعیہ کے قیام کا محرک اول اور بانی میں ضرور ہوں۔ مگر اس کی بنا میں بقدر نصیبہ اس وقت کے سارے اکابر کا حصہ ہے۔ بالخصوص اہل سنت کے تاجدار اور آپ کے پیر ومرشد حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی عین مرضی کے مطابق، انہی کی حمایت کے سایہ میں اس کا قیام ہوا ہے۔ اگر حضرت کی توجہ خاص، علمی وفکری سرپرستی ہمیں حاصل نہ ہوتی، تو ہم ہرگز ادارۂ شرعیہ کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ مگر وائے! ہماری محرومی ونامرادی کہ جن عظیم مقاصد کے لئے اس کا وجود ہوا تھا، ان کی تکمیل تو کیا ہوتی ...... کن کا گلہ کریں کہ صحیح معنوں میں اس طرف پیش قدمی بھی نہیں ہو سکی۔ میں اگرچہ اس وقت بھی جوان نہیں تھا۔ مگر اب تو عمر طبعی کی آخری منزلوں میں ہوں۔ اس لئے اس کی باگ ڈور آپ جیسے جوانوں کے ہاتھوں میں دے کر اس کے اپنے اہداف کو پالینے کا دن دیکھنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ کسی طرح تیار ہی نہیں ہوتے۔ تو کیا اس کے لئے آسمان سے

کوئی آدمی ٹپکے گا یا پردۂ غیب سے نمودار ہوگا؟'۔

مولانا عبید اللہ خان اعظمی نے فرمایا:

'مفتی صاحب! اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے الگ الگ صلاحیتوں کے افراد پیدا فرمائے ہیں۔ہم جو کچھ کر سکتے ہیں۔وہ آپ سے ہرگز نہیں ہوگا اور آپ جو کر سکتے ہیں،وہ ہم کسی طرح نہیں کر سکیں گے۔لیکن ہم اور آپ مل جائیں گے،تو سب کچھ کیا جا سکے گا۔آج ہم اور ہمارے رفقا ادارہ شرعیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنا خون تک دینے کو تیار ہیں۔کمی ہے،تو صرف ایک آپ کی طرف سے۔سن لیجیے! اب خدا نہ کردہ ادارۂ شرعیہ اپنے مقاصد کو پانے میں ناکام رہا،تو خدا کے یہاں صرف آپ جواب دہ ہوں گے'۔

اس پر میں نے دارالعلوم نورالحق فیض آباد کے سرپرست مولانا محمد حنیف صاحب بستوی مرحوم سے اپنے معاہدہ کی بات کی،تو حضرت علامہ اور مولانا عبید اللہ خان اعظمی نے ان سے اجازت دلوانے کا ذمہ اپنے سر لے لیا اور چند دنوں کے بعد حضرت علامہ کا پر زور تفصیلی خط لے کر مولانا عبید اللہ اعظمی مولانا حنیف صاحب سے ملے اور نہ جانے ان سے کیا کیا کہا کہ مولانا مرحوم نے خوشی اور افسوس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مجھے اجازت دے دی۔اس طرح میں ایک بار پھر ادارۂ شرعیہ آ گیا۔مگر کیا عرض کروں کہ ابھی چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ مولانا عبید اللہ اعظمی منصب صدارت سے مستعفی ہو گئے۔سال تمام ہونے پر مولانا ایوب صاحب بھی اہتمام سے علاحدہ ہوئے اور میں پھر بھی تقریباً پانچ سال تک ادارہ کی خدمت کرتا رہا۔یہ میری یہاں سے وہاں ہونے کی داستانیں ہیں۔اگر اس طرح میرا منتقل ہونا جرم ہے،تو بے شک میں نے جرم کیا ہے اور دانستہ کیا ہے۔ع: شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم'۔

[الف:انٹرویو: ماہنامہ جام نور دہلی،فروری ۲۰۰۴ء

ب: روبرو، حصہ اول، مرتبہ خوشتر نورانی، مطبوعہ دہلی، ص:۳۱۶ تا ۳۱۹]

اس مضمون کی تیاری براہ راست حضرت مفتی صاحب سے پوچھ پوچھ کر ہوئی ہے۔ پہلی نشست بمبئی میں تھی۔ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور مغل پیلس دہلی دربار ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ یہ ۹ر ستمبر ۲۰۰۸ء کی تاریخ تھی اور دوسری بیٹھک دارالعلوم مظہر الحق کلیا چک، ضلع مالدہ، بنگال میں تھی۔ یہ ۲۱ر مئی ۲۰۱۱ء کا دن تھا۔ روداد سفر کا وہ اقتباس دیکھیے، لکھا تھا:

'۲۱ر مئی: آیئے! آج رائے گنج، مالدہ چلتے ہیں۔ دو دن پہلے فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی کو فون کیا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ فرمایا:

'آج ہی تو مالدہ آیا ہوں۔ پہلے خبر ہوتی، تو رک جاتا۔ خیر اب آپ آجایئے۔ کہیے۔ کب آتے ہیں'۔

میں نے آج کا وعدہ کرلیا۔ میرا جذب دروں ہے، جو آمادۂ سفر کرتا ہے۔ بائسی مولانا حافظ محمد مشتاق جیلانی ساتھ ہوتے ہیں۔ روانگی صبح ہوتی ہے۔ کوئی چار بجے علی پور کلیا چک پہنچتے ہیں۔ پہلے کھانا کھاتے ہیں۔ پھر گفتگو شروع ہوتی ہے۔ بیچ بیچ میں ان کا فون اور لیپ ٹاپ جاری رہتا ہے۔ عصر، مغرب، عشا بعد ہم برسر مطلب آتے ہیں۔ ان کی زندگی کی آدھی کہانی کوئی دو برس قبل قید کیا تھا۔ جب آپ بمبئی تشریف لائے تھے۔ یہ ۹ر ستمبر ۲۰۰۸ء کی تاریخ تھی۔ مغل پیلس دہلی دربار ہوٹل میں آپ کا قیام تھا۔ اب نصف آخر کہانی قلم بند ہوتی ہے۔ وہ بھی سرسری اور اجمالی۔ آپ بہت مصروف ہیں۔ وقت دینے، حالات بتانے کے قائل نہیں۔ میرا اصرار بے جا نے ان کو مائل بہ کرم کردیا۔ باتوں بات میں رات ڈھل چکی ہوتی ہے۔ ہر طرف تاریکی، سناٹی پھیل چکی ہوتی ہے۔ ہم ہی تین چار لوگ ہیں، جو رات کو حیران کیے ہوئے ہیں۔ غنودگی طاری ہوتی ہے۔ ہم سب سو جاتے ہیں'۔

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش' کا معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص:۱۱۹]

اب کچھ شعری تذکرہ بھی ملاحظہ کر لیجیے:

مطیع دین و ملت وہ مناظر اہل سنت کے
کہ جن کے علم کا چلتا ہے سکہ دیکھتے جاؤ
جلال حیدری تقریر سے ان کی ٹپکتی ہے
جمال مصطفائی کا اجالا دیکھتے جاؤ
لقب ان کا فقیہ عصر ہے وہ ایسے مفتی ہیں
منور اور مجلیٰ ان کا فتویٰ دیکھتے جاؤ
خلافت بھی انہوں نے مفتی اعظم سے پائی ہے
فقیہ عصر کا رتبہ ہے اعلیٰ دیکھتے جاؤ
بریلی سے ہے ان کو گہری نسبت
اس لئے ان سے
مخالف خوف کھاتا ہے ہمیشہ دیکھتے جاؤ
یہ سب فیضان ہے احمد رضا کا ان کی ہستی پر
بجا ہے چاروں جانب ان کا ڈنکا دیکھتے جاؤ

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش' معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص:۱۱۹]

☆ ☆ ☆

فقیہ لاثانی شیخ طریقت
حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب رشیدی مدظلہ

آغاز سخن: بنی باڑی ایک خوش حال وخوش خصال بستی ہے۔ جو علاقہ سالماری، ضلع کٹیہار میں ہے۔ یہاں کے بیشتر باشندے خاندانی اور زمیندار ہیں۔ لیکن اس بستی کی شہرت کا ستارہ اس وقت اوج ثریا پر جا پہنچا، جب محمد سکندر علی نام کا ایک بچہ پیدا ہوا اور پڑھ لکھ کر وہ چراغ پورنیہ حضرت شاہ محمد سکندر علی رشیدی بن کر تابندہ ستارہ کی صورت میں بنی باڑی کے افق پر چمکا۔ دوسری شخصیت حضرت علامہ محمد عبد الرحمٰن قادری کی ہے، جنہوں نے علوم وادبیات میں نہایت نیک نامی چھوڑی۔ ان کے بیٹے مولانا محمد فضل الرحمٰن صاحب اب زندگی کے آخری لگار پر ہیں۔ تیسری شخصیت علم وعمل اور صحبت شیخ کی تپیدہ حضرت حکیم محمد لطیف الرحمٰن رشیدی کی ہے۔ حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی انہی حکیم صاحب کے نامور ترین فرزند فرید ورشید ہیں اور اس وقت اپنے علم وبرتری اور فضل وکمال کی بنیاد پر خانقاہ عالیہ رشیدیہ جون پور شریف کی مسند سجادگی کی زیب وزینت ہیں۔

اساسِ مضمون: میں نے جب قدیم پورنیہ کی بلند پایہ شخصیات اور قابل توجہ موضوعات پر کچھ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، تو سرسری اور سطحی طور پر اس کام کو نہیں کیا۔ بلکہ اس کے لئے باقاعدہ وقت لگایا۔ سرمایہ صرف کیا۔ پھر گھر گھر اور در در کی خاک چھانی۔ حاصل شدہ مواد، مسموعات اور مشاہدات کا گہرا مطالعہ کیا۔ پھر تحقیق وتجزیہ کے بعد موضوعاتی لحاظ سے کتابی صورت میں اہل علم اور ارباب دانش کی خدمت میں پیش کیا۔ قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہ سب سے پہلی باقاعدہ کوشش ہے، جو سیمانچل اور اہل سیمانچل کے تعارف و تذکرے پر تحریری وتحقیقی شکل میں کی گئی ہے۔ اس مطالعاتی دورے کی ایک کڑی حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب رشیدی کی ملاقات ومعلومات بھی ہے۔ تو پہلے پڑھ لیجیے، حضرت سے ملاقات ومعلومات اور اخذ مواد وکتب کی تفصیل۔ تاکہ پتا چلے کہ مضمون کی اساس کیا ہے۔

۹ر مئی ۲۰۱۱ء: آج میں دوپہر بعد گھر سے نکلا۔ عصر بعد بائسی

سے چمنی بازار کے لئے روانہ ہوا۔ ساتھ میں جو پھول تھا، وہ میرے باغِ حیات کا دوسرا پھول محمد رمان رضا تھا۔ حدودِ درگاہِ بندگی میں داخل ہوا، تو اذانِ مغرب ہو رہی تھی۔ باب المسجد میں وارد ہوا، تو صحنِ مسجد میں صاحب سجادہ حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن مد ظلہ سے آنکھیں چار ہو گئیں۔ سلام کیا۔ دست بوسی کی۔ نمازی حضرات، زائرین، طلبہ سب کھڑے تھے۔ میں نے وضو کیا۔ با جماعت نماز ہوئی۔ ابھی میں صحنِ مسجد میں در و دیوار، پھولوں کی کیاریاں، انار کا جھاڑ دیکھ ہی رہا تھا، خصوصاً کاسنی کی خوشبو، جو پورے صحن کو معطر کئے ہوئے تھی، سے مخمور ہو ہی رہا تھا کہ زیب سجادۂ عالیہ رشیدیہ کا بلاوا آ گیا اور میں ان کے حجرۂ خاص میں حاضر ہو گیا۔ رسمی گفتگو ہوئی۔ چائے ناشتے سے تواضع کی گئی۔

آج وہاں اسی وقت حضرت مولانا حکیم محمد لطیف الرحمٰن رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کا قل تھا۔ جو صاحب سجادہ کے والد بزرگوار تھے۔ قل کی تیاری ہوئی۔ مخصوص خانقاہی معمولات کے مطابق قل شریف ہوا۔ تمام مزارات مقدسہ پر حاضری دی۔ تب خانقاہ واپس آئے۔ نماز عشا با جماعت ہوئی۔ جس میں مرشد و مرید، مخدوم و خادم سب شریک تھے۔ نماز بعد دار العلوم مصطفائیہ کی طرف چلا گیا۔ احباب و زائرین سے علیک سلیک ہونے لگی۔ کئی لوگ مجھے پہلی بار دیکھ رہے تھے اور تپاک سے مل رہے تھے۔ اتنے میں حضرت والا کا پھر بلاوا آ گیا۔ مولانا محمد صبغۃ اللہ رشیدی نے کہا حضرت صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ دستر خوان تیار ہے۔ اس مخصوص ماحول میں صاحب سجادہ کو وہاں حضرت صاحب کہا بولا جاتا ہے۔ خیر، میں حاضر ہوا۔ نیاز اور لنگر طعام موجود تھا۔ لذت کام و دہن سے سرشار ہو گئے۔

خانقاہِ رشیدیہ کا دستور ہے۔ پہلے تمام خاص و عام زائرین کھانا کھا لیتے ہیں۔ تب زیب سجادہ تناول فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا کھانا ذرا لیٹ سے ہی ہوا۔ تناول طعام کے بعد مریدین کے ملنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مشیخت و

مرشدی بھی عجب چیز ہے۔ ہزار دکھڑے، داستانیں، مسائل، سوالات ہیں، جو مرشد تنہا نپٹارا کرتا ہے۔ خیر یہ سلسلہ ذرا تھما، کچھ خواص رک گئے۔ تب مرشد گرامی، فقیہ لاثانی حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی مدظلہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے 'کاملانِ پورنیہ' کا ایک نسخہ پیش کیا۔ میں نے دیکھا۔ خوشی سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دعاؤں سے نوازا۔ پھر خانقاہِ رشیدیہ کے کوائف پر روشنی ڈالنے لگے۔ بزرگانِ رشیدی و دیگر صوفیائے متقدمین کی باتیں سناتے رہے۔ خواص، جو رکے تھے، وہ تو چل دیئے۔ محمد رمان بھی ایک نیند پوری کر چکا تھا۔ مولانا صبغۃ اللہ رشیدی، جو میرے بڑے کرم فرما ہیں، یہ تھے اور میں تھا۔ ہم دونوں کی آنکھیں بھی جھپکی لینے لگیں۔ رات کی سیاہی تو پہلے ہی پھیل چکی تھی۔

مگر حضرت صاحب موڈ میں تھے۔ ایک سے ایک نادر نکتہ، ایک سے ایک نفیس بات گوش زد کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت اور سرکار آسی کے کئی اہم واقعات سنائے۔ اس دوران انہوں نے بتایا کہ جلالۃ العلم حضرت شاہ مفتی محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ کی دو کتابیں ان کی تحویل میں ہیں، جو قلمی ہیں۔ اب تو میں چمک اٹھا۔ غنودگی زائل ہوگئی۔ فرمایا:

'ایک تو 'آدابِ دستر خوان' ہے۔ دوسری 'آثار قدم رسول' ہے'۔

آدابِ دستر خوان تو دیکھ چکا تھا۔ دو تین صفحے قبل ہی مل چکے تھے۔ اب پوری کتاب کی حصول یابی کی راہ روشن ہوگئی۔ لیکن 'آثار قدم رسول' میرے لئے نئی دریافت تھی۔ 'حیات قطبِ پورنیہ' اور 'نگارستانِ یوسف' کا مسودہ، جو سامنے ہی رکھا ہوا تھا، یہ دیکھ کر فرمایا:

'جب اتنا کام آپ نے کرلیا ہے۔ تو یہ دونوں مسودے بھی میں آپ کو دے دوں گا'۔

یہ سن کر تو میرے شدر حال کی معراج کی ہوگئی۔ اب رات بوڑھی ہو چکی تھی۔ جب کہ ہماری نیند شباب پر تھی۔ پھر یہ پاکیزہ

نشست ختم ہوئی۔ خواب گاہیں انتظار میں تھیں۔ مولانا محمد صبغۃ اللہ رشدیدی اور مولانا محمد ممنون رشیدی نے میرے لئے بہترین انتظام کیا تھا۔ اپنی خواب گاہ میں ہم جیسے ہی پہنچے۔ غلبۂ نوم نے ہمیں فوراً ہی اپنی باہوں میں دبوچ لیا۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ تو نماز فجر ہوئی۔ کئی آشنا، زیادہ نا آشنا حضرات 'کاملانِ پورنیہ' کی تصنیف و طباعت پر مبارک باد دینے لگے۔ حضرت مولانا عبد الرشید رشیدی سابق ناظم دار العلوم مصطفائیہ، میر عبد الرب، حافظ محمد ممنون، ماسٹر محمد نعمان رشیدی ہری پوری، ماسٹر غلام شاہد بتھا والے، ڈاکٹر محمد عبد المقیت رشیدی سالماری والے وغیرہ۔

حضرت مولانا عبد الرشید قبلہ سے میں نے خواہش ظاہر کی۔ احاطہ مزارات پہ صباحیہ و الوداعیہ حاضری آپ کی معیت میں ہو، تو زہے نصیب! فرمایا: 'پہلے صبوحی چائے پی لیجیے۔ چائے بسکٹ سے تواضع کرائی۔ پھر ساتھ ہو گئے۔ قدیم درگاہ، جدید درگاہ پہ حاضری دی۔ فرداً فرداً فاتحہ پڑھا۔ قدیم درگاہ میں قطب الاقطاب دیوان جی حضرت محمد رشید رحمۃ اللہ بانی خانقاہ رشیدیہ جون پور کے والد بزرگوار، دو بھائی اور دیگر محو خواب ہیں۔ جدید احاطۂ درگاہ میں با کرامت ولی کامل حضرت مولانا محمد سکندر علی بینی باڑی، ان کے صاحب زادے مادر زاد ولی محمد ابو القاسم، حضرت مولانا محمد حکیم لطیف الرحمٰن [رات قل انہی کا ہوا تھا] وغیرہ ابدی نیند سو رہے ہیں۔

آخر میں ہم وہاں حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھا۔ جہاں ضیغم ملت زعیم العلما شیخ الاسلام حضرت علامہ شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی علیمی رشیدی علیہ الرحمہ آرام فرما ہیں۔ حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب قبلہ، جو مجھے بھیگی پلکوں سے حاضری دلا رہے تھے، تاریخ کی تہہ اور پرت اٹھا اٹھا کر علمی، روحانی کڑیاں بھی سنا رہے تھے۔ یہ روداد سفر ہے۔ کڑیاں محفوظ

ہیں۔ پھر کبھی زینت نگاہ کروں گا۔ ابھی ہم بارگاہوں سے پلٹے نہیں تھے کہ مولانا صبغۃ اللہ رشیدی نے بتایا: حضرت صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ ناشتہ تیار ہے' جھٹ پٹ نہایا، عادت جو ٹھہری۔ حاضر خدمت ہوا۔ ناشتہ کیا۔ اب آنے جانے والوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت صاحب کو اپنی بستی بینی باڑی بھی جانا تھا۔ جلدی جلدی معاملہ نپٹا رہے تھے۔ میری طرف بھی توجہ تھی۔ علمی باتوں سے نواز بھی رہے تھے۔

میں تاک میں تھا۔ عرض کیا: بینی باڑی جانے کی اجازت ہو، تو جلالۃ العلم کے دونوں مسودے لیتا آؤں۔ فرمایا: پرسوں میرا باہر کا سفر ہے۔ کل کا وقت ہے۔ گھریلو کام بھی ہے۔ اس لئے اس وقت اس کی فرصت نہیں۔ رابطہ رکھیئے، آئندہ کوئی صورت نکلے گی' اتنے میں سواری آ گئی۔ مجھے بھی بٹھا لیا۔ پورنیہ کٹیہار موڑ پہنچ گئے۔ فرمایا: آپ کام کر رہے ہیں۔ خوشی ہوتی ہے۔ بزرگوں کا فیضان آپ پر جاری رہے گا۔ اچھا، خدا حافظ' حضرت صاحب وایا کٹیہار بینی باڑی تشریف لے گئے'

[سفر نامۂ پورنیہ، از غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۱۱ء، ص: ۵۸/ تا ۶۱]

'۲/ جون ۲۰۱۱ء: میں کشن گنج روانہ ہوتا ہوں۔ یہاں سے تین بجے میری ٹرین داناپور ہے۔ کشن گنج پہنچ کر معلوم ہوا۔ حضرت مفتی عبید الرحمٰن صاحب اپنی بستی بینی باڑی میں ہیں۔ فون کیا۔ باریابی کی اجازت مل گئی۔ اب نیت بدل گئی۔ پٹنہ کا ٹکٹ کنسل کیا۔ سالماری کا ٹکٹ لیا۔ مغرب سے ذرا قبل سالماری پہنچا۔ ڈاکٹر عبد المقیت صاحب اور مولانا محمد مجیب الرحمٰن صاحب یہاں میرے میزبان تھے۔ مگر پہنچ کر فون کیا، تو دونوں کا موبائل سوئچ آف بتایا۔ مولانا مفتی انوار القادری شجر سایہ دار بن کر آئے۔ مجھے لے کر اپنے مدرسہ خواجہ نگر لے گئے۔ یہ اور ان کے بھائی پیر طریقت مولانا ضیاء القادری تواضع سے پیش آئے۔ رات یہیں قیام کیا۔

۳؍جون ۲۰۱۱ء: صبح سالماری سے بنی باڑی حاضر ہوا۔ جب تک پہنچ نہیں گیا، حضرت مفتی صاحب اور ان کے خادم مولانا نور عالم کا فون آتا رہا۔ حضرت مفتی صاحب مانند چاند ضوبار ہیں۔ مریدین، عقیدمند مثل ہالہ گھیرے بیٹھے ہیں۔ میں حاضر ہوا، تو ساری توجہ میری طرف مبذول ہو گئی۔ چائے ناشتہ سے تواضع ہوئی۔ گفتگو کا سلسلہ چلا، تو چلتا ہی رہا۔ اول تو انہوں نے جلالۃ العلم شاہ محمد یوسف علیمی علیہ الرحمہ کے وہ دونوں مسودے عنایت فرمائے، جس کا ذکر ۹؍مئی کو چمنی بازار شریف میں کیا تھا۔ پھر خطوط و کاغذات کے پلندے نکالے۔ ان میں سے چن کر بہت کچھ میں نے رکھ لیا۔

تب گزارش کی۔ آپ اپنے کچھ احوال حیات نوٹ کرائیں۔ یہاں وہ کترا گئے۔ دوسری، تیسری گفتگو شروع کر دی۔ سنتا رہا۔ بیچ بیچ میں گزارش کرتا رہا کہ 'کاملانِ پورنیہ' کی دوسری جلد میں اگر آپ کے حالات شامل نہ ہوئے، تو کتاب ادھوری سمجھی جائے گی۔ یہ سن کر مسکرایا، پھر فرمایا: میری خانقاہ کی یہ روایت نہیں ہے' عرض کیا: اب تو یہی روایت چل پڑی ہے۔ بلکہ لوگ خودنوشت چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر مسکرایا۔ بہرحال میں اصرار کرتا رہا۔ حضرت صاحب ٹالتے رہے۔ البتہ قلمی، علمی واقعات سناتے رہے۔ درمیان میں کرید کرید کر میں اپنے مطلب کی باتیں نکالتا رہا۔ میں جب قلم پکڑوں، تو فرماتے: پہلے سن لیجیے' یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔

جب تک دوسرا واقعہ شروع ہو جاتا۔ فرماتے: پہلے یہ سن لیجیے۔ ہر بار ایسا ہی ہوتا۔ مگر میں چوری چوری کچھ نہ کچھ نوٹ کرتا گیا۔ یہ مجلس دوپہر تک رہی۔ پھر نماز وطعام کے بعد قریب چھ بجے شام تک رہی۔ عصرانہ کے بعد وہ خطوط و کاغذات لے کر روم ہاٹ آیا۔ مولانا نور عالم صاحب ساتھ رہے۔ یہاں فوٹو کاپی بنوائی۔ اصل

واپس کر دی۔ عکس رکھ لیا۔ اب شام کی شفق غائب، سیاہی چھانے لگی۔ میں ٹیمپو پکڑا۔ سیدھے سالماری آ گیا۔

۴؍ جون: ۲؍ کو اس حساب سے نکلا تھا کہ ۴؍ جون کو بچوں کا پٹنہ سے ٹکٹ تھا۔ میرے بچے ۱۶؍ اپریل کو چھٹی گزارنے وطن گئے ہوئے تھے۔ اب ۴؍ تاریخ کو میں سالماری، بارسوئی میں ہوں۔ بچے اپنے دو ماموں کے ساتھ گیارہ بجے پٹنہ سے [بمبئی] روانہ ہو گئے۔

[مرجع سابق، ص: ۸۴، ۸۵]

اور میں بعد میں آیا۔ ٹکٹ بھی ضائع ہوا۔ تلاش و دریافت کی یہ تھی میری دیوانگی یا فرزانگی۔ واپس آ کر جون کے اخیر میں یہ سفرنامہ لکھ رہا تھا کہ:

'۲۲؍ جون کو یہی [سرگذشت] زیر تحریر تھی۔ خانقاہِ رشیدیہ جون پور کے صاحب سجادہ حضرت مفتی محمد عبید الرحمن مدظلہ کا فون آیا۔ فرمانے لگے:

'آپ کی کتاب 'کاملانِ پورنیہ' مطالعہ کیا۔ سبحان اللہ کیا خوب ہے۔ آپ نے یہ بیڑا اٹھا کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا۔ خدا آپ سے اور کام لے۔ غیب سے وسائل پیدا فرمائے۔ خیر، جب آپ دوبارہ وطن آئیں گے، تو خانقاہ کے مخطوطات و نوادرات آپ کی نظر سے گزارا جائے گا۔ آپ کی طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ کچھ علمی کام ہو جائے۔ خدا کرے، ایسا ہی ہو'۔

[مرجع سابق، ص: ۸۹، ۹۰]

پیدائش و تعلیم: اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

'میں بینی باڑی میں ۱۳۶۲ھ میں پیدا ہوا۔ ایام طفلی کے کچھ ہی دنوں بعد چمنی بازار شریف آ گئے۔ وہاں والد ماجد حکیم صاحب دار العلوم مصطفائیہ میں فارسی کے استاذ تھے۔ یہیں میں نے حروف تہجی کی شناخت کی اور قریب دس سالوں میں 'شرح جامی' تک پڑھ ڈالی۔

اسی سال [۱۳۶۲ھ] دار العلوم مصطفائیہ قائم ہوا۔ بانی ادارہ شاہ محمد یوسف رشیدی اور حضرت حکیم لطیف الرحمٰن صاحب میں باعتبار طریقت ومشرب دوستانہ تعلقات تھے۔آپ نے ہی حکیم صاحب کو یہاں استاذ مقرر کیا۔ جیسا کہ شیخ الاسلام شاہ غلام غلام محمد یٰسین رشیدی کو کیا تھا۔ خیر 'شرح جامی' تک پہنچنے میں بالعموم لڑکوں کی عمریں پندرہ سولہ برس کی ہو جاتی ہیں۔ تو خلاصہ یہ ہوسکتا ہے کہ مفتی صاحب پانچ چھ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ چمنی بازار شریف آ گئے اور پلے بڑھے۔ بقول آپ کے ۱۳۶۸ھ سے باقاعدہ تعلیم کی شروعات ہوئی۔ قاعدہ، قرآن ناظرہ اور فارسی تک کی تعلیم اپنے والد گرامی سے پائی۔ میزان تا شرح جامی شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی سے پڑھی۔ اس بیچ دوسرے اساتذہ بھی تھے۔ مگر ایک شفیق استاذ، دردمند سرپرست اور مربی خاص شیخ الاسلام ہی رہے۔ بلکہ تعلیم وتربیت اور زندگی کے ہر موڑ پر شیخ الاسلام ہی کی شفقت کا سایہ دراز رہا۔

دوسرا دور: تعلیم کا دوسرا دور چمنی بازار شریف کی تعلیم کے بعد شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی نے آپ کو جامعہ حمیدیہ بنارس بھیج دیا۔ اس وقت یہاں کے اساتذہ میں شمس العلما حضرت قاضی مفتی محمد شمس الدین جعفری رضوی جون پوری اور استاذ المتکلمین حضرت علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ پھر وہاں سے ۱۹۶۳ء میں جامعہ مظہر اسلام بریلی شریف چلے گئے۔ یہاں آپ نے ایک ہی سال پڑھا۔ لیکن اسی ایک سال میں آپ کے اندر خاصی تبدیلی پیدا ہوگئی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ:

'پہلے مجھے فن نحو سے لگاؤ تھا۔ یہاں آنے کے بعد فن معقولات سے دلچسپی پیدا ہوگئی'۔

تیسرا تکمیلی دور: یہ تیسرا اور آخری دور ہے۔ ۱۹۶۴ء میں شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی علیہ الرحمہ کی خواہش پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ آ گئے اور ملاحسن کی جماعت میں داخلہ لیا۔ مسلسل چار سال آپ نے یہاں خوب محنت ودل جمعی سے تعلیم حاصل کی۔ اساتذۂ کرام میں حافظ ملت حضرت شاہ محمد عبد العزیز مرادآبادی، حافظ ملت کے دست راست حضرت علامہ حافظ محمد عبد الرؤف بلیاوی، اشرف العلما حضرت سید شاہ حامد اشرف کچھوچھوی اور ظفر ادیبی مبارک پوری تھے۔ چار برس بعد ۱۹۶۷ء میں فاتحۂ فراغ پڑھا۔ حضرت علامہ حافظ محمد عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ سے آپ نے درج ذیل کتابوں کا درس لیا۔ ملاحسن، ملا جلال، میر

زاہد مع حاشیہ غلام یحی، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، امور عامہ مع حاشیہ میر زاہد۔

فیضانِ نظر: حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب بچپن سے ذہین وفطین تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ الاسلام غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ جھنی بازار شریف میں تو اپنے زیر سایہ ہی رکھا۔ جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس، مظہر اسلام بریلی شریف اور مبارک پور میں بھی شیخ الاسلام کی شفقت اور فیضان نظر جاری رہا۔ بریلی میں سرکار مفتی اعظم ہند اور مبارک پور میں حافظ ملت سے سفارش کر کے سہولت فراہم کروائی۔ حکیم محمد لطیف الرحمٰن شاہدی کا خط دیکھ کر حافظ ملت نے فرمایا: تردد کی کوئی وجہ نہیں، عبید الرحمٰن کے وظیفہ کا انتظام کیا جائے گا۔ لیکن ترک تعلیم نہ ہونے دیا جائے گا'۔

حافظ ملت: شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی کے بعد سب سے زیادہ شفقت حافظ ملت اور حافظ محمد عبد الرؤف بلیاوی فرماتے تھے۔ تعلیمی وظیفہ جاری کیا۔ اگر کبھی آپ غیر حاضر رہتے، تو حافظ ملت ضرور پوچھتے کہ عبید الرحمٰن کہاں ہے اور کیوں غیر حاضر ہے۔ اگر آپ بیمار ہوتے، تو حافظ ملت علیہ الرحمہ دریافت فرماتے اور عیادت کرتے۔ جب آپ مرحلۂ تکمیل میں تھے، تو حافظ ملت نے آپ کو زیریں جماعت کے طلبہ کے لئے 'معین المدرسین' منتخب کیا۔ یوں آپ کی صلاحیت نکھرتی چلی گئی۔ حضرت علامہ حافظ محمد عبد الرؤف صاحب قبلہ نے بھی آپ کی استعداد کے جلا بخشنے میں خاصا کردار ادا کیا تھا۔ انہی کی تاکید وفرمائش پر حضرت مفتی صاحب نے پڑھی ہوئی کتابوں کا خلاصہ اور مطالعہ کا نوٹس اور حاصل مطالعہ کے طور پر درسی اور غیر درسی مطالعات ومعلومات کی کئی کاپیاں تیار کر ڈالیں۔ یہ مرتب ہو جائیں، تو اچھا خاصا علمی ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ یہ بات حضرت مفتی صاحب نے دوران گفتگو بتائی۔

آغاز تدریس: مبارک پور میں آپ نے سرگرمی سے حصول علم کیا اور اساتذۂ کرام کی شفقتوں سے بھی سرشار رہے۔ فراغت کے سال قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری نے حافظ ملت کو خط لکھا کہ اب کے برس کے فارغ التحصیل طلبہ میں جو سب سے زیادہ اچھا اور فن منطق میں قابل ہو، اسے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے لئے منتخب فرما کر بھیج دیا جائے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس وقت کے نو فارغ نوجوان فاضل مولانا محمد عبید الرحمٰن صاحب کو صدر مدرس بنا کر ۱۲۰/روپے ماہانہ تنخواہ پر جمشید پور روانہ کر دیا۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ جمشید پور پہنچ گئے اور درس وتدریس میں لگ گئے۔

ارشد تو ارشد ہی ٹھہرے۔ حافظ ملت ہی کے دست آئینہ ساز کے تراشیدہ تھے۔

نگاہِ ارشد: علامہ ارشد صلاحیتوں کو تاڑنے والی نگاہ رکھتے تھے۔ فوراً ہی تاڑ گئے کہ یہ علمی ہیرا تو جوانوں اوران کی جوان صلاحیتوں کو تاڑنے والی نگاہ رکھتے تھے۔ فوراً ہی تاڑ گئے کہ یہ علمی ہیرا تو کوہِ نور سے کم نہیں۔ پھر تو خاطر تواضع، خلق حسن اور حسن سلوک کا خوب مظاہرہ فرمایا۔ زعفرانی چائے، ناشتہ اور کھانے کا خاص خیال رکھا جانے لگا۔ بسا اوقات اپنے گھر سے پر تکلف اشیائے خوردونوش مہیا کرائیں اور کبھی اپنے پاس بیٹھا کر لذت کام ودہن کا سامان بہم پہنچایا۔ اس طرح اُنہوں نے قدردانی کی اور اِنہوں نے اپنی لیاقت واستعداد کا استعمال ہنرمندی اور چابک دستی سے کر کے علامہ ارشد القادری کا دل جیت لیا۔ اب آپ کی تنخواہ ۱۵۰ ؍روپے ماہانہ ہو چکی تھی۔

فتوی نویسی: علم تازہ تھا۔ درسگاہ مل چکی تھی۔ حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صاحب درس وتدریس میں خوب منہمک تھے۔ اِدھر علامہ ارشد القادری نے ہر طرح دیکھ لیا تھا۔ پرکھ لیا تھا۔ ایک دن فرمایا کہ: آپ میں بھرپور صلاحیت ہے۔ آپ فتوی بھی لکھا کریں'۔ یہ کہہ کر افتا کا قلمدان سپرد کر دیا۔ اب آپ کے سامنے ایک نیا میدان تھا۔ اس عمر کے مولانا محمد عبید الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ:

> 'میں نے ہاں کہا اور 'فتاوی رضویہ' کا بالاستیعاب مطالعہ شروع کر دیا۔ بکثرت دیکھا اور بکرات ومرات مطالعہ کیا۔ جب سوالات سامنے آئے، تو پہلے خود سے جواب لکھتا۔ پھر 'فتاوی رضویہ' سے ملاتا اور مطابقت کرتا۔ دیکھا کہ ستراسی فی صد مطابقت ہو رہی ہے۔ تب پھر جم کر محنت کیا اور سوالات کے جوابات صد فی صد درست ہونے لگے۔ بلفظ دیگر کہہ سکتے ہیں کہ میں نے 'فتاوی رضویہ' سے فتوی نویسی سیکھی۔ سائلین، مدرسین، حتی کہ حضرت علامہ ارشد القادری بھی سو فی صد مطمئن تھے۔ میرے یہی فتاوے حضرت علامہ اپنے رسالہ 'جام نور' جو ان دنوں کلکتہ سے شائع ہوتا تھا، میں 'باب الاستفتا' کے تحت چھاپنے لگے۔

آپ مدرسہ فیض العلوم میں صدر المدرسین تو تھے ہی، اب آپ باقاعدہ منصب افتا پر بھی فائز تھے۔ جب کہ تدریس وافتا کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔

نبی خاتم: قیام جمشید پور ہی کے دوران حضرت علامہ ارشد القادری نے 'جام نور' کے پلیٹ فارم سے 'خورشید رسالت نمبر' شائع کرنے کا اعلان دیا اور قلمکاروں کو مضامین لکھنے کی دعوت دی۔

مفتی محمد عبید الرحمٰن سے بھی فرمائش کی کہ وہ بھی مضمون لکھیں۔ علامہ ہی نے یہ عنوان بھی دے دیا تھا: 'خاتم النبیین: علمائے امت کی نظر میں'۔ مفتی صاحب کہتے ہیں کہ 'میں نے مضمون لکھ کر علامہ کو دکھایا۔ بعد مطالعہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ 'آپ میں مضمون نگاری کی مکمل لیاقت موجود ہے۔ آپ مضمون بھی لکھا کریں'۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ 'جام نور' کلکتہ کے 'خورشید رسالت نمبر' میں 'نبی خاتم' کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہی مضمون مفتی صاحب کے دوران قیام گھوسی بعد ترتیب جدید و اضافہ 'اختیارات نبوت' کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہوا۔

صبح بنارس: شام اودھ اور صبح بنارس کسے عزیز نہیں۔ آب و دانہ نے آپ کو جمشید پور سے بنارس منتقل کر دیا۔ یہ منتقلی حضرت علامہ حافظ محمد عبد الرؤف صاحب قبلہ بلیاوی علیہ الرحمہ کے ایما پر ہوئی۔ اس وقت جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں شمس العلما حضرت قاضی محمد شمس الدین رضوی جون پوری علیہ الرحمہ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے۔ یہاں آپ نے ان کے زیر سایہ دو تین سالوں تک تدریس وافتا کے فرائض انجام دیئے۔ بقول آپ کے آپ نے یہیں تقریر کرنے کی بھی شروعات کی۔ روزانہ دو تین محافل میلاد میں تقریر کرنے لگے۔ تدریس وافتا کے بعد اب میدان تقریر و خطابت میں بھی آپ کی شہرت ہونے لگی اور آپ ایک کامیاب مقرر کی حیثیت سے بھی ملک میں متعارف ہونے لگے۔

بمبئی کی بہار: اشرف العلما حضرت سید شاہ حامد اشرف کچھوچھوی جامعہ اشرفیہ مبارک پور آپ کے استاذ رہ چکے تھے۔ عرصہ بعد اب یہاں بمبئی میں سنی دار العلوم محمدیہ کے روح رواں تھے۔ دار العلوم کی طرف سے آپ کو یہاں آنے کی دعوت دی گئی اور پھر بمبئی کی بہار کی کشش نے آپ کو بنارس سے اٹھا کر بمبئی پہنچا دیا۔ اسی برس دار العلوم محمدیہ میں دورۂ حدیث کا افتتاح ہوا تھا۔ درس حدیث دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے فتوی نویسی بھی کی۔

علما کی صحبت: اس دور کے بمبئی میں اہل سنت کا ایک سنہرا دور تھا۔ دار العلوم محمدیہ کا عروج تو تھا ہی۔ تنظیمی اور تحریکی سطح پر 'سنی جمعیۃ العلما' بمبئی، جس کی قیادت و صدارت سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ برکاتی مارہروی کے مقدس ہاتھوں میں تھی، بمبئی ہی کیا، پورے مہاراشٹرا، بلکہ ملک کے آفاق پر چھائی ہوئی تھی۔ تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی نورانی سرپرستی میں 'سنی جمعیۃ العلما' کے زیر نگرانی دس روزہ مجالس محرم خوب جمتی تھیں۔ 'جلوس غوثیہ' دھوم سے نکلتا

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی دل سوز و دل روز خطابت کا چرچا ہر سو جاری تھا۔
تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت مفتی محمد عبید الرحمن صاحب کی قدر دانی اور سراہنا زبان زد عام تھی۔ علما و مشائخ میں علمی مذاکرہ و مباحثہ بھی ہوتا تھا۔ حضرت مفتی محمد طیب دانا پوری سے بحث ہوئی، تو حضرت سید العلما نے خوب سراہا۔ اسی طرح سید العلما نے دار العلوم محمدیہ کے طلبہ کا امتحان لیا، تو مفتی صاحب کے انداز تدریس و تفہیم کی بھی تعریف کی۔ کوئی ایک صاحب مولانا جان محمد صاحب تھے، جنھوں نے مفتی صاحب سے منہ لگانے کی کوشش کی۔ مفتی صاحب چوکنے والے تو تھے نہیں۔ معاملہ سید العلما تک پہنچا۔ سید العلما نے جائزہ لیا اور مفتی صاحب کے حق میں فیصلہ سنایا۔ حضرت مفتی صاحب کی ترغیب پر بہت سے طلبہ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ دار العلوم محمدیہ میں آپ صرف ایک سال ہی رہے۔ یہ ساری باتیں ۱۹۷۲ء کی تھیں۔

چمنی بازار: شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی آپ کے دیرینہ علمی سرپرست تھے۔ ان کی فرمائش پر آپ دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں آگئے۔ یہاں بھی آپ نے صرف ایک سال ہی فریضۂ درس انجام دیا۔ پھر حافظ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف بھیج دیا۔ ایک آدھ برس کے بعد آپ پھر دار العلوم امجدیہ ناگ پور چلے گئے۔ جہاں دو تین سال تدریس و افتا کی خدمت انجام دی۔ ناگ پور کے قیام کے دوران ناگ پور کے جڑواں شہر کامٹی سے ایک سوال آیا۔ جس کا جواب آپ نے تحریر کیا۔ اس جواب پر کچھ علمی بحث بھی ہوئی۔ لیکن آپ نے اپنے علمی و فقہی استدلال اور عالمگیری وغیرہ کے حوالے سے سب کو خاموش کر دیا۔ یہ طلاق اور تفویض طلاق کا مسئلہ تھا۔

ندائے حق: دار العلوم ندائے حق جلال پور، فیض آباد ان ایام میں ایک معروف و مشہور ادارہ تھا۔ جہاں اس وقت شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ بر سر تدریس و افتا تھے۔ ناگ پور سے جلال پور آپ چلے آئے۔ ۱۹۷۶ء میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ تو حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی جلال پور سے مبارک پور منتقل ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد ان کی ساری ساری ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی گئیں اور آپ شیخ الحدیث، صدر مدرس اور مفتی کے منصب پر فائز کیے گئے اور آپ کمال ہنر مندی سے سارے فرائض باحسن وجوہ سر انجام دیئے۔

شمس العلوم: جامعہ شمس العلوم گھوسی مشرقی یوپی کا ایک معروف ادارہ تھا اور ہے۔ جب آپ کو شمس العلوم کی طرف سے پیش کش ہوئی، تو ندائے حق سے شمس العلوم آ گئے اور مسلسل پانچ چھ برس یہاں آپ اپنے علم وفن کے جوہر لٹائے۔ یہاں آپ شیخ الحدیث، صدر مدرس اور مفتی ہی رہے۔ گھوسی کا اپنا ایک علمی ماحول تھا۔ مبارک پور بھی قریب ہی تھا۔ اس لئے علما واحباب کی بھی کثرت تھی اور مذاکرہ ومباحثہ کا موقع فراہم تھا۔ یہ سب آپ کے ذوق کی غذا تھی۔ چوں کہ آپ ایک خالص علمی ودینی شخصیت کے مالک ہیں۔ طبیعت میں موشگافی شامل ہے۔ نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ درس وتدریس، تقریر وخطاب، تحریر وتصنیف، رد وہابیت اور مناظرہ ومذاکرہ میں سرگرمی سے مصروف رہے۔

اختتام سفر: ۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۸ء سے جو ایک نہایت سرگرم علمی شروع ہوا تھا، ۱۹۸۶ء میں آ کر وہ یک دم سے تھم کر رہ گیا۔ ملک کے کئی معروف ومشہور اداروں میں کہیں مدرس، کہیں مفتی اور کہیں صدر المدرسین وشیخ الحدیث رہے۔ جب کہ کہیں کہیں دونوں تینوں باوقار منصب پر فائز رہے اور درس وافادہ، تقریر وخطابت، رد ومناظرہ، فتویٰ نویسی اور تحریر وتصنیف کے میدانوں میں ایسی نیک نامی پیدا کی کہ ہندوستان بھر کے وہ علما ومفتیان کرام، جو انگلیوں کے پوروں پر گنے جاتے ہیں، ان میں آپ کا شمار صف اول کے علما ومفتیان کرام میں ہونے لگا۔ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۶ء تک ان اٹھارہ برسوں میں آپ کی تدریس، تقریر، تصنیف، افتا اور رد ومناظرہ کی گونج ملک بھر کے کناروں تک پہنچ گئی۔

مسند سجادگی: بلحاظ طریقت ومشرب آپ آبائی رشیدی ہیں۔ بہت کم عمری میں آپ شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ یہ ۱۹۵۶ء کا سال تھا کہ آپ خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشین سید شاہ مصطفیٰ علی شہید سبز پوش قدس سرہ سے مرید ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں مرشد برحق کی حادثاتی طور پر وفات ہو گئی۔ جب سے ۱۹۸۶ء تک خانقاہ کی گدی خالی رہی۔ ۱۹۵۸ء تا ۱۹۸۷ء کے ان اٹھائیس انتیس برسوں میں شیخ الاسلام شاہ غلام غلام محمد یٰسین رشیدی علیہ الرحمہ خانقاہ عالیہ رشیدیہ کے مختار عام اور کارگزار سجادہ نشین کی حیثیت سے تمام فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۶ء میں حضرت مفتی صاحب گدی نشین نامزد ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں حضرت شیخ الاسلام صاحب کا وصال ہوا۔ صاحب سجادہ کو حضرت شیخ الاسلام، سید شاہ سجاد احمد جعفری پٹنوی اور ان کے والد ماجد سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔

حج وزیارت: حرمین شریفین کی حاضری اور زیارات مقامات مقدسہ ہر مومن کی قلبی اور روحانی خواہش ہوتی ہے۔ یہ خواہش آپ کو تڑپا رہی تھی۔ ۱۹۸۶ء میں آپ گدی نشین منتخب ہوئے اور

۱۹۸۸ء میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔
کارنامے: خانقاہ طیبیہ منڈواڈیہہ، بنارس میں جس تعمیری کام کا ارادہ حضرت شیخ الاسلام اپنے دل میں رکھتے تھے، اب وہ کام اپنے عہد سجادگی میں صاحب سجادۂ رشیدیہ حضرت مفتی محمد عبید الرحمن رشیدی نے پورا کیا۔ خانقاہ شریف کی عمارت خراب وخستہ ہوگئی تھی۔ خانقاہ کی مسجد مرمت طلب حالت میں تھی۔ صاحب سجادہ نے خانقاہ کی از سر نو تعمیر کرائی اور مسجد کی مرمت وتزئین کاری کرائی۔ اس کے علاوہ مفتی صاحب نے خانقاہ کے احاطے میں 'دار العلوم طیبیہ معینیہ' کے نام سے ایک عالی شان ادارہ ۱۹۹۰ء میں قائم کیا۔ جو کئی کمروں پر مشتمل ہے اور جس میں قریب ڈھائی سو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور پندرہ اساتذہ وعملہ ان طلبہ کی تعلیم وتربیت اور خورد ونوش کے انتظام وانصرام میں شب وروز مصروف ومنہمک ہیں۔ دار العلوم میں ایک بڑی لائبریری بھی ہے اور جدید تقاضوں کے مدنظر کمپیوٹر لیب بھی کھولا گیا ہے۔

آپ کی سجادگی کے عہد کا ایک نمایاں کام دہلی میں 'شاہ محمد عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن' کا قیام ہے۔ یہ ایک تحقیقی وتصنیفی اور طباعتی واشاعتی مجمع ہے۔ بطور خاص اس کا مقصد خانقاہ عالیہ رشیدیہ کی تاریخ وتذکرہ، مشائخ رشیدیہ کے حالات وخدمات اور ان کے مخطوطات ونوادرات کی جدید کاری وتزئین کاری کر کے منظر عام لانا اور روشناس خلائق کرنا ہے۔ یہ کام ذرا تاخیر سے شروع ہوا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ہوا تو سہی۔ ورنہ یہاں کے مشائخ ومتعلقین کی زبان پر ہمیشہ اخفائے احوال کا ہی وِرد رہتا ہے۔ اب یہ اظہار احوال کی باقاعدہ پہلی کوشش ہے۔

ردوہابیت: بحث ومباحثہ، تنقید وتعاقب، ردومناظرہ، افہام وتفہیم، احقاق حق اور ابطال باطل یہ سب فن مناظرہ کے مختلف پہلو ہیں۔ جو اظہار حق کے لئے ہوتے ہیں۔ نہ کہ محض مجادلہ ومکابرہ اور محاربہ ومناقشہ کے لئے۔ اس فن کا سراغ تاریخ اسلام کے ہر دور میں ملتا ہے۔ چودھویں صدی ہجری بھی اس فن اور اس کے فنکار سے خالی نہ رہی۔ بلکہ اس صدی ہجری میں کچھ زیادہ ہی مذہبی فتنے برپا ہوئے، لہٰذا اس فن کے ماہرین ومحققین بھی زیادہ ہی پیدا ہوئے اور باطل واہل بطلان کی ہر طرح فہمائش وتفہیم اور زبردست تردید وتعاقب کیا۔ ان بے مثال اور بے بدل مناظرین میں حضرت مفتی محمد عبید الرحمن صاحب کا نام ایک بے حد نمایاں نام ہے۔

ایک واقعہ: یہ دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ردوہابیت اور تحریک آزادی ہند کے امام اول علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے دور برکت خیز میں منطقی وفلسفی اور شاعر وادیب کی حیثیت سے زیادہ مشہور تھے۔ ایک دفعہ کسی مدرسہ میں گئے، تو طلبہ نے بے حد عزت وتوقیر کے آداب بجالائے۔ یہ دیکھ کر

اساتذہ کو ذرا سا برا لگا کہ ہم دن رات محنت کر کے پڑھاتے ہیں۔ تو یہ انداز نہیں ہوتا۔ چنانچہ طے ہوا کہ علامہ تبرکاً ہی سہی، طلبہ کو 'ہدایہ آخرین' پڑھا دیں۔ علامہ بیٹھے۔ اساتذہ بھی بیٹھے۔ کتاب اور طلبہ سامنے آئے۔ ہدایہ کے مصنف کا طریقہ ہے کہ وہ پہلے ہر مذہب فقہ کے دلائل کا ذکر کر کے انہیں رد کرتے ہیں۔ پھر مذہب احناف کا قوی دلائل سے اثبات کرتے چلے جاتے ہیں۔ علامہ نے یہ کیا کہ پہلے مرحلے میں مذہب مالکی کو حق ثابت کر کے دِکھایا۔ دوسرے مرحلے میں اس کا رد کر کے مذہب حنبلی کو درست ٹھہرا کر دِکھا دیا۔ تیسرے مرحلے میں اس کا بھی رد کر دیا اور مذہب شافعی کو برتر ثابت کر دِکھایا۔ تب چوتھے مرحلے میں جا کر تمام کا رد کر کے مذہب احناف کو صحیح تر، برتر اور بلند تر کر کے دِکھا دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر طلبہ ہکا بکا تو تھے ہی، اساتذہ بھی حیران و ششدر تھے۔ اب پتا چلا کہ علامہ منطقی تو ہیں ہی۔ اس سے زیادہ فلسفی ہیں اور فلسفی سے زیادہ فقیہ ہیں۔

سچے مصداق: صاحب تذکرہ حضرت مفتی محمد عبید الرحمن صاحب اس واقعہ کے سچے مصداق ہیں۔ وہ نحوی بھی ہیں اور صرفی بھی۔ محدث تو ہیں ہی، مفسر بھی ہیں۔ منطقی سے زیادہ فلسفی بھی ہیں اور اس سے زیادہ فقیہ بھی ہیں۔ پھر اس سے زیادہ صوفی بھی ہیں۔ وہ شاعر تو نہیں کہ ان کی شاعری نظر سے نہیں گزری۔ لیکن شاعروں سے بڑھ کر شعر فہم بھی ہیں۔ جی ہاں! وہ ایسے عالم ہیں، جو صرف قولی نہیں، عملی بھی ہیں۔ بہر کیف آپ نے اپنی علمی زندگی میں جس فن کا سورما سامنے آیا، اس کو اسی فن کے فنی داؤ پیچ سے فٹافٹ چت لٹا دیا اور آج بھی، جب کہ ایک صوفی شیخ طریقت کا لبادہ اوڑھے بیٹھے ہیں، وقت آنے پر بدمذہبوں کے دانت کھٹے کر دیتے ہیں اور ناک تلے پسینہ لا دیتے ہیں۔ مقابل کیسا ہی کیل کانٹے والا ہو، عقلی اور نقلی دلائل کی کاٹ ایسی تیز اور تیزاب صفت ہوتی ہے کہ مدمقابل پل میں کٹ کر جگہ پر ہی ڈھیر ہو جاتا ہے۔

پہلا قدم: ردوہابیت میں اہل بہار کا پہلا قدم یہ ہے کہ حضرت پیر مجیب اللہ قادری بن مولانا شاہ محمد ظہور اللہ ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۷ء میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۱۲۴ھ/۱۷۲۱ء میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی بنیاد ڈالی۔ پیر مجیب اللہ قادری کا وصال ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء کو ہوا۔ ان کے اول جانشین حیدر نعمت اللہ ولی قادری مجیبی ہوئے۔ ان کا وصال ۱۲۴۷ھ کو ہوا۔ ان کے بعد ان کے فرزند و جانشین پیر شاہ ابوالحسن فرد قادری پھلواروی ہوئے۔ ان کا وصال ۱۲۶۷ھ میں ہوا۔

ہندوستان میں تحریک وہابیت کے اول سرگرم سرغنہ اسماعیل دہلوی نے ۱۲۳۹ھ میں سفر حج کیا۔ تو واپسی براہ کلکتہ و پٹنہ ہوئی۔ اسماعیل دہلوی جب خانقاہ پھلواری شریف میں حاضر

ہوئے، تو یہی شاہ نعمت اللہ ولی قادری نے اپنے فرزند شاہ ابوالحسن فرد کو ان کے سامنے کھڑا کیا اور مسئلۂ شفاعت پر مناظرہ کرا کر اسماعیل دہلوی کو مبہوت و لاجواب کر دیا۔ یہ مناظرہ ۳ رجب ۱۲۳۹ھ کو ہوا تھا۔ [سوانح رفاقتی، از مفتی محمود احمد قادری، درگاہ امین شریعت ٹرسٹ، اسلام پور مظفر پور، ۲۰۱۰ء، ص: ۳۶۴]

دوسرا اقدم: وہابیت اور صلح کلیت کی زبردست تردید میں اہل خانقاہ مجیبیہ پھلواری بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ یہ ان کا دوسرا اقدم تھا۔ مذکورہ بزرگوں کے اخلاف میں سید شاہ محمد بدرالدین قادری چودھویں صدی ہجری کے ربع اول میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین تھے۔ ان کو ۱۹۱۵ء میں برطانوی حکومت نے 'شمس العلما' کا خطاب دیا تھا۔ جو انہوں نے تحریک ترک موالات کے ہنگامی حالات ۱۹۱۹ء میں واپس کر دیا تھا۔ [بہار کے مسلم خواص، از علی اشرف/تقی رحیم، مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۶ء، ص: ۷۱، ۷۲] یہی سید شاہ محمد بدرالدین قادری ندوۃ العلما کے عقائد و نظریات سے سخت مخالف و متنفر تھے۔

[روداد اجلاس اہل سنت، دربار حق و ہدایت، مطبوعہ تحفۂ حنفیہ، پٹنہ، ۱۳۱۸ھ، ص: ۱۴۴]

یہی نہیں، بلکہ انہوں نے ارباب ندوہ کو صاف صاف لکھ دیا تھا کہ: جب تک ندوہ اپنی اصلاح احوال اور مفاسد کو دور نہیں کرتا، میری شرکت نہیں ہوگی'۔ [مکتوب سید شاہ محمد بدرالدین قادری بنام قاضی محمد عبد الوحید فردوسی، ملاحظہ کیجیے: الف: مرآۃ الندوہ، مطبع محمدی، پٹنہ، ص: ۲۸ اور ب: فک فتنہ از بہار و پٹنہ، مطبوعہ بریلی، ص: ۱۲۔ سید شاہ محمد بدرالدین قادری کے بیٹے سید شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی نے ندوہ مخالف اجلاس اہل سنت پٹنہ منعقدہ ۱۳۱۸ھ میں شرکت کی اور اصلاح مفاسد ندوہ میں سرگرم حصہ لیا'۔

[روداد اجلاس اہل سنت بنام 'دربار حق و ہدایت' مطبع 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ، ۱۳۱۸ھ، ص: ۱۶۰]

شاہ محمد سلیمان: شاہ محمد داؤد، جو فیض آباد میں شاہی طبیب تھے، کے بیٹے، اپنے ماموں شاہ محمد نعمت مجیب کے شاگرد، شاہ حبیب علی نصر کے مرید، پھر اپنے حقیقی ماموں شاہ صبغۃ اللہ اور شاہ اشرف مجیب کے مجاز و خلیفہ، قریب چالیس کتابوں کے مصنف، نکتہ سنج اور بذلہ سنج، قہقہہ بردوش اور تہلکہ خیز مقرر، کئی کئی اداروں کے رکن و ممبر، دینی و ملی اور قومی و سماجی کاموں میں پیش پیش رہنے والے شاہ محمد سلیمان پھلواروی ۱۱ محرم ۱۲۷۶ھ/ ۱۰ اگست ۱۸۵۹ء کو پھلواری شریف میں پیدا ہوئے اور ۸۲ برس کی سرگرم زندگی گزار کر وہیں ۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ/ ۳۱ مئی

۱۹۳۵ء میں وصال کیا اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

شاہ محمد سلیمان قادری پھلواروی بقول خود 'اسماعیل دہلوی کے قطعی کفر کے قائل' تھے۔ حوالہ کے لئے دیکھیے: ماہنامہ 'تحفۂ حنفیہ' پٹنہ، شمارہ محرم ۱۳۱۷ھ، ص: ۴۰۔ یہی شاہ سلیمان پھلواروی نہ معلوم کیوں اور کیسے 'ندوۃ العلما' کے جوش حامی اور سرگرم پرچارک تھے۔ جائے حیرت ہے۔ یہی شاہ محمد سلیمان اور ان کے بھائی مولانا محمد ایوب قادری نے اسی سلسلۂ مفاہمت و مصالحت میں تاج الفحول محبِ رسول حضرت شاہ محمد عبد القادر بدایونی سے ۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ کو خانقاہ عالم پناہ حضرت مخدوم محمد عبد الحق رودولی شریف میں دل و جان سے معافی مانگی تھی۔ ملاحظہ کیجیے:

[طلسم کشائے فرزندوہ، از مولانا غلام شبر صدیقی بلندشہری، مطبوعہ بریلی]

مکتوب سلیمان: شاہ محمد سلیمان پھلواروی کی شخصیت پراسرار اور ان کے بیانات میں تضاد بھی نظر آتا ہے۔ لیکن ان کے ایک مکتوب سے ان کی شبیہ کچھ صاف دِکھائی دیتی نظر آتی ہے۔ تاہم ان کا یہ تاریخی مکتوب ہم پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ہندوستان میں مذہبی تاریخ کا بالغ شعور رکھنے والے حضرات اس کا صحیح تجزیہ کرسکیں۔ یہ مکتوب ۱۴ر شوال ۱۳۱۳ھ کا محررہ ہے، جو انہوں نے اعلیٰ حضرتِ امام احمد رضا کو ارسال کیا تھا۔ مکتوب طویل ہے۔ چند سطور نقل کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں:

'اس میں شک نہیں کہ میں ندوہ کا حامی ہوں اور اس کا رکن کہلاتا ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے اپنی دیانت وعقیدہ خراب کرڈالا۔ حاشا وکلا! میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ سے یا علمائے بدایوں سے مخالفت کروں اور رد و کد کا سلسلہ جنبانی شروع ہوجائے، نعوذ باللہ۔

مخدوما! میں تو آپ صاحبوں کا ہم خیال ہوں کابراً عن کابرٍ۔ پھر آج ندوہ کی وجہ سے کیوں ایسا کروں اور میں بلا تقیہ و توریہ پکار پکار کر کہوں گا کہ 'ندوۃ العلما' کے 'الف لام' سے مراد یہی علمائے اہل سنت ہونا چاہیے۔ نہ روافض و خوارج و نیچریہ و وہابیہ خذلہم اللہ الی یوفکون۔ اب رہی یہ بات کہ یہ ندوہ میں کیوں شریک ہوئے اور کیوں نہ نکالے جائیں گے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اراکین ندوہ اور آپ بزرگان سب لوگ مل کر اس مادہ میں کوئی مشورہ کریں

اور ایک عمدہ صورت داخل وخارج کی قائم کریں۔

میرا ارادہ عین موقع پر بریلی آنے کا تھا۔ مگر ان شورشوں کا مقتضی یہ ہے کہ میں شام وصبح میں وہاں داخل ہو جاؤں۔ ہر چند میں ڈپٹی صاحب کا مدعو ہوں اور وہ میرے مکرم ہیں، مگر اسٹیشن سے اتر کر پہلے جناب شاہ نیاز احمد رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر آپ سے ملوں گا'۔

پھر چند سطر بعد لکھتے ہیں:

'مولانا! میں ننگ خاندان ہوں، مگر نسبت میری کسی بارگاہ میں ضروری ہے۔ کچھ تو پرتو ادھر کا پڑنا چاہیے۔ مولانا! میں نے صدہا کتابیں وہابیہ کی تردید میں لکھی ہیں اور اکثر چھپ کر شائع و ذائع ہوئیں۔ مثلاً ایصال ثواب، درود وسلام، رسالہ حضوری، وغیرہ ذالک، مگر بوجہ خیالات صوفیانہ اب ایسی تحریروں سے [تکدر] ہوتا ہے۔ مجبور ہوں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اس قوم سے راضی ہو گیا۔ یہ میری قلت فرصت اور کثرت مشاغل کا سبب ہے۔ مع ہذا پھر بھی جب اس قوم سے چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے، تو کچھ بول بھی لیتا ہوں'۔

پھر ایک عربی شعر کے بعد لکھتے ہیں:

'اب میں امیدوار ہوں کہ ندوہ کی اصلاح باآشتی ہونا چاہیے اور اس میں کوشش فرمائیے۔ میں بھی ہر طرح سے حاضر ہوں اور اگر اصلاح نہ ہوئی، تو میری شرکت بھی معلوم۔ میں نے جناب مولوی سید محمد علی صاحب سے عرض بھی کیا تھا کہ آئندہ سال سے مجھے رکن انتظامی سے خارج کر دیجیے۔ میں سمجھتا ہوں، وہ زمانہ آ گیا'۔

[ملاحظہ کیجیے: اشتہارات خمسہ، مطبوعہ بریلی، ص: ۳۰، ۴۰]

یہ نکتہ بطور 'جملۂ معترضہ' تھا، جو قدرتی طور پر قدرے طویل ہو گیا۔ خیر اب آئیے۔ اہل بہار کے موقفِ مسلم کے تاریخی تناظر وتواتر میں حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب کے کیے ہوئے مناظروں کا ایک اجمالی بیان سن لیجیے۔

پہلا مناظرہ: یہ مناظرہ اس وقت کیا۔ جب کہ آپ ایک بے ریش طالب علم تھے۔ بے ریش تو آج بھی ہیں کہ ڈارھی سے چہرہ پر نہیں۔ ٹڈی پر تھوڑی سے سفید بال ہیں۔ مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی کی ڈاڑھی سے بھی کم۔ لیکن ہیں دونوں ایک ہی کچھار کے شیر نر۔ سامنے جو بھی آتا ہے۔ مادہ ہی ٹھہرتا ہے۔ خیر جب آپ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے۔ وہیں دیوبندیوں کا ایک بڑا پرانا مدرسہ 'احیاء العلوم' بھی ہے۔ اس مدرسہ کے طلبہ سے مفتی صاحب کی چھیڑ چھاڑ ہوگئی۔ نوبت مناظرہ کی آئی۔ موضوع علم غیب 'ما کان وما یکون' طے ہوا۔ مفتی صاحب اپنے مختصر تن وتوش، مگر مضبوط اعصاب اور دلائل لے کر بھڑ گئے اور فوراً ہی احیاء العلوم کے طلبہ کو فرار وشکست کے رستہ پر لگا دیا۔

دوسرا مناظرہ: یہ مناظرہ اس وقت کیا۔ جب آپ کی عمر کے ساتھ علم بھی جوان اور تازہ تھا اور آپ دار العلوم ندائے حق جلال پور فیض آباد میں بر سر تدریس وافتا اور منصب شیخ الحدیث پر فائز تھے۔ آپ کے اپنے علاقے کروم ہاٹ کے قریب سمن پور کے کچھ نو پید دیوبندی علما نے سوال کیا کہ 'دیوبندیوں کے پیچھے نماز کیوں ناجائز ہے؟'۔ یہی سوال موضوع مناظرہ ٹھہرا۔ آپ نے ہندی کی چندی اور بال کی کھال نکال کر عوام وخواص کو سمجھا دیا اور دیوبندی مولویوں کی زبان سِل کر ہی رکھ دی۔ اس کامیابی کی خبر جب مناظر اہل سنت علامہ ارشد القادری کو ملی، تو علامہ نے مبارک باد دی اور فرمایا: 'مولانا! آپ نے بہت اچھا مناظرہ کرلیا ہے۔ آپ مبارک باد کے مستحق ہیں'۔

تیسرا مناظرہ: یہ مناظرہ گلسی بازار، بنگال میں ہوا۔ موضوع 'کوا کھانا جائز ہے یا نہیں' تھا۔ دیوبندی مولویوں نے شرط رکھی تھی کہ دلیلیں سب قرآن وحدیث کی ہی دی جائیں۔ آپ نے شرط مان لی اور مناظرہ کیا۔ دوران مناظرہ ایسی ایسی جرحیں کیں۔ شقیں نکالیں۔ ایرادات قائم کیے اور سوالات جڑ دیئے کہ دیو کے بندے سر کھجاتے کھجاتے بوکھلا کر رہ گئے۔ اب جائے رفتن، نہ پائے ماندن کا نقشہ سامنے تھا اور ادھر مجمع کے لوگوں نے "مفتی عبید الرحمن صاحب زندہ باد" کا نعرہ لگا کر فتح مبین کی مہر تصدیق ثبت کر دی۔

چوتھا مناظرہ: یہ مناظرہ آشا پور، بنگال میں کیا۔ دیوبندی مناظر مولوی اختر حسین بھاگل پوری تھے۔ اس مناظرہ میں مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب بھی شامل تھے۔ موضوعات چار تھے۔ ان میں ایک موضوع 'محفل میلاد میں سلام وقیام کا جواز وعدم جواز' بھی تھا۔ یہاں بھی وہی شرط تھی کہ دلیلیں قرآن واحادیث سے ہی دی جائیں۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری کہ لوگوں نے اپنے سروں کی آنکھوں سے دیکھا کہ 'جاء الحق وزھق الباطل' کا منظر کیسا ہوتا ہے اور 'فبھت الذی' کا نقشہ کیا ہوتا ہے۔

پانچویں کوشش: یہ کوئی باقاعدہ مناظرہ نہیں۔ بلکہ حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی و گوشمالی کی ایک بلیغ ترین کاوش ہے۔ اس کے پس منظر کی ایک ہلکی سی جھلک یہ ہے کہ برہان پورنیہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمان پوری اس دیار میں ایک صاحب علم صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے وصال [۱۳۳۳ھ] کے بعد ان کے ایک چہیتے شاگرد مولوی محمد عابد چندی پوری ہوائے زمانہ کے شکار ہو گئے تھے اور بدعقیدوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ یہ مفتی محمد عبید الرحمٰن صاحب کی ولادت سے پہلے کی بات ہے۔ تو اس وقت اسی موضع بنی باڑی کے حضرت شاہ محمد سکندر علی رشیدی اور حضرت علامہ محمد عبد الرحمٰن قادری اور جلالۃ العلم حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی ہری پوری نے اپنی بلیغ ترین علمی کوششوں سے مولوی محمد عابد چندی پوری کی بروقت خبر گیری کر کے اس فتنے کو سرد کر دیا تھا۔ لیکن یہ شاہ محمد حفیظ کے ایک شاگرد کی بات تھی۔

اب عرصہ کوئی پچاس برس بعد حضرت شاہ محمد حفیظ کا ایک ناخلف سگا پوتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۸۳ء تکیہ شریف رحمان پور کا ماحول بڑا ہی ہولناک اور ہنگامہ خیز رہا ہے۔ ناخلف پوتا چاہتا تھا کہ اپنے ہی دادا حضرت شاہ محمد حفیظ کے عقیدہ و مسلک کو سبوتاژ کر دیں۔ اس کڑے اور گمبھیر وقت میں علاقے والے کب گوارا کر سکتے تھے کہ صدیوں کے ایمانی و اعتقادی پرمپرا کو ملیامیٹ ہو جانے دیں۔ چنانچہ سارا علاقہ یک جٹ ہو کر ڈٹ گیا اور افہام و تفہیم کی تمام منزلوں سے گزر کر کورٹ کچہری کر کے اس ناخلف پوتا کو دھول چٹا کر رکھ دی۔ پھر تو پتا ہی نہیں چلا کہ جب سے وہ کس گپھا میں روپوش ہو گیا۔ اس پورے معرکے کے سرخیل تھے شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی، مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، فقیہ لاثانی حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی اور وکیل محمد عبد السلام رشیدی وغیرہم جیسے علما و عمائدین۔

تصانیف: صاحب سجادہ حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی ایک صاحب قلم صوفی شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا قلم منجھا ہوا ہے۔ اسلوب عمدہ ہے اور زبان و بیان پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ بلفظ دیگر نپی تلی بات کرتے ہیں اور بچا تلا لکھتے ہیں۔ انہوں نے مصنف بننے کے شوق میں کتابیں نہیں لکھی ہیں اور نہ محض مضمون نگاری کی غرض سے مضمون لکھا ہے۔ وہ اہل علم ہیں۔ علمی نثر لکھتے ہیں اور بوقت ضرورت لکھتے ہیں۔ ان کے کہے کا رد کرنا یا لکھے کا ٹنا اہل علم کے لئے بھی 'کارے دارد' کا مضمون ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ بطور خاص مبارک پور کے فقہی سیمناروں میں چوٹی کے علما و فقہا نے بارہا کیا ہے۔ خیر ان کی تصانیف کم میں کم ہیں۔ لیکن کیف میں بہت ہی بلند پایہ ہیں۔ میری

معلومات میں ان کی چند تصانیف یہ ہیں:

[۱] اختیاراتِ نبوت، یہ کتاب مبارک پور کے ایک غیر مقلد عالم صفی الرحمٰن مبارک پوری کی کتاب بنام 'حق و باطل' کے جواب میں تحریر کی گئی۔

[۲] بیانِ حقیقت، جب آپ جامعہ حمیدیہ بنارس میں تھے، تو ایک دیوبندی شر پسند مولوی نے 'نور حق' نامی کتاب لکھ کر اہل سنت پر طعن و تشنیع کی، اس کے جواب میں آپ نے یہ کتاب لکھی۔

[۳] جواہر الحدیث، یہ کتاب اس وقت کی یادگار ہے، جب آپ سنی دار العلوم محمدیہ بمبئی میں شیخ الحدیث تھے، تب علما و احباب کی فرمائش پر یہ کتاب لکھ ڈالی۔

[۴] آیاتِ نافعہ، [۵] اذکارِ نافعہ، [۶] معمولاتِ قطب الاقطاب۔

یہ تینوں کتب و رسائل ادعیۂ ماثورہ اور اذکار و معمولات پر مشتمل ہیں۔ اصلاح احوال اور ترغیب اعمال کی غرض سے معرض وجود میں آئی ہیں۔ ان کتب و رسائل کے علاوہ ان کے فتاوے کا مجموعہ بھی ہے۔ بعض فتاوے بے حد طویل اور مفصل و مدلل بھی ہیں، جو رسائل کی صورت میں چھاپے جا سکتے ہیں اور مقالات و مضامین بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ جو کچھ تو رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ ان کے خطوط و مکتوبات بھی خاصے کی چیز ہوگی کہ وہ خط و کتابت کے زمانے کے آدمی ہیں۔ فون اور موبائل تو اب آیا ہے۔ نوٹس اور حاصل مطالعہ کے طور پر ان کی کئی بیاضیں بھی ہیں، جو خالص علمی نکات و معلومات اور فوائد و ثمرات پر مشتمل ہیں۔ یہ بیاضیں میری نظر سے گزری ہیں۔ یہ تمام چیزیں موضوعی حساب سے جدید تحقیقی انداز میں مرتب ہو کر چھپ جائیں، تو علوم و معارف کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ آئندہ نسل کے لئے محفوظ ہو سکتا ہے۔

عقد مسنون: اپنے علاقے ہی میں حضرت مولانا میر محمد عبد الستار شاہدی رشیدی موضع دِلال پور کی صاحب زادی سے آپ کا عقد مسنون ہوا۔ تین بیٹیاں اور ایک فرزند ہیں۔ سب شادی شدہ شاد و آباد ہیں۔ فرزند گرامی ہائی ایجوکیٹیڈ ہائی پروفائل ایم اے، پی ایچ ڈی ہولڈر ہیں۔ شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں۔ سعودی عرب بر سر روزگار ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفکر اسلام عالم ربانی
حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی علیہ الرحمہ

مدینہ پہلے یثرب تھا۔ دنیا نہیں جانتی تھی۔ عرب قبائل جانتے ہوں گے، تو جانتے ہوں گے۔ جب باعث کون ومکاں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر یہاں تشریف فرما ہوئے۔ تو یثرب، یثرب نہیں رہا۔ مدینہ منورہ بن گیا۔ کائنات کا بچہ بچہ جاننے لگا۔ یوں ہی کربلا کون جانتا تھا؟۔ مگر حضرت امام حسین کے خونِ شہادت نے شہرت جہاں دانگ عالم میں پھیلا دی۔ بغداد کا نام حکمراں طبقہ کو معلوم رہا ہوگا۔ لیکن حضرت غوثیت مآب کی مقبولیت نے جنگل، پہاڑ، دریا میں آگ لگادی۔ اجمیر شریف، مارہرہ شریف، منیر شریف، سعد اللہ پور شریف، پنڈوہ شریف، کچھوچھہ شریف، گلبرگہ شریف، چمنی بازار شریف اور اب بریلی شریف کا بھی یہی حال تھا۔ معلوم ہوا، غلامان نبی کا قدم، جس بھی نطۂ مجہول پڑجائے، پہنچ جائے۔ وہ دنیا کا مشہور ترین خطوں میں شمار ہوا۔

گانگی ایک دیہقانی یا قصباتی بستی ہے۔ اپنے دیار میں معروف رہی ہوگی، تو رہی ہوگی۔ لیکن جب اپنے وقت کا ایک دیوانۂ نبی نے یہاں اقامت کی، تو اس کی ناموری محض اپنے صوبہ میں ہی نہیں، سرحد صوبہ کے اس پار بھی پھیل گئی۔ اس دیوانہ پروانہ کا نام تھا، حضرت مولانا شاہ محمد شرف الدین لطیفی علیہ الرحمہ، جو اپنے وقت کے ولی کامل، عامل اکمل، عارف عصر اور قدرت کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ حسین تخلیق کے نبی کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلیہ وسلم کے عاشق زار تھے۔

پیدائش: مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی کی جائے پیدائش یہی بستی گانگی ہے۔ جو علاقہ بہار گنج ضلع کشن گنج میں ہے۔ شوال المکرم کا مہینہ تھا۔ سنہ ہجری ۱۳۶۹ھ تھی۔ وہی صاحب دل مقتدر شخصیت حضرت مولانا شاہ شرف الدین لطیفی نے نام رکھا تھا۔ ’محمد مظہر العلاؑ۔ جو تاریخی ہے۔ جس سے سنہ مذکور کا استخراج ہوتا ہے۔ والد مرحوم محمد یوسف زمیندار تھے۔ آبائی پیشہ کاشتکاری تھی۔ تجارت پیشہ بھی تھے۔ محمد یوسف کا شمار دیندار، زمیندار، مالدار لوگوں میں ہوتا تھا۔ ابھی حال ہی میں محمد یوسف کا وصال ہوا۔ ایک دفعہ میں ان کی بستی گانگی میں گیا تھا۔ ایک بار وہ میرے گھر ہری پور

تشریف لائے تھے۔ بڑے ہی نیک سیرت اور با اخلاق بزرگ تھے۔ محمد یوسف مرحوم کی خدائے کریم مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔ بات تھی محمد مظہر العلا کی، جو بعد میں محمد ایوب مظہر کے نام سے مشہور آفاق ہوئے۔ یہ مفتی محمد ایوب مظہر رضوی اور مفتی محمد حسن منظر قدیری نے علمی اعتبار سے اس بستی کی شناخت بہت شوخ، تیکھی اور واضح کر دی ہے۔

تعلیمی ادوار: پہلا دور تو ظاہر ہے ان کا گاؤں ہی تھا۔ گانگی میں مدرسہ انوار العلوم تھا۔ جہاں حافظ محمد سلیم پڑھاتے تھے۔ یہیں ملک العلما حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری کے شاگرد رشید عالم اجل حضرت مولانا محمد عبد الرحمٰن رضوی اچھے پوری کی درسگاہ لگی ہوتی تھی۔ حافظ محمد سلیم مرحوم سے محمد ایوب مظہر نے ابتدائی تعلیم پائی۔ مولانا محمد عبد الرحمٰن رضوی نے ان کو فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھائیں۔ یہ پہلا دور تھا۔ کافیہ پڑھ رہے تھے۔ مولانا محمد عبد الرحمٰن رضوی اچھے پوری نے محمد ایوب مظہر رضوی کو اپنے رفیق گرامی کے پاس بھیج دیا۔ اپنے اس ہونہار شاگرد کو ایک رقعہ دیا۔ یہ رقعہ امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ کے نام تھا۔ جس میں مولانا عبد الرحمٰن رضوی نے لکھا تھا۔ 'یہ بچہ جن ہے۔ ذہانت کا پتلا ہے۔ قابو اور کنٹرول میں رکھ کر تعلیم دیں، تاکہ وہ بوتل سے باہر نہ نکل سکے'۔

دوسرا دور: امام علم وفن اس وقت دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار میں بر سر تدریس تھے۔ محمد ایوب مظہر وہ رقعہ لے کر گانگی سے چلے۔ سرشام چمنی بازار پہنچے۔ اپنے دیرینہ دوست مولانا عبد الرحمٰن رضوی کا رقعہ امام علم وفن نے پڑھا۔ پھر نظر اٹھا کر حامل رقعہ کے سراپا کا جائزہ لیا۔ خدا نے امام علم وفن کو تاڑنے والی نگاہ عطا فرمائی تھی۔ فوراً تاڑ گئے۔ حضرت مولانا عبد الرشید رشیدی اس وقت دار العلوم مصطفائیہ کے ناظم تھے۔ یہ ملک العلما کے شاگرد ہیں۔ امام علم وفن نے ناظم دار العلوم سے کہا:

'یہ طالب علم گانگی سے آیا ہے۔ میرے دوست مولانا عبد الرحمٰن صاحب نے بھیجا ہے۔ داخلہ لینے پھر درس دینے کی سفارش کی ہے۔ آپ اس طالب علم کا داخلہ لے لیں'۔

ناظم دار العلوم نے کہا: اس وقت تو بالکل داخلہ کی گنجائش نہیں ہے۔ امام علم بضد ہو گئے کہ طالب علم میرے دوست کا ہے۔ انہوں نے جس امید سے یہاں بھیجا ہے۔ اس میں میری عزت کا سوال ہے۔ یا تو آپ اس طالب علم کا داخلہ لیں۔ ورنہ پھر میرا استعفیٰ نامہ حاضر

ہے۔ یہ تو تو میں میں کی بات ہائی کمان تک پہنچ گئی۔ یہ عشا کے وقت کی بات تھی۔

ہائی کمان کا فرمان: ضیغم ملت زعیم العلما حضرت مولانا شاہ ابو صالح غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی علیہ الرحمہ دار العلوم مصطفائیہ سمیت مدارس رشیدیہ وخانقاہ رشیدیہ کے اس وقت ہائی کمان تھے۔ صبح کے وقت درسگاہ لگنے سے ذرا سا پہلے تیز دستک آواز سے زعیم العلما نے پکارا۔ خواجہ صاحب! خواجہ صاحب!! وہ کون سا طالب علم ہے؟۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ جس کی وجہ سے آپ استعفیٰ دینا چاہتے ہیں۔ یہ گفتگو ہوتے ہوتے سب اپنی اپنی درسگاہ میں چلے گئے۔ ضیغم ملت امام علم وفن کی درسگاہ میں تشریف لائے۔ امام علم وفن کی درسگاہ میں تپائی پر شرح جامی رکھی ہوئی تھی۔ طالب علم محمد ایوب مظہر بھی وہیں موجود تھا۔ ضیغم ملت گفتگو کرتے کرتے، طالب علم سے فرمایا: کیا پڑھنی ہے'؟۔ طالب علم نے جواب دیا۔ کافیہ پڑھتے پڑھتے یہاں آیا ہوں، کافیہ ہی پڑھوں گا۔

ضیغم ملت نے شرح جامی، جو وہاں اتفاقاً رکھی تھی، کا ورق الٹ دیا اور فرمایا: 'لو ذرا عبارت پڑھو'۔ محمد ایوب مظہر فراٹے سے عبارت پڑھتے چلے گئے۔ ایک جگہ رک کر زعیم العلما نے فرمایا: یہ 'فا' کیا ہے'؟۔ محمد ایوب مظہر رضوی کو عربی قواعد کے اعتبار سے 'فا' کی قسمیں معلوم تھیں۔ زعیم العلما کا سوالیہ جملہ چھوٹتے ہی محمد ایوب مظہر فی الفور جواب دیا۔ یہ 'فا' برائے تفریع ہے۔ زعیم العلما نے کتاب بند کر دی۔ پھر ناظم دار العلوم کو طلب فرمایا۔ ان کے آنے پر فرمایا:

> 'یہ مدرسہ ہے سرائے یا یتیم خانہ نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس اس طالب علم کے داخلہ کی گنجائش نہیں ہے، تو اور تمام طلبہ کا خارجہ کر دیجیے۔ اب یہاں یہی طالب علم پڑھے گا۔ چوں کہ یہ مدرسہ ہے، سرائے نہیں۔ درسگاہ ہے، یتیم خانہ نہیں'۔

اس کے بعد زعیم العلما کا رخ امام علم وفن کی طرف پھر گیا اور فرمایا:

> 'خواجہ صاحب! کسی طالب علم کو آپ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں۔ کوئی مواخذہ نہیں، مگر اس طالب علم (محمد ایوب مظہر) کو ضرور پڑھائیں'۔

محمد ایوب مظہر اس وقت کوئی چودہ پندرہ برس کے رہے ہوں گے۔

تیسرا دور: کچھ دنوں بعد امام علم وفن چینی بازار سے اٹھ کر مظہر اسلام بریلی شریف چلے آئے۔

تو بیگ بردار محمد ایوب مظہر بھی ساتھ ہولیا۔ مظہر نام تھا۔ مظہر اسلام میں داخلہ چاہیے تھا۔ پیر طریقت حضرت مولانا محمد خالد رضا خاں قادری مظہر اسلام کے مہتمم تھے۔ امام علم وفن نے مہتمم مذکور سے داخلہ کے لئے کہا۔ مولانا محمد خالد رضا نے طالب علم سے پوچھا۔ کیا پڑھو گے؟ طالب علم نے جواب دیا۔ ہدایہ کی جماعت میں۔ مولانا خالد رضا نے از راہ تفنن دریافت فرمایا۔ ہدایہ یا ہدایا؟۔ محمد ایوب مظہر نے جواباً عرض کیا۔ یہ ہدایہ ہے، وہ ہدیہ کی جمع ہدایا او ہے۔ حضرت مولانا محمد خالد رضا خان علیہ الرحمۃ المنان کے کان کھڑے ہو گئے۔ داخلہ ہو گیا۔ تحصیل میں لگ گئے۔ جس درسگاہ میں بھی بیٹھے، درسگاہ ہی لوٹ لیا۔ ہر استاذ کی توجۂ خاص کا مرکز بنتے چلے گئے۔ امام علم وفن کا سینہ فخر سے پھولتا چلا گیا۔

چوتھا دور: امام علم وفن غالباً دو برس بعد یہاں سے سلطانپور تشریف لے گئے۔ جامعہ عربیہ میں امام علم وفن کے یہاں آنے سے جامعہ کے در و دیوار کی شہرت سر فلک تک پہنچ گئی۔ امام علم وفن کو محمد ایوب مظہر سے جو دلی لگاؤ تھا۔ وہ تو تھا ہی۔ ادھر محمد ایوب مظہر کو بھی امام علم وفن کی صحبت علم وفیض مجلس کی چاٹ جو لگ چکی تھی، وہ کہاں چھوٹنے والی تھی۔ چنانچہ محمد ایوب مظہر بھی مظہر اسلام بریلی سے سلطانپور وارد ہو گئے۔ محمد ہاشمی کچھوچھوی، جو بعد میں خطیب دوراں کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ وہ اور محمد ایوب مظہر یہاں ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ امام علم وفن کا یوں تو ہر دور تدریس تابناک و تاریخ ساز رہا ہے، مگر جامعہ عربیہ کا دور اپنے بطن میں کچھ زیادہ ہی اہم واقعات رکھتا ہے۔ موقع محل سے یہ واقعات قید تحریر میں لانے کا ارادہ ہے۔ موقع کی مناسبت سے یہاں ایک واقعہ درج کرتا ہوں۔

حاجی ریاست حسین: یہ حاجی ریاست حسین خان، سلطانپور کے باشندہ اور جامعہ کے محصل تھے۔ یہ مخلص، علما نواز اور علم وعلما کے دلدادہ تھے۔ امام علم وفن سے ان کی قربت تھی۔ حاجی ریاست حسین امام علم وفن کی کبھی مجلسی لچھے دار تقریر سے محظوظ ہوتے تھے، کبھی درسگاہ میں آکر بیٹھ کر جاتے، درسگاہی تقریر سے لطف اندوز ہوتے۔ اس اثنا میں انہوں نے محسوس کیا کہ امام علم وفن کی پوری توجہ کا خاص محور ایک ہی طالب علم ہے اور وہ محمد ایوب مظہر ہے۔ اس

پر انہوں نے امام علم وفن سے پوچھا۔ ایسا کیا ہے کہ پوری توجہ کا
مخاطب صرف ایک ہی طالب علم ہے۔ دوسرے طلبہ کیوں نہیں؟۔
اس سوال کا جواب امام علم وفن نے یہ دیا۔ حاجی صاحب! آپ کچھ
دن استاذ گرامی حضرت علامہ محمد معین الدین خان قبلہ کی درسگاہ میں
بیٹھیں۔ آپ کو اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔

حاجی ریاست حسین مرحوم اب یہاں کے بجائے کل سے علامہ
معین الدین خان کی درسگاہ میں بیٹھنے لگے۔ چند دن گزرے، تو وہاں
یہی کیفیت دیکھی۔ اب ان سے رہا نہ گیا۔ وہاں بھی وہی مذکورہ سوال
دوہرایا۔ علامہ معین الدین خان نے جواب دیا۔ نر طالب علم تو بس
ایک ہی ہے۔ باقی سب مادہ ہیں اور یہ طالب علم (محمد ایوب مظہر)
آگے چل کر نر ہی نہیں، شیر نر بن کر تمام آفاق ہند پر چھا جائے گا۔
استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد معین الدین خان علیہ الرحمہ تال نرجا،
گھوسی قدیم اعظم گڑھ، جدید مئو ضلع کے رہنے والے تھے۔ آپ نے
کبھی دارالعلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں درس دیا تھا'۔

فاتحہ فراغ: جامعہ عربیہ کا دور یہ آخری تکمیلی دور تھا۔ محمد ایوب مظہر نے اس دور میں کئی اہم ریکارڈ قائم کئے۔ ایک تو بحیثیت طالب علم تمام اساتذہ کا دل جیت لیا۔ تمام درسگاہوں کا نور لوٹ لیا۔ احباب، اراکین اور شہریان سلطانپور کی بے حد محبتیں، بے حد دعائیں بٹورلیں۔ محمد ایوب مظہر اب تلک صاحب ریش نہیں تھا۔ بھنویں، ریکھائیں ظاہر ہوئی ہوں، تو ہوئی ہوں۔ عمر کی کچھ اٹھان تو تھی ہی، علمی اٹھان نے ان کا شہرہ سلطان پور کے آسمان تلک پہنچا دیا۔ ایسی قدردانی کے ماحول میں محمد ایوب مظہر کی دستار فضیلت ہوئی اور انہوں نے دور تحصیل سے فاتحہ فراغ پڑھا۔ تاریخ وماہ تو سامنے نہیں، البتہ یہ ۱۹۷۰ء کا تھا۔ یہ سنہ کا عدد بھی بہت برکتوں والا ہے۔ امام احمد رضا نے تلمیحاً کہا تھا۔ یہ نکتہ صرف ستر پر ہے، انیس [سو] پر نہیں۔

جی جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

تدریس کا آغاز: تحصیل کا دور کامیاب گزرا۔ تو تدریس کا عہد مدرس کا شاندار شروع ہو گیا اور یہ شاندار آغاز کہیں اور نہیں، اسی جامعہ عربیہ میں شروع ہوا اور بعد فراغت جامعہ عربیہ وہ کب چھوڑتے، اساتذہ، اراکین جامعہ نے ان کو نہیں چھوڑا اور وہ اب حضرت مولانا محمد ایوب مظہر صاحب بحیثیت استاذ اس درسگاہ میں داخل کر دیئے گئے۔ جہاں کل تلک ان کی طالب علمی تھی۔ علم تو سارا تازہ تھا ہی، ذہن بھی تو جوال ہی تھا۔ اپنی خداداد تفہیمی لیاقت کی بنیاد پر وہ ادھر طلبہ کے دل ودماغ پر چھاتے جارہے تھے۔ ادھر شہر اور بازار میں، ہوٹلوں اور قحبہ خانوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ جامعہ عربیہ جیسا ادارہ ڈوب گیا۔ تعلیم کا معیار گر گیا۔

کیونکہ وہاں تو اب استاذ نہیں۔ ایک لڑکا پڑھانے بیٹھا دیا گیا ہے۔ جس کی نہ ابھی مونچھ آئی ہے، نہ ڈاڑھی۔ وجہ جو بھی رہی ہو، اس قسم کی افواہ بہر حال پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب جو جامعہ عربیہ کے مہتمم تھے۔ ایک دن اچانک ایک چائے خانہ میں چائے پینے چلے گئے۔ دفعۃً لوگوں نے ان سے شکایت کی۔ کیا آپ کو مدرس نہیں مل رہا ہے۔ آپ نے ایک لڑکا پڑھانے کے لئے بیٹھا دیا ہے۔ شہر میں ادارہ کی شبیہ خراب ہو رہی ہے۔ مولانا محمد سلیم مہتمم مذکور نے جواب دیا۔ آپ لوگ تو عمر دیکھتے ہیں۔ ہماری نظر تو علم ومطالعہ اور انداز تفہیم پر دیکھتے ہیں۔ آپ لوگ ڈاڑھی مونچھ کیوں دیکھتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے؟۔ علم بہ عقل ست، نہ بہ سال۔ مولانا محمد ایوب مظہر عمر میں چھوٹے ضرور ہیں۔ مگر علم میں بڑوں کے بھی بڑے ہیں۔ اس جوہر قابل کا آپ لوگ خیال کیجئے۔ جامعہ عربیہ سلطان پور کے مہتمم کا یہ جواب سن کر سارا شہر سلطان پور سناٹے میں پڑ گیا۔

نوعمر کا جواب نہیں: مظہر اسلام بریلی شریف کا جلسہ تھا۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب قبلہ مدعو تھے۔ امام علم وفن بریلی آنے لگے، تو مولانا محمد ایوب مظہر صاحب کو ہمراہ لائے۔ جلسہ شروع ہوا۔ اکابرین موجود تھے۔ مجمع بھی کثیر تھا۔ یہ کسی اور شہر نہیں، شہر بریلی کا جلسہ تھا۔ وہ بھی ایک مستند تعلیمی ادارہ کا۔ جلسہ شروع ہوا۔ نعت وتقریر ہونے لگی۔ امام علم وفن کے ایما پر مولانا محمد ایوب مظہر صاحب کو تقریر کا موقع ملا۔ بس یہ نوعمر، نوخیز اور بے ریش مولانا محمد ایوب مظہر کھڑے ہو گئے۔ علمی مواد، شستہ زبان، شائستہ فکر، سنجیدہ اسلوب نے تمام جلسہ لوٹ لیا۔ مجمع نہایت محظوظ ہوا۔ علماء ومشائخ کبار نے داد وتحسین سے نوازا۔ صدر العلما حضرت مولانا تحسین رضا قادری علیہ الرحمہ نے برجستہ فرمایا: یہ نوعمری اور ایسا

خطاب، موضوع و مواد، فکر و خیال اور زبان و بیان کا جواب نہیں۔ خدا خوش رکھے اس جوان رعنا کو۔

شاہ عالم کے شہر میں: سال دو سال کے بعد آپ گجرات تشریف لائے۔ شاہ عالم کے شہر احمد آباد میں آباد ہو گئے۔ یہاں دارالعلوم شاہ عالم تھا۔ اس دارالعلوم کی زینت تدریس بنے۔ یہاں کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں، جو واقعی قابل ذکر ہے۔ ہوا یہ کہ جب احمد آباد ریلوے اسٹیشن پر اترے۔ تو دارالعلوم کے چند اراکین، اساتذہ، طلبہ ہار پھول لے کر استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ استقبالیوں کے تصور میں لحیم شحیم صاحب لحیۂ کثیرہ طویلہ شخص تھا۔ جب آپ اترے اور انہوں نے اپنے سامنے سرحد شباب پہ پہنچا ہوا نوجوان، مگر فاضل دیکھا، تو ہکا بکا سے رہ گئے۔ خیر آپ کو دارالعلوم لے جایا گیا۔ ذمہ دار اساتذہ و اراکین نے آپ کا حلیہ دیکھا۔ تو بہت مایوس ہوئے۔

دارالعلوم شاہ عالم کا یہ دور عروج تھا۔ طے یہ پایا کہ آپ کو واپس کر دیا جائے۔ اتفاق سے اس دن وہاں ایک عوامی اجلاس تھا۔ آپ کو تقریر کے لئے کہا گیا۔ رات آپ نے ایسی تقریر کی کہ بات ہی بن گئی۔ نو وارد مہمان حضرت مولانا محمد ایوب مظہر صاحب بالکل نوجوان تو ضرور تھے۔ مگر تھے فاضل جلیل، عالم نبیل، آپ کی فاضلانہ عالمانہ ادیبانہ مفکرانہ تقریر اساتذہ و اراکین کیا، پورے شہر احمد آباد کے ذہن میں خوش بو بن کر سما گئی۔ تب ان کی تشویش دور ہو چکی تھی اور فیصلہ بدل چکا تھا۔ پھر جو درسگاہ میں جلوہ بار ہوئے۔ تو مسند تدریس کو بھی فخر ہونے لگا کہ ہاں! ہے کوئی بادشاہ تدریس سریر آرائے مسند تدریس۔ پھر تو عالم یہ ہوا۔ شہر احمد آباد آپ کو کیوں چھوڑتا؟۔ مگر خود ہی آپ نے چھوڑ دیا۔ یہ شاید ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔

الہ آباد روانہ: احمد آباد میں دارالعلوم شاہ عالم تھا۔ الہ آباد میں دارالعلوم غریب نواز تھا۔ یہ حسن اتفاق ہے۔ جس بزرگ شخصیت نے آپ کا نام 'مظہر العلا' رکھا تھا۔ اسی مقتدر شخصیت کے روحانی ایما سے الہ آباد کے ادارہ کا نام دارالعلوم غریب نواز رکھا گیا تھا اور یہ بزرگ، مقتدر شخصیت تھی وقت کے کامل ولی حضرت مولانا شاہ محمد شرف الدین لطفی علیہ الرحمہ کی۔ خیر خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی پیش کش پر حضرت مولانا محمد ایوب مظہر احمد آباد سے الہ آباد تشریف لے آئے اور یہاں بیک وقت مدرس اور مفتی کے منصب فائز کئے گئے۔ الہ آباد کی فضا راس آئی، یہاں کا ماحول آپ کے ذہن و مزاج سے ہم آہنگ تھا۔ دونوں منصب کے وقار کو عرصہ تک بحال کئے رکھا۔

علامہ نظامی ماہر تدریس شخص تھے۔ خطابت کا تو پورے ملک کا چپہ چپہ قائل و معترف

تھا۔تحریر و قلم کے وہ بادشاہ بھی تھے اور بادشاہ گر بھی تھے۔تحریک، تنظیم سازی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ان تمام اوصاف میں مفتی محمد ایوب مظہر صاحب علامہ نظامی کے ہم اوصاف تھے۔صرف تحریک و تنظیم کے باب میں نصف وصف کہا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ نظامی ملک کے جس خطہ میں ہوں۔جس محاذ پر ہوں، حضرت مفتی محمد ایوب مظہر کا انتخاب بے دغدغہ کر دیتے تھے اور وہ محمد ایوب مظہر میدان مار کر اور محاذ سر کر کے مراجعت فرماتے تھے۔الہ آباد کا دور قیام بڑا ہی کارآمد اور مقصدی و افادی رہا۔یہیں کے دوران قیام مفتی محمد ایوب مظہر صاحب کی ازدواجی زندگی کی شروعات بھی ہوئی اور یہ شادی امام علم و فن کی تجویز پر بائسی میں عمل میں آئی۔خیر یہ دور بڑا زریں دور کہا جاسکتا ہے۔

دارالعلوم نوری: پھر ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت مفتی محمد ایوب مظہر صاحب الہ آباد سے اندور تشریف لائے۔یہاں آپ منصب شیخ الحدیث کی رونق بنے۔دارالعلوم نوری اندور میں بھی آپ نے اسی طنطنہ کے ساتھ دیگر دروس عالیہ کے ساتھ ساتھ درس حدیث دیا، جو آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔آواز، انداز، اسلوب تفہیم، خدا نے ایسا دل نشیں عطا فرمایا تھا کہ ہر شخص گدگد ہو جاتا تھا۔درسگاہی تقریر و وضاحت کے علاوہ، چونکہ آپ اعلیٰ خطیبانہ خصائص سے بھی متصف تھے۔علمی، عوامی، اصلاحی، ادبی، فکری، سیاسی خطاب بھی فرماتے تھے۔جس جلسہ گاہ میں خطاب فرمایا۔وہ جلسہ گاہ اور وہ دن، تاریخ کا انمٹ نقش قرار پایا۔میری معلومات کی حد تک ہندوستان کے آپ پہلے خطیب ہیں کہ ریڈیو اسٹیشن سے آپ کا خطاب براہ راست ٹیلی کاسٹ ہوتا تھا۔وہ دور ٹیلی ویژن کا نہیں تھا۔اگر وہ اس دور میں بھی ویسا خطاب فرماتے، تو آج پوری دنیا عش عش کرتی۔کچھ ہی دنوں بعد اندور، مدھیہ پردیش کی فضاؤں میں اپنے گہرے اچھوتے علم و ادب کی خوش بو چھوڑ کر اندور سے بہار روانہ ہو گئے۔

کوہ سار بھاگل پور: شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد ایوب مظہر مدھیہ پردیش کے گھنے جنگلات سے نکلے۔کوہ سار بھاگل پور کے سایہ میں جا بیٹھے۔دارالعلوم فیضیہ نظامیہ ایشی پور، بھاگل پور کا وہ عہد زریں تھا۔جب یہاں امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین مدظلہ جلوہ فگن، جلوہ بار تھے۔امام علم و فن ہی کا کاشتہ پرداختہ علم و فن، فکر و شعور کے اوزار سے تراشا ہوا ہیرا مفتی محمد ایوب مظہر کے روپ میں جب یہاں پہنچا۔تو دارالعلوم فیضیہ کی عمارتیں کچھ عجب ہی رنگ سے دمکنے

لگیں۔ استاذ گرامی کا سایہ، ذہین طلبہ کی کثرت، خوشگوار فضا، کھلی آزادی، ہر طرح کی سہولت، الغرض یہاں ہر طرح ماحول پرسکون تھا۔ نصاب تعلیم، نظام اخلاق، معیار تعلیم سب کچھ نور علی نور تھا۔ قابل ترین اور فاضل ترین علما یہاں سے متخرج ہوتے۔ یہ متخرجین ملک و بیرون ملک پھیل کر دین وسنیت کا غلغلہ بلند کر دیا۔ امام علم وفن کے لئے بھی اور مفتی محمد ایوب مظہر کے لئے بھی قیام بھاگل پور کا یہ دور بڑا شاندار اور شاہکار گزرا ہے۔ یہ کوئی آٹھ سالہ دورانیہ تھا۔ خطابت کا ڈنکا یہاں بھی بج رہا تھا۔ بہار و بنگال اور یوپی وسی پی گونجنے لگا۔

بائسی میں ورود: بائسی تنظیم المسلمین ایک ہمہ جہتی ادارہ تھا اور ہے۔ بھاگل پور سے آپ غالباً تنظیم المسلمین بائسی تشریف لائے۔ کچھ خصوصی اسباق پڑھائے اور بطور خاص بحیثیت مفتی دار الافتا کا کام کیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ آپ وقفہ وقفہ سے بائسی تنظیم المسلمین میں درس وافتا کی خدمت انجام دی۔ چوں کہ یہ آپ کا علاقائی ادارہ تھا۔ اس لئے اس کی تعمیر وترقی میں بھی مکمل نمایا کردار ادا کیا۔ یوں بھی آپ شروع سے آج تک اس کی تعمیر وترقی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

شام اودھ کی سیر: باہر کا سیاح جب کبھی ہندوستان آتا ہے۔ تو شام اودھ کی سیر ضرور کرتا ہے۔ بنارس کی صبح کا لطف ضرور لیتا ہے۔ کشمیر کا نظارہ ضرور کرتا ہے۔ نینی تال کا کوہسار اور دارجلنگ کا لالہ زار ضرور دیکھتا ہے۔ مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر تو تھے ہی ہندوستانی، تو پھر وہ شام اودھ کی سیر کیوں نہیں کرتے؟۔ جب کہ یہ اول حق انہی کا تھا۔ لکھنؤ کی گومتی ندی کے ساحل پر قائم دار العلوم وارثیہ نے باصرار پیش کش کی کہ وہ شام اودھ کی سیر ضرور کریں۔ چنانچہ مفکر اسلام نے دار العلوم وارثیہ کی دعوت قبول فرمائی۔ لکھنؤ تشریف لائے۔ شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے۔ دار الافتا کی مسند کو زینت بخشی۔ یہی عہدے ان کو زیب بھی دیتے تھے۔ اب تو ان کی گرجدار آواز سے دار العلوم کا دار الحدیث گونجنے لگا۔ دار العلوم کے دار الافتا کی خاموش فضا میں ان کا قلم بولنے لگا۔

لکھنؤ، جب کبھی حضرت لکھنؤ بنا ہوا تھا۔ اب ایک عرصۂ دراز بعد خاص اہل لکھنؤ زبان کی لطافت وشائستگی کیا چیز ہے، محسوس کرنے لگے۔ مفکر اسلام کا خطاب جو واقعی خطاب نایاب ومستطاب ہوتا تھا۔ یوپی اور سی پی کیا، ملک کا ہر قطعہ اور منطقہ گوش برآواز رہتا تھا۔ اہل لکھنؤ بھی چشم براہ ہو گئے۔ ایک پاؤں پہ کھڑے ہو کر مفکر اسلام کو سننے اور دیکھنے، ان کے

فکروفن، زبان وادب، شعور وبصیرت کی روشنی کشید کرنے اور تحسین وآفریں کہنے اور داد دینے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگے۔ الغرض تعلیم، نظام تعلیم سے دارالعلوم اور دارالافتاء اور دارالحدیث کے نظم جدید تک، وارثیہ کی تعمیر وترقی سے لے کر شہرت وناموری تک، ہر جہت سے، ہر شعبہ میں مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر صاحب جب وہاں سے تشریف لے گئے۔ تو اب آج اہلیان لکھنؤ ان کی حسین یادیں اور باتیں بھول نہیں پاتے۔ اب وہ صرف ان کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ ع: وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں۔

منصب اہتمام پر: مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر صاحب نے تمام تر صلاحیت ہونے کے باوجود کوئی ادارہ نہیں بنایا۔ کوئی تحریک نہیں چلائی۔ مگر جس ادارہ میں پہنچ گئے، جس تحریک سے جڑ گئے۔ اس کا وقار سر فلک ضرور جا پہنچا۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری قدس سرہٗ عرصہ سے تاک میں تھے۔ مفکر اسلام کسی صورت ان کی گرفت میں آئیں، تو ان کی بے پناہ اعلیٰ علمی، انتظامی صلاحیتوں کا استعمال ہو۔ رئیس القلم ان کی علمی، قلمی، لسانی، فکری، اصلاحی، انقلابی خوبیوں کے بے حد قدر دان تھے اور متأثر بھی۔ ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے پلیٹ فارم سے، جن دنوں آل بہار واڑیسہ اصلاح معاشرہ تحریک چلائی تھی، مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر اس تحریک اصلاح معاشرہ کے خاص خطیب تھے، بلکہ سالار قافلہ تھے۔ رئیس القلم یوں تو مفکر اسلام کو بخوبی جانتے ہی تھے۔ لیکن اس موقع سے خوب قریب سے دیکھا اور پرکھا۔ پھر تو وہ ایک طرح مفتی محمد ایوب مظہر کے فین ہو گئے۔ اب رئیس القلم نے طے کر لیا۔ صورت جو بھی ہو، ان کو شیشی میں اتارنا چاہیے۔ پھر وہ دن آ ہی گیا۔ رئیس القلم کامیاب ہو گئے۔

گوہاٹی کی پہاڑی پر: گوہاٹی ہندوستان کا بڑا مشہور مہنگا تجارتی شہر ہے۔ یہیں ہاتھی گاؤں کی پہاڑی پر ایک بزرگ مخدوم کا مزار شریف ہے، پورا نام یاد نہیں آ رہا۔ رئیس القلم نے گوہاٹی کا دورہ کیا۔ مذکور مزار شریف پہ مراقبہ کیا۔ کسی مسجد میں اعتکاف کیا۔ یوں انہوں نے وہاں کا ماحول رام کیا۔ پھر انہی مخدوم کے نام سے دارالعلوم مخدومیہ قائم کیا۔ اسعد مدنی کے غلبہ والے اس شہر میں اہل سنت کا یہ اہم قدم تھا۔ اس دارالعلوم کے اہتمام وسربراہی کے لئے رئیس القلم کو دبنگ شخصیت کی ضرورت تھی۔ مفکر اسلام مفتی محمد ایوب مظہر مدظلہ سے بہتر شخص ان کو نظر نہیں آیا۔ رئیس القلم نے بصد اعجاز مفتی محمد ایوب مظہر صاحب کو اس ادارہ کا بااختیار سربراہ بنا دیا۔ عرصہ دراز تک مفکر اسلام

وہاں منصب اہتمام پر فائز رہے۔ تعلیم اور تعمیر ہر دو اعتبار سے اس دار العلوم نے روز افزوں ترقی کی۔ رئیس القلم معائنہ کے لئے جب بھی گوہاٹی تشریف لے گئے۔ مفتی محمد ایوب مظہر کی خدمت وقربانی کا اعتراف کئے بنا نہیں رہ سکے۔

ادارہ شرعیہ: رئیس القلم علامہ ارشد القادری قدس سرہ دن کے اجالوں میں خواب دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کا خواب نہ کبھی محض خواب رہا، نہ سراب ثابت ہوا۔ جو خواب دیکھا، شرمندۂ تعبیر ضرور ہوا۔ ادارۂ شرعیہ بہار واڑیسہ بھی ان کے ایک ایسے ہی خواب کی حسین تعبیر ہے۔ گو آج اسکا وہ حسن برقرار نہیں رہا۔ جو کبھی اسکا طرۂ امتیاز تھا۔ خیر زوال پذیر دور میں مفکر اسلام مفتی محمد ایوب مظہر مدظلہ کو اسکا مہتمم وسربراہ بنایا گیا۔ مفتی محمد ایوب مظہر اپنی انتھک کوششوں سے ادارہ کا کھویا ہوا حسن اور معیار بحال کر دیا۔ علامہ ارشد القادری مسرتوں سے نہال ہو گئے۔ ادارۂ شرعیہ کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی، مفتی محمد ایوب مظہر اور مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی کے ذکر کے بغیر مؤرخ کا قلم آگے کیسے بڑھے گا۔

منصب افتا: مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر طوالت واطناب اور حشو وزوائد کے ہرگز قائل نہیں تھے۔ نہ ہی وہ اجمال، اہمال، اغلاق کے طرفدار تھے۔ کم سے کم لفظوں میں مفہوم واضح کر دینا، وہ بھی حسن اسلوب، حسن تفہیم کے ساتھ، زبان وقلم، ہر دو لحاظ سے، یہی ان کا اصل جوہر اور وصف خاص تھا۔ ان کے فتاویٰ میں بھی وہی وصف وجوہر جلوہ گر ہے۔ فتویٰ نویسی کا آغاز، مشق، تربیت، ان جزئیات کا سر دست علم نہیں۔ دار العلوم غریب نواز الہ آباد وہیں وہ باقاعدہ منصب افتا پر فائز رہے۔ تنظیم المسلمین بائسی اور دار العلوم وارثیہ لکھنؤ میں وہ عرصہ دراز تک فتویٰ نویسی کرتے رہے۔ مفتی محمد ایوب مظہر کے فتاویٰ کا مجموعہ مرتب ومطبوع ہوسکتا ہے۔ اس دور کے مفتیوں کے لئے اس میں خاصا سامان بصیرت فقہ موجود ہے۔ ان کے لئے بھی یہ مجموعہ مفید ہوگا۔ جو نوعمر یا بے تجربہ مولوی مفتی کہلائے جانے کے شوق میں سرگرداں ہیں۔ مگر یہ کام کرے کون؟۔ ان کی اولاد میں کوئی اس کا قابل نہیں، ان کا کوئی شاگرد چاہے، تو کر سکتا ہے۔ اہل پورنیہ میں پانی تو بہت ہے۔ مگر ان کا پانی بہت جلد اتر بھی جاتا ہے۔ یعنی پل میں تولہ اور پل میں ماشہ۔ بالکل سوڈا واٹر کا باٹل، دو منٹ میں جھاگ بیٹھنے لگتا ہے۔ ورنہ وہ نیک نام ہوتے ہوئے بھی گمنام نہیں ہوتے۔

چلتے چلتے چند اشعار منظوم تذکرہ کے سنتے چلیں:

جہاں وعظ و نصیحت کے حسیں موتی بکھرتے ہیں
وہی ایوب مظہر کا علاقہ دیکھتے جاؤ
خطابت جن کے ہونٹوں کو ادب سے چوم لیتی ہے
خطیب ناز کا وہ پیارا خطبہ دیکھتے جاؤ
مکمل مسلک احمد رضا کے ہیں وہ شیدائی
محبت کی نظر سے ان کا چہرہ دیکھتے جاؤ
زمین ہند سے صحرائے افریقہ کی وسعت تک
خطابت کا ہوا ہے ان کا چرچا دیکھتے جاؤ
محدث بھی، مفسر بھی، محقق بھی، مدبر بھی
لقب پاتے رہے دنیا میں کیا کیا دیکھتے جاؤ
ابھی بھی ساری بزم افتا ان پہ ناز کرتی ہے
دلیلوں سے بھرا ہر ایک فتوی دیکھتے جاؤ
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے ان کی ہستی کو
رہے تا دیر سب پر ان کا سایہ دیکھتے جاؤ

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفر نامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص:۱۲۰]

☆☆☆

پیر طریقت
ابوظفر حضرت مفتی محمد طیب رشیدی چوپڑا، بائسی

خاندان: آپ میر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے پردادا میر معالی مرحوم تھے، جو امور تحصیل سے یورب سنگھاری پٹگاؤں کے متوطن تھے۔ برطانوی دور میں نقل مکانی کر کے موضع چوپڑا میں سکونت اختیار کرلی۔ چوپڑا بائسی کے اتر دو تین کلومیٹر پر ہے۔ میر معالی مرحوم کے چار بیٹوں میں ایک شیخ چھبو تھے۔ یہی شیخ مرحوم مفتی رشیدی کے دادا تھے۔ ان کے فرزند الحاج شیخ محمد نصیر الدین مفتی رشیدی کے والد ماجد تھے۔ یہ خاندان اطراف میں دیندار بھی تھا اور مالدار بھی۔ یعنی دینی وسماجی حیثیت اچھی خاصی تھی۔

پیدائش: اسی دیندار و مالدار خاندان میں حضرت مفتی رشیدی صاحب کی ولادت ماہ رمضان میں ۱۳۵۷ھ کو ہوئی۔

آغاز تعلیم: قاعدہ، قرآن، اردو، ہندی، حساب مفتی رشیدی اپنے پدر بزرگوار سے سیکھا۔ مفتی محمد حنیف مرحوم موضع منڈیل، مفتی محمد ارشاد حسین موضع گھاٹ پانی صدرہ نے بھی پڑھایا۔

فارسی کی تعلیم: وہ دور فارسی کا تھا۔ اس دیار میں فارسی کا رواج بھی بہت تھا۔ چنانچہ مفتی رشیدی نے فارسی دانی میں بے حد کمال حاصل کیا۔ مولٰینا محمد تمیز الدین، موضع بہتا سے گلستاں، بوستاں، زلیخا، سکندر نامہ، بہار دانش، رقعات عزیزی، انشائے مظہر، انشاء خلیفہ، انشاء تمیز، جیسی کتابیں پڑھیں۔ مولٰینا محمد عثمان نعیمی موضع پانی صدرہ نے آپ کو انوار سہیلی پڑھائی، فارسی کے مشہور ماہر استاذ حضرت منشی عبدالمتین موضع بہتا سے آپ نے دیوان بلالی، مینابازار اور انشاء بہار عجم جیسی اونچی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔

عربی تعلیم: مدرسہ جامع العلوم شرفیہ چندر گاؤں، یہ وہی مدرسہ ہے۔ جس کو حضرت مولٰینا شاہ محمد شرف الدین لطفی گانگی ہاٹ، کشن گنج نے قائم فرمایا۔ شاہ شرف الدین، شاہ حفیظ الدین رحمان پوری کے تلمیذ و خلیفہ خاص تھے۔ یہاں اسی موضع بہتا کے حضرت مولٰینا محمد تمیز الدین اعلیٰ استاذ تھے۔ جو مفتی رشید کو پہلے فارسی پڑھا چکے تھے۔ انہی سے مفتی رشیدی نے عربی کی درج ذیل کتابوں کا درس لیا۔ میزان الصرف، منشعب، نحو میر، صرف میر، باکورۃ الادب، قلیوبی، المنطق، شرح مائۃ عامل، وغیرہ۔

دار العلوم لطیفی کٹیہار میں: اس دار العلوم کے پس منظر و پیش نظر پر ہلکی سی روشنی ہم نے امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی والے مضمون کے ضمن میں ڈالی ہے۔ خیر حضرت مفتی رشیدی مدرسہ شرفیہ چندرگاؤں سے دار العلوم لطیفی کٹیہار آگئے۔ یہاں آپ صرف ایک سال رہے اور درج ذیل کتابیں پڑھیں، ہدایۃ النحو، کافیہ، علم الصیغہ، فصول اکبری، نور الایضاح، قدوری، کبریٰ، مرقات، القراۃ الراشدہ۔

جامعہ بحر العلوم میں: دار العلوم کٹیہار کے دوران قیام ہی بحر العلوم کی تعلیمی اہمیت کا احساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ دوسرے ہی سال مفتی رشیدی نے کٹیہار کے اُس ادارے سے اِس ادارے میں آکر داخلہ لے لیا۔ یہاں آپ نے مسلسل چار سال تحصیل علم کی۔ حضرت ملک العلما سے جو کتابیں آپ نے پڑھیں وہ یہ ہیں۔ اصول الشاشی، نور الانوار، مناظرہ رشیدیہ، شرح شریفیہ، سبعہ معلقہ، مسلم الثبوت، ہدایہ آخرین، شفا شریف اور تفسیر مدارک۔

شیخ المعقولات علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری سے شرح جامی، قطبی، ملا مبین کا درس لیا۔ حضرت مولٰینا محمد یوسف جو پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ان سے مفتی رشیدی نے شرح تہذیب، شرح فقہ اکبر، شرح وقایہ، مشکوۃ شریف۔ جلالین شریف، کا درس لیا۔ حضرت مولٰینا صوفی محمد عبد المنان گیاوی نے مفتی رشیدی کو طحاوی شریف، اور در مختار پڑھائی۔ علامہ محمد احسان علی محدث مظفر پوری، جو منظر اسلام بریلی میں صدر مدرس و شیخ الحدیث رہ چکے تھے۔ بعد میں جامعہ بحر العلوم کٹیہار آگئے تھے۔ انہوں نے بھی آپ کو طحاوی شریف اور در مختار پڑھا کر ختم کرایا۔

محدث مظفر پوری کے پچاسوں خطوط ملک العلما کے نام ملتے ہیں۔ جب وہ منظر اسلام بریلی میں تھے، خصوصاً اس دور کے خطوط نہایت تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط سے جہاں ان کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ وہیں حضرت ملک العلما اور جامعہ منظر اسلام کے حالات بھی سامنے آتے ہیں۔ منظر اسلام کا وہ دور کس مپرسی میں نظر آتا ہے۔ جب حجۃ الاسلام کا انتقال ہوا۔ مفتی تقدس علی خان جو منظر اسلام کے مہتمم تھے، وہ پاکستان ہجرت کر گئے۔ محدث مظفر پوری کے خطوط سے یہ تمام احوال اجاگر ہوتے ہیں۔

دورۂ حدیث: حضرت ملک العلما کے زیر سایہ مفتی رشیدی چار سال رہے۔ ملک العلما سے تعلیم بھی لی۔ تربیت بھی پائی۔ پھر حضرت ملک العلما کی اجازت سے بریلی شریف روانہ ہو گئے۔ یہاں آکر مفتی رشیدی نے مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔ مظہر اسلام کے اساتذہ اور ان کے زیر درس کتابوں کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت محدث ثناء اللہ مؤی سے مفتی رشیدی نے حدیث کی کتب اور تفسیر بیضاوی کا درس لیا۔ شیخ الادب علامہ غلام جیلانی گھوسی سے مختصر المعانی، مطول،

سراجی، حسامی پڑھی۔ مفتی شریف الحق امجدی نے مفتی رشیدی کو توضیح تلویح، ملاحسن، میر زاہد، غلام یحیٰ، حمد اللہ، قاضی مبارک، میبذی، صدرا اور شمس بازغہ پڑھائی۔ جبکہ شرح عقائد نسفی کا درس مفتی رشیدی نے علامہ مبین الدین محدث امروہی سے حاصل کیا۔

دستار فضیلت: تین برس تحصیل علم کے بعد ۷؍شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ، ۲۴؍جنوری ۱۹۶۱ء بمقام آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف آپ کے سر پر دستار فضیلت رکھی گئی۔ جلسہ دستار کے زریں موقع پر جملہ اساتذہ وعلما بریلی تو اسٹیج پر تھے ہی، محدث اعظم ہند سید شاہ محمد کچھوچھوی، مجاہد ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن اڑیسوی، امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی بطور خاص موجود تھے۔

تدریس: جہاں آپ نے ایک سال پڑھا تھا۔ وہاں آپ نے سات سال پڑھایا، لیکن تدریس کا آغاز آپ نے دار العلوم لطیفیہ کٹیہار سے کیا۔ یہاں آپ کا تقرر ۱۶؍شوال المکرم ۱۳۸۰ھ سے ہوا۔ سات سالوں تک درس دیتے رہے۔ ہدایۃ النحو، ہدایہ آخرین، مختصر المعانی، کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، اور مشکوٰۃ شریف، جیسی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔

جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں: دار العلوم لطیفیہ کٹیہار ۱۲؍شوال المکرم ۱۳۸۷ھ، جنوری ۱۹۶۹ء میں، چوں کہ دیوبندی مسلک کے علما بھی پڑھاتے تھے۔ ان سے مفتی رشیدی کی کبھی نہیں بنی۔ کبھی کبھار اختلافی بحث، علمی جھڑپ، اعتقادی مباحثہ بھی ہوجاتا تھا۔ مگر مفتی رشیدی دواماً غالب رہے۔ پھر ایسا ہوا کہ مفتی رشیدی وہاں سے جامعہ بحر العلوم میں منتقل ہوگئے۔ یہاں آپ کامیاب طریقے سے دو سال رہے اور قطبی، نور الانوار، شرح عقائد نسفی، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، جیسی کتابوں کی تدریس بحسن وخوبی نبھائی۔ پھر آپ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ دار العلوم محی الاسلام بجھر ڈیہہ، بائسی جو آپ کے مکان کے قریب تھا۔ میں بحال ہوئے، اس ادرہ میں صرف ایک سال رہے۔ مگر صدارت کے عہدے پر رہے۔ یہ زمانہ ۱۱؍شوال ۱۳۸۹ء کا تھا۔

تدریس کا چوتھا مرحلہ مغربی بنگال ہے۔ دار العلوم معدن الخیرات، بھولکا باڑی، گوال پوکھر، ضلع اتر دیناج پور میں بھی آپ صدر مدرس رہے۔ یہاں بھی آپ صرف ایک سال رہے۔ یہاں آپ کی تقرری ۱۱؍شوال المکرم ۱۳۹۰ھ کو ہوئی تھی۔

۱۱؍شوال المکرم ۱۳۹۵ھ؍۱۹۷۲ء کو خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کے اصرار پر دار العلوم غریب نواز الہ آباد تشریف لے گئے۔ علامہ نظامی نے آپ کو عہدۂ صدارت وافتا پر فائز کیا، جہاں آپ نے دورۂ حدیث تک کی تعلیم دی اور فتویٰ نویسی کا فریضہ بھی انجام دیا۔ پھر ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ؍۲؍جون ۱۹۷۳ء کو آپ بنارس تشریف لے گئے اور جامعہ فاروقیہ بنارس میں آپ شیخ الحدیث

کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہاں آپ نائب صدر مدرس بھی رہے۔ یہاں آپ نے سیاح ستہ
،عقائد ومناظرہ، منطق وفلسفہ، تفسیر ومعانی، وغیرہ فنون کا درس دیا۔ جامعہ فاروقیہ میں آپ تین برس
رہے۔ ۱۱رشوال ۱۳۹۵ھ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو آپ کی بحال جامعہ عربیہ سلطان پور یوپی میں ہوئی۔
یہاں آپ شیخ الحدیث رہے اور منتہیات کی تدریس کا فریضہ بوجوہ احسن انجام دیا۔
جامعہ عربیہ سلطان پور سے آپ نے مراجعت وطن فرمائی اور مدرسہ ایجوکیشن پٹنہ سے بورڈ سے
ملحق ایک مدرسہ میں تقرری ہوئی، یہ وہی مدرسہ تھا، جہاں آپ نے ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی
تھی۔ یعنی جامع العلوم مدرسہ شرفیہ چندرگاؤں چکلہ، یہاں آپ صدر مدرس کے عہدہ پر براجمان
ہوئے۔ یہاں مسلسل بیس برس تک خدمت صدارت کے ساتھ تعلیم وتدریس کی خدمات انجام دی اور
مدرسہ کے وقار ومعیار کو اونچا کیا۔ یہ دورانیہ ۱۱رشوال المکرم ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء تا ۲۰۰۰ء ۱۴۲۱ھ رہے۔

دار العلوم لسان العرب کا قیام: مقامی وآفاقی ممتاز درسگاہوں میں تقریباً چالیس بیالیس سال
نمایاں خدمات انجام دیں۔ صدر مدرس رہے، شیخ الحدیث رہے، شیخ التفسیر رہے، شیخ المعقولات رہے،
مفتی رہے، بہترین خطیب رہے، جابجا مناظروں میں شرکت کی، ملی مسلکی مسائل میں حصہ لیتے
رہے۔ یوں بہار وبنگال کے علمی وعوامی حلقہ میں شہرت ونیک نامی کا اونچا مقام حاصل کیا۔ اب آپ
نے اپنی ذاتی زمین وقف کر کے دار العلوم لسان العرب کی بنیاد رکھی ہے۔ جہاں تعلیم وتعلم کا سلسلہ
جاری ہے۔ دار العلوم کے صحن میں ایک 'مدینہ مسجد' بھی ہے۔ یہیں آپ کی خانقاہ بھی ہے۔ جو خانقاہ
قادریہ چشتیہ رشیدیہ کے نام سے معنون ہے۔ آپ کے ہزاروں شاگرد ہیں۔ جو ملک وملت کی خدمت
ورہنمائی میں مصروف ہیں۔ ہزاروں مریدین متوسلین ہیں۔

بیعت وخلافت: حضرت مفتی محمد طیب رشیدی سلسلہ عالیہ رشیدیہ جون پور سے شرف بیعت
رکھتے ہیں۔ سید السادات منبع البرکات ابو المحاسن سید شاہ مصطفیٰ علی شہید سبز پوش رشیدی علیمی
گورکھپوری علیہ الرحمہ (م ۱۳۷۶ھ) آپ کے مرشد برحق ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی علیمی رشیدی قدس سرہ آپ کے مرشد اجازت
ہیں۔ قریب آٹھ سلاسل کی اجازتیں آپ کو حاصل ہیں۔ یوں تو آپ کے ارادتمند پورے ملک میں
پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر بنگال میں چکلہ، گوال پوکھر، اتر دیناج پور، سلی گوڑی، کرشیانگ، سونارده،
دار جلنگ وغیرہ شہروں میں بکثرت مریدین موجود ہیں۔

گورا رنگ، ناٹا قد، گول چہرہ، بڑی آنکھیں، اونچے اخلاق، گہرے علم، وسیع تجربہ، سلیس
زبان، بزرگانہ خوبی درویشانہ وضع قطع والے حضرت مفتی محمد طیب رشیدی مدظلہ کی عمر اس وقت ساٹھ

برس سے متجاوز ہے۔ تاہم وہ اصلاح عوام، خدمت خلق، تربیت مریدین، اہلسنت وجماعت کی ترویج وتوسیع میں ہمہ لحہ مصروف منہمک ہیں۔ مسلکی معاملے میں حددرجہ متصلب ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے سخت پابند ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، سرکار آسی شاہ عبد العلیم غازی پوری، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا، ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین رضوی، شیخ الاسلام شاہ محمد غلام یٰسین علیمی رشیدی علیہم الرحمہ کے والا وشیدا ہیں۔ یوں تو ان کے قلب میں تمام مشائخ، تمام علما، تمام اساتذہ کا بے حد احترام ہے۔ مگر حضرت ملک العلما کی یادیں وہ کبھی نہیں بھولتے۔ جب ذکر کرتے ہیں۔ بڑے والہانہ پن ذکر خیر چھیڑتے ہیں۔ اس تحریر کے وقت اتفاق سے حضرت مفتی رشیدی کے دو خط میرے پیش نظر ہیں۔ جو انہوں نے بریلی شریف سے حضرت ملک العلما کی خدمت میں ارسال کئے ہیں۔ دونوں خط یہاں من وعن نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے استاذ وشاگرد کے باہمی روابط کھل کر سامنے آتے ہیں۔

(۱)

بحضور فیض گنجور مرشدی مولائی استاذی المکرّم حضرت ملک العلما صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ دام ظلکم علینا

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وعافیت رہکر حضور کی خیریت کا خواہاں رہتا ہوں نیاز مندانہ عرض ہے کہ حضور کا خط ملا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ حضور یاد تو فرمالیا، یہی میری خوش قسمتی ہے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ حضرت مفتی اعظم سیتامڑھی کانفرنس میں کب جارہے ہیں۔ حضرت صاحب حضرت صدرالشریعہ کے عرس میں کھوسی تشریف لے گئے ہیں۔ ادھر ہی سے گونڈہ تشریف لے جائیں گے، پھر وہاں سے پوکھریرا میں ۱۰؍ ذی القعدہ کو جلوہ افروز ہوں گے، ممکن ہے کہ وہیں سے سیتامڑھی پہنچ جائیں یا اگر پہلے مکان آئے، تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر ثانیاً خط کے ذریعہ کانفرنس میں حضرت کے جانے کی تاریخ پوچھ کر عرض کروں گا۔ یہ کل مذکورہ باتیں حضرت ساجد میاں صاحب سے معلوم ہوئی ہیں۔

فقط والسلام مع الاکرام

حضرت استاذی مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت اقدس میں ہزار ہزار سلام عرض ہے۔

حضور کا خادم۔ العبد محمد طیب عفی عنہ رشیدی قادری متعلم مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بہاری پوری بریلی، یوپی، خواجہ مظفر حسین خدمت عالیہ میں سلام عرض کرتا ہے۔

(۲)

۲۲ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

امام اہلسنت قاطع بدعت مرشدی ومولائی واستاذی حضرت ملک العلما صاحب فاضل بہار دام مجدہ وفضلہ ماعلینا۔ سلام مسنون قبولباد۔

بفضلہٖ تعالیٰ میں بخیر رہکر ہمہ دم داعی الخیر ہوں۔ قبل ازیں ایک کارڈ ثانیاً خدمت عالیہ میں بھیجا۔ ہنوز جواب باصواب سے محروم رہ کر تردد وتفکر کے دریا میں غوطہ زن ہوں۔ نہ جانے کیوں حضور لامع النور کی طرف سے کوئی نامہ وپیام نہیں آیا۔ یا میری غلطی کی وجہ سے حضور کوئی گرامی نامہ فیض شمامہ شاید نہیں بھیجتے ہیں۔ حضور کم از کم اس فقیر کو یاد فرما کر اپنی خیریت سے نواز کر بے حد تشکر کا موقع عنایت فرمائیں۔ حضور ہی کو میں مرشد سمجھ کر اپنی دلی تمنا کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اللہ رب العزت دین ودنیا میں فلاح وبہبودی عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

میں حضور کی خدمت عالیہ سے جدا ہو کر بہت ہی افسوس کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اگر حیات رہی، تو حضور ہی سے سند لیکر فخر کرنے کا موقع حاصل کروں گا۔ حضور دعائے خیر فرمائیں کہ ہمیں علم نافع ومفید حاصل ہو۔ حضرت مولانا یوسف صاحب کی خدمت بابرکت میں سلام مسنون عرض ہے۔

فقط والسلام مع الاکرام

حضور کا خادم وشاگرد، العبد محمد طیب عفی عنہ رشیدی قادری،

متعلم مدرسہ مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، محلّہ بہاری پور بانس بریلی۔

[مشمولہ ’جہانِ ملک العلما‘ مرتبہ غلام جابر شمس پورنوی، طبع بمبئی، ۲۰۰۹ء ص: ۱۰۶۴]

[نوٹ: خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کے دو خطوط اس وقت سامنے ہیں، جو انہوں نے ابوظفر حضرت مفتی محمد طیب رشیدی کے نام لکھے تھے، جب وہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں برسر تدریس تھے، یہاں درج کر دیتے ہیں۔ تاکہ یادگار رہے اور دونوں کے درمیان خلوص واعتماد کا پتا چلے۔ غلام جابر شمس پورنوی،]

نومبر ۲۰۰۸ء کے دورۂ پورنیہ کے وقت یہ اقتباس قلم بند ہوا تھا:

’یکم نومبر کو ہم چوپڑا میں تھے۔ پیر طریقت حضرت مولانا مفتی محمد طیب رشیدی سے ملاقات کی۔ آپ نے مظہر اسلام بریلی سے ۱۹۶۰ء میں تکمیل تعلیم کی ہے۔ سید شاہ مصطفیٰ علی شہید گورکھ پوری سے بیعت ہیں۔ ضیغم ملت حضرت مولانا شاہ غلام یٰسین تکلیمی رشیدی سے

خلافت ہے۔ دارالعلوم لطیفی کٹیہار، بحرالعلوم کٹیہار میں کتب متداولہ پڑھا چکے ہیں۔ دارالعلوم غیرب نواز الہ آباد، جامعہ عربیہ سلطان پور میں مفتی و شیخ الحدیث رہ چکے ہیں۔ اس وقت اپنی بستی میں دارالعلوم لسان العرب چلا رہے ہیں۔ جہاں ان کی خانقاہ بھی ہے۔

آپ کا ذخیرہ کتب و کاغذات دیکھا۔ مجموعۂ فتاوی، تحقیقی مقالے، اصلاحی مضامین دیکھے۔ جو آپ نے لکھے ہیں۔ ضرورت ہے، ان فتاوی و تحریرات کو مرتب کر دیا جائے۔ کاغذات میں ضیغم ملت ،علامہ مشتاق احمد نظامی، صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کے مکتوبات و مقالات نظر سے گزرے۔ کچھ تو چھانٹ کر الگ کیا۔ کچھ اگلے دن کے لئے اٹھا رکھا۔ حضرت موصوف خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ علمی تعاون میں بخل سے کام نہیں لیا'۔

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص:۳۶]

حضرت گرامی قدر کا منظوم تذکرہ بھی یوں کیا گیا ہے:

یہ بستی چوپڑا ہے آؤ اس بستی میں چلتے ہیں
یہاں مولانا طیب کا ہے شہرہ دیکھتے جاؤ
وہ ایسی ذات جن کو علم و فن کی انجمن کہیے
ہزاروں پر ہیں وہ بھاری اکیلا دیکھتے جاؤ
نبی کے جانشیں ہیں اور وہ پیر طریقت بھی
انہیں سے ہم نے سیکھا لکھنا پڑھنا دیکھتے جاؤ
بسر کرتے ہیں اپنی زندگی سادہ مزاجی سے
وہ سلف صالحین کا ہیں نمونہ دیکھتے جاؤ
منم گفتم کہ آں در عدن لعل بدخشاں است
چمکنا دیکھتے جاؤ دمکنا دیکھتے جاؤ

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص:۱۲۴]

☆ ☆ ☆

بزرگ عالم و مصلح قوم وملت
حضرت مفتی محمد عظیم الدین رضوی قبلہ مدظلہ

آج ۱۵ رمئی ۲۰۱۱ء ہے۔ میں ٹھاکر گنج آیا ہوں۔ یہاں سے نیپال کی سرحد گلگلیا ذرا فاصلے پر ہے۔ یہاں کی ہریالی اور چائے پتی کے باغات دیکھ کر آنکھیں شادکام ہو رہی ہیں۔ ٹھاکر گنج کوئی شہر نہیں، شہر نما ہے۔ میں یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ آنے کی غرض کچھ اور نہیں، محض مفتی محمد عظیم الدین صاحب قبلہ سے ملاقات ہے۔ ان کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ جہاد زندگی سے ہمیشہ بر سر پیکار رہے۔ سارا دفتر حیات سخت کوشی، جفاکشی، جاں سوزی اور علمی فیض بخشی سے پر ہے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی قبلہ ان کا ذکر والہانہ انداز سے کرتے ہیں۔ یہی ذکر وہاں جانے کا سبب بنا۔ چل کر دیکھا، تو اچھا لگا۔ خوشی ہوئی۔ دین حق کے سپوت، اسلام کے کل پرزے کہاں کس طرح کام کرتے ہیں۔ خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔ مسرت ہوتی ہے۔

علم، حسن، دولت، اقتدار، ولایت، یہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتی۔ یہ کسی ملک یا قوم کی جاگیر بھی نہیں، نہ اس پر کسی کا دائمی قبضہ ہی رہتا ہے، نہ زور زبردستی۔ یہ آزاد ہیں۔ یہ سفر کرتے ہیں۔ چند پشتوں تک کہیں ہے۔ تو بڑی بات ہے۔ ورنہ دوسری، تیسری نسل تک دراز ہو کر معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں۔ شہر ویران ہوتے ہیں اور ویرانے آباد ہو جاتے ہیں۔ علم واقتدار بدلتا رہے گا۔ دولت اور ولایت منتقل ہوتی رہے گی۔ عالم، ادیب، ولی اور فنکار صرف شہروں میں پیدا ہوتے، یہ کوئی ضروری نہیں۔ بستی بستی، قریہ قریہ نے کیا گناہ ہے۔ قدرت کب نواز دے اور کس کو نواز دے، کون ہے، جو اس میں دخل دیدے۔

یہ محلہ طوطا بھیڈ ہے۔ بستی باکھوٹولی، بھوگ ڈابر روڈ سے ذرا پچھم ہے۔ تحصیل وہی ٹھاکر گنج ہے اور ضلع کشن گنج ہے۔ یہ کسانوں کی بستی ہے۔ مسلمانوں کی بستی ہے۔ کب سے آباد ہے۔ کہنا مشکل ہے۔ علم وادب کا کوئی دوسرا شجرہ یہاں نظر نہیں آتا، شاید یہی مفتی صاحب یہاں اول عالم دین ہیں۔ پہلا چراغ ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتے ہی ہیں، چنانچہ اس چراغ اول سے سینکڑوں چراغ جل اٹھے اور علاقہ چراغاں ہو گیا۔ یہ روشنی یہیں تک محدود نہیں ہے،

ملک بھر میں پھیل گئی اور ہر سو برس گئی۔

ٹھاکر گنج سے ذرا آگے کلبھٹ ہے۔ کلبھٹ سے آگے لوہا گارا ہے۔ یہی سڑک بہادر گنج چلی جاتی ہے۔ یہ سڑک شمالاً، جنوباً ہے۔ یہیں کلبھٹ سے اتر کو کوئی دو تین کلو میٹر پچھم طوطا کھیٹہ، باکھوٹولی بھوک ڈابر ہے۔ الحاج محمد یوسف مرحوم وہ خوش نصیب تھے، جو مفتی محمد عظیم الدین رضوی کے والد گرامی تھے۔ الحاج محمد یوسف خوش حال بھی تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند کو عالم دین بنایا۔ جب کہ اس وقت لوگ ایسا کم سوچتے تھے۔ حضرت مفتی عظیم الدین رضوی کی ولادت ۱۹۳۳ء کی ہے۔ اب وہ زندگی کے آخری پڑاؤ میں ہیں۔

ابجد خوانی کی ابتدا خانگی مکتب سے ہوئی۔ دربھنگہ، بہار کے منشی محمد ضمیر الحق مرحوم یہاں اتالیقی کرتے تھے۔ پھر مالن گاؤں میں مولینا محمد صدیق مرحوم سے پڑھا۔ یہ پہلا قدم تھا۔ دوسرا قدم بائسی تھا۔ بائسی سے ذرا پورب ہجلہ، منڈیل جڑداں بستی ہے۔ جوشاہ راہ عام پر واقع ہے۔ یہاں مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم چلتا ہے۔ آپ ٹھاکر گنج سے یہاں آئے اور حضرت حضرت منشی محمد عبد المتین مرحوم اور حضرت مولینا محمد قمر الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دو برسوں میں ذرا شد بد پیدا ہوئی۔ تو بائسی سے ذرا کچھ اتر چکلہ، چندر گاؤں چلے گئے۔ مدرسہ شرفیہ جامع العلوم میں داخل ہوئے۔ وہیں منشی محمد عبد المتین اور حضرت مولینا محمد تمیز الدین گوہر علم حاصل کیا۔ پھر وہیں بغل میں مدرسہ محی الاسلام بجرڈیہہ آگئے۔ پھر مدرسہ فیاض المسلمین بائسی چلے گئے۔ غرض بائسی ہی کے کئی مدارس اہل سنت میں آپ گھوم گھما کر شرح جامی تک کورس پورا کیا۔

۱۳۷۶ھ میں ایک جست لگائی۔ بہار سے بریلی پہنچ گئے۔ تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے قائم کردہ ادارہ مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔ مسلسل چار سال تعلیم حاصل کر کے دورۂ حدیث تمام کیا۔ حضرت مولینا محمد ثناء اللہ محدث بستوی، حضرت الحاج محمد مبین الدین امروہوی، حضرت مولینا محمد معین الدین تال نرجا گھوسی، حضرت مولینا غلام جیلانی گھوسی، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی گھوسی سے درس لیا۔ ۱۳۸۰ھ میں فراغت ہوئی۔ جلسۂ دستار سے پہلے محدث اعظم سید شاہ محمد کچھوچھوی نے امتحان لیا اور ختم بخاری کرایا۔ جلسۂ دستار میں محدث اعظم کے علاوہ صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، مجاہد ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمن عباسی اڑیسوی، حافظ ملت مولانا شاہ محمد عبد العزیز محدث مبارکپور زینت جلسہ تھے۔ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ اسی موسم نور و سرور میں،

آپ نے مفتی اعظم ہند سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔

عرصہ ہوا۔ حصول علم میں سرگرداں رہے۔ اب جاکر کوچہ گردی، صحرانوردی، آبلہ پائی کا دور ختم ہوا۔ تو اب دورِ تدریس شروع ہوا۔ فضیلت کی دستار لئے واپس ہوئے۔ تو وطن میں پرجوش خیر مقدم ہوا۔ کیوں کہ اس دور میں علما اور فضلا کی بڑی قدر تھی۔ اس دیار کا یہ پہلا پھول کھلا تھا۔ جو بریلی سے کھل کر آیا تھا۔ مدرسہ فیاض المسلمین بائسی، جہاں وہ تعلیم لینے گئے تھے۔ اب وہ آج وہاں تعلیم دینے جارہے تھے۔ پہلے پہل درسگاہ لگی، قطبی، شرح جامی اور ہدایہ اولین وغیرہ زیر درس آئی۔ یہ ۱۳۸۱ھ کا سال تھا اور تدریس کا پہلا مرحلہ تھا۔

یہ بات ان کے قرب وجوار والوں کو نہ پسند ہوئی۔ اس علاقہ میں ایک عالم نہیں، جو بن کر آیا، وہ بھی باہر ہے۔ تو یہ تاریک علاقہ تاریک ہی رہ جائے گا۔ ان کے اصرار پر وہ بائسی سے اٹھا کر گنج منتقل ہوگئے۔ معززین کے اشتراک وتعاون پر اپنے گاؤں میں، مدرسہ چمن مصطفیٰ، کی بنیاد ڈالی۔ یہ مدرسہ تاجدار اہلسنت مفتی اعظم ہند کے نام سے قائم ہوا۔ آٹھ برسوں میں یہ مدرسہ اطراف میں مشہور ہوگیا۔ اول سال ہی طلبا کا ہجوم ہوگیا۔ مقامی بچے تو تھے ہی، اقامتی طلبہ کا بھی انتظام کیا گیا۔ دار الاقامہ اور دار الطعام کا اہتمام ہوا۔ درجۂ پرائمری، ناظرہ، فارسی کے علاو درجۂ عربی کا افتتاح ہوا۔ شرح تعلیم آگے بڑھی اور معیار تعلیم وہی شرح جامی تک رہا۔ اساتذہ وطلبہ کی کثرت تھی۔ پورے خطہ میں پہلی اکلوتی درسگاہ تھی۔ جو مدرسہ چمن مصطفیٰ کے روپ میں ۱۳۸۲ھ کو قائم ہوا تھا۔

۱۳۹۰ھ میں 'مدرسہ فیضان مصطفیٰ' قائم' فرمایا۔ اس ادارہ میں بھی وہ تمام درجات جاری کرائے، جو 'مدرسہ چمن مصطفیٰ' میں جاری تھے۔ طلبہ اسی کثرت سے رہے۔ معیار تعلیم بھی وہی رہا۔ تعلیم وتعلم کا یہ کارواں روبہ عروج تھا کہ ان کو باہر جانا پڑ گیا۔ پونہ مہاراشٹر میں دار العلوم غوث اعظم جنتر ہے۔ دار العلوم غوث اعظم جنتر کے اراکین انہیں بضد ہوکر اٹھا لے گئے۔ اس دار العلوم میں آپ تین برس رہے۔ درجہ خامسہ تک پڑھایا۔ پونہ آپ ۱۳۹۴ھ میں گئے تھے۔ ۱۳۹۸ھ میں وطن واپس آگئے اور 'مدرسہ چمن اسلام' جال ملک میں ایک سال تعلیم دی۔ ۱۳۹۹ھ میں گلشن بھیٹہ تشریف لے گئے اور چار سال تک درس دیتے رہے۔ ۱۴۰۳ھ میں الجامعۃ الاشرفیہ اظہار العلوم بہادر گنج تشریف لاکر درس وتعلیم دی۔ ۱۴۰۵ھ میں در العلوم اہلسنت کنہیا باڑی جنتا میں تدریسی جادہ بچھایا۔ پر ایک سال بعد سمیٹ بھی لیا۔ دار العلوم اہلسنت جنتا ہاٹ اور دار العلوم محمدیہ عربک

کالج پورنیہ، علاقہ سرجاپور میں یہ دو اہم ادرے ہیں۔ جہاں کسی حد تک معیاری تعلیم ہوتی ہے اور عالمیت کی دستار کرائی جاتی ہے اور غالباً فضیلت کی بھی۔

۱۹۹۴ء میں الجامعتہ الغوثیہ کلبھٹ میں قائم فرمایا۔ ناظرہ، فارسی کے علاوہ عربی درجہ ثانیہ تک تعلیم ہوتی ہے۔ ۲۰۰۳ء میں الجامعتہ الرضویہ انہی کی سرپرستی میں قائم ہوا۔ فی الوقت نظم ونگرانی کا فریضہ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب رضوی انجام دیتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد عظیم الدین صاحب جید عالم ہیں۔ متقی پرہیز گار اور ارادے کے پکے ہیں۔ سچی لگن کے آدمی ہیں۔ ان کے ادوار تدریس جہاں کہیں رہے۔ نہایت سرگرم رہے۔ مکتب کو مدرسہ بنایا اور مدرسہ کو دارالعلوم کا درجہ دیا۔ کئی ادارے تو انہوں نے خود قائم کئے۔ یہ قیام مدارس ان اطراف کی ضرورت تھی۔ ادارے بنائے، طلبہ اکٹھے کئے۔ بنیادی تعلیم سے آراستہ کئے۔ جب تیار ہوگئے، تو باہر کے اداروں میں بھیج دیا۔ جہاں سے فارغ ہوکر یہ طلبہ علما کے روپ میں جہاں تہاں پھیلتے چلے گئے۔ ان کے طلبہ کی تعداد بہت ہے۔ اس علاقہ میں جتنے علما ہیں، یا تو ان کے شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اس لئے مفتی عظیم الدین صاحب قبلہ کو علما گر، علما ساز اور استاذ العلما کہا جاتا ہے۔

ان کی تعلیمی خدمات وسیع ہیں۔ ان کی جڑیں گہری اور مضبوط ہیں۔ یہی ایک ان کا کارنامہ نہیں ہے۔ ان کی دیگر دینی سرگرمیوں کا کینوس بھی بڑا وسیع ہے۔ وہ اپنے دور جوانی میں شعلہ بار مقرر تھے یا نہیں۔ اس کا بھی پتا نہیں، مگر وہ نہایت با اثر واعظ تھے۔ وعظ گوئی بے حد پختہ ہوتی تھی۔ اعمال کی اصلاح تو کرتے ہی تھے۔ علمی، عملی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی اور اعتقادی غلط روئی پر وہ بے لاگ روک لگاتے تھے۔ مقرر لوگ آج گلا پھاڑ کر تقریر کرتے ہیں۔ اصلاح خاک نہیں ہوتی۔ سماج پاک نہیں ہوتا۔ انہوں نے جب کبھی تقریر کی، جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ سدھار کے اثرات فوری محسوس کئے گئے۔ اصلاح احوال اور اصلاح عقائد پر زبردست تقریر کرتے تھے۔ اعمال کی بنیاد عقائد پر ہی ہے۔

علاقہ خالی تھا۔ بیرونی علما کی چراگاہ تھی۔ وہ دین کے نام پر دنیا کما رہے تھے۔ ساتھ ہی عقائد میں بگاڑ بھی پیدا کر رہے تھے۔ حضرت مفتی محمد عظیم الدین قبلہ جو حساس وبشاش عالم وفاضل تھے۔ بروقت قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ بوالعجبوں، بوالہوسوں، زمانہ سازوں اور ابن الوقتوں کے دانت کھٹے کردیئے۔ اپنی قوم، اپنے معاشرہ کو بچالیا۔ لوگ ان گرگوں کے نرغوں سے بچ گئے۔ دائرہ اسلام

میں ہی رہے۔ اہل سنت کی ڈوری سے کسے رہے۔ آج وہاں اہل سنت کی جو کثرت ہے اور خوش عقیدگی کی جو بہار ہے۔ اس میں حضرت مفتی محمد عظیم الدین صاحب مدظلہ کا بنیادی رول ہے۔

علم سارا حاضر تھا۔ ذہن مناظرانہ پایا تھا۔ باقاعدہ انھوں نے کہیں مناظرہ کیا یا نہیں، یہ تفصیل دستیاب نہیں۔ البتہ مناظرہ نما مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ مظفر پور کے رہنے والے مولانا مطیع الرحمٰن، یہ مالن گاؤں مدرسہ میں مدرس تھے۔ مسجد میں امام بھی تھے۔ لیکن در پردہ بہت گڑبڑ تھے اور لکھنؤ کی شائستہ زبان میں یہ 'بڑے وہ' تھے۔ ایک دفعہ سیرۃ النبی کا جلسہ رکھا اور اپنے تمام ہم خیال علما واحباب کو بلا لیا۔ علاقہ کا جلسہ تھا۔ عوام بے خبر تھے۔ لوگ باصرار آپ کو بھی لے گئے۔ جا کر دیکھا، تو بیٹھک میں وہی لوگ بھرے ہوئے ہیں۔ مولانا منت اللہ رحمانی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا حبیب الرحمٰن، یہ سب امارت شرعیہ پٹنہ سے آئے تھے۔ مولانا منور الدین التا باڑی، مولانا امام الدین کھتا ٹولی، یہ دونوں مقامی تھے۔

آپ یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گئے۔ بستی والوں سے کہا: میں ان کے درمیان ہرگز نہیں بیٹھوں گا۔ الگ بیٹھک میں اپنی نشست بنائی۔ رات آپ کی پہلی تقریر ہوئی۔ سب کا سارا بھرم کھل کر رہ گیا۔ لوگ تو سنی تھے۔ بھڑک گئے۔ مجمع تتر بتر ہو گیا۔ آنے والوں نے تقریریں تو کیں، مگر لوگ مطمئن نہیں تھے۔ صبح ایمان کے موضوع پر بحث ہوگی، ایک طرف تو آپ تنہا تھے، دوسری طرف یہ تمام تھے۔ لوگ بھی دلچسپی سے بکثرت موجود تھے۔ ہوا وہی، جو ہونا تھا۔ آپ تن تنہا اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ یہ تمام حیلہ، بہانہ کرتے، پہلو بدلتے، بات ٹالتے رہے۔ بس ان کا مقصد محض کترانا یا مکڑنا تھا۔ بالآخر باثر سماجی افراد نے یہ کہہ کر مجلس برخواست کردی کہ یہ بیرونی علما ہیں، انہیں باعزت جانے دیا جائے۔ یہ پھر ادھر دوبارہ نہیں آئیں گے، ہم سمجھ گئے ہیں کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے۔

ایک دفعہ آپ ہنڈوا شریف گئے۔ حاضری دی، فاتحہ پڑھا۔ اچانک ایک وہابی مولوی مل گیا۔ یہ مولوی بتایا کہ وہ عرب رہ کر آیا تھا۔ دیہاتی عربی بھی بولتا تھا۔ اس نے فاتحہ، ایصال ثواب کرنا ناجائز کہا اور فاتحہ کی شیرینی کو حرام کہا، یہ سنتے ہی آپ سیخ پا ہو گئے۔ بحث وتکرار شروع ہو گئی۔ زائرین اور مجاورین، جو سب سنی تھے، آپ کی باتوں اور دلیلوں سے خوش ہو رہے تھے۔ چند ہی لمحے میں اس وہابی کا عربی بولنا بند ہو گیا۔ آدھی اردو، آدھی بنگلہ میں بات کرنے لگا۔ یہاں بھی وہ بہت جلد ہی بے زبان، لاجواب ہو گیا۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے مار بھگائیں، مگر ان لوگوں نے بیچ بچاؤ

کر کے اسے پتلی گلی سے روانہ کر دیا۔ اتفاق سے کچھوچھہ شریف کے حضرت سید محمد اشرف صاحب موجود تھے۔ سید صاحب آپ کی حاضرالعلمی، قوت دلیل اور حاضر جوابی دیکھی، تو بے حد شاباشی دی اور پیٹھ تھپتھپائی۔

ٹھاکر گنج کے جوار میں ایک گاؤں ہزاری ہے۔ مونگیر سے وہاں ایک پیر آیا کرتا تھا، نام مولینا غلام حسین تھا، لیکن باطنی طور پر وہ غدار حسین تھا۔ بے دین، بدمذہب تھا۔ اس کا پردہ یوں اٹھا کہ ہزاری میں ایک بار جلسہ رکھا گیا تھا۔ علاقہ میں آپ کی شہرت تو ہو ہی چکی تھی۔ مقامی لوگوں نے آپ کو مدعو کیا۔ جب پیر مذکور سے سامنا ہوا۔ بات چیت ہوئی۔ تو اس کی باتوں سے بدمذہبیت کی بو آنے لگی۔ بھوکے شیر کی طرح آپ اس پر جھپٹ پڑے اور اس نے اپنی ساری غلاظت اگل دی۔ پھر جب جلسہ شروع ہوا، تو سر محفل اس سے جو سوال و جواب ہوا۔ وہ اپنی باطنی پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا، لیکن آپ نے کرید کرید کر اسے مشتعل کر دیا۔ اسی اشتعال میں اس کا سارا کچا چھٹا ظاہر ہو گیا، مجمع پر روشن ہو گیا کہ وہ بدمذہب ہے۔ لوگوں نے اسکی پیری مریدی سے بیزاری کا اعلان کیا اور توبہ و رجوع کیا۔ پھر سے وہ پیر اس خطہ میں کبھی نظر نہیں آیا۔

جس شدت سے آپ بدمذہبوں سے نفرت کرتے تھے۔ اسی شدت سے آپ کو اہل سنت سے پیار تھا، اپنے معاشرہ کے لئے آپ نے بے حد جدو جہد کی۔ جان و مال کی بازی لگا دی۔ بڑے بڑے تاریخی اجلاس منعقد کرائے۔ مقامی اور آفاقی اونچے درجے کے علما بلائے، تقریریں کرائیں، مناظرے کروائے، بیعت و ارشاد کا سلسلہ دراز کرایا، مناظر اہل سنت علامہ محمد حسین سنبھلی، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، صدر العلما حضت مولانا شاہ تحسین رضا قادری وغیرہم آپ کے پسندیدہ علماء تھے، من پسند خطباء تھے۔ جن کو آپ نے بار بار بلوایا۔ ٹھاکر گنج، بہادر گنج، اسلام پور کے علاقوں اور دیہاتوں میں دورے کرائے۔ ان راسخ علما کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا ایمان پختہ ہو گیا۔ عقیدے راسخ ہو گئے۔ سنیت کی لہلہاتی فصل اجڑنے، ویران ہونے سے محفوظ ہو گئی۔

تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند قدیم پورنیہ تین بار تشریف فرما ہوئے۔ ہر بار آپ ہمراہ رہے۔ اپنے علاقے، اپنی بستی لے گئے۔ تمام علاقوں کے دوروں میں ساتھ رہے، ۱۹۶۲ء میں مفتی اعظم ہند پہلی بار بانسی جلوہ افروز ہوئے۔ مفتی محمد عظیم الدین صاحب ٹھاکر گنج بھاگ کر بانسی آئے 13

۔مفتی اعظم کو اچک کر لے گئے۔ مدرسہ چمن مصطفیٰ میں تین دنوں تک قیام رہا۔ گاؤں کا گاؤں ٹوٹ کر آتا۔ فیض اٹھاتا، دیدار کرتا، دامن سے وابستہ ہوتا۔ آپ کے گھر آنگن میں درود فرمایا۔ آپ کے بچوں سے پیار فرمایا۔ جمعہ کی نماز ٹھاکر گنج کی جامع مسجد میں ادا فرمائی۔ امام و خطیب سنت کی اتباع اور آپ کے احترام میں آذان ثانی مسجد سے باہر دلوائی۔

۶۵، ۱۹۶۶ء میں دوبارہ تشریف لائے۔ مفتی محمد عظیم الدین کو خبر ہوتے ہی وہ دوڑے دوڑے آئے۔ بائسی سے ٹھاکر گنج لے جانے کے لئے بضد ہو گئے۔ بالآخر کامیاب ہو گئے۔ اس بار دو دن مفتی اعظم ہند کا قیام مفتی محمد عظیم الدین کے گھر رہا۔ اہلیہ اور نوخیز بچوں کو داخل سلسلہ کرایا۔ ان کی اہلیہ کو یہ شرف ملا کہ انہوں نے مفتی اعظم ہند کے استعمال شدہ کپڑے دھوئے۔ مفتی محمد عظیم الدین کے گھر اور کئی گھرانوں میں بار بار چوری اور ڈکیتی ہوتی تھی۔ مفتی اعظم ہند نے حصار کر دیا۔ یہ قبیح حرکتیں ہمیشہ کیلئے بند ہو گئیں۔ تیسری بار مفتی اعظم ہند ۱۹۷۳ء میں پورنیہ تشریف لائے۔ اس بار بھی مفتی محمد عظیم الدین اپنے علاقے کا دورہ کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ دو شب آپ کے گھر قیام فرمایا۔ گھر، آنگن، گاؤں اور تمام علاقوں میں عید کا سماں پیدا ہو گیا۔

اس سفر میں مفتی اعظم ہند کو سپاری، ڈیمٹھی، اور چنامنا علاقہ اسلام پور لے جایا گیا۔ گروہ در گروہ لوگوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ جہاں تشریف لے جاتے، جدھر سے گزرتے، بچوں، عورتوں، مردوں کا میلہ لگ جاتا۔ دور دراز سے لوگ آتے، شرف دیدار سے مشرف ہوتے۔ ایک دن نماز مغرب ٹھاکر گنج جامع مسجد میں پڑھی، سارا شہر ٹوٹ کر آ گیا۔ مسجد تو مسجد، آس پاس سڑکوں پہ تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ مفتی اعظم کی ذات میں عجب مقناطیسیت تھی، خداداد مقبولیت تھی، جہاں تشریف رکھتے، بغیر اعلان و اطلاع کے خلق خدا کا ریلا د میلہ ابل پڑتا۔ ہر سمت ازدھام ہی ازدھام نظر آتا۔ حضرت مفتی محمد عظیم الدین یہ دیکھ کر پھولے نہیں سماتے۔ فنافی الشیخ کا نام ہے مفتی محمد عظیم الدین رضوی۔ مفتی اعظم ہند کا یہ تمام سفر کہیں جیپ، کہیں کار، کہیں بیل گاڑی اور کہیں پالکی سے اور بسا اوقات پیدل ہوتا تھا اور آج ہمارے پیروں کے لئے سفر، سواری اور رہائش سب ایئر کنڈیشن چاہیے۔

۲۰۰۷ء مفتی محمد عظیم الدین رضوی نے حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ سفر حرمین سے پہلے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ ساتھ میں اہلیہ بھی تھیں۔ مفتی محمد عظیم الدین کا ٹکٹ کنفرم ہو گیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ اہلیہ کا ٹکٹ بھی کنفرم ہو جائے۔ مرشد گرامی کے مزار اقدس پر

فاتحہ پڑھا اور گڑگڑا کر دعا مانگی۔ بریلی شریف سے ٹھاکر گنج لوٹتے لوٹتے اہلیہ کا ٹکٹ کنفرم ہو چکا تھا۔ دونوں نے مل کر بعافیت تمام فریضۂ حج ادا کیا۔ مفتی محمد عظیم الدین فرماتے ہیں: یہ ان کے مرشد طریقت کا تصرف تھا۔ ورنہ یہ ان ہونی بات تھی، نگاہ مرشد سے ہو کر رہی۔

۱۳۸۰ھ میں شادی ہوئی۔ دھوم گڑھ کیمنشی گوہر علی مرحوم خسر تھے۔ جو نمازی، متقی، پابند شرع اور خوش اوقات شخص تھے۔ پانچ لڑکے، چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، بڑے لڑکے مولینا محمد شاہد رضا رضوی ہیں، دوسرے مولینا محمد شفیع رضا رضوی ہیں، تیسرے حافظ قرآن ہیں، اولاد سب شادی شدہ ہیں۔ خوش وخرم ہیں۔

تعویذات وعملیات کے ذریعہ قوم کے مسائل حل کرنے والے حضرت مفتی محمد عظیم الدین رضوی صاحب قبلہ انتہائی گورے چٹے، فراخ روشن آنکھیں، اونچی موٹی ناک، متوسط قد، ددھرا بدن، بال سفید، چہرہ نصف النہار کا آفتاب، دہکتا ہوا، مگر تمازت سے خالی، ملاحت سے پر، اس پیرانہ سالی میں بھی آواز میں کھنک، لہجہ شیریں، زیر لب مسکان، اجلے دانت، ہنستے، تو چاندنی پھیل جاتی، تواضع، انکسار کا مجموعہ، دوزانوں بیٹھے، تو ڈیڑھ گھنٹے تک بیٹھے ہی رہے، وضع وہی رہی، میرے سوال کا جواب دیتے رہے، وقفہ وقفہ سے ان کا نواسہ پانی، چائے بسکٹ، شربت سے ضیافت کرتا رہا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ برس رہی تھی۔ حاضر ہو کر مدعا بیان کیا، تو فرمانے لگے میں کیا، میری بساط کیا ،تذکرے تو بزرگوں کے لکھے جاتے ہیں، اس کی ضرورت نہیں، عرض کیا ضرورت آپ کو ہر گز نہیں ،ضرورت تو ہمیں ہے۔ ہماری نئی نسل کو ہے۔ کچھ تو فرمایئے۔ تاکہ سندر ہے۔ اول تو مسکرایا۔ پھر اپنی یادداشت پر روشنی ڈالتے گئے۔ میں قید تحریر میں لاتا گیا۔

ہاں! ایک بات تو رہ گئی۔ حضرت مفتی صاحب موصوف تاحیات مسائل بتاتے رہے۔ تحریری سوالوں ں کا جواب تحریری دیئے۔ یوں ان کے فتاویٰ کا ایک ذخیرہ قلمی صورت میں موجود ہے۔ مرتب نہیں، جب کبھی ضرورت پڑی احکام ومسائل پر مضامین بھی لکھے۔ شاعری بھی کی۔ خطوط بھی لکھے کہ وہ زمانہ خطوط نویسی کا تھا۔ ان کے صاحب زادوں اور شاگردوں کو چاہیے کہ ان کے تحریری نقوش کو ترتیب وطباعت کے مرحلوں سے گزار کر محفوظ کریں۔

حصول مواد کی تگ وتاز کی رپورٹ کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے:

'۱۵ر مئی ۲۰۱۱ء: ٹھاکر گنج میں کوئی گیارہ بارہ پہنچا۔ یہاں سے

کچھ میل آگے گلگلیا ہے، جو نیپال کی سرحد ہے۔ ٹھاکر گنج قدیم نام بیراٹھ گڈھ ہے۔ جو راجہ بیراٹھ کی راجدھانی تھی۔ یہیں پانڈوؤں نے بارہ سال جلاوطنی زندگی گزاری تھی۔ ٹھاکر گنج سے میں کلبھٹ گیا۔ جو دس بارہ کیلو میٹر کے فاصلے پر بہادر گنج روڈ پر ہے۔ کلبھٹ چوک پُر بہار مقام ہے۔ یہیں سڑک سے لگ کر پچھّم طرف جامعہ غوثیہ ہے۔ اس کے بانی حضرت مفتی محمد عظیم الدین رضوی ہیں۔ موجودہ ناظم مولانا محمد عبد الرزاق رضوی ہیں۔

مفتی محمد عظیم الدین رضوی فی الحقیقت عظیم شخصیت کے مالک ہیں۔ اس علاقے میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ مفتی محمد عظیم الدین رضوی مدظلہ مظہر اسلام بریلی سے فارغ ہیں۔ مفتی اعظم ہند کے مرید ہیں۔ ان کے نصیبے کی ارجمندی کہ مفتی اعظم ہند جب کبھی پورنیہ تشریف لائے، ہر بار ان کے قدم مبارک سے مفتی محمد عظیم الدین صاحب کا گھر جگمگا اٹھا۔ خیر مفتی محمد عظیم الدین صاحب کا مکان باکھو ٹولی بھوگ ڈابر میں ہے۔ جو کلبھٹ سے جانب پچھّم کوئی تین چار کیلو میٹر پر ہے۔ انہیں سے ملاقات کے لئے میں یہ لمبا سفر کیا تھا۔ مولانا محمد عبد الرزاق صاحب مجھے اپنی بائک سے وہاں لے گئے۔ ملاقات ہوئی۔ میں سوال کرتا گیا۔ مفتی صاحب خندہ روئی سے جواب دیتے رہے۔ یوں ان کی زندگی کا اشاریہ تیار ہو گیا۔ اخلاق و محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ شربت، ناشتہ سے تواضع کی۔ اچانک میری آمد اور محنت پر حیرت کا اظہار بھی فرمایا۔ دعائیں دے کر رخصت کیا'۔

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش کا' معروف بہ 'سفرنامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص: ۶۷]

☆ ☆ ☆

مناظر اہل سنت
حضرت مفتی محمد عبد الحفیظ حمیدی علیہ الرحمہ

ہر ملک یا خطہ کی آبادی زیادہ تر دیہاتوں میں ہوتی ہے۔ قدیم پورنیہ کی آبادیاں کا بھی یہی حال ہے۔ پہلے یہ آبادیاں ضروریات زندگی میں شہروں کی محتاج ہوا کرتی تھیں۔ مگر اب ہر بستی میں کچھ نہ کچھ آسانیاں پیدا ہو گئیں ہیں۔ سڑکیں اچھی بن گئیں ہیں۔ دکانیں کھل گئیں ہیں ضرورت کی قریب ہر چیز ہر بستی میں دستیاب ہے۔ تاہم کچھ بستیاں ایسی بھی ہیں، جہاں بنیادی سہولیات کے لئے ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔

بجھارا زمینداروں کی بستی ہے، نام آوروں کی بستی ہے۔ یہ بستی سالماری ریلوے اسٹیشن سے کوئی بیس کلومیٹر پچھم ہے۔ پوسٹ آفس کروم ہاٹ ہے۔ یہ ہاٹ اب ایک بازار کی شکل اختیار کرلیا ہے۔ اس علاقہ کا یہ مرکزی بازار ہے۔ تحصیل کدوا ہے، ضلع کٹیہار ہے، بجھارا سے متصل جانب پچھم بنی باڑی بستی ہے۔ یہ بستی اپنے آپ میں اسکندریہ، کوفہ اور یونان ہے۔ اس کا ذکر ہم کہیں اور کریں گے۔ ابھی تو ہم بجھارا میں ہیں۔ اس کی بات کرتے ہیں۔ ہم علم وفن کے رسیا ہیں۔ اس کی خوشبو تلاش کرتے ہیں۔ جہاں یہ خوشبو محسوس ہوتی ہے، بے دھڑک پہنچ جاتے ہیں۔

بجھارا کے مولانا جمیل اختر رضوی میرے پڑوس میں رہتے ہیں۔ انہی کے ذریعہ مجھے اس خوشبو کا سراغ ملا، بے حد خواہش تھی کہ اس تک پہنچوں، خدا نے فضل فرمایا۔ غیب سے ایک بندہ خضر بن کر نمودار ہوا۔ یہ بندہ مولانا حافظ راحت شمیم برکاتی ہیں۔ راحت صاحب مادھے پور کے باشندہ ہیں، ان کو اس خوشبو سے خصوصی تعلق ہے۔ یہ خوشبو حضرت مفتی محمد عبد الحفیظ علیہ الرحمہ کی ذات ہے۔ جو اپنے حلقہ میں مناظر اہل سنت سے معروف تھے۔ راحت شمیم صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:

"مفکر اسلام ماہر رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب قبلہ دامت برکاتہم

بحمدہ تعالیٰ خیریت سے ہوں۔ امید کہ آپ بھی بخیر ہوں گے۔

عرض ضروری یہ ہے کہ مناظر اہل سنت حضرت مفتی عبد الحفیظ

بجھاروی علیہ الرحمہ و الرضوان کا مختصر سوانح خاکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ راویوں کی روایت کے مطابق اب تک جتنی بھی باتیں سننے کو ملیں۔ انہیں قلم بند کردیں۔ میں نے خاکہ تیار کرنے میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ سوانح کے اکثر ضروری گوشے اجاگر کردوں اور ان شاء اللہ میری آگے بھی کوشش رہے گی کہ باقی ماندہ گوشوں اور ان کی تائید توثیق کے لئے روایت ودرایت کی روشنی میں حضرت کی سوانح کے بیشتر واقعات صفحہ قرطاس پر نقش کرلوں ، سچ یہ ہے کہ حضرت والا کی ذات عظیم سرمایہ تھی۔ ایسی شخصیت کی زندگی کا ہر گوشہ ہمارے لئے خضر راہ ہے۔

لکھنے میں جو بھی فروگزاشت ہوئی ہے، اس کی تصحیح فرما لیں اور اپنی تحریر کا جامہ پہنا لیں، تو زیادہ مناسب ہوگا۔ باقی آپ دانا و بینا ہیں۔ فقط والسلام، دعا جو: محمد شمیم راحت برکاتی، مادھے پور، کٹیہار۔ (خط بنام راقم غلام جابر موصولہ ۱۲۸ اکتوبر ۲۰۱۱)

قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ اس مضمون کی اساس مولانا شمیم راحت صاحب کا مرسلہ مواد ہے۔ اس لئے ہم ان کا گہرائی قلب کے ساتھ منت کش احسان ہیں۔

محمد عبد الحفیظ کی ولادت بجھارا گاؤں میں ہوئی۔ والد مرحوم کا نام نجابت حسین تھا۔ جو گرو جی کہتے جاتے تھے۔ یہ گرو جی معتبر ومعزز مانے جاتے تھے۔ اپنے گاؤں ہی میں مکتب چلایا کرتے تھے۔ بچوں کو قاعدہ، قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ دینی تعلیم، اسلامی تہذیب سے آراستہ کرتے تھے۔ نماز، روزے کے پابند، تقویٰ وطہارت کے پیکر تھے۔ جہاں دوسرے بچوں کو گرو جی نے سنوارا، وہیں اپنے فرزند دلبند کی تعلیم وسیرت کی آرائش میں بھی خاص توجہ صرف کی اور اپنے بچے کو جوہر قابل بنایا۔ گرو جی کو بے حد شوق تھا کہ ان کا بچہ نور عالم سے منور ہو جائے۔ پھر یہ نور علم سے آبادی کو چمکا دے۔ خدا نے ان کی خواہش پوری فرمائی۔ آگے چل کر محمد عبد الحفیظ نے واقعی علم وعمل کی روشنی سے آبادیوں کو بھر دیا۔

قدیم پورنیہ کا ہر گاؤں اس دور میں بڑا خوش حال تھا۔ زمیندار لوگ اپنے اپنے دروازوں پر تعلیم کا بھرپور انتظام کرتے تھے۔ یہ انتظام صباحیہ اور مسائیہ ہوتا تھا۔ جو مکتب کے نام سے چلتا

تھا۔ بچے بوریا پر بیٹھتے۔ چراغ اور لالٹین کی روشنی میں پڑھتے تھے۔ فارسی کا بڑا عمدہ چلن تھا۔ یہ انگریز دور کی بات ہے۔ یہ ۱۹۰۰ کے آس پاس کا زمانہ تھا۔

مادھے پور بھی ایک کھاتے پیتے آسودہ حال لوگوں کی بستی ہے۔ یہاں سرکار محمد عبداللطیف مرحوم بڑے نامور شخص گزرے ہیں۔ ان کو تعلیم سے خاص لگاؤ تھا۔ اپنی بیٹھک میں اشاعت علم کے لئے مکتب کھول رکھا تھا۔ اس وقت اساتذہ بھی جو اتالیق یا منشی کہے جاتے تھے۔ بڑے محنتی، مخلص، جفاکش، قناعت پسند ہوتے تھے۔ حضرت مفتی عبدالحفیظ علیہ الرحمہ بجھا را مکتب سے اٹھے، سرکار محمد عبداللطیف مرحوم کے مکتب میں آ کر بیٹھ گئے۔ یہاں آپ نے جی بھر کر علمی پیاس بجھائی۔ واضح رہے کہ معروف قلمکار اور فاضل استاذ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی زید مجدہ اسی مادھے پر گاؤں کی پیداوار ہیں، جو جامعہ منظر اسلام بریلی شریف میں جادۂ تدریس عرصہ سے بچھائے ہوئے ہیں۔

حضرت مفتی عبدالحفیظ صاحب نہایت ذہین واقع ہوئے تھے۔ حفیظ نام تھا۔ قوت حافظہ مضبوط پایا تھا۔ شوق وذوق اور محنت ولگن اس پر مستزاد، قریب آدھی تعلیم انہوں نے اپنے ہی علاقوں میں حاصل کرلی، مزید حصول علم کے لئے راہ مونگیر پر آ گئے۔ یہاں انہوں نے مدرسہ امدادیہ میں داخلہ لیا۔ کسی حد تک تعلیم کی تکمیل فرمائی۔ جب واپس وطن پہنچے۔ تو ان کا رنگ کچھ برنگ دیگر تھا۔ در اصل مدرسہ امدادیہ مونگیر اس نظریہ وعقیدہ کا حامل تھا۔ جو قدیم پورنیہ کے نظریہ وعقیدہ سے میل نہیں کھاتا تھا۔ والدین اور اقارب چونک گئے۔ مفتی عبدالحفیظ بھی پس وپیش میں تھے۔

مخفی مبادکہ قدیم پورنیہ، خصوصاً کٹیہار کا علاقہ خانقاہ منعمیہ متین گھاٹ پٹنہ سے وابستہ رہا ہے۔ عارف کامل حضرت سید شاہ محمد حمید الرحمٰن علیہ الرحمہ، جو اس وقت خانقاہ مذکور کے سجادہ نشین تھے ۔حسن اتفاق سے کٹیہار کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ نوجوان صاحب زادے مفتی عبدالحفیظ کی فہمائش کی۔ بزرگ تھے، زبان پر تاثیر تھی، مفتی عبدالحفیظ صاحب سمجھ گئے، نہ حیلہ وحجت کیا، نہ تاویل کی راہ اپنائی، فضل مجید سے مادۂ استعداد عمدہ تھا۔ کچھ آبائی تربیت نے بھی اثر دکھایا۔ تحصیل تعلیم کا جذبہ مفتی عبدالحفیظ میں ابھی بھی موجزن تھا۔ فکر واعتقاد کی بھی کامل تشفی چاہیے تھی۔ سید شاہ محمد حمید الرحمٰن علیہ الرحمہ نے انہیں بریلی کی راہ دکھائی اور وہ بریلی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ملک العلما حضرت مفتی محمد ظفر الدین قادری، جو امام احمد رضا کے مایہ ناز تلمیذ وخلیفہ تھے، سید شاہ محمد حمید الرحمٰن علیہ الرحمہ کے محبّ خاص تھے۔

مفتی عبدالحفیظ علیہ الرحمہ جو اس وقت مفتی نہیں تھے، جب بریلی پہنچے، تو منظر اسلام میں داخلہ لیا۔ جویائے علم تو تھے ہی، منظر اسلام کی جوئبار سے اپنے آپ کو خوب خوب سیراب کیا ۔روز وشب کی تگ ودو نے ان کو پھر وہ دن بھی دکھایا، جس کے لئے شائقین علم نہ جانے کتنی صبحیں، شام کرتے ہیں اور کتنی شامیں، صبح کرتے ہیں۔ تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ جبہ زیب تن ہوا، دستار فضیلت زیب سر ہوئی۔ تو پھر بصد انداز زیبائی وہ میدان عمل میں آئے۔ یہ میدان عمل کہیں اور نہیں بریلی ہی میں فراہم ہوگیا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خان اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان سے ان کے قریبی روابط تھے۔ حضرت مولانا شاہ محمد سردار احمد گرووداسپوری، جو محدث اعظم پاکستان کے نام سے معروف ہیں۔ ان سے بھی خاص تعلق تھا۔ وہ ان تینوں کے مداح تھے۔ یہ تینوں بھی ان کے قدرداں تھے۔

منظر اسلام سے فراغت ہوئی تھی۔ منظر اسلام میں تدریس کی جگہ مل گئی۔ لیاقت تو عمدہ تھی ہی، عادت بھی بہت عمدہ تھی۔ ان کے صاحب زادے مولانا محمد ضیاء الحق اشرفی کے بقول مفتی عبدالحفیظ علیہ الرحمہ نے منظر اسلام میں کوئی بیس بائس برس خدمت انجام دی، ان کا یہ بھی بیان ہے کہ محدث اعظم پاکستان جب پاکستان جانے لگے۔ تو انہوں نے مفتی عبدالحفیظ صاحب کو بھی اپنے ساتھ پاکستان لے جانا چاہا۔ مفتی عبدالحفیظ صاحب اپنے والد گرامی کی یہی ایک اکیلی اولاد نرینہ تھے، دوسرے ایک بھائی تو تھے۔ لیکن وہ کسی حد تک اپنے باپ عصائے پیری نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے لے دے کے یہی مفتی عبدالحفیظ ہی اپنے والد مرحوم کا آخری سہارا تھے۔ چنانچہ جب وہ مشورے کے لئے وطن آئے، تو ان کے والد نے ان کو پاکستان جانے کی اجازت نہ دی، یوں وہ نہ تو پاکستان ہی گئے اور نہ تو بریلی ہی دوبارہ گئے۔ یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ مفتی عبدالحفیظ کی علمی وقعت اور ذاتی حقیقت کیا تھی۔

عرصہ دراز سے وہ باہر تھے۔ اب وہ اپنے دیار میں جلوہ بار ہوئے تھے۔ بریلی سے قلبی تعلق تو تھا۔ مگر تدریسی تعلق ٹوٹ چکا تھا۔ پرندہ فضا میں اڑتا ہے۔ مچھلی پانی ہی میں زندہ رہتی ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ وہ عالم دین، جو کار دین عبادت سمجھ کر کرتا ہے۔ اسے بھی درسگاہ چاہیے۔ عبادت گاہ چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ قائم فرمایا۔ مسند تدریس بچھائی۔ نونہالان اسلام کو زیور علم سے آراستہ کرنے لگے۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ کچھ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ تب انہوں نے وہاں سے ہٹ کر ایک دوسرا مدرسہ بنوایا اور اپنے علم ووقت کا اجالا بانٹنے لگے۔ مگر یہاں بھی وہی حادثہ پیش آیا۔ خدا نے انہیں عالم جاں باز

بنایا تھا۔ وہ چوکنے والے کہاں تھے۔ پڑوس کی بستی ٹیکھنس بندھا میں جا کر ایک تیسرے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ خانگی نظامی دو مدرسے کے جھمیلے جھیل چکے تھے۔ اس لئے اس مدرسہ ثالث کو اپنے اثر و رسوخ سے بہار مدرسہ بوڈ سے ملحق کرالیا۔ جب جا کر چین نصیب ہوا۔ پھر وہ حین حیات یہیں پر درس دیتے رہے اور اسی مدرسہ سے سبکدوش بھی ہوئے۔

جس طرح آج ہر مولوی، مفتی ہے۔ ہر مولانا، علامہ ہے۔ مفتی عبد الحفیظ علیہ الرحمہ ان میں سے نہیں تھے۔ وہ فی الحقیقت عالم وعلامہ تھے۔ وہ بھی بے عمل نہیں، بالکل باعمل، پابند شریت وسنت ، کیا مجال، جو کبھی نماز چھوٹی ہو، تہجد قضا ہوئی ہو۔ یوں وہ عالم ربانی تھے اور عالم حقانی بھی، حق گوئی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ اہل ثروت ساحبان اقتدار کو وہ کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ باتیں لگی لپٹی نہیں، دوٹوک کرتے تھے۔ دلیلیں از بر رکھتے تھے۔ علم تازہ تھا۔ دماغ حاضر تھا، حاضر جواب ایسا کہ ہر سوال کا جواب مع ثبوت زبان پر رہتا تھا۔ مناظرے جم کر کرتے تھے۔ بد مذہبوں کے چھکے چھڑاتے تھے۔ خصم ان کے ہاتھ کا لٹو تھا۔ جدھر چاہتے، گھما کر مارتے، پلٹ پلٹ کر پچھاڑتے، بے جان کر کے چھوڑتے تھے۔ جب تک وہ بریلی شریف میں رہے، متعدد مناظرے کئے، جہاں کہیں ضرورت پڑی، کمان سنبھال کر گئے۔ فاتح بن کر لوٹ آئے۔ حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند اور محدث اعظم پاکستان کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ کبھی ہمراہ لئے جاتے کبھی تنہا چھوڑ دیتے۔ سامنے تعداد بھلے جتنی ہو۔ تنہا ہی وہ سب پر بھاری پڑ جاتے، حاوی ہو جاتے۔ میدان قابو کر لیتے۔ تفصیل سر دست دستیاب نہیں۔ البتہ ان کے علاقہ سمن پور کا مناظرہ وہاں کے لوگوں نے دیکھا سنا ہے۔ یہ شہادت دے سکتے ہیں۔

مناظر اہلسنت مفتی عبد الحفیظ علیہ الرحمہ نے عمر لمبی پائی تھی۔ زمانہ دراز تک درس دیا۔ طلبہ وتلامذہ ہزاروں میں ہوں گے۔ بریلی کے تلامذہ تو سیکڑوں میں ہوں گے، جو متخرج ہوئے ہوں گے۔ علاقائی طلبہ، ابتدائی اور وسطانی سطح کے رہے ہوں گے۔ لیکن یہ طے ہے کہ ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں ضرور ہی ہوگی۔ یہاں بھی زبان خاموش ہے۔ ٹھوس مواد موجود نہیں۔ تصنیف وتالیف کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ غالباً اس طرف توجہ نہ ہوئی، بلکہ مرسلہ مواد ہیں ان کا یہ بیان ملتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہزاروں نے جو کتابیں لکھیں، نہ وہ چھپتی ہیں، نہ وہ پڑھی جاتی ہیں۔ وہی کتابیں چھاپنی چاہیے اور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہاں! وہ وعظ بھر پور کرتے تھے۔ گفتگو ناصحانہ ہوتی تھی۔ جھوٹ سے حد درجہ نفرت تھی۔ نماز سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس کی وہ شدید تلقین کرتے تھے۔ انفرادی بھی، اجتماعی بھی، روزہ، نماز کی نہایت تاکید کرتے تھے۔ جب کوئی اپنی پریشانی بیان کرتا، تعویذ لینے آتا، تو فرماتے۔ نماز پڑھو۔ جھوٹ مت بولو۔ سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

عارف کامل سید شاہ محمد حمید الرحمن علیہ الرحمہ ان کے مرشد طریقت تھے۔ جنہوں نے انہیں ایمان خالص کی راہ پر ڈالا تھا۔ بعد میں وہ انہیں کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ یہ نسبت برائے نام نہیں تھی، جیسے آج کل ہوتا ہے یہ نسبت حقیقی تھی۔ سلوک وتصوف کی تعلیم بھی انہوں نے اپنے مرشد سے حاصل کی تھی۔ جس سے ان کا باطن منور مجلی ہو گیا تھا۔ حکیم سید شاہ محمد قطب الدین اشرفی کچھوچھوی نے انہیں خلافت بھی دی۔ مگر انہوں نے نہ کبھی پیری مریدی کی، نہ ایسی کوئی دکان بنائی، نہ چمکائی۔ درویش منش تھے۔ درویشی پر نازاں رہے۔ اسی لباس فقر کے ساتھ رہ کر وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ بریلی شریف کے زمانہ قیام میں مفتئ اعظم ہند قدس سرہٗ نے ان سے فرمایا۔ مفتی صاحب آپ پیری مریدی کیوں نہیں کرتے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ مجھ میں یہ اہلیت نہیں، یہ ان کی سادگی تھی۔ پارسائی تھی یا کیا تھا۔ چاہتے، تو وہ خوب پیری مریدی کرتے۔ لیکن انہوں نے اس رستے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ چھپائے رکھا۔

صدق مقال آپ کا شیوہ تھا اور رزق حلال آپ کا وطیرہ تھا۔ طہارت نفس اور طہارت باطن میں آپ عالی واقع ہوئے تھے۔ قریب ہر وقت باوضو رہا کرتے تھے۔ نماز کا خیال حد درجہ تھا۔ وقت ہوا، فوراً پڑھی۔ نفل نمازیں ساری پڑھتے تھے۔ تہجد بطور خاص ادا کرتے تھے۔ تلاوت قرآن سے زبردست اشتغال تھا۔ اوراد ووظائف ہر حال میں پڑھتے تھے۔ کلمہ اور درود شریف ورد زباں رہتا تھا۔ زہد وتقویٰ کا میں بے مثال تھے۔ شرعی، سماجی بے راہ رویوں سے سخت نالاں رہتے تھے۔ خلاف شرع ذرا سی بات دیکھی، فوراً ٹوک دی۔ تنبیہ فرمادی۔ بے عمل عوام ہو یا علما انتہائی جرأت سے اصلاح فرماتے تھے۔ فرض حج بھی ادا کیا تھا۔ راہ چلتے نگاہ نیچی رکھتے، نہ اکڑ کر، نہ فکر خمیدہ سر جھکی نظر میانہ رو معتدل چلتے تھے پاکیزگی اور پارسائی کا گواہ نہ صرف پورا گاؤں، بلکہ علاقہ ہے۔

علم راسخ اور عمل خالص کا ایسا تابندہ ستارہ ۲۰ شعبان ۱۴۳۰ھ/ ۱۱ اگست ۲۰۰۹ء کو ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔ قبر انور وصیت کے مطابق انہیں کے گاؤں، انہی کی زمین میں عیدگاہ کے پاس ہے۔ یوم وصال پر اب ان کے اعزہ اور اقربا فاتحہ کی تقریب اور عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ صاحب زادہ مولانا محمد ضیاء الحق اشرفی، جناب محمد خورشید اور حافظ محمد راحت شمیم برکاتی کو چاہیے کہ ان کے حالات زندگی مستند طور پر سامنے لائیں، مرسلہ مواد کی روشنی میں میرا یہ مضمون ابھی بہت تشنہ ہے۔ تاہم کسی حد تک ان کا تذکرہ محفوظ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

حضرت خواجہ شاہ شمس العالم صاحب لطیفی علیہ الرحمہ

سابق سجادہ نشین خانقاہ لطیفیہ رحمان پور

شاہ شمس العالم صاحب حضرت خواجہ شاہ وحید اصغر لطیفی علیہ الرحمہ کے فرزند ہیں۔ شاہ وحید اصغر علیہ الرحمہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاجبزادے تھے۔ ان سے بڑے اور دو بھائی تھے۔ برادر اوسط کا نام شاہ شرف الہدیٰ تھا اور بردر اکبر کا نام تھا مولینا امام مظفر، مگر سب سے زیادہ عزت، شہرت، مقبولیت شاہ وحید اصغر علیہ الرحمہ کے حصے میں آئی۔ خلقت کثیر نے ان سے فیض عام اٹھایا۔

شاہ شمس العالم صاحب کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنی خانقاہ میں حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں آپ ملک العلما کی فیض صحبت میں آئے۔ حسن اتفاق سے شاہ وحید اصغر کا ایک مکتوب پیش نظر ہے۔ جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

'از طرف خواجہ وحید اصغر (رحمان پور

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

بخدمت سراپا محبت جناب فاضل بریلوی شاہ ظفر احمد صاحب،

بعد سلام و نیاز کے واضح ہو کہ میرا ایک لڑکا (شاہ شمس عالم صاحب) اور بھتیجہ (شاہ چراغ عالم) آپ کے مدرسہ میں تعلیم کے لیے جاتا ہے۔ ذرا ان لوگوں پر نگاہ رکھیں اور اپنے کنٹرول میں رکھیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ سلام و نیاز۔

راقم احقر خواجہ وحید اصغر

از تکیہ بارگاہ لطیفی (رحمان پور)

جامعہ بحر العلوم میں آپ کی مدت تعلیم دو تین سال ہے۔ حضرت ملک العلما سے آپ نے جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، دیوان متنبّی وغیرہ کا درس لیا ہے۔ فراغت آپ کی جامعہ نعیمیہ

مراد آباد سے ہے۔ سن فراغت ۱۵۹۵ء ہے۔

تکمیل تعلیم کے بعد وطن مراجعت ہوئی۔ مدرسہ لطیفیہ میں مسند تدریس بچھائی۔ عرصہ دراز تک آپ نے طلبائے دینیہ کو سیراب کیا۔ بیعت وارادت کا تعلق سید شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں زیب سجادہ خانقاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ سے قائم ہے۔ خلافت واجازت آپ کو آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ شاہ وحید اصغر علیہ الرحمہ سے حاصل ہے۔ شاہ چراغ کے وصال کے بعد ۲۰۰۰ء تا حال ۲۰۰۹ء آپ خانقاہ لطیفیہ رحمان پور کے صاحب سجادہ ہیں۔ شاہ شمس العالم صاحب سے میری ملاقات ہے۔ درمیانی قد، چھیریرا بدن، سانولا رنگ، سادہ پوش، سادہ خور، عابد وزاہد، صابر وشاکر، متواضع، منکسر المزاج، علم، اخلاقیات، عملیات میں پختہ، حد درجہ فروتنی، مرتاض بزرگ ہیں۔

آپ کے والد کریم شاہ وحید اصغر علیہ الرحمہ بھی اسی رنگت اور قد کاٹھ کے تھے۔ چہرے بشرے سے ولایت برستی تھی، نور ٹپکتا تھا۔ ان کی بھی زیارت کا شرف مجھے حاصل ہوا تھا۔ مگر میرا شعور اس وقت بالکل ناپختہ تھا۔ اس خانقاہ سے ملک العلما کو خاص تعلق تھا۔ شاہ وحید اصغر علیہ الرحمہ کے خطوط میری نظر سے گزرے ہیں۔ جوانہوں نے ملک العلما کو تحریر کئے ہیں۔

صاحب سجادہ اور دیگر معززین کی دعوت وخواہش پر حضرت ملک العلما کئی دفعہ اس خانقاہ میں تشریف لائے تھے۔ کبھی اعراس میں، کبھی اور دیگر تقریبات میں، حضرت ملک العلما کے ہمراہ صاحبزادۂ ملک العلما پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے بھی ایک دفعہ اس خانقاہ میں حاضری دی ہے۔ جس کا ذکر پروفیسر موصوف نے مجھ سے کیا اور اپنی یادداشتیں بھی سنائیں۔ یہ قصہ پھر کبھی۔ مختصر یہ کہ حضرت ملک العلما اور خانقاہ تکیہ شریف رحمان پور کے درمیان علمی، تعلیمی، اعتقادی، نظریاتی ہر طرح کے روابط گہرے مضبوط تھے۔ یہاں اس خانقاہ میں حضرت صدر الافاضل مولینا شاہ محمد نعیم الدین علیہ الرحمہ بھی تشریف لائے تھے۔

[جہانِ ملک العلما، مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۴۷، ۱۰۴۸]

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا مفتی محمد عین الہدیٰ شاہدی، رحمان پور، بارسوئی کٹیہار

والد مرحوم محمد دبیر الدین تھے۔ سن ولادت ۱۹۳۷ء ہے۔ مقام ولادت وہی رحمان پور ہے۔ جہاں شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کی خانقاہ لطیفیہ و مدرسہ لطیفیہ برطانوی ہند سے ہی فیض گاہ عام ہے۔ مفتی عین الہدیٰ شاہدی نے ابتدائی تعلیم اسی دربار لطیفی سے حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں جامعہ بحرالعلوم لطیفی کٹیہار میں داخل ہوئے۔ حضرت ملک العلما سے تمام درسیات کی تکمیل فرمائی۔ فراغت جامعہ منظر اسلام سے ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔

جن اداروں میں درس وافادہ کی مسند بچھائی۔ درج ذیل ہیں:

(۱) دارالعلوم رضویہ مقصود پور، مظفر پور بہار

(۲) دارالعلوم اہلسنت، کنھیا باڑی، جنتا ہاٹ، بہادر گنج، کشن گنج بہار

(۳) جامعہ بحرالعلوم عملہ باڑی، کٹیہار۔

ایک عرصہ دراز تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ جہاں کہیں رہے، یا تو صدر المدرسین رہے یا شیخ الحدیث کے منصب پر رہے۔ اس سے آپ کی تدریسی صلاحیت وخدمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہند و بیرون ہند آپ کے کثیر شاگرد خدمت دین کا فریضہ انجام دینے میں مصروف عمل ہیں۔

سید شاہ خواجہ شاہد حسین عرف درگاہی میں (م۱۹۸۷ء) سے بیعت ہیں۔ حج وزیارت کے شرف سے بھی مشرف ہیں۔ آپ ایک نامور مدرس، مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ فن خطابت کے میدان کے بھی شہسوار ہیں۔ آپ ابھی حیات ہیں اور خدمت دین کا سلسلہ جاری ہے۔ خدا آپ کو سلامت با کرامت رکھے۔

[جہانِ ملک العلما، مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۴۸]

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا مفتی قاضی نور پرویز صاحب رشیدی شاہدی، شہنہ ، سالماڑی، کٹیہار

آپ بلند پایہ عالم دین ہیں۔فتوی نویسی بھی کرتے اور علاقے کے مسائل کو سلجھاتے ہیں۔آپ کی پیدائش ۱۹۳۹ء کو ہوئی۔ سکونت وہی شہنہ ، سالماڑی، کٹیہار ہے۔ والد ماجد کا نام قاضی ثمر الدین ہے، جن کا انتقال ۱۳۸۵ھ میں ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد تمام درسیات کی تکمیل آپ نے حضرت ملک العلما سے فرمائی۔ ۱۹۵۵ء میں جامعہ بحر العلوم کٹیہار میں آپ داخل ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں اسی جامعہ سے آپ کی دستار بندی ہوئی۔ یہ حضرت ملک العلما کا وہاں آخری دور تھا۔ تفسیر جلالین شریف، ہدایہ آخرین، مسلم الثبوت، مقامات حریری، مسلم شریف، بخاری شریف، وغیرہ آپ نے حضرت ملک العلما سے پڑھیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے تدریس کا آغاز فرمایا۔ کئی بڑے مدارس میں تعلیمی خدمات دیں۔ مدرسہ بورڈ پٹنہ سے ملحق ایک ادارے میں آپ برسہا برس سے تعلیم وافادہ کا سلسلہ قائم کیے ہوئے ہیں۔ شہباز ولایت حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش زیب سجادہ خانقاہ عالیہ رشیدیہ جونپور شریف (م ۱۴۱۷ھ) سے بیعت وارادت رکھتے ہیں۔ حضرت سبز پوش علیہ الرحمہ حضرت ملک العلما کے خاص احباب میں سے تھے۔ دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ تھا۔ خصوصاً اوقات صوم وسحر کے حوالے سے کئی خطوط ملک العلما کے نام ملتے ہیں۔ حضرت ملک العلما کے نام اکابرین، معاصرین، اصاغرین کے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ خاکسار کی تحویل میں ہے۔ جس کی ترتیب وکتابت کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

حضرت قاضی مفتی نور پرویز رشیدی ،شاہدی صاحب خود عالم و مفتی ہیں۔ ان کے دو صاحبزادے بھی عالم و فاضل اور مفتی ہیں۔ مولانا قاضی فضل رسول اور مفتی قاضی فضل احمد آپ ہی کے ہونہار فرزند ہیں۔ فراغت جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے ہوئی ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں یہ دونوں مجھ سے سینئر کلاس میں تھے۔ ان دنوں قاضی فضل رسول گورکھپور یوپی میں ہیں اور مفتی قاضی فضل احمد بنارس یوپی میں کئی سالوں سے معروف تدریس ہیں۔ یہ بالواسطہ حضرت ملک العلما ہی کا فیضان ہے۔ یہی بستی مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کی ننیہال ہے۔ جن کے والد حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی حضرت ملک العلما کے خاص شاگرد ہیں۔ ان دنوں جامعہ امجدیہ گھوسی میں اعلی استاذ و مفتی ہیں۔ یہ بھی بالواسطہ حضرت ملک العلما کا فیض ہے۔

[جہانِ ملک العلما، مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۴۹]

حضرت علامہ مفتی محمد خلیل الرحمٰن رضوی، طیب پور، کدوا، کٹیہار

ابتدائی تعلیم کے بعد مفتی خلیل الرحمٰن رضوی حضرت ملک العلما کے زیر سایہ آگئے۔ جامعہ بحر العلوم میں ۱۹۵۵ء میں داخلہ ہوا۔ جہاں آپ نے درسیات تمام کی تکمیل کی۔ حضرت ملک العلما سے آپ نے مسلم الثبوت، مدارک شریف، دیوان حماسہ وغیرہ کا درس لیا۔ ۱۹۶۰ء میں آپ کی جامعہ منظر اسلام بریلی شریف سے دستار فضیلت ہوئی۔ فراغت کے بعد فوراً آپ کا تقرر اسی منظر اسلام میں ہوگیا۔ جہاں آپ برسہا برس تعلیم وتدریس کا کام کرتے رہے۔ فتویٰ نویسی بھی کی۔ بعد میں وہاں سے منتقل ہوکر آپ مدرسہ لطیفیہ رحمان پور میں صدر مدرس ہوگئے۔ پھر یہاں سے رخصت ہوکر اپنی مادر علمی جامعہ بحر العلوم میں صدر المدرسین ہوئے۔ تینوں جگہوں کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہوگی۔ جن کا ریکارڈ سر دست مہیا نہیں۔

تاجدار اہلسنّت حضور مفتی اعظم ہند سے آپ شرف بیعت رکھتے ہیں۔ حج وزیارت کی سعادت بھی حاصل ہے۔ آپ ایک ذی استعداد فاضل استاذ، کہنہ مشق مفتی ہونے کے علاوہ بہترین حافظ وقاری بھی ہیں۔ قیام بریلی کے دوران آپ نے مسئلہ لاؤڈ سپیکر پر ایک کتاب لکھی۔ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن رضوی کے کئی خطوط میرے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ جو انہوں نے بریلی شریف سے حضرت ملک العلما کو لکھے ہیں۔ ان خطوط کے مطالعہ سے استاد وشاگرد کے درمیان قلبی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ منظر اسلام کے احوال وکوائف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس وقت 'جہان ملک العلما' کی ترتیب وتہذیب سیٹنگ واڈیٹنگ کی ہماہمی ایسی ہے کہ دم مارنے کی فرصت نہیں۔ ورنہ اس ذخیرۂ خطوط کو الٹ پلٹ کر دیکھنے سے بہت سی معلومات روشنی میں آجاتیں۔ ابھی رواروی میں جو کچھ ہوا کافی ہے۔ وہ بھی ذی العلم والجاہ خواجہ ساجد عالم زید مجدہٗ کی علمی مدد سے۔

[جہانِ ملک العلما، مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۵۰]

☆ ☆ ☆

معمار قوم وملت
حضرت مفتی غلام محمد یٰسین رضوی صاحب

بارسوئی، سالماری اعظم نگر یہ مقامات پہلے چھوٹے تھے، قصبوں جیسے تھے۔ لیکن اب سنہری روپ اختیار کرتے جارہے ہیں۔ حوائج ضروریہ کی ہر چیز مہیا ہے۔ جنوباً وشمالاً آباد یہ تینوں مقامات بہار و بنگال کی سرحد پر واقع ہیں۔ جانب مغرب بہار ہے۔ جانب مشرق بنگال ہے۔ سالماری سے اعظم نگر قریب بارہ کلومیٹر جنوب ہے اور سالماری سے بارسوئی کوئی بیس کلومیٹر پراتر جانب ہے ۔ پہلے سے صرف ریلوے لائن تھی۔ اب روڈ ویز بھی بن گئی ہے۔ تعلیمی ادارے، حفظان صحت کی سہولت بڑے پیمانے پر نہیں ہے۔ اس کے لئے کٹیہار، کشن گنج، پورنیہ کی راہ ناپتے ہیں۔ یہاں بستیاں بہت خوش حال ہیں۔ شریف خاندانی اشخاص ہیں۔ مزدوروں کی تعداد بھی کم نہیں، زندگی کا انحصار زیادہ تر زراعت پر ہے۔ پسینہ بہا کر مزدور کھیتی نہ کریں، تو حکمراں لوگ بھوکے مریں۔ مگر یہی مزدور بچارے بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ سسک سسک کر جیتے ہیں تڑپ تڑپ کر مرتے ہیں۔ حکمراں سیاسی ٹولہ نوٹ اور ووٹ کا کھیل کھیلتے ہیں۔ دولتیں اکھٹی کرکے عیش ومستی کرتے ہیں۔ کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی۔

یہیں سالماری سے آگے پچھم کی طرف کرہیلا بوبرا گاؤں ہے۔ یہ گاؤں اپنے جوار میں مشہور ہے۔ اس کی شہرت ملک گیر اس وقت ہوگئی، جب یہاں شیخ مولیٰ بخش مرحوم کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام غلام یٰسین رکھا گیا۔ یہی بچہ بعد میں معمار قوم حضرت مفتی غلام محمد یٰسین رضوی دامت برکاتہ بن کر ہندوستان کے آفاق پر چھا گئے۔ معمار قوم مفتی صاحب کی پیدائش ۱۹۶۴ء میں ہوئی۔ اس وقت ملک تو آزاد ہو چکا تھا۔ آزادی کے ہر بونگ میں جو افراتفری مچی تھی ۔ ابھی اس کے اثرات موجود تھے۔ اس ماحول میں ان کی پرورش ہوئی۔ چوں کہ آسودہ حال گھرانہ سے تعلق تھا۔ کڑی نگہداشت میں تربیت ہوئی اور تعلیم کا انتظام ہوا۔ مدرسہ رکن الدین پیپل گاچھی ، جو آپ کے گھر سے قریب ہے۔ اس مدرسے میں ابتدائی تعلیم پائی۔

حافظ عبد المجید مرحوم اور منشی محمد فخر الدین استاذ تھے۔ فارسی پڑھنے کے لئے آپ بانسی سے ذرا دکھن سوری گاؤں بستی آئے۔ جہاں مدرسہ ہدایۃ الاسلام تھا۔ حضرت مولانا محمد خلیل الرحمٰن

رضوی اور حضرت مولانا محمد ادریس اشرفی سے فارسی پڑھی۔ طالب علم جب تک طالب علم رہتا ہے۔ اسے ثم خیرا اور ھلم جرا کی بیماری لگی رہتی ہے۔ چنانچہ سوری گاؤں سے اٹھ کر آپ سنکھیا چلے گئے۔ مدرسہ حمایت الاسلام سنکھیا اس دور میں مشہور بھی تھا۔ اس مدرسہ میں آپ نے فارسی کی منتہی کتابیں پڑھی اور عربی درجہ کی ابتدا کی۔

اب یہاں سے لنگر اٹھایا۔ تو پھر کہیں اور نہیں، بہار سے باہر سیدھے بریلی آ کر لنگر انداخت ہوئے۔ وہ بھی صرف چھ مہینے کے لئے۔ مظہر اسلام میں انہوں نے حضرت مفتی الحاج محمد مبین الدین رضوی اور صدر العلما حضرت مولانا شاہ محمد تحسین رضا قادری علیہ الرحمہ سے درس لیا۔ یہ ۱۹۷۳ء کا سال تھا۔ ۱۹۷۴ء میں جامعہ منظر اسلام میں داخلہ لیا ۷۴/۱۹۷۶ء دو برس یہاں پڑھائی کی۔ استاذ حدیث حضرت علامہ محمد احسان علی محدث مظفر پوری، شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی، امام النحو حضرت علامہ مفتی بلال احمد رضوی، تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا ازہری سے کسب فیض کیا۔

۱۹۷۶ء میں آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور چلے گئے۔ یہاں آپ نے ۱۹۸۰ء تک چار برس تک سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز محدث مبارک پوری، شمس العلما حضرت مفتی قاضی شمس الدین رضوی، امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی، بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی، محدث کبیر حضرت علامہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری، شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ عزیزی، شیخ الحدیث حضرت علامہ عبد الشکور گیاوی اور پیر طریقت حضرت علامہ محمد نصیر الدین عزیزی کی درسگاہوں سے بھر پور فیض اٹھایا۔ ۱۹۸۱ء میں آپ مبارک پور سے بھاگل پور چلے آئے۔ یہاں مدرسہ فیضیہ شہباز یہ ایشی پور تھا۔ جہاں بحر مواج کی طرح امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رجوی کی درسگاہ ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔ اس بحر مواج سے آپ نے المعقولات کے خوب خوب چن لئے۔ اسی برس منظر اسلام بریلی پہنچے اور معقولات منقولات کا دورہ کر کے تکمیل تعلیم کی۔ شہادۃ فضیلت اور دستار فضیلت حاصل کر کے عالم علام بن گئے۔

۱۹۸۲ء میں آپ قنوج تشریف لے گئے اور الجامعۃ الرضویہ منظر اسلام گر سہائے گنج میں مدرس و مفتی مقرر ہوئے۔ تدریس وافتا کے ساتھ یہاں آنے کے بعد علمی معرکہ بھی سر کیا۔ جو دلچسپی سے خالی نہیں اور حاضر العلمی، حاضر الجوابی، الوالعزمی، بلند حوصلگی کا ثبوت بھی۔

۱۹۸۳ء میں آپ منظر اسلام بریلی شریف میں استاذ نامزد ہوئے۔ بس اسی برس آپ کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا۔ جو بعد میں اعلیٰ کامیابی کا سبب بنا۔ جب آپ بریلی آئے، حضرت

مولانا قاری قربان علی رضوی، حضرت مولانا محمد انوار رضوی بھی بریلی ہی رہتے تھے۔ سب نے مل کر میٹنگ کی اور طے کیا کہ اپنے علاقہ میں کوئی معیاری درسگاہ قائم کیا جائے اور حضرات تو کتنی دور تک دم بدم اور قدم بقدم رہے، اس کا مجھے علم نہیں، مگر علامہ امام اختر رضوی اور آپ اس مہم کے لئے یک قالب، دو جان ہو گئے۔ اسی برس زمین و مکان کا انتظام ہو گیا اور آپ دونوں اس مہم کے لئے بریلی سے ملک پور روانہ ہو گئے۔ اس کی قدرے تفصیل ہم نے علامہ امام اختر صدر صاحب صاحب والے مضمون میں لکھی ہے۔

مدرسہ غوثیہ فیض العلوم ملک پور، جو محض ایک مدرسہ تھا، اراکین مدرسہ نے ان دونوں کے حوالے کیا۔ ان دونوں نے وہ جوش جنوں دکھایا کہ یہ مدرسہ زمین سے اٹھ کر آسمان پہ پہنچ گیا۔ مدرسہ چھوٹا تھا۔ زمین بھی چھوٹی تھی۔ تعلیم محدود تھی۔ گاؤں کے بچے پڑھتے تھے۔ دارالاقامہ اور مطبخ کا انتظام نہیں تھا۔ ضابطہ کے رو سے مفتی غلام محمد یٰسین صاحب ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے اور علامہ امام اختر صدر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ دونوں نے مل کر جد و جہد شروع کر دی۔ مدرسہ غوثیہ فیض العلوم کا نام الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم دیا گیا۔ دارالاقامہ قائم ہوا۔ مطبخ کھولا گیا۔ اقامتی طلبہ کا داخلہ لیا گیا۔ اردو، فارسی کے اساتذہ بقیہ حفظ اور عربی درجات شروع کئے گئے۔ کچھ ہی دنوں میں جگہ چھوٹی پڑ گئی۔ نئی زمین فراہم کی گئی۔ مکانات بنائے گئے۔ معیار تعلیم بڑھایا گیا۔ دن بہ دن ترقی ہوتی گئی۔ یہ ترقی، یہ عروج یوں ہی نہیں ہوا ناظم صاحب اور صدر صاحب اس ادارہ کو اپنی جوانی پلائی، خون جگر پلایا۔ نہ دن میں کیا اور نہ رات کا خیال رکھا۔ صبح شام کا کوئی پتا نہیں کہ کب ہو رہی ہے، کہاں گزر رہی ہے۔ جواں مردی و پامردی ایسی کہ شاید و باید۔

اب یہ ادارہ ایکڑوں میں پھیلا ہوا ہے۔ عمارتوں کی قطاریں ہیں۔ مسجد ہے۔ مطبخ ہے۔ تالاب ہے۔ میدان ہے۔ ایسا وسیع کہ کثیر مجمع کا اجلاس منعقد کیا جا سکتا ہے۔ اساتذہ اور اسٹاف قریب درجن بھر ہیں۔ طلبہ کی بھاری تعداد نے بہار کا نام پیدا کر دیا ہے۔ مغرب رویہ سلسلہ عمارت میں، درمیان میں خانۂ خدا ہے۔ اس سے لگ کر دائیں بائیں آٹھ کمرے ہیں۔ مشرقی طویل عمارت چودہ کمروں پر مشتمل ہے۔ جنوب میں مطبخ ہے۔ مخزن (گوڈاؤں) طعام گھر، جلاون گھر، اتری حصہ میں بڑا سا تالاب ہے۔ جس میں مچھلیاں پالی جاتی ہیں۔ جو ادارہ کی انکم کا ذریعہ بھی ہے۔ درمیان میں جو بڑا سا میدان پڑا ہے۔ قاعدے کی دوب اگی ہوئی ہے۔ کنارے کنارے ناریل، سپاری کے جھاڑ اور پھولوں کی کیاریاں ہیں۔ چوں کہ یہ ادارہ بستی سے باہر کھلی جگہ پر ہے،

پر فضا مقام پر ہے عجب پر بہار منطقہ ہے۔ کھلا آسمان، برستی دھوپ اور چھٹکتی دودھیا چاندنی، ہواؤں کے خوشگوار جھونکے، چاروں طرف ہرے بھرے لہلہاتے کھیت، عجب پر کیف ماحول ہے۔ ہندو ستان بھر میں ایسا ادارہ ہے۔ وہ بھی دیہات اور پس ماندہ علاقہ میں، واقعی قابل رشک ہے۔

جب سے یہ ادارہ شروع ہوا ہے، پرائمری درجات تو ہیں ہی، شعبہ حفظ بھی بڑا طاقتور ہے۔ شعبہ فارسی یہاں رواں دواں ہے، درس نظامیہ کا معیار تعلیم ہمیشہ رابعہ، خامسہ تک رہا ہے۔ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم بھی نہایت ٹھوس اور مستحکم ہے۔

یہاں ذرا رکیے تو! یہ درد بغور سن لیجئے۔ میری پیدائش اسی خطہ کی ہے۔ گھر رہائش باہر ہے۔ مگر میں اس خطہ کی ماحولیات ونفسیات سے کچھ نہ کچھ تو واقف ضرور ہوں۔ یہ خطہ آج کم وبیش پانچ اضلاع پر مشتمل ہے۔ علما، طلبہ اور مدارس اسلامیہ یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مگر اس پورے خطہ میں ایک بھی ادارہ اس قابل نہیں، جو تمام تر نصاب نظامیہ پڑھا کر طلبا کی دستار فضیلت کرا سکے۔ میری معلومات میں جامعہ بحر العلوم کٹیہار ہی ایسا ادارہ تھا۔ جو آندھی طوفان کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ بہار و بنگال ہی نہیں، یوپی، سی پی تک کے طلبا کو درس نظامیہ کی پوری تعلیم دے کر فضیلت کی دستار کرایا کرتا تھا۔ بعد میں یہ ادارہ مضمحل ہوا۔ وہ رفتار رک گئی۔ اب وہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق ہو کر رہ گیا۔ دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار بھی بڑا زور شور سے اٹھا۔ عمارت واراضی کی یہاں کمی نہیں، اساتذہ بھی یہاں نامی گرامی بحال ہوئے۔

مگر یہ بھی درجہ رابعہ، خامسہ سے آگے نہ جا سکا۔ دار العلوم تنظیم المسلمین بائسی کو بھی ملک بھر کے علما کو تعاون حاصل رہا، عمارت، زمین، ذرائع سب کچھ فراہم ہونے کے باوجود وہی درجہ رابعہ ہی اس کی بھی آخری منزل قرار پائی۔ الجامعۃ الاشرفیہ بہادر گنج کا بھی یہی حال ہے۔ دار العلوم امام احمد رضا بھاٹول بلندی تک پہنچتے پہنچتے اچانک سرنگوں ہو گیا۔ الجامعۃ النظامیہ ملک پور کی اٹھان ایسی تھی کہ امید ہو چلی تھی کہ یہ ضرور اپنے ہدف کو پہنچ جائے گا۔ مگر یہ ہدف ابھی اس سے بہت دور ہے۔ دار العلوم محمدیہ عربک کالج پورنیہ کسی حد تک امید افزا ہے۔ دار العلوم اہل سنت کنہیا باڑی جنتا بھی خوب آگے بڑھا اور اپنے ہدف تک پہنچا بھی۔

آخر وجہ اور علاج کیا ہے وجہ یہ ہے کہ علما آپس میں چشمک رکھتے ہیں، ناظم اور ارا کین حضرات بھی آپس میں چپقلش کے شکار ہیں۔ اہل ثروت تھوڑا بہت چندہ دے کر سمجھتے ہیں کہ

جنت خرید لیا، طلبہ ابھی ثانیہ، ثالثہ تک نہیں ختم کرتے کہ انہیں باہر جانے کا خروش پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کہ باہر طلبا کا ذہنی، جسمانی، جنسی، عزت نفس کا استحصال ہوتا ہے۔ یہ وہ وجوہات ہیں، جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ علاج یہ ہے کہ علمائے سرجاپور یکسو ہو کر اخلاص سے تو آگے بڑھیں۔ بین المدارس مشترکہ وفاق بنالیں، درجوں کا تعین کرلیں، نظام الاسباق اور نظام امتحان آپس میں طے کرلیں۔ کسی ایک ادارہ کو عملی واخلاقی تعاون دیں۔ تاکہ وہ فضیلت کورس کرا سکے۔ ساتھ ہی اہل مدارس اہل ثروت کو اعتماد میں لیں اور انتظامیہ کمیٹی میں شامل کریں۔ تاکہ وہ اپنی بند تجوریوں کو کھول سکیں اور نیز یہ کہ اساتذہ تعلیم میں ایسی کشش پیدا کریں کہ طلبا باہر نہ جاسکیں۔ جہاں چاہ وہاں راہ، چاہ لیں تو کیا نہیں ہوتا۔ چالیس پچاس لاکھ والے اس مسلم خطہ میں ایسا نہ ہو، تو باعث شرم بھی ہے اور باعث نقصان بھی۔

یہ باتیں میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ علما کا تذکرہ لکھ رہا ہوں، ادیب، شاعر، غزل گو، ناول نویس کا لکھتا، تو یہ درد نہاں، درد پنہاں ہی رہتا، ظاہر نہ کرتا۔ جس علاقہ کی میں بات کر رہا ہوں۔ یہ علاقہ بڑا ذرخیز ہے۔ یہاں کے زمیندار اور کاشتکار اگر از روئے شرع صرف اپنا عشر نکالیں۔ تو درجنوں مدرسے چل سکتے ہیں۔ ہزاروں طلبا کا انتظام خورد ونوش بآسانی ہو سکتا ہے۔ مگر فصلوں کا عشر کامل حساب وکتاب سے وہ نہیں نکالتے۔ بس مجموعی کچھ نکال دیا تو نکال دیا، کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، اسلام پور کے لاکھوں لوگ دہلی، ممبئی، پونا، ناسک، پنجاب، لدھیانہ وغیرہ میں قیام پذیر ہیں۔ ان میں ہزاروں لوگ نہایت اچھی پوزیشن میں ہیں۔ جن کی زکوٰۃ لاکھوں نہیں، کڑوروں میں بنتی ہوگی۔

مگر یہ بھی سو دوسو یا ہزار دو ہزار دے کر گلوخلاصی کر لیتے ہیں۔ صدقات نافلہ کی بات تو الگ رہی۔ اگر یہ چاہیں، اپنے دل وسیع کرلیں۔ تو بڑے بڑے ادارے چل سکتے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بن سکتی ہیں۔ اب ان زمینداروں کو اور ان کاروباریوں کو کون سمجھائے کہ یہ زمین جائیداد اور یہ دولت وثروت تمہای ملکیت نہیں۔ تمہارے ہاتھوں امانت ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بعض علما کرام بھی اس بے راہ روی اور بدعنوانی سے بری نہیں ہیں۔ مگر ان میں کچھ علما تو امین اور مخلص ضرور ہیں۔ انہی کا تعاون کیا جائے۔ ان سے کام لیا جائے۔ اس کام کو ہر فرد اپنا کام جانے۔ خوب یاد رکھیے کہ یہی کام آخرت میں بہار کیلیے سرخ روئی کا سبب بنے گا۔ یہ درد نہاں اور کرب پنہاں یہاں میں نے ضمناً ذکر کر دیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو پورے ملک کے مسلم معاشرہ پر یہ بحث دائر ہوگی۔

الجامعۃ النظامیہ ملک پور معمار قوم مفتی غلام محمد یٰسین رضوی کا ایک قابل رشک کارنامہ ہے۔

اسی سے ان کی شخصیت قطب مینار کی طرح دور سے ہی بلند و بالا نظر آتی ہے۔ مگر ان کا یہی کارنامہ نہیں ہے۔ بلکہ اور بھی اہم اور عظیم کارنامے ہیں۔ وہ کم گو ضرور ہیں۔ مگر خاموش طوفان ہیں۔ وہ کہیں کے نہیں۔ اسی زمین کے پیداوار ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ یہ علاقہ پسماندہ ہے۔ پچھڑا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ علاقہ پسماندہ نہیں۔ لوگوں کی ذہنیت پسماندہ ہے۔ خیالات پراگندہ ہیں۔ اٹھ کر کام نہیں کرتے، حالات کا رونا رو کر اپنے نکماپن پر پردہ ڈالتے ہیں۔ علاقہ زرخیز بھی ہے۔ مرد زرخیز بھی ہے۔ حساسیت، شفافیت، زندہ ضمیری بھی کوئی چیز ہے۔ نکمے، ناکارے، کاہل، خودغرض دوسروں پر انحصار کرتے ہیں۔ جیالے، جال باز، جگر باز، خودی اور خودداری کے پیکر ہوتے ہیں۔ وہ تاریکی میں بھی روشنی اور مایوسی میں امید و یقین کا اجالا پھیلا دیتے ہیں۔

معمار قوم مفتی غلام محمد یٰسین رضوی اور خطیب دوراں غلام امام اختر رضوی دالکولہ کے ایریا میں دبے پاؤں آئے اور ابر بہار بن کر پھیل گئے۔ دالکولہ جیسی مرکزی جگہ پر کوئی مسجد نہیں تھی۔ کچھ سالوں قبل، یعنی ۱۹۸۷ء سے پہلے وہاں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ۱۹۸۸ء میں وہاں بیٹھنے کی نہیں سونے کی جگہ بن گئی۔ جگہ بنتی نہیں، بنائی جاتی ہے۔ لوگ بنی بنائی جگہ ڈھونڈھتے ہیں۔ پکی پکائی کھچڑی چاہتے ہیں۔ نہ محنت و کاوش کرتے ہیں۔ نہ ذہن سازی، نہ منصوبہ بندی، آج رضا جامع مسجد دالکولہ اس شان کی مسجد ہے کہ اپنے شاداں و فرحاں اور بیگانے حیران و ششدر ہیں۔ یہ محض مسجد ہی نہیں۔ ایک بڑا تعلیمی کارخانہ بھی ہے۔ مسجد کے آگے ایک بڑا سا آنگن ہے۔ اتر پچھم کونے میں طہارت خانہ ہے۔ آنگن چھوڑ کر اتر، پورب، دکھن ایک مثلث عمارت بھی ہے۔ اسی میں حفظ خانہ بھی ہے اور پرائمری درجات بھی چلتے ہیں۔ یہاں ایک لائبریری بھی تھی۔ جس کا نام 'دارالمطالعہ گلشن رضا' بھی تھا۔ یہ مولانا غلام ناصر اور ان کے احباب کی کاوش کا نتیجہ تھا۔ اب پتا نہیں یہ دارالمطالعہ کس حال میں ہے۔ خیر یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہے مفتی محمد غلام یٰسین رضوی کا۔

دالکولہ بازار سے ذرا دکھن پورب ملک پور ہاٹ ہے۔ اسی ہاٹ سے قریب ایک کلومیٹر دکھن الجامعۃ النظامیہ ہے۔ دالکولہ بازار سے کوئی ڈیڑھ دو کلومیٹر پچھم پورنیہ موڑ ہے۔ یہاں بڑی شاہ راہ پر سہ راہا ہے۔ یہ بھی بڑے بازار کی صورت میں پھیلا ہوا ہے۔ مسلمان کثرت سے آباد ہیں۔ یہاں بھی مسجد کی کمی تھی، جو معمار قوم مفتی غلام یٰسین رضوی کی بے لاگ کاوشوں سے پوری ہوگئی۔ چوچہ کے ماسٹر محمد شہاب الدین مرحوم نے زمین وقف کی، معمار قوم نے تعمیر کرائی۔ اس مسجد کا نام 'رضوی مسجد' ہے۔ اس مسجد کے قیام و بنا میں بہار و بنگال کی سرحد پر واقع بستہ ڈانگی کے

شیر نز حضرت مولانا محمد عبدالحمید رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت بالغہ اور خون جگت بھی شامل ہے۔
دالکولہ سے ذرا پورب رائے گنج، کلکتہ ہاوے پر میٹھا پور ہے۔ یہاں بھی مسلمان کثرت سے ہیں۔ مگر مسجد نہیں تھی۔ یہاں بھی وہی مفتی غلام یٰسین رضوی سامنے آئے۔ حاجی محمد یونس صاحب سے زمین خریدوائی اور خود کھڑے رہ کر تعمیر کرائی۔

معمار قوم کے یہ کام ہی کام، کارنامے ہی کارنامے ہیں۔ عالی شان مدرسے بنوائے۔ مسجدیں بنوائیں۔ مگر ابھی تھکے نہیں۔ الجامعۃ النظامیہ کے گراؤنڈ والی مسجد کو وہ مغل طرز تعمیر پر موٹی دیوار کی بنوانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں آر سی سی عمارت کی عمر زیادہ سے زیادہ سو سال ہو سکتی ہے۔ محض اینٹوں کی موٹی دیوار بغیر پلر کی چھت اور اس پر گنبد، اس کی عمر لمبی ہوتی ہے۔ جیسے مغل تعمیرات آج بھی مخدوش نہیں ہوتی ہیں۔ اس سے ان کے ہدف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
تعلیم گھر بنایا، عبادت گھر بنوائے، مگر انھوں نے اپنا ذاتی گھر نہیں بنوایا ہے۔ کرہیلا بو براجو ان کا گاؤں ہے۔ یہ آبائی گھر جیسا تھا۔ ویسا ہی ہے۔ دالکولہ میں ایک چھوٹا پلاٹ تو لیا ہے۔ مگر مکان ابھی نہیں بن سکا۔ جب کہ ان کے بہت سے شاگرد مکتب اور مدرسے کھولے بیٹھے ہیں اور جامعہ اور دارالعلوم کا نام دیگر اپنی بلڈنگیں خوب بناتے ہیں۔ یہ مفتی غلام یٰسین رضوی ہیں۔ ایک دوسرے شیخ الاسلام مولینا شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی تھے، جو رہنے والے تارا باڑی، بائسی کے تھے۔ بریلی کے تعلیم یافتہ تھے، خانقاہ رشیدیہ جونپور کے فیض یافتہ تھے۔ علمائے بریلی کے بے حد قدرداں تھے اور وہ علمائے بریلی بھی ان سے بے حد متاثر تھے۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولینا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان اور حضرت حکیم مولینا شاہ حسنین رضا خاں علیہما الرحمہ ان کے راسخ علم کے بے حد معترف تھے۔ شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی علیہ الرحمہ مولینا تھے، مولینا ہی رہے اور دنیا سے رخصت ہوئے۔ مفتی اور علامہ کبھی نہیں کہلوائے۔

مگر قربان جایئے۔ وقت کے سیکڑوں علامہ اور مفتی ان کے سامنے دو زانو بیٹھتے تھے۔ آنکھ ملا کر نہیں، جھکا کر بات تو کرتے تھے، لیکن بات جب ذرا ٹیڑھی میڑھی ہوئی اور انھوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھ لیا۔ علامہ اور مفتی حضرات کی سٹی بٹی بند، زبان گنگ، کپکپی طاری، سناٹا چھا جاتا تھا۔ پھر وہ خود ہی فہمائش کرتے اور علامہ اور مفتی حضرات دل میں میل لیے بغیر بہت کچھ سیکھ، سمجھ کر اٹھتے تھے۔ یہی حضرت شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی علیہ الرحمہ خانقاہ رشیدیہ سے وابستہ درجنوں خانقاہوں کے ذمہ دار رہے، مدرسوں کے سرپرست

رہے، درجنوں مساجد کی تولیت بھی حاصل رہی، بہت کچھ بنوایا، مگر سب قوم کیلئے، اپنے لئے کچھ نہیں، نہ جائداد، نہ مکان، نہ بینک بیلنس، ذرا سوچیے، کیسی بے نفس شخصیت تھی۔ بے غرض، بے نیاز، ایسی بے نیاز شخصیتیں میرے لئے رول ماڈل ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ ادارہ وہی چلا سکتا ہے۔ جو پیر ہو یا مقرر ہو، مفتی غلام محمد یٰسین رضوی نے اس عام خیال کو عملاً جھٹلا دیا۔ وہ تقریر نہیں کرتے۔ زیادہ بولتے ہی نہیں۔ بالکل خاموش طبع شخص ہیں۔ ان کی خموشی میں طوفان چھپا ہوتا ہے۔ جب بھی دیکھئے، لگے کہ کسی گہری سوچ میں غرق ہیں۔ جو بڑ بڑاتے زیادہ ہیں۔ وہ کام سرسری نہیں بھی کرتے۔ مفتی غلام محمد یٰسین رضوی بولتے بہت کم ہیں۔ کام بہت زیادہ کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اوروں کے لئے سبق آموز ہے۔ زندگی آمیز ہے، نہ ہلچل، نہ ہنگامہ، کام کر جاتے ہیں غضب کے۔ کیا غضب کے آدمی ہیں۔ کیا غضب کا دماغ ہے۔ عمر ابھی بوڑھی نہیں ہوئی ہے۔ جوان بھی نہیں ہیں۔ البتہ جوانی ڈھلان پہ ضرور آ گئی ہے۔ یہی عمر تو تجربہ کی اور مزید کام کرنے کی ہے۔ خدا کرے، وہ نئے نئے میدان فتح کرتے رہیں۔ سنیت کے لئے نئے قصر و ایوان تعمیر کرتے رہیں۔

پہلے انھوں نے قوم کو شاد کیا۔ پھر خود کو کیا۔ ۱۹۸۷ء میں شادی ہوئی۔ چھ لڑکے ہیں۔ ایک ہی لڑکی ہے۔ سب دینی و دنیوی تعلیم میں مصروف ہیں۔ سانولے رنگ، چھریرے جسم کے مفتی غلام محمد یٰسین رضوی نے بتایا: شاہ محمد قدرت اللہ ان کے مورث اعلیٰ ہیں۔ جو شاہ کفایت اللہ علیہ الرحمہ کے سگے بھائی ہیں۔ ایک بھائی شاہ عنایت اللہ تھے، جن کا مزار بنگلہ دیش میں ہے۔ مورث اعلیٰ شاہ قدرت اللہ کا مزار جاجا ملک پور چاند دیکھی کے پاس ہے۔ شاہ کفایت اللہ قدیم پورنیہ کے اولین مصنف ین میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کی مثنوی 'بدیا دھر' پورنیہ کی سب سے پرانی تصنیف مانی جاتی ہے۔ شاہ کفایت اللہ کا مزار پورنیہ سے پچھم دکھن دمکا گاؤں، پرگنہ حویلی میں ہے۔ ان کا وصال ۱۷۲۸ء کے بعد میں ہوا ہے۔

۲۰ رمضان ۳۱ راگست ۲۰۱۰ء کو مفتی غلام محمد یٰسین رضوی مدظلہ بمبئی میں تشریف فرما تھے۔ جامعہ قادریہ کنز الایمان اندھیری ویسٹ میں قیام تھا۔ یہیں پہنچ کر میں نے اس مضمون کے بنیادی گوشے ان سے پوچھ کر قلمبند کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا شاہ قدرت اللہ کا پورا شجرہ ان کے پاس ہے۔ جو شائع نہیں۔ اس نسب نامہ کو حاصل کرنے کی میں نے کوشش تو کی، مگر حصول یابی کی میری ہر کوشش ناکام رہی۔

استاذ و خطیب دوراں
حضرت علامہ امام اختر رضوی صاحب

۱۹ر مئی ۲۰۱۱ء کی تاریخ تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم الجامعۃ النظامیہ ملک پور میں تھے۔ والد گرامی کے تیسرے بیٹے میرے چھوٹے بھائی مولانا غلام ناصر صاحب ہمراہ تھے۔ یہاں میں اس لئے آیا تھا کہ خطیب دوراں کا احوال نامۂ حیات جان سکوں۔ بعد نماز ظہر و طعام ان سے اظہار مدعا کیا، تو وہ اولاً کترا گئے۔ میں نے وجہ بتائی، تو مسکراتے ہوئے کہنے لگے، لو بھئی جو مزاج یار میں آئے۔ آمنے سامنے پوچھ پوچھ کر جو کچھ میں نے نوٹ کیا اور جو کچھ انہوں نے بتایا، اسی 'جو کچھ' کی روشنی میں ان کی شخصیت اور خدمت کا خاکہ کھینچا جا رہا ہے۔ قلمی چہرہ اتارا جا رہا ہے۔۔ چہرہ شناسی اور چہرہ نویسی ایک مشکل امر ہے۔ یہ مشکل اس وقت آسان ہو جاتی ہے۔ جب صاحب چہرہ آپ کا ہم رکاب ہو۔ تو آیئے، ان کی ہم رکابی میں، ہم اگلا قدم اٹھاتے ہیں۔

یہ بستی آل پور ہے۔ ڈاکخانہ سیتل پور ہے۔ تحصیل بارسوئی ہے اور ضلع کٹیہار ہے۔ یہی آل پوران کی جائے پیدائش ہے۔ تاریخ پیدائش ۵ر مارچ ۱۹۶۰ء ہے۔ والد گرامی کا نام نامی تاج محمد مرحوم ہے۔ پہلے یہ واضح کر دوں کہ خطیب دوراں حضرت علامہ امام اختر رضوی صاحب اپنے حلقۂ احباب اور زمرۂ تلامذہ میں 'صدر صاحب' کے لقب سے معروف ہیں۔ اس لئے ہم ان کے نام کی جگہ ادباً 'صدر صاحب' ہی لکھا کریں گے۔ صدر صاحب کا گھرانہ کھاتا پیتا، خوش حال گھرانہ ہے۔ زمیندرانہ رکھ رکھاؤ ہے۔ خاندانی شخص ہیں۔ سماجی حیثیت بہت عمدہ ہے۔ صدر صاحب کی پیدائش کے بعد ناز و نعم سے پرورش ہوئی۔ حصول علم کی عمر کو پہنچے، تو گاؤں کے مکتب میں بٹھائے گئے۔ واجبی مکتبی تعلیم کے بعد ذرا شدید پیدا ہوئی، تو کھیم پور مڈل اسکول میں ایڈمیشن ہوا۔ جہاں پانچویں کلاس تک پڑھائی ہوئی۔

پھر یہ اسکولی تعلیم موقوف ہوگئی۔ درس نظامی کی تعلیم شروع ہوگئی۔ اس کے لئے صدر صاحب رحمان پور تکیہ شریف تشریف لائے۔ مدرسہ لطیفیہ کی چٹائی پہ دو زانو بیٹھے۔ درجہ اولیٰ اور ثانیہ کی کتابیں پڑھ کر دو برسوں میں تمام کیں۔ پیر طریقت حضرت مولانا شاہ چراغ عالم رحمۃ اللہ علیہ سابق زیب سجادہ تکیہ رحمان پور پیار سے پڑھاتے تھے۔ یہ پیر طریقت باکردار شخصیت تھے۔

اس لئے تعلیم کے ساتھ کردار سازی پر خصوص توجہ دیتے تھے۔ رحمان پور سے صدر صاحب کٹیہار آ گئے۔ یہاں جامعہ بحر العلوم کا صحن علم، صحن چمن بنا ہوا تھا۔ اس چمن میں چھکنا شروع کر دیا۔ تعلیم کا شوق فراواں تھا۔ ذہانت کی مشعل بھی فروزاں تھی۔ چہکتے رہے، دمکتے رہے اور پڑھتے رہے۔ نصاب تعلیم کا دوسرا اور تیسرا پڑاؤ عبور کر لیا۔ جماعت ثالثہ اور جماعت رابعہ کا کورس پورا ہو گیا۔ اساتذہ سب چندے آفتاب چندے ماہتاب تھے۔ حضرت مفتی غلام رسول، حضرت مولانا محمد علاء الدین طیب پوری، حضرت مولانا محمد سلیمان بلیہار رپوری۔

کٹیہار کی پر بہار فضا سے جی بھر گیا۔ تو صدر صاحب نے اپنے صوبہ سے خروج کیا۔ مراد آباد یوپی میں دخول کیا۔ جامعہ نعیمیہ کے طلبہ کی قطار میں بیٹھے۔ یہاں آپ نے رابعہ اور خامسہ کی تعلیم حاصل کی۔ عالم ربانی حضرت مفتی محمد طریق اللہ رشیدی بھاگل پوری، حضرت مفتی محمد ایوب نعیمی اور مشہور معقولی عالم حضرت علامہ محمد ہاشم نعیمی یہاں ان کے خاص اساتذہ رہے۔

تحصیل علم کی ترنگ تھی، جو انہیں مراد آباد سے اڑا کر مبارک پور لے آئی۔ مشہور آفاق درسگاہ جامعہ اشرفیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی دو برس رہے۔ بحر العلوم حضرت مفتی محمد عبد المنان اعظمی، محدث کبیر حضرت علامہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری، شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد عبد الشکور گیاوی، حضرت مولانا اعجاز احمد مبارکپوری کے فیضان درس سے مالا مال ہوئے۔ پھر آپ نے مبارکپور کے مبارک ماحول کو الوداع کہا اور بریلی کی علمی بہاروں سے لطف اندوزی کے لئے جامعہ منظر اسلام بریلی چلے آئے۔ یہاں آپ نے تین سال تعلیم پائی۔ دورۂ حدیث کر کے تکمیل تعلیم کی سند حاصل کی۔ معروف علم دین حضرت مفتی محمد جہانگیر رضوی، صدر العلما حضرت مولانا شاہ محمد تحسین رضا خان، امام النحو حضرت علامہ بلال احمد رضوی، شیخ الحدیث حضرت علامہ سید محمد عارف رضوی صاحب منظر اسلام کی طرف سے سند و دستار فضیلت سے آپ نوازے گئے۔

علم دین کا جویا تھا۔ شجر علم کا پرندہ تھا۔ ڈال ڈال اڑتا تھا۔ آشیانے بنتے رہے۔ اجڑتے رہے۔ بالآخر منزل مل گئی۔ قرار آ گیا۔ تشنگی بجھ گئی۔ سیراب ہو گئے۔ خوب پڑھ چکے تھے۔ خوب پڑھانا چاہتے تھے۔ نصیبے کی ارجمندی دیکھیے، جگہ ڈھونڈنا نہ پڑی۔ خود جگہ نے ان کو ڈھونڈ لی۔ جامعہ منظر اسلام کے ارکان و اساتذہ نے انہیں اُدھر سے نکالا، اِدھر سے منظر اسلام کی درسگاہ میں بیٹھا دیا۔ جہاں کل وہ طالم علم تھے، اب استاذ بن چکے تھے۔ یہ ان کی محنت کا نتیجہ تھا۔ لیاقت کا ثمرہ تھا۔ آج نو فارغ علما خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ صلاحیت خاک نہیں ہوتی۔ دوش درس نظامیہ کو دیتے ہیں۔ ایسے علما کو صدر صاحب کی زندگی سے سبق لینا چاہیے۔

صدر صاحب منظر اسلام میں پانچ برس رہے۔ دو برس درس لیا۔ تین برس درس دیا۔ ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۳ء تدریسی جوہر دکھایا۔ خود تو بنے سنورے تھے ہی، طلبائے اسلام کو بھی بنایا سنوارا۔ لیکن صدر صاحب جیالے اور جاں باز تھے۔ یہ تو گلشن تھا ہی، وہ صحرا کو گلشن بنانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے دن کے اجالے میں ایک بڑا خواب دیکھا۔ یہی خواب اور بھی کئی جیالوں، جاں بازوں نے دیکھا تھا۔ جب سب اکٹھے ہوئے، تو چاہت ایک تھی۔ سب اس گرم خواب کی تعبیر دیکھنا چاہتے تھے۔ باہم جوش وجذبہ ایسا تھا کہ کوئی بھی صبح کے سویرا کا انتظار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ رات کے سناٹے ہی میں سورج اگانے کے درپئے تھے۔ صدر صاحب تو تھے ہی۔ ان میں ایک بڑا نام معمار قوم حضرت مفتی غلام محمد محمد یٰسین رضوی زید مجدہ کا تھا۔ حضرت مولانا غلام جیلانی کامل صاحب بھی تھے۔

یہ کامل صاحب دھنگواں، بائسی کے رہنے والے تھے۔ بریلی میں تعلیم پائی تھی۔ بریلی ہی میں اس وقت خدمت اسلام کرتے تھے۔ بعد میں وہ گجرات تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے بے جگری سے خدمت دین انجام دی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کو فروغ دیا۔ کئی مسجدوں میں امامت وخطابت کی۔ کئی دار العلوم میں پڑھایا۔ دو دار العلوم تو انہوں نے قائم کئے۔ جوان تو نہیں، ابھی ڈھلان پر آئے تھے کہ اچانک وصال کر گئے۔ علامہ غلام جیلانی کامل بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان سے میری بس ایک ملاقات تھی۔

حضرت مولانا قاری قربان علی رضوی، ہجلہ منڈیل، بائسی کے باشندہ تھے۔ بریلی میں پڑھا، بریلی میں پڑھایا۔ امامت کی۔ خطابت کی دھوم مچائی۔ دعا تعویز بھی خوب کرتے تھے۔ میں نے ان کو بریلی میں ایک دفعہ دیکھا تھا۔ ان کا وصال بھی ادھیڑ عمر میں ہی ہو گیا۔ حضرت مولانا محمد انوار صاحب گانگی، کشن گنج، ان کا مجھے علم نہیں۔

الغرض ان تمام حضرات کا خواب یہ تھا کہ کٹیہار، پورنیہ میں کچھ کیا س جائے۔ ۱۹۸۳ء میں یہ میٹنگ بریلی شریف میں ہوئی۔ غور خوض کے بعد طے پایا کہ ایک معیاری ادارا قائم کیا جائے۔ یہ ابھی خیالی پلاؤ تھا۔ زمین کی فراہمی سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ معمار قوم مفتی غلام محمد یٰسین رضوی نے علاقہ میں جا کر جائزہ لیا۔ صدر صاحب ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے۔ دیگر حضرات کب تک ہم دم اور ہم قدم رہے۔ اس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں۔

ملک پور، مویشی میلہ اور ہاٹ کی وجہ سے بہار و بنگال میں مشہور ہے۔ یہ کٹیہار، پورنیہ اور اتر دیناج پور کی سرحدی حدود میں قائم ہے۔ ملک پور ہاٹ سے ہٹ کر جانب جنوب ملک پور گاؤں کا ادھا

حصہ آباد ہے۔ یہاں ایک ادارہ مدرسہ غوثیہ فیض العلوم کے نام پہلے سے جاری وساری تھا۔ اس مدرسہ کے اراکین سے بات چیت ہوئی۔ معاملہ کچھ شروط وقیود کے ساتھ طے پا گیا۔ بس اب کیا تھا۔ معمار قوم اور صدر صاحب یہاں آکر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے کہ حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے، تو بیٹھ گئے۔ یہی مدرسہ اب الجامعۃ النظامیہ ملک پور ہاٹ کے نام سے قطعی محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اپنا ایک ریکارڈ ہے۔ وہ ۱۹۸۳ء کا برس تھا۔ اب ۲۰۱۵ء ہے۔ جب سے اب تک صدر صاحب اس ادارے کے منصب صدارت پہ فائز ہیں۔ تدریس وصدارت ان کے اہم فرائض میں شامل ہے۔

صدر صاحب ۱۹۸۰ء سے پڑھا رہے ہیں۔ ان کی تدریس کا دورانیہ کوئی تیس برسوں کو محیط ہے۔ طلبا کا تناسب اگر ہر برس سو مان لیا جائے، تو ان کے تلامذہ کی تعداد تین ہزار سے متجاوز ہوگی۔ علی الاقل اگر پچاس ہی مانیں، تو پندرہ سو کی تعداد تو یقینی ہوگی۔ مگر اعداد وشمار میرے لئے مشکل ہے۔ دراصل مشکل مسئلہ یہ ہے کہ کڑی محنت کر کے طلبا کو تیار تو علاقائی اساتذہ کرتے ہیں۔ اصل تعلیم تو اولیٰ تا رابعہ ہی ہے یا خامسہ تک ہے۔ اس کے بعد تو دار یدور ہے یا پھر دوڑا دوڑی ہے۔ جب طلبا تیار ہوتے ہیں۔ تو باہر نکل جاتے ہیں۔ کڑی محنت کسی کی ہوتی ہے۔ کریڈیٹ کسی کے سر جاتا ہے۔

صدر صاحب صدر المدرسین تو ہیں ہی، ان کی خطابت نے الجامعۃ النظامیہ کی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔ اس کی شہرت میں بھی اضافہ کیا۔ پایہ کے خطیب ہیں۔ اثر انگیز تقریر ہوتی ہے۔ بہار، بنگال، یوپی، ہی پی، راجستھان، گجرات، اور مہاراشٹر ان کی خطابت کے خاص میدان ہیں۔ جہاں جاتے ہیں۔ اپنا سکہ جما کر لوٹتے ہیں۔ دعوت تبلیغ کے شعبہ میں ان کے خطاب نے خاص اثر چھوڑا ہے۔ اصلاح معاشرہ کے ذریعہ ان کی نیکوں میں بھاری اضافہ بھی ہوا ہے۔

صدر صاحب خطیب ضرور ہیں۔ مگر پیشہ ور نہیں، تجارت کا پیشہ نہیں، خطابت عبادت جان کے کرتے ہیں، تجارت سمجھ کر نہیں۔ چوں کہ خاندانی آدمی ہیں۔ بھیکاری بن کر مانگتے نہیں، نذرانہ قبول کرنا سنت ہے۔ جو مل گیا، وہ ضرور قبول کرتے ہیں۔ تجارت پیشہ مقرر بھیکاری سے کم نہیں، کلاکاری کرتے ہیں۔ کرتب دکھاتے ہیں، ڈائلاگ بازی کرتے ہیں، روپئے بٹورتے ہیں۔ یہاں کا بٹوا تو بھر لیتا ہے۔ لیکن وہاں کا کیسہ حسنات سے بالکل خالی رہ جاتا ہے۔ صدر صاحب اس قماش کے ہرگز نہیں ہیں۔

دال کولہ، جو ملک پور باٹ سے متصل ہے۔ ایک بڑا بازار ہے۔ یہ دوراہا نہیں، سہ راہا پر واقع ہے۔ یہ شاہ راہ پر واقع ہے۔ کلکتہ، آسام اور پٹنہ، دہلی کا کاروباری راستہ یہیں سے ہو کر گزرتا ہے۔ ایسا مرکزی مقام تھا۔ مگر سنیوں کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی جگہ نہیں تھی۔ یہ جگر تھا معمار قوم مفتی

غلام محمد یٰسین رضوی کا اور صدر العلما علامہ امام اختر رضوی کا۔ اس جگہ گھسے، تو گھستے چلے گئے۔ رات ہی رات بڑا قطعہ اراضی حاصل کرلیا۔ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کو بلاکر تقریر کروائی۔ تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا ازہری میاں کو بلواکر سنگ بنیاد رکھوایا۔ آج یہ رضا جامع کٹیہار اور کشن گنج کے درمیان اپنے وجود کے اعتبار سے ہیکل الوجود مرکزی مسجد ہے۔ شہر اور اطراف کے ہزارہا مسلمان سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

ڈالکولہ بازار سے زرا پچھّم پورنیہ موڑ ہے۔ کچھ سالوں قبل یہ محض ایک موڑ تھا۔ بس اسٹاپ تھا۔ سواریوں پر مسافر چڑھتے، اترتے تھے۔ اب یہ موڑ بھی بازار کی صورت اختیار کرگیا ہے اور دالکولہ بازار سے مل گیا ہے۔ یہاں بھی کوئی مسجد نہیں تھی۔ یہاں بھی علامہ امام اختر رضوی اور مفتی غلام یٰسین رضوی سامنے آئے۔ زمین حاصل کی اور نوری مسجد کی تعمیر کرائی۔ نوری مسجد کی جگہ چوچہ کے رئیس ماسٹر محمد شہاب الدین مرحوم نے وقف کی ہے۔ خدا ان کے درجات بلند فرمائے۔ رضا جامع مسجد ڈاکولہ بازار، نوری مسجد پورنیہ موڑ، دونوں جگہ مکتب و مدرسہ کا بھی انتظام ہے۔ جہاں مسلم نونہالان قوم دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

یہ جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ سنی دیوبندی کے درمیان دالکولہ کا گھمسان مناظرہ ملک پور مشہور ہوا۔ اس مناظرے کی ترتیب وانتظام میں صدر صاحب نے شب وروز ایک کردیا۔ اس نوع کی بحثوں اور مناظروں میں صدر صاحب نے اور بھی شرکت کی ہے۔ اس معاملہ میں وہ تیغ براں ہیں، ذرا بھی لچک کے قائل نہیں، سچائی بھی یہی ہے۔ لچکدار رویہ نقصان دہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ بدمذہب بڑے مکار ہوتے ہیں۔ خدا ان مکاروں سے اس خطہ کو پاک فرمائے۔

صدر صاحب کا شجرۂ علم بریلی سے منسلک ہے۔ شجرۂ بیعت وارادت بھی بریلی ہی سے وابستہ ہے۔ تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری قدس سرہ کا دامن ہاتھ میں ہے۔ یہ دامن ان کے ہاتھ میں ۱۹۷۳ء میں آیا۔ واہ کیا بابرکت دامن ہے یہ۔ اس دامن سے وابستگی لاکھوں لوگوں کی ہے۔ جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن میں بڑی تعداد بڑے علما وفقہائے کرام کی ہے۔ ۱۹۸۹ء میں صدر صاحب نے شادی کی۔ اولا دنرینہ دو اور اولاد اناث چار ہیں۔ اب تو خویش بنا کر خسر بھی بن گئے ہیں۔ صدر صاحب کی خدمات دینیہ کا سلسلہ ابھی رکا نہیں ہے۔ یہ ابھی روز افزوں ہی ہے۔ پاک پروردگار عالم ان کو صحت وسلامتی سے رکھے اور شوگر کے مرض سے نجات دے کہ وہ اپنے مشن پر تند ہی کے ساتھ گامزن رہیں۔

☆ ☆ ☆

کتب درسیہ کے عظیم شارح
حضرت مفتی محمد شبیر پورنوی صاحب

بنیاد: ۱۰ر نومبر ۲۰۰۸ء کو میں کھگڑا کشن گنج کی علمی وتاریخی سیر کیا تھا۔ اس دن دوپہر سے پہلے مفتی محمد شبیر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ مفتی محمد شبیر صاحب تارا باڑی میں پیدا ہوئے۔ چکلہ میں پرورش پائی۔ درجنوں اداروں میں پڑھائی کی۔ درجنوں اداروں میں پڑھایا۔ درجنوں کتابیں لکھیں۔ درجنوں خلافتیں بھی رکھتے ہیں۔ دورانِ ملاقات انہوں نے مجھے اپنی جو معلومات فراہم کی، میرے اس مضمون کی بنیاد وہی ان کی وہی دی ہوئی معلومات ہے اور اس اجمال کی تفصیل یا اس تفصیل کا اجمال اسی سے ماخوذ و مقتبس ہے۔

ولادت: محمد شبیر کی ولادت موضع تاڑا باڑی، تحصیل بائسی میں ہوئی۔ یہ غالباً ۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۸۰ھ کا سنہ تھا۔ والد مرحوم کا اسم گرامی انہوں نے نہیں لکھا ہے۔ جد کریم منشی محمد تصنیف کا نام ہے۔ یہ محمد تصنیف مذہبی آدمی تھے۔ فارسی اچھی خاصی جانتے تھے۔ شاید شاعری بھی کرتے بھی تھے۔ تخلص کرامت تھا۔ بڑا تجارتی کاروبار تھا۔ والد مرحوم بھی راشن کی دکان چلاتے تھے۔ محمد شبیر کی نانیہال چکلہ میں تھی۔ محمد شبیر کی پرورش وہاں یہاں دونوں جگہ ہوئی۔

تعلیم کی ابتدا: چکلہ سے قریب سملباڑی گھاٹ ہے۔ اسی گھاٹ (چوک) سے پچھم لب سڑک مدرسہ غوثیہ ہے۔ یہ ۱۹۶۷ء کا سال تھا۔ جب انہوں نے یہاں اپنی تعلیم کی ابتدا کی۔ حافظ عبدالجلیل مرحوم، بائسی سے پچھم اور ذرا اتر ہرن توڑ کے رہنے والے تھے۔ جو یہاں تعلیم اطفال پر معمور تھے۔ حضرت مولانا محمد بقاء اللہ مرحوم بھی اسی مدرسہ غوثیہ میں پڑھاتے تھے۔ انہی دونوں اساتذہ سے، محمد شبیر نے قاعدہ، قرآن کی تعلیم لی، چکلہ کی قریب جڑواں بستی چندر گاؤں ہے۔ اس گاؤں میں مدرسہ شرفیہ جامع العلوم جاری تھا اور ان ایام میں عروج پر تھا۔ ۱۹۶۹ء کو محمد شبیر گھاٹ والے مدرسہ سے اٹھ گئے اور مدرسہ شرفیہ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا تمیز الدین علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا محمد محفوظ علیہ الرحمہ وغیرہ یہاں برسرِ تدریس تھے۔ یہاں محمد شبیر نے فارسی پڑھی۔ عربی کی ابتدا کی۔ کافیہ کی جماعت تک پڑھ ڈالی۔

مدرسہ شمسیہ : یہ مدرسہ سہی پور، قدیم پورنیہ، جدید ضلع کٹیہار میں ہے۔ ۱۹۷۰ء میں محمد شبیر نے اس مدرسہ شمسیہ میں داخل لیا۔ ۱۹۷۴ء تک وہ اس مدرسہ میں زیر تعلیم رہے۔ حضرت مولانا عبد القادر صاحب، حضرت مولانا محمد حنیف صاحب، حضرت مولانا محمد نجم الہدیٰ وغیرہم علیہم الرحمہ سے علمی فیوض حاصل کئے۔ چار سال تک یہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۹۷۵ء میں محمد شبیر نے مراد آباد، یوپی کا بامراد سفر کیا۔ جہاں وہ ۱۹۷۸ء تک طالب علمانہ صف کی زینت رہے۔ شرح جامی سے شروعات کی، تفسیر اول تک تعلیم پائی۔ یہاں کے اساتذہ گرامی درج ذیل شخصیات ہیں۔ ولی صفت ہی نہیں، ولی وقت بزرگ عالم دین حضرت مفتی محمد طریق اللہ رشیدی بھاگل پوری، فقیہ ہند حضرت مفتی محمد حبیب اللہ خان بھاگل پوری، معقولات کے فاضل استاذ حضرت علامہ محمد ہاشم مراد آبادی، استاذ شہیر حضرت مفتی محمد زین الدین کشن گنجوی وغیرہم۔

اشرفیہ کی چہار دیواری میں: ۱۹۷۹ء میں محمد شبیر نے مراد آباد کا بامراد ماحول چھوڑ دیا۔ مبارک پور کی مبارک فضا میں اور جامعہ اشرفیہ کی چہار دیواری میں آبیٹھا۔ یہاں ایک سال رہ کر تفسیر ثانی کا پورا نصاب پڑھا۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان مبارک پوری، حضرت علامہ محمد عبد الشکور گیاوی، حضرت مولانا عبد المصطفیٰ گھوسوی، وغیرہ سے کسب علم کیا۔

امام علم وفن کے سایے تلے: ۱۹۸۰ء میں محمد شبیر نے مبارک پور کا مبارک ماحول پھر چھوڑ دیا اور مبارک پور سے روانہ ہو کر بھاگل پور جا پہنچا اور امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی کے سایہ تلے آبیٹھا۔ یہاں بھی وہی مدرسہ شمسیہ تھا اور ہے۔ جوائیں پور بازار، باراہاٹ، بھاگل پور میں ہے۔ یہاں انہوں نے حدیث پاک کا دورہ کیا اور فنون کی کتابیں پڑھیں۔ امام علم وفن کے علاوہ یہاں اور کون کون اساتذہ تھے، اس سلسلے میں پتا نہیں چلا۔ بہر حال یہیں انہوں نے تکمیل تعلیم کی۔ سملباڑی گھاٹ سے جو تعلیمی سفر شروع ہوا تھا۔ گھاٹ گھاٹ ہوتا ہوا، باراہاٹ میں آکر اختتام کو پہنچا۔

تعلیمی اسناد: محمد شبیر کا ذہن جامد نہیں، جوال تھا۔ درج بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ طالب علم تھا۔ ان کے پاؤں میں میں میگنیٹ نہیں، اسپرنگ لگی ہوئی تھی۔ پوری اسپرٹ سے وہ یہاں وہاں سرپٹ بھاگتا رہا۔ خوش رنگ اور خوشبودار گل ولالہ، نرگس ونسترن تیزی سے

توڑتوڑ کر اپنی دستار علم و فضل میں ٹانگتا رہا۔ جس کی ایک جھلک یہ ہے: ۱۹۷۸ء میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے انہوں نے قرأت کی سند لی۔ پھر ۱۹۸۰ء میں ان کی مدرسہ شمسیہ بھاگل پور سے فراغت ہوئی اور سند فضیلت ملی۔ ۱۹۸۱ء میں انہوں نے جامعہ منظر اسلام بریلی شریف سے دوبارہ دستار فضیلت لی اور سند فضیلت حاصل کی۔ اسی برس (۱۹۸۱ء) انہوں نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے دستار وسند حاصل کی۔ یہ درس نظامیہ کی تعلیمی اسناد یا تعلیمی لیاقتیں ہیں۔

ان کے علاوہ بھی انہوں نے تعلیمی بورڈ اور جامعات سے امتحانات دیئے ہیں اور نمایاں نمبرات حاصل کر کے سرٹیفکیٹس حاصل کئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ملتی ہے: مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے ۱۹۷۳ء میں وسطانیہ کیا۔ ۱۹۷۵ء میں مولوی کیا۔ ۱۹۷۹ء میں عالم کیا۔ ۱۹۸۲ء میں اسی مذکورہ بورڈ سے فاضل کی ڈگری لی۔ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے ۱۹۷۶ء میں عالم کیا۔ ۱۹۷۷ء میں اس بورڈ سے فاضل کا امتحان دیا۔ جامعہ اردو علی گڈھ سے سے ۱۹۷۸ء/ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۲ء میں علی الترتیب ادیب ماہر، ادیب کامل اور معلم اردو کے امتحانات دے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اتنی سندیں اتنی لیاقتیں، ماشاءاللہ، سبحان اللہ۔

کار تدریس: اتنی سندوں اور لیاقتوں کا آدمی کتنا بڑا عالم، علامہ، فہامہ ہوگا، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب وہ کوئی ناشریف اور نامہذب شخص ہی ہوگا، جو ان کو محض محمد شبیر کہہ کر پکارے گا۔ جب ایک سند پا کر انسان عالم، فاضل، مفتی ہو جاتا ہے یا پھر وہ اپنے آپ کو جھیل العلوم، سمندر العلوم کہلاتے نہیں تھکتا ہے۔ تو پھر محمد شبیر نے کیا قصور کیا ہے۔ جو ان کو حضرت مولانا محمد شبیر صاحب نہ کہا جائے۔ جب کہ وہ باضابطہ ایک نہیں، کئی کئی سندات فضیلت اپنی تحویل میں رکھتے ہیں۔ اگر سندات کا لحاظ کیا جائے، تو بجائے خود ان میں کئی کئی علامہ، کئی کئی فہامہ سمائے ہوئے ہیں۔ پھر ذرا آگے چلیں، تو تدریسی محنت اور تجربہ اور مشقِ افتانویسی نے ان کو ایک دیدہ ور مفتی کے منصب جلیلہ فائز کر دیا اور ذرا آگے چل کر تو وہ مفتی بے مثیل اور شارح بے عدیل بن گئے۔

خیر اس وقت گفتگو مقصود ہے ان کے تدریس کے بارے میں۔ جس طرح مولانا محمد شبیر صاحب نے ایک جگہ ٹھہر کر درس نہیں لیا ہے، اسی طرح ایک ہی جگہ رہ کر درس دیا بھی نہیں ہے۔ جہاں کہیں رہے، سال دو سال ہی رہے۔ لیکن اسی چھوٹی سی مدت میں اپنی صلاحیت کا سکہ جما کر چھوڑا۔ فراغت کے بعد ۱۹۸۱ء میں جامعہ قدیریہ مرادآباد میں کار تدریس پر لگے۔ ۱۹۸۲ء

میں وہاں سے اٹھ گئے۔۱۹۸۳ء میں وہ یوپی سے اٹھ کر مہاراشٹر آئے۔ دار العلوم دیوان شاہ، بھیونڈی میں جا کر جادۂ تدریس بچھایا۔ جب بھیونڈی میں ہندو مسلم فساد پھوٹ پڑا، تو ماحول سراسیمہ ہوگیا۔ تب آپ کا ذہن بھی یہاں پراگندہ ہوگیا۔ چنانچہ ۱۹۸۳ء کے اخیر میں مولانا محمد شبیر صاحب بھیونڈی سے مالیگاؤں چلے گئے۔ وہاں ان کے لئے دار العلوم حنفیہ سنیہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہاں مسند درس بچھائی۔ اپنی صلاحیتوں کا جوہر دکھایا۔ یہ سلسلہ ۱۹۸۶ء تک جاری رہا۔

۱۹۸۷ء میں مولانا محمد شبیر صاحب کو ایک اور گولڈن چانس ملا۔ مالیگاؤں کو الوداع کہہ دیا۔ مدرسہ فیض العلوم جمشید پور نے ان کا خیر مقدم کیا۔ امام علم و فن خواجہ مظفر حسین رضوی کی خواہش اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی سفارش نے مولانا محمد شبیر صاحب کو یہاں مدرس اور مفتی دونوں منصب پر بیک وقت مسند نشیں کر دیا۔ اس اعجاز کے باوجود مفتی محمد شبیر صاحب یہاں محض ایک ہی برس رہ پائے۔ اس کے اگلے برس ۱۹۸۸ء میں مفتی محمد شبیر صاحب جمشید پور سے دھنباد چلے آئے۔ مدرسہ اشاعت الاسلام کی درسگاہ میں جلوہ بار ہوگئے۔ یہاں ان کے حوالہ تدریس کے ساتھ افتا و قضا کا قلم دان بھی ہوا۔ مگر بایں صد اعزاز انہوں نے دھنباد کو خیر آباد کہہ دیا۔ حضرت مولانا محمد ادریس رضا خان پیلی بھیت کے اصرار نے ان کو دھناد سے اٹھا دیا اور اتحاد المدارس اٹوا بازار بستی یوپی پہنچا دیا۔

یہاں ان کا نصیبہ جاگ اٹھا۔ ایک منصب جلیل نہیں، بیک وقت کئی مناصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ مولانا محمد شبیر صاحب یہاں استاذ تو تھے ہی، مفتی بھی تھے، قاضی بھی تھے، شیخ الحدیث بھی تھے اور سربراہ اعلیٰ کی نیابت بھی حاصل تھی۔ اتنے مناصب اور عہدے کے اعزازات، مگر پھر ڈھاک کے وہی تین پات، یہاں بھی بس وہی اکلوتا سال گزار کر مفتی محمد شبیر صاحب نے تمام عہدوں کو تیاگ دیا۔ یہ ۱۹۸۹ء کی بات تھی۔ اس سنہ کے اواخر میں وہ یوپی سے وطن روانہ ہوگئے۔ ۱۹۹۰ء میں مفتی محمد شبیر صاحب دار العلوم حنفیہ کھکڑا کشن گنج سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں ان کی حیثیت مدرس، مفتی اور منتظم کی تھی۔ اپنا سابقہ ریکارڈ توڑ کر وہ اس ادارہ میں چار پانچ برس جمے رہے۔ ۱۹۹۵ء میں انہوں نے کھگڑا میں ہی سڑک کے پورب طرف اپنا ادارہ قائم کیا۔ جہاں ان کا ایک مدرسہ دار العلوم چشتیہ کے نام سے ہے۔ وہیں ان کی رہائش گاہ بھی ہے۔ جہاں ایک عدد دار الاہتمام اور ایک عدد دیگر کار آمد اور شاندار دار التصنیف والنشر تیح ہے۔ جس کے مفید و موثر نتائج سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ ہے ان کے کار تدریس کی ایک سرسری سرگزشت۔

قلمی خدمات: درس وتدریس، تعلیم وتعلم، تقریر وخطابت، وعظ ونصیحت، ردومناظرہ، بیعت وارشاد، غرض ہر میدان میں حضرت مفتی محمد شبیر صاحب نے کچھ نہ کچھ کام ضرور کیا ہے۔ لیکن سب سے اہم کام، بلکہ کارنامہ ان کا قلمی خدمات ہے۔ تحقیق وتصنیف کی عام روش سے ہٹ کر جوانہوں نے درس نظامیہ میں اہم مغلق وادق درسی نصابی کتابوں کی تشریح وتوضیح کی، اس نے حضرت مفتی محمد شبیر صاحب کو ہند ہی نہیں، بلکہ پاکستان وبنگلہ دیش سمیت تمام اہل قلم کی قطار میں ایک امتیازی صفت سے متصف کردیا ہے۔

بس صرف یہ شکایت رہتی ہے کہ ہمارے یہاں کام نہیں ہورہا ہے۔ کسی حد تک یہ درست بھی ہے۔ درسی کتابوں کی طباعت، ترجمہ، تشریح کی مارکیٹ میں اغیار کا غلبہ تھا۔ ایسا نہیں کہ ہماری جماعت کے علما نے اس نوعیت کا کام نہیں کیا۔ جن چند حضرات نے مثلاً علامہ رضوان احمد شریفی گھوسوی نے، تہذیب الانشا، لکھی۔ مگر کیا مدارس اہل سنت نے بطور عام قبول کیا۔ آج سے بہت پہلے، جبکہ جدید نصاب سازی کا تصور بھی نہیں تھا، ملک العلما مولانا شاہ سید محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ نے عافیہ لکھی، وافیہ لکھی، تہذیب اور تقریب لکھی اور حد تو یہ کہ بالکل موڈرن میتھڈ اور جدید تقاضوں کے مطابق لکھی۔ مگر جماعت کی نصاب ساز کمیٹیوں نے ان کتابوں کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ یکا دکا کام کی نشاندہی اور بھی کی جاسکتی ہے۔

تشریحات کے میدان میں ایک نہایت ممتاز نام امام النحو حضرت مولانا سید شاہ غلام جیلانی علیہ الرحمہ کا ہے۔ جن کے حقیقت نگار اور فنون آشنا قلم نے جہاں جماعت کی جزوی ضرورت کو پورا کردیا، وہیں غیروں کی قلمی دھماچوکری بھی بند کردی۔ بات دور ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تو حضرت مفتی محمد شبیر صاحب کی قلمی خدمات کا ذکر مقصود تھا۔ اس لئے ہم اس کی طرف عنان قلم موڑتے ہیں۔ ان کی تشریحات کو مجموعی طور پر تشریحات شبیریہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ تو اب لیجئے تشریحات شبیریہ کی ایک نامکمل فہرست حاضر ہے:

۱ التشریح المعیب لحل شرح التہذیب مطبوعہ: ۱۹۸۷ء
۲ نوادر النعیمی لحل شرح جامی مطبوعہ: ۱۹۹۵ء
۳ مرسات شرح مرقات مطبوعہ: ۱۹۹۵ء
۴ التوضیح المظفری فی شرح کتاب القطبی مطبوعہ: ۱۹۹۸ء

۵ مختار النحو فی شرح ہدایۃ النحو مطبوعہ: ۱۹۹۹ء
۶ ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری (جلد اول) مطبوعہ: ۲۰۰۰ء
۷ ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری (جلد دوم) مطبوعہ: ۲۰۰۱ء
۸ تجلیات شبیریہ فی شرح مناظرہ رشیدیہ مطبوعہ: ۲۰۰۳ء
۹ برکات الاشرفی فی شرح اصول الشاشی مطبوعہ: ۲۰۰۵ء
۱۰ غایت الایضاح فی شرح تلخیص المفتاح مطبوعہ: ۲۰۰۶
۱۱ مخزن الفوائد لحل شرح العقائد غیر مطبوعہ

ان تشریحات وتوضیحات کے علاوہ ان کی اور بھی تصابیف وتحقیقات ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۲ شمشیر برہنہ بر گردن وہابیہ مطبوعہ: ۱۹۸۳ء
۱۳ احادیث علوم نبویہ مطبوعہ: ۱۹۸۹ء
۱۴ نغمات شیریں مطبوعہ: ۱۹۸۹ء
۱۵ نماز باتصویر مطبوعہ: ۲۰۰۴ء
۱۶ عقائد وہابیہ اور ان کے جوابات مطبوعہ ۲۰۰۶ء
۱۷ وظائف شبیریہ بر مشتمل نقوش اشرفی غیر مطبوعہ
۱۸ فتاوئ شبیریہ غیر مطبوعہ

وعظ وخطابت: حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی، جہاں ایک کامیاب مدرس ہیں، دقیقہ رس مفتی ہیں، لاثانی شارح ومترجم ہیں، وہیں وہ خوش گفتار شاعر بھی اور شعلہ بار مقرر بھی ہیں اور ایک زبردست حاضر جواب باحث ومناظر بھی ہیں۔ ان کا ذہن خالص منطقیانہ ہے، دماغ فلسفیانہ پایا ہے۔ انداز پھر وہی مناظرانہ اپناتے ہیں۔ اصلاح معاشرہ پر بھی تقریر کرتے ہیں۔ عالمانہ، ناصحانہ وعظ بھی کرتے ہیں۔ جب وہ ردومناظرہ کی فیلڈ میں اترتے ہیں، تو پھر باطل کو پچھاڑے بنادم نہیں لیتے۔ ان کی تقریر وخطابت سے ہندوستان کی اکثر ریاستیں فیضیاب ہو رہی ہیں۔

شعر گوئی: بچپن سے ہی مشق سخن جاری تھی۔ مگر جب وہ مراد آباد میں زیر تعلیم تھے، یا برسر تدریس تھے، اس وقت وہ اپنا کلام قمر مراد آبادی اور گوہر مراد آبادی سے دکھالیا کرتے تھے۔ گویا ان دونوں استاذ شعرا سے تلمذ حاصل ہے۔ حمد، نعت، منقبت، سلام، تو انہوں نے لکھا ہی ہے۔ نظمیں، غزلیں بھی

خوب کہی ہیں۔ان کی غزل تمسخرانہ ابتذال سے پاک ہے۔'نغماتِ شبیر' اور 'نغماتِ شیریں' ان کا مجموعہ کلام مطبوعہ ہے۔ حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی صاحب جہاں گشت، جہاں گرد، جہاں دیدہ آدمی ہیں۔ میں تو ٹھہرا گوشہ گیر، تخلیہ پسند، کم آمیز آدمی، اس لئے ان سے ملنے، ان کو دیکھنے، سننے کا زیادہ نہ موقع ملا اور نہ ان کی کتابیں، ہی پیش نظر ہیں۔ یہ جو کچھ ہے، ان کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں لکھا جا رہا ہے۔ اس لئے نقل اقتباس اور نمونہ کلام پیش کرنے سے قلم قاصر ہے۔

بیعت وارشاد: حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی تو ہیں ہی، رشیدی النسل بھی ہیں اور رشیدی الاصل بھی، دادا، نانا، والد سب رشیدی تھے اور ہیں۔ شہباز ولایت حضرت سید شاہ محمد عبدالشکور رشیدی سیوانی علیہ الرحمہ حلقۂ رشیدیہ کے انتہائی معتبر مستند ممتاز شخصیت تھے۔ جب سید السادات حضرت سید شاہ مصطفےٰ علی شہید رشیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا اور یہ ۱۳۷۷ھ کا زمانہ تھا۔ تو ان کے وصال سے خانقاہ رشیدیہ کی گدی خالی ہوگئی، گدی نشینی کا مسئلہ جب زیر غور آیا، تو تمام حلقہ بگوشانِ رشیدیت کی نگاہ انتخاب انہی سید شاہ محمد عبدالشکور علیہ الرحمہ اور حضرت شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی علیہ الرحمہ پر جا کر ٹھہری، مگر از راہ اخلاص وانکسار انہوں نے یہ منصب قبول کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ انہی سید والا گرامی کی ذات والا صفات ہے، جن سے حضرت مفتی محمد شبیر صاحب بیعت وارشاد کا تعلق رکھتے ہیں۔ مفتی محمد شبیر رشیدی آج جو کچھ بھی ہیں، جو کچھ کیا یا کر رہے ہیں، یہ اسی نسبت رشیدیت کا سراپا فیضان ہے۔

خلافت واجازت: جس طرح حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی کی زنبیل میں تعلیمی اسناد کی کثرت ہے، اسی طرح خلافت واجازت کی سندات کی بھی کثرت دکھائے دیتی ہے۔ یہ کل آٹھ تمثال خلافت ہے۔ تفصیل یہ ہے:

۱ نقاب پوش سید شاہ محمد یعقوب میاں سجادہ نشیں آستانہ عالیہ، سیوہارہ، ضلع بجنور یوپی، مورخہ ۱۱رفروری ۱۹۸۲ء

۲ فیض العارفین حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا، بھیسوڑی شریف، رام پور، یوپی۔ مورخہ دسمبر ۱۹۸۹ء

۳ نعیم العلما حضرت سید شاہ محمد نعیم اشرف سجادہ نشیں خانقاہ اشرفیہ جائسی ہدائے بریلی یوپی۔ ۳رفروری ۱۹۹۰ء

۴ سرکار کلاں حضرت سید شاہ محمد مختار اشرف، سجادہ نشیں خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف ۵رمئی ۱۹۹۱ء

۵ حضرت مولانا شاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں، سجادہ نشیں خانقاہ رضویہ بریلی شریف،

یو پی۔ ۲۴؍دسمبر ۱۹۹۳ء

۶ حضرت مولانا سید شاہ محمد یحیٰ حسن میاں، سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ یو پی، مورخہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۹۴ء۔

۷ حضرت مولانا سید شاہ محمد قطب الدین اشرف کچھوچھہ شریف یو پی، ۲۶؍اپریل ۱۹۹۴ء

۸ حضرت مولانا سید شاہ محمد اختصاص الدین نعیمی سجادہ نشیں خانقاہ نعیمیہ، مرادآباد۔ یو پی۔ ۲۸؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

ایک خلافت پا کر یا لے کر انسان پیر طریقت ہو جاتا ہے۔ مرشد طریقت واجازت بن جاتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی کے پاس اتنی بڑی بڑی سرکاروں کی خلافتیں اور اجازتیں زندہ جاوید موجود ہیں، تو پھر کوئی شریف انسان مفتی محمد شبیر رشیدی کو پیر طریقت، مرشد گرامی کیوں کر نہ مانے گا۔ لہٰذا وہ پیر طریقت بھی ہیں، مرشد اجازت کا حق بھی حاصل ہے۔ ان کے مریدوں کی خاصی تعداد موجود بھی ہے۔ البتہ ان کے خلفائے گرامی کا علم نہ ہو سکا۔

سب سے بڑے مربی: ابوالوفا حضرت مولانا شاہ محمد عبد القادر رشیدی علیہ الرحمہ تاراباڑی کے متولد بھی تھے۔ متوطن بھی تھے اور اب مدفن بھی وہیں ہے۔ اپنے حلقہ میں شاہ عبد القادر صرف حاجی شاہ صاحب سے معروف تھے۔ شاہ صاحب صاحب علم بھی تھے، صاحب ولایت ومعرفت بھی تھے۔ یہی حاجی شاہ صاحب مفتی محمد شبیر رشیدی کے حقیقی پھوپھا تو تھے ہی، سب سے بڑے مربی بھی تھے۔ شاہ صاحب ہی نے مفتی محمد شبیر رشیدی کو ابتدائی تعلیم دی۔ اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ روح وباطن کی تربیت فرمائی۔ زندگی بھر اپنی توجہ خاص کا مرکز بنائے رکھا۔ حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی کی تعمیر ذات، تشکیل کردار میں وہی حاجی شاہ صاحب کا سب سے اہم، سب سے زیادہ مرکزی رول رہا ہے۔ مفتی محمد شبیر صاحب کی ہر کامیابی کا راز انہی حضور والا حاجی شاہ صاحب ہی کی انتھک محنت ہے۔ بس خلاصہ یہ کہ پیر طریقت حضرت مفتی محمد شبیر رشیدی حاجی شاہ صاحب کی دعائے نیم شبی کا مجسم پیکر ہیں۔ اس کا اعتراف مفتی محمد شبیر صاحب کو بھی ضرور ہی ہوگا۔ تحقیق ومطالعہ کی آبلہ پائی کی رپورٹ کا متعلقہ حصہ یہاں یہ ہے:

'۱۰؍نومبر ۲۰۰۸ء پہلے کھگڑا اترا۔ شارح کتب درسیہ حضرت مفتی محمد شبیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کھگڑا میں ان کا مدرسہ چشتیہ

ہے۔خانقاہ اشرفیہ ہے۔رہائش گاہ بھی ہے۔وہ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی کے شاگرد ہیں۔جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے فارغ ہیں۔جامعہ قدیریہ مرادآباد، دارالعلوم دیوان شاہ بھیونڈی، جامعہ حنفیہ سنیہ مالے گاؤں، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، دارالعلوم اشاعت العلوم دھنباد، مدرسہ اتحادالمدارس اٹوابازار بستی، آخر میں دارالعلوم حنفیہ کھگڑا میں مدرس و مفتی اور شیخ الحدیث و شیخ المعقولات کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔دارالعلوم حنفیہ ہی سے الگ ہوکر اپنا مدرسہ وخانقاہ کھگڑا ہی میں قائم کیا ہے۔کئی سلسلے کی خلافت و اجازت بھی ہے۔پیری مریدی بھی کرتے ہیں۔مگر ان کا بڑا کارنامہ مشکل ترین درسی کتابوں کی تشریحات ہے۔جو مدارس اسلامیہ ہند و پاک میں مشہور و مقبول ہے۔کچھ کے نام یہ ہیں:

[۱] التشریح المنیب لحل شرح تہذیب [۲] نوادر النعیمی لحل شرح جامی [۳] مرسات شرح مرقات [۴] التوضیح المظفر ی فی شرح کتاب القطبی [۵] مختار النحو فی شرح ہدایۃ النحو [۶] ایضاح الشکوری فی شرح مختصر القدوری، اول، دوم [۷] تجلیات شبریہ فی شرح مناظرہ رشیدیہ [۸] برکات الاشرفی فی شرح اصول الشاشی [۹] غایۃ الایضاح فی شرح تلخیص المفتاح [۱۰] مخزن الفرائد لحل شرح العقائد۔دوسرے موضوعات پر ان کی اور بھی کتابیں ہیں۔

دیوان آسی اور سمات الاخیار کا پاکستانی اڈیشن ان کے پاس تھا۔ اول و آخر میں کچھ اوراق یہاں کے نسخوں سے زائد تھے۔جن کا عکس مجھے لینا تھا۔لیکن بہزار کوشش و تدبیر نہیں لے سکا۔انہوں نے بتایا کہ صاحب علم و ولایت بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد عبد القادر رشیدی تاراباڑی کے فتاوے کا رجسٹر یا کاپی ان کے پاس ہے۔ڈھونڈنے کی کوشش تو کی، مگر نہ نکال سکے۔

[مشمولہ 'سفر خوشبو دیش' کا معروف بہ 'سفر نامہ پورنیہ' مصنفہ غلام جابر شمس مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء ص:۲۴۴]

☆ ☆ ☆

دینی عصری علم وادب کا ایک تابندہ ستارہ
حضرت مفتی محمد نورالحق نوری صاحب

پیدائش: اسلام پور، جو کبھی پورنیہ کا حصہ تھا۔ آج پچھمی دیناج پور میں ہے۔ یہ خطہ بڑا مردم خیز ہے۔ یہاں کی بستیوں نے اونچی اونچی ہستیاں پیدا کی ہیں۔ نوری ٹولہ رسیا ایک ایسی ہی بستی ہے۔ ڈاک خانہ گنجریا بازار ہے۔ تحصیل وہی اسلام پور ہے۔ رسیا کا معنی یوں تو والہ رشیدا کے ہے۔ اس لئے رسیا والے علم وادب کے بڑے شیدا اور سیار ہے ہیں۔ دودھ، گڑ اور چاول سے ایک قسم کی کھیر بنتی ہے۔ جس کو وہاں مقامی زبان میں 'رسیا' کہتے ہیں۔ جو جاڑے کے زمانے میں خوب مرغوب سمجھی جاتی ہے۔ عجب نہیں کہ یہ رسیا، رسیلا سے بنا ہو۔ جس کا معنی رس سے بھرا ہوا ہے۔ خیر محمد نورالحق کی پیدائش اسی رس بھری بستی، رسیلا گاؤں میں ہوئی۔ ۱۳ رذی الحجہ ۱۳۷۴ھ ۲ راگست ۱۹۵۵ء تاریخ ولادت ہے۔

ولدیت: منشی محمد عبدالرشید جو اب خدا کو پیارے ہو چکے ہیں، محمد نورالحق کے والد ماجد تھے۔ گھر گھرانہ سارا علمی بھی تھا اور معاشی اعتبار سے خوش حال بھی۔ محمد عبدالرشید علیہ الرحمہ کہنے کو تو منشی جی تھے۔ مگر آج کے بہت سے سندیافتہ، ڈگری بردار سے بدرجہاں بہتر تھے۔ پہلے علم، ادب، اخلاق، تہذیب، تمیز، شرافت زندہ تھی۔ اب ڈگریاں زندہ ہیں اور خوبیاں رخصت ہو گئیں۔ منشی عبدالرشید کامل فارسی داں تھے۔ ان پڑھ عالم تھے۔ علمی پہلو، کرداری گوشہ اکمل تھا۔ دین وسنیت عزیز تھی۔ خدمت دین، خدمت خلق شیوہ تھا۔ بچوں کی تعلیم وتربیت وظیفۂ حیات تھا۔

جامع مسجد رسیا کے محراب ومنبر مسلسل چالیس برسوں تک ان کی آوازِ وعظ ونصیحت سے گونجتے رہے۔ دارالعلوم فدائیہ نوریہ کی دیواریں وہی چہل سال ان کے آوازۂ درس وافادہ سے گوش برآواز رہیں۔ منشی عبدالرشید کا دینی تصلب بے مثال تھا۔ جس کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ وہ موجود ہوں، تو پھر کس کی مجال، جو اعتقادی نظریاتی دیواروں میں دراڑ پیدا کر دے، یا شگاف ڈال دے۔ یہ ایمان وعقیدے کی بات تھی۔ رویت ہلال اور مسئلۂ اذان ثانی کے معاملہ میں بھی کوئی طاقت ان کو ٹس سے مس نہ کرسکی۔ ایسے متدین، متصلب، متشرع ماحول

میں محمد نور الحق کی پرورش و برداخت ہوئی۔

تعلیم کا آغاز: محمد نور الحق اب اس قابل ہو چکا تھا کہ اسے کسی مکتب یا مدرسہ میں بٹھلا دیا جائے۔ والد مرحوم تو خود زیرک استاذ تھے۔ پھر وہ اپنے فرزند فرخندہ فال کو اور کہاں بھیجتے۔ اپنی ہی درسگاہ میں بیٹھا دیا۔ قاعدہ سے باقاعدہ تعلیم شروع کی، تو گلستاں، بوستاں تک پڑھا کر چھوڑ دیا۔ اس دوران محمد نور الحق اسکول بھی جاتے رہے اور پرائمری درجات تک کی تعلیم حاصل کی۔ اب والد کریم کو خیال آیا کہ بیٹے کو حافظ قرآن بنایا جائے کہ کل قیامت میں بیٹے کے ساتھ باپ کے سر بھی تاج زریں زیب سر ہو سکے۔ چنانچہ محمد نور الحق کو اب حفظ کی درسگاہ میں بھیج دیا گیا۔

عارفیہ کی چٹائی پر: یہ مدرسہ عارفیہ چنامنا میں تھا اور ہے۔ استاد العلما نصیر ملت حضرت مولانا شاہ محمد نصیر الدین قادری اشرفی علیہ الرحمہ جب یہاں جلوہ بار تھے۔ تو اس وقت اس مدرسہ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ کسی جامعہ سے کم نہیں تھا۔ یہی وہ مدرسہ تھا، جہاں محمد نور الحق باپ کی شفقت سے اٹھ کر یہاں کی چٹائی پر آبیٹھے۔ حفظ قرآن کی تعلیم شروع ہوئی۔ ۲۴/ پارے حفظ کر ڈالے۔ نہ معلوم کیوں وہ صرف ۶/ پارے کے لئے چنامنا سے دربھنگہ چلے گئے۔

دار العلوم سمر قندیہ: یہ دار العلوم فدائیہ سمر قندیہ دربھنگہ میں ہے۔ جہاں انہوں نے حفظ مکمل کیا اور یہ تکمیل حفظ ۱۹۷۰ء میں ہوئی، ہجری سنہ ۱۳۹۰ھ تھا۔ یہیں ان کی دستار حفظ ہوئی۔ اب محمد نور الحق حافظ محمد نور الحق ہو گئے تھے۔ یہ اولین طالب علم تھے، جس کی اس مدرسہ سے دستار حفظ ہوئی تھی۔ یہیں انہوں نے عربی درجات کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔ مدرسہ انوار الحق دامودر پور، مدرسہ اصلاح المسلمین، ٹھاگر گنج سے بھی حافظ محمد نور الحق نے درس لیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بھی زیر درس رہے۔ دار العلوم محمدیہ بمبئی کا بھی سفر کیا، مگر حافظ محمد انوار الحق کی علمی سپاس بریلی جا کر بجھی۔

منظر اسلام: بنگال، بہار، یوپی، مہاراشٹر کی خاک چھاننے کے بعد وہ پھر یوپی وارد ہوئے اور جامعہ منظر اسلام میں داخلہ لیا۔ جہاں ان کی تکمیل تعلیم ہوئی۔ وہ یہاں کئی برس رہے اور ہر برس کے امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ اب سر پہ دستار فضیلت تھی، ہاتھ میں سند فضیلت تھی۔ حافظ قرآن تو پہلے سے تھے۔ اب وہ حضرت مولانا حافظ محمد نور الحق نوری ہو چکے تھے۔

خواجہ کی چوکھٹ پر: مولانا محمد نور الحق صاحب فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ برسوں سے ان کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لے رہی تھی کہ وہ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی چوکھٹ پہ حاضری دیں۔ لیکن طالب علمانہ زندگی تو عسرت کی زندگی ہوتی ہے اور مصروف بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ دورانِ تعلیم ان کو یہ موقع نہ ملا۔ فارغ ہوتے ہی انہوں نے عزم مصمم کرلیا کہ وہ خواجۂ پاک کے گوہر بار آستانہ پر حاضر ہوں۔

لہٰذا دل میں پل رہی برسوں سے ان کی تمنا ان کو اجمیر معلّٰی لے گئی۔ خواجۂ پاک کے درِ پاک پہ حاضری دی۔ فاتحہ پڑھا۔ دل کی تمنا برآئی۔ وہیں ان کی ملاقات اچانک حاجی عبد الغفار نوری سے ہوئی۔ حاجی عبد الغفار نوری اندور، مدھیہ پردیش کے رہنے والے تھے۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد گرامی کے بابرکت نام سے وہ دار العلوم نوری بھی چلاتے تھے۔ اس ادارہ کے لئے حاجی صاحب موصوف کو ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ حسن اتفاق سے درِ خواجہ پہ ان کو نوجوان فاضل مولانا محمد نور الحق صاحب مل گئے۔ جو اجمیر پاک سے اٹھا کر وہ اندور لے آئے اور مسند تدریس پر فائز کر دیا۔ بس یہیں سے مولانا محمد نور الحق صاحب کی تدریس کا آغاز ہوتا ہے۔

پرموشن: مولٰینا محمد نور الحق صاحب جب اندور تشریف لائے، تو یہ ۱۴ مارچ ۱۹۸۰ء کا زمانہ تھا۔ ہجری سنہ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ تھا۔ اس وقت مفتی مالوہ حضرت مفتی رضوان الرحمٰن علیہ الرحمہ حیات تھے۔ انہی کے زیر سایہ مولانا محمد نور الحق صاحب تدریسی سفر کی شروعات کے دو برس کی کامیاب تدریس کے بعد نائب شیخ الحدیث کے منصب پر پرموٹ کئے گئے۔ پھر سات برس کے بعد [۱۹۸۹ء] شیخ الحدیث ہو گئے اور ساتھ ہی صدر المدرسینی کے عہدے پر بھی پرموشن ملا۔ اب یہ ۲۰۱۵ء ہے۔

ان پینتیس برسوں میں اول وہ مدرس ہوئے۔ نائب شیخ الحدیث ہوئے۔ پھر کلیۃً شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہو گئے۔ یک در گیر محکم گیر، بزرگوں کا مقولہ ہے۔ اس محکم گیری کے نتیجہ میں مولانا محمد نور الحق صاحب نے اور بھی کئی بڑے بڑے کارنامے دیئے۔ ایک بڑا کارنامہ تو یہی ہے کہ جوانی ہی میں وہ نائب شیخ الحدیث ہو گئے۔ پھر تجربہ ذرا آگے بڑھا، تو شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہو گئے۔ اس سے ان کی علمی و اخلاقی گہرائی کا پتا چلتا ہے۔ ورنہ دال چکھا قسم کے لوگ اچھی صلاحیت ہونے کے باوجود چپل چٹخاتے، خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ نحو کی کتابوں میں معرب و مبنی کا بیان ہے۔ مبنی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مبنی آنست کہ بعوارض نہ گردد۔ اس طرح آں موصوف اسلام پور میں پیدا ہوئے۔ بریلی شریف میں تکمیل تعلیم کی۔ اجمیر پاک میں جگہ ملی۔ اندور میں رہ پڑے۔ تو اس شان سے کہ زمیں ٹلت

زماں ثلت، مگر آں موصوف نہ ثلت۔ زمیں گردد، جبل گردد و لے جبلت نہ گردد۔

ع: حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

محراب ومنبر: امامت علمائے اسلام ہی کا حصہ ہے۔ قوم کو وعظ و نصیحت انہیں کا فریضہ ہے۔ حضرت مفتی محمد نورالحق صاحب امامت بھی کرتے ہیں۔ خطابت بھی کرتے ہیں۔ حافظ قرآن تو ہیں ہی، تراویح بھی سناتے ہیں۔ شیخ الحدیث ہیں، احادیث رسول کا درس دیتے ہیں۔ صدرالمدرسین ہیں، صدارتی ذمہ داریاں بخوبی سر انجام دیتے ہیں۔ بڑی مسجد جونار سالہ میں واقع ہے۔ اس مسجد کے محراب ومنبران کی امامتی، خطابتی، دعوتی، تبلیغی، اصلاحی سرگرمیوں کی جولانگاہ ہے۔ اسی ہیڈ کواٹر سے وہ آہوئے برگشتہ کی نکیل وکمان سنبھالتے ہیں اور سوئے حرم بلا کر ان کو خدا کی بارگاہ میں سربسجود کراتے ہیں۔

عصری لیاقت: حضرت مولانا مفتی حافظ محمد نورالحق صاحب عالم علوم اسلامیہ تو ہیں ہی، فاضل السنہ شرقیہ بھی ہے۔ تعلیمی بورڈ کے بھی امتحانات دیئے ہیں۔ مثلاً عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے مولوی اور عالم کیا ہے۔ جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ خالص عصری اداروں سے بھی تعلیمی لیاقتیں حاصل کی ہیں۔ جیسے ہائر سکنڈری ایم پی بورڈ بھوپال سے کیا ہے۔ غالب گمان ہے۔ یہ عصری لیاقتیں انہوں نے اندور ہی کے دوران قیام حاصل کی ہیں۔ یہ دیکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ حضرت مولانا مفتی محمد نورالحق صاحب قبلہ دینی وعصری علوم وادبیات کے سنگم ہیں، مجمع بحرین ہیں۔ اس جہت سے وہ فخر الاماثل بھی ہیں اور فائق الاقران بھی ہیں۔

حیرت انگیز بات: آپ اندور میں رہتے ہیں۔ بھوپال وہاں سے چار سو کیلو میٹر دور ہے۔ جب آپ ایم اے فارسی کی تیاری کر رہے تھے۔ امتحان عین رمضان مبارک کے مہینہ میں پڑ گیا۔ یہاں امامت تھی، خطابت تھی، تراویح کی نماز تھی، سخت گرمی کا سیزن تھا۔ بھوپال جا کر امتحان میں شریک ہونا تھا۔ کہیے! کیسی مشکل گھڑی تھی۔ مگر واہ رے ہمت مردانہ! آپ نے ہمت نہیں ہاری اور کڑے چیلنج کو قبول کر لیا۔ شیڈول یہ طے کیا کہ رات تراویح سنا دیتے۔ پھر بھوپال روانہ ہو جاتے۔ دوران سفر ہی امتحان کی تیاری کر لیتے۔ صبح پہنچ کر امتحان دے دیتے۔ دو پہر کو وہاں سے روانہ ہوتے۔ اثنائے سفر ہی قرآن پاک تازہ کر لیتے۔ شام یہاں آ کر امامت کرتے اور تراویح بطیب خاطر سنا دیتے۔

یوں انہوں نے شدید دھوپ اور گرمی کے موسم میں آمد و رفت کے اعتبار سے آٹھ سو کیلو میٹر کا سفر بھی کیا۔ امتحان بھی دیا۔ پاس بھی کیا اور ادھر اپنے فرض منصبی میں کوئی فرق بھی پڑنے نہ

دیا۔ کہیے! یہ حیرت کی بات نہیں؟۔ واقعی یہ حیران کن امر ہے۔ آگ سے کھیلنا اور طوفان سے لڑنا، یہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں۔ یہ تو کسی جاں باز، جگر باز کا کام ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد نور الحق صاحب وہی جاں باز وجگر باز معلوم ہوتے ہیں۔ طوفان کے جھکڑ اور سیلابی تھپیڑے کی زد اور ضرب سے ہی انسان ہنر آشنا ہوتا ہے۔ آج جو موصوف کو دینی وعصری آگہی حاصل ہے۔ یہ اسی جان کاہ زد اور جاں لیوا ضرب کا نتیجہ ہے۔ جو اوروں کے لئے ایک چمکتی دمکتی مثال ہے۔

عصری دانشگاہ میں: حنا سِل پہ گھستی ہے۔ تب رنگ شوق رنگ ہوتا ہے۔ حضرت مولینا مفتی محمد نور الحق صاحب کا وجود وہی حنا ہے۔ یہ بھی حصول علم اور مراحل امتحان کی سل پہ بہ مرات وکرات گھسا ہے۔ تب جا کر یہ رنگ چوکھا آیا ہے۔ آج وہ، جس دینی منصب جلیل پر براجمان ہیں۔ وہ تو ہے ہی۔ عصری دانشگاہ میں بھی وہ، اسی طمطراق کے ساتھ فائز المرام ہیں۔ اسلامیہ کریمیہ سوسائٹی اندور کو ایک کثیر الجہات ٹرسٹ ہے۔ جس کے ماتحت کئی دینی ودنیاوی ادارے چل رہے ہیں۔ مدھیہ پردیش کے اہل اسلام کا ایک بہت بڑا تعلیمی ٹرسٹ ہے۔ جہاں عصری نصاب کے ساتھ دینی نظام تعلیم بھی لازم وواجب ہے۔ پہلے تو شعبۂ دینیات کے استاذ ہوئے۔ پھر صدر شعبۂ دینیات ہو گئے اور یہ دورانیہ ۱۹۸۰ء سے تادم تحریر ہے۔

اسلامیہ کریمیہ کالج' جہاں سے آپ نے بی اے اور اردو ایم اے کیا ہے۔ اسی شعبہ فارسی اور اردو میں آپنے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ دیوی اہلیہ یونیورسٹی اندور کے شعبہ عربی وفارسی کے صدر شعبہ میں بھی رہے ہیں۔ یہی مجد وشرف کیا کم تھا۔ لیکن خدا نے آپ کو اس کڑی محنت کا صلہ یہ عطا فرمایا کہ اندور یونیورسٹی اندور، برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال، ہندو یونیورسٹی بنارس کے شعبہ فارسی کے اکزامینر (ممتحن) بنا کر بلائے گئے۔ ع: یہ رتبہ بلند جس کو ملا اس کو مل گیا ہے۔

ذوق قلم: حضرت مولینا مفتی محمد نور الحق صاحب فطرتاً فعال پیدا ہوئے تھے۔ قلمکاری کا ذوق بھی ان میں موجود تھا۔ چنانچہ آپ جامعہ اشرفیہ میں جب زیر تعلم تھے۔ اسی وقت آپ نے 'تنویر معراج' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا، جو ماہنامہ اعلیٰ حضرت' بریلی، معراج نمبر میں شائع ہوا۔ یہ ۱۹۷۴ء کی بات ہے۔ یہیں سے آپ کا قلمی سفر شروع ہوتا ہے۔ پھر جب آپ جامعہ منظر اسلام بریلی میں زیر تعلیم تھے۔ عرس حامدی جیلانی کے زرین موقع پر تقریری مقابلہ ہوا۔ یہ تقریری مقابلہ کل ہند تھا۔ قائد ملت حضرت علامہ ریحان رضا رحمانی میاں علیہ الرحمہ نے اس مقابلہ کا انعقاد کرایا تھا۔ بریلی کے تمام اداروں اور یوپی بھر کے کئی اداروں سے طلبا شریک ہوئے تھے۔

مگر پہلی پوزیشن حضرت مولٰینا مفتی محمد نور الحق صاحب کو حاصل ہوئی۔ آپ کی تقریر کا عنوان تھا 'خدا کے دین کی احمد رضا نے لاج رکھ لی' سیکڑوں علما و مشائخ کی موجودگی میں سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند کے مبارک ہاتھوں سے حضرت مولٰینا مفتی محمد نور الحق صاحب نے اول انعام حاصل کیا۔ یہی تقریر اسی عنوان سے ماہنامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی میں شائع ہوئی۔ بس یہیں سے آپ کو حوصلہ ملا اور آپ برابر لکھتے چھپتے رہے۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے علاوہ ماہنامہ 'نوری کرن' بریلی اور استقامت ڈائجسٹ کانپور میں آپ کے کئی مضامین ومقالات چھپ کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

اثر خامہ: جب آپ نے قلم پکڑا تھا۔ تب نہ تو آپ پختہ تھے، نہ آپ کا قلم پختہ تھا۔ محنت اور تجربہ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ آپ نے مضامین لکھے ہیں، مقالات قلمبند کئے ہیں۔ کتابیں لکھیں ہیں۔ کتابوں میں نصابی، غیر نصابی کتابیں بھی ہیں۔ صحافت وادارت سے وابستہ رہے ہیں۔ مفتی مالوہ حضرت مفتی رضوان الرحمٰن علیہ الرحمہ کی سیرت وسوانح پر مشتمل کتاب 'تذکرۂ رضوان' آپ ہی کے اثر خامہ کا نتیجہ ہے اور بھی کتابیں ہیں، جو ابھی چھپی نہیں ہیں۔ 'دینی معلومات' ان کی دوسری تصنیف ہے، جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔ مدرسہ، اسکول، کالج کے طلبا کے مزاج، مذاق، نفسیات کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے۔ جو جلد ہی چھپنے والی ہے۔

نصابی کتب: وقت اور حالات کا جو جبری تقاضہ ہوتا ہے، اس پر کان وہی شخص دھرتا ہے۔ جس کی نظر وقت اور حالات کی نبض پر رہتی ہے۔ وہ عصری ادارے، جو مسلم منیجمنٹ کے زیر اہتمام چل رہے ہیں، ان میں جو دینی نصاب داخل درس ہے، وہ تقریباً بد مذہبوں کا مرتب کردہ ہے۔ جس سے عام مسلم نونہالوں کا کچا ذہن پراگندہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال یہاں ممبئی میں بھی ہے اور ملک کے دیگر مقامات میں بھی ہے۔ حضرت مولٰینا مفتی محمد نور الحق صاحب مدھیہ پردیش میں رہتے ہیں۔ وہاں بھی وہی صورت رہی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے وقت کی آواز پر گوش بر آواز ہو گئے اور اسکولوں، کالجوں کے طلبا کے لئے ایک دینی نصاب مرتب کر دیا۔

یہ 'دینی نصاب' نرسری کے جی سے لے کر بارہویں جماعت تک ہے۔ نرسری سے پانچویں جماعت تک اس کا نام 'اردو دینیات' ہے۔ چھٹی جماعت سے بارہویں تک 'دینی نصاب' نام رکھا گیا ہے۔ اسلامیہ کریمیہ سوسائٹی کے تمام چھوٹے بڑے اداروں میں یہ نصاب داخل درس ہے۔ اس کے علاوہ مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، راجستھان کے بہت سے مسلم مینجمنٹ والے

اسکولوں، کالجوں میں شامل نصاب کیا گیا ہے۔ یہی نصاب قدرے ترمیم واضافے کے ساتھ 'نوراسلام' کے نام سے کشمیر کے اکثر مسلم اسکولوں اور کالجوں میں بھی پڑھایا جاتا ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ ایک نصاب ساز کمیٹی کا کام تھا، جس کو آں موصوف گرامی نے تن تنہا انجام دیا ہے۔ اس لئے حق یہ ہے کہ یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے اور قابل صد مبارک باد بھی ہیں۔

ادارت وایڈیٹنگ: مدھیہ پردیش میں اردو داں کم، ہندی داں طبقہ زیادہ ہے۔ جب آپ یہاں تشریف لائے، تو آپ ہی کی تحریک پر ماہنامہ 'نوری دنیا' کا اجرا عمل میں آیا۔ چوں کہ تحریک وتجویز آپ کی تھی۔ لہٰذا چیف ایڈیٹر بھی آپ کو ہی منتخب کیا گیا۔ حضرت مولانا انوار احمد خاں مینیجنگ ایڈیٹر تھے۔ ایک مدت تک یہ چلتا رہا۔ پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ہمت کر کے حافظ شوکت حسین قادری صاحب نے ماہنامہ 'پیغام رسول' جاری کیا۔ آپ سے گزارش کی گئی، آپ نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ پچھلے پندرہ برسوں سے یہ رسالہ جاری ساری ہے اور امت اسلامیہ کی خوب خوب خدمت کر رہا ہے۔

دینی وملی خدمات: جب آپ بریلی شریف میں زیر تعلیم تھے۔ تو آپ نے چند باذوق ساتھیوں کی ذہن سازی کی۔ قائد ملت علامہ شاہ ریحان رضا رحمانی علیہ الرحمہ سے اجازت لی اور 'انجمن رعنائے رضا' کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ کی بنیاد ڈالی۔ جب تک آپ بریلی شریف رہے۔ امام احمد رضا کے دو نایاب رسالے شائع کرائے۔ فراغت کے بعد جب وہاں سے رخصت ہوئے، تو یہ سلسلہ بھی اپنے آپ رخصت ہو گیا۔

تحفظ شریعت بورڈ: شاہ بانو کیس کا معاملہ یاد ہی ہوگا۔ اس کیس سے ملک کی جو صورت حال تھی، وہ کس قدر پر آشوب تھی۔ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ شریعت اسلامیہ کی بالادستی برقرار رکھنے کے لئے، اندور میں 'تحفظ شریعت بورڈ' کا قیام عمل میں آیا۔ یہ بورڈ مفتی مالوہ حضرت مفتی محمد حبیب یار خان کی قیادت میں قائم ہوا۔ جس کا جنرل سکریٹری آپ کو منتخب کیا گیا۔ دنیا جانتی ہے کہ اس بورڈ نے اس گمبھیر مسئلہ کا حل نکالا۔ اہل سنت کی سرخ روئی ہوئی اور اسلامیان ہند کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ اس اہم موڑ پر حضرت مفتی مولانا نورالحق صاحب کی گہری سوجھ بوجھ کا بڑا اہم رول رہا۔

☆☆☆

علم، عمل، تقویٰ، طہارت کی ایک جیتی جاگتی تصویر
حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی علیہ الرحمہ

انگریزی زبان پڑھنا لکھنا کوئی بری چیز نہیں۔ بلکہ بوقت ضرورت ضروری بھی ہے۔ مگر انگریز رنگ ڈھنگ کی اس زبان، تہذیب، معاشرت سے، جو نحوست، کثافت، غلاظت، جو جراثیم کی طرح پھیلتی، جکڑتی ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہی نہیں، شرعاً واجب بھی ہے۔ کچے ذہنوں کے فکر وخیال کی اٹھان میں تعلیم، تمدن، کلچر، صحبت، سنگت، معاشرت مصاحبت موثر رول ادا کرتی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے فرزند اردو مشہور ادیب مولانا عبد الماجد دریابادی کی سوانح ذرا پڑھیے۔ دینی ماحول سے نکل کر دور ظلمت میں کتنے دور تک نکل گئے تھے۔

وہ تو بھلا کرے خدا، مجاہد آزادی، عاشق رسول حضرت مولانا محمد علی جوہر کا، جن کے شدید انتباہ پر مولانا دریابادی ذرا سا ٹھٹھکے۔ پھر امام احمد رضا کی دردمندانہ فہمائش پر مولانا دریابادی کے والد کے مرشد حضرت مولانا شاہ قیام الدین محمد عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے بروقت نوٹس لی۔ مولانا دریابادی ظلمت و الحاد کی جس گہری کھائی میں گرے چلے جا رہے تھے۔ مولانا فرنگی محلی کی وہی ایماندارانہ نوٹس نے مولانا دریابادی کی گردن پکڑ کر واپس لے آئی اور وہ بالکل بال بال بچ گئے۔ یہ اسی انگریزی تعلیم یا تمدن یا مصاحبت کا اثر بد تھا۔ مگر خدا نے خیر فرمادیا۔

مدارس کے لعل محمد خان برطانوی حکومت میں برٹش نیوی مرچنٹ میں ملازمت کرتے تھے۔ حکومت کی نوکری، وہ بھی نیوی مرچنٹ میں، ایسا موقع کہاں ملتا ہے۔ ہر وقت وارے نیارے میسر۔ رات کنگال، دن کو نہال ہو جانے کی صورت مہیا تھی۔ مگر لعل محمد نے ملازمت کرتے وقت اپنے قصر ایمان وعبادت کی دہلیز پر کچھ نامناسب آہٹ محسوس کی۔ یہ نرم، ملائم آہٹ وہی برطانوی عمال حمال کی صحبت کا اثر تھی۔ لعل محمد خان نے پھر آؤ دیکھا، نہ تاؤ، ملازمت یہ کہہ کر ترک کردی کہ جہاں دین سلامت نہیں۔ وہاں کا دنیا کا کیا کام؟۔

یہ تو لعل محمد خان کی ہوشمندی کا زمانہ تھا۔ یہی لعل محمد خان مدارس سے کلکتہ چلے آئے۔ دونوں سنہرا ساحل پر آباد ہے۔ تجارت کا تجربہ تو تھا ہی۔ وہاں حکومت کی تجارت تھی۔ یہاں انہوں نے ذاتی تجارت شروع کی۔ جہاز خریدا۔ مال تجارت اکسپورٹ، انپورٹ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ لعل محمد خان کا شمار کلکتہ کے مالدار ترین لوگوں میں ہوا۔ مزاج مکمل دینی تھا۔ زندگی

کامل متشرع تھی۔ دینی علم و معلومات کی گہری بصیرت کے ساتھ دین کا گہرا درد بھی تھا۔ کلکتہ کی زمین ان کی دینی سرفروشانہ جدوجہد اور مجاہدانہ مساعی کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

اردو کے معروف محقق قاضی عبدالودود کے والد گرامی قاضی عبدالوحید فردوس علیہ الرحمہ عظیم آبادی کی کہانی بھی دلچسپ ہے۔ قاضی عبدالوحید کا گھر جو دولت سے بھرا تھا۔ کوٹھیاں تھیں۔ کٹرے تھے۔ زمیندار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ عبدالوحید انگریزی پڑھے۔ قاضی عبدالوحید تھے تو چھوٹے، مگر ان کا ذہن چھوٹا نہیں تھا۔ بچپن میں ہی وہ شباب کا شعور رکھتے تھے۔ انگریزی پڑھنے سے ان کے دل نے ابا کر دیا۔ دنیا جانتی ہے۔ اسلام کے تحفظ و بقا کی تاریخ میں قاضی عبدالوحید وہ روشن باب رقم کر گئے کہ لوگ رشک کرنے لگے۔ پٹنہ کے یہ قاضیعبدالوحید فردوسی اور مدارس کے وہ حاجی لعل محمد خان علیہا الرحمہ دونوں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے خلفائے باالختصاص تھے۔ اوہ! میں اتنا لکھ گیا۔ بتانا یہ تھا کہ حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی علیہ الرحمہ کی حیات کا قصہ جو ہم لکھنے جا رہے ہیں، اس کا تعلق بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ تو اب آئیے! قصہ شہاب سنتے ہیں۔

جائے ولادت: کٹیہار سے چالیس کیلومیٹر دور سودھانی ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں سے دس کیلومیٹر پچھم بھینس بندھا بستی ہے۔ بھینس بندھا کی وجہ تسمیہ تو بالکل ظاہر ہے۔ یہاں کے باشندگان بھینس زیادہ رکھتے، پالتے ہوں گے۔ سخاوت کی ایک علامت دھواں کا اٹھنا بھی ہے۔ اسی طرح بھینس رکھنے، پالنے کا کھلا مطلب یہاں کے لوگ دودھ، دہی، گھی سے زیادہ انسیت رکھتے رہے ہوں گے۔ خیر بھینس بندھا کا ایک گھرانہ صدیقی ہے۔ یہ گھرانہ معاشی اور مذہبی ہر دو اعتبار سے خاصا نمایاں رہا ہے۔ منشی محمد نجابت حسین مرحوم کا تعلق اسی صدیقی گھرانہ سے تھا۔ یہ تو میں کئی بار لکھ چکا ہوں کہ اس وقت کی ہستیوں میں اتنی لیاقت ضرور ہوتی تھی کہ وہ آج کے کئی درجن مولویوں کے کان کتر سکتے تھے۔ ہاں! تو یہی منشی محمد نجابت حسین مرحوم حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی علیہ الرحمہ کے والد ماجد تھے۔ مولانا اشرفی کی ولادت اسی بستی کے انہی منشی محمد نجات حسین کے گھر غالباً ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔

تعلیم: یہ انگریزی دور حکومت تھا۔ آزادی ہند کی تحریک بھی جاری تھی۔ انگریز جہاں انگریزی تعلیم و تمدن کو رواج دینا چاہتے تھے، وہیں خالص اسلامی مزاج رکھنے والے اسلامیان ہند اس کے برے اثرات سے بچنا بھی چاہتے تھے۔ علمی، تعلیمی، تمدنی، معاشی، معاشرتی، سماجی، سیاسی،

غرض ہر لحاظ سے دونوں خیموں میں ایک تناؤ کا ماحول پُر ہول بنا ہوا تھا۔ تاہم کچھ خوش قماش قسم کے مسلمان اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلانا بھی چاہتے تھے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ ہر نئی چیز اچھی لگتی ہے۔ ایسا ہوا بھی اور ہوتا بھی ہے کہ پرانی چیز کھو جانے کا خطرہ مول لے کر بھی کچھ لوگ نئی چیز کو پالینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال سر سید کی ذات اور ان کی تحریک انگریزیت تھی اور 'اولڈ از گولڈ' لوگوں کو نہیں بھولنا چاہیے۔

بہر حال منشی نجابت حسین نے اپنے لخت جگر محمد شہاب الدین کو انگریزی اسکول داخل کر دیا ۔جہاں شہاب الدین نے کوئی سات سال تعلیم حاصل کی ۔مگر تھے وہ مسلم مذہبی خاندان کا پلا بڑھا۔ بالآخر کبھی نہ کبھی انہوں نے کھٹک یہ ضرور محسوس کر لی کہ یہ تعلیم ان کی اگلی زندگی کے لئے مفید نہیں، مضر ہو جائے گی۔ بلکہ انہوں نے یہ کہہ بھی دیا کہ یہ تعلیم تو مذہب سے بیگانہ کرنے والی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اسکول سے اٹھ گئے اور گھر چلے آئے اپنے والد کریم سے گزارش کی۔ آپ دینی تعلیم دلائیے۔ مجھے اسکول کی تعلیم میں دل نہیں لگتا۔ والد ماجد نے ولد صغیر، مگر صالح کی گزارش اَن سنی کر دی۔ منشی نجابت حسین نے جب اجازت نہ دی اور محمد شہاب الدین ہر طرح مایوس ہو گئے۔ تو راہ فرار اختیار کر لی۔

اسکول سے تو بھاگے ہی تھے، بھینس بندھا سے بھی بھاگ نکلے۔ عمر چھوٹی تھی۔ بھاگتے، تو دور کہاں بھاگتے۔ بھینس بندھا سے قریب ہی پورب طرف تکیہ لطیفی رحمان پور ہے۔ جہاں مدرسہ لطیفیہ اس دور میں عروج پر تھا۔ بھاگم بھاگ محمد شہاب الدین رحمان پور پہنچ گئے۔ داخلہ لے لیا۔ تعلیم لینا شروع کر دی۔ یہاں اردو پڑھی، فارسی پڑھی۔ ایک سال گزر گیا۔ پھر یہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ چمنی بازار پہنچ گئے۔

بندگی کی چھاؤں میں: یہ دربار بندگی ہے۔ یہاں دار العلوم مصطفائیہ قائم ہے۔ محمد شہاب الدین یہاں آیا، تو چھٹی کا زمانہ تھا۔ تاجدار علم وولایت حضرت مولانا شاہ محمد سکندر علی علیہ الرحمہ تھے ،دو تین طلبہ اور باورچی تھا۔ محمد شہاب الدین سے مدرسہ کا کانا کھایا نہ جاتا تھا۔ باورچی نے حضرت مولانا سے شکایت کی۔ تو حضرت مولانا نے نو وارد بچہ کو طلب فرمایا۔ نام اور مقام پوچھا۔ محمد شہاب الدین نے بتایا۔ حضرت مولانا نے فرمایا: میں جانتا ہوں، پھر فرمایا کہ اس علم سے تمہیں دنیا نہیں ملے گی۔ دین ملے گا اور اپنا پرایا ہو جائے گا۔ محمد شہاب الدین تو وحشت طوفان ۔۔ نکلا تھا ۔۔۔

دینی علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ محمد شہاب الدین یہاں دوسال ٹھر گئے۔ ضیغم اہل سنت حضرت مولانا شاہ محمد غلام یٰسین شاہدی رشیدی علیہ الرحمہ نے ان کو فارسی کی منتہی کتاب پڑھائی۔ حضرت مولانا شاہ محمد یوسف رشیدی اور حضرت مولانا شاہ محمد سکندر علی علیہ، الرحمہ نے ان کو ابتدائی عربی کتاب کی تعلیم دی۔

آرہ کا سفر: محمد شہاب الدین اب مشرقی بہار سے نکلے۔ مغربی بہار، آرہ آگئے۔ یہاں مدرسہ فیض الغربا میں ایڈمیشن لیا۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا شاہ محمد رحیم بخش آروی علیہ الرحمہ نے قائم فرمایا تھا۔ یہ مدرسہ کرایہ کے مکان میں چلتا تھا۔ مکان تو کسی غیر مسلم کا تھا۔ مولانا رحیم بخش آروی امام احمد رضا کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ مدرسہ فیض الغربا کے سالانہ اجلاس میں امام احمد رضا مدعو ہوتے تھے۔ وہاں کے حالات معلوم کرنے کے بعد امام احمد رضا نے اس مالک مکان غیر مسلم کو سمجھایا اور مولانا محمد رحیم بخش سے مشورہ کیا۔ یوں یہ مکان تھوڑی لاگت پر مدرسہ کا خود مکان ہو گیا۔ خیر محمد شہاب الدین اس مدرسہ میں کچھ دن رہے۔ پھر مدرسہ نیازیہ خیرآباد، یوپی چلے گئے۔

خیرآباد سے مرادآباد: خیرآباد میں بھی محمد شہاب الدین زیادہ دن نہیں پڑھے۔ جلد ہی وہاں سے مرادآباد پہنچ گئے۔ جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا محمد یونس، حضرت مولانا محمد وصی احمد سہسرامی اور حضرت مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی سے علمی فیوض کسب کیے۔ لیکن زیادہ اکتساب فیض حضرت مفتی موصوف ہی سے کیا۔ محمد شہاب الدین ابھی یہاں اور پڑھتے۔ مگر عین اسی زمانے میں مشرقی بہار کے شہر کٹیہار میں علمی بہار کا ایک جھونکا آیا۔ اسی جھونکے نے تمام اطراف ہند کے دینی طلبا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ تشنگان علم، جویان فن ٹوٹ کر وہاں جانے لگے۔ محمد شہاب الدین بھی ان طالب علموں میں کا ایک تھا۔ یہ جھونکا بحر العلوم کٹیہار کے صحن میں خلیفۂ امام احمد رضا ملک العلما حضرت مولانا شاہ سید محمد ظفر الدین قادری کی شکل میں آیا تھا۔

شہر نو بہار کٹیہار: یہ ۱۹۵۰ء/۱۳۷۱ھ کا زمانہ تھا۔ بحر العلوم کٹیہار کا قیام ناگزیر اسباب و وجوہ سے عمل میں آچکا تھا۔ حضرت ملک العلما وہاں اپنا علمی دربار سجائے جلوہ بار تھے۔ دیگر دبنگ قسم اساتذہ گرامی ان کی جلو میں موجود تھے۔ طلبہ اقطار ہند سے دیوانہ وار چلے آرہے تھے۔ قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے فضائیں گونج رہی تھیں۔ اس وقت کٹیہار شہر نو بہار بنا ہوا تھا۔ اسی موسم

بہار میں محمد شہاب الدین مراد آباد سے کٹیہار پہنچ گئے۔ یہ بحر العلوم ان کے گھر سے قریب بھی تھا۔ داخلہ لیا اور پھر بحر العلوم کی طغیانی میں غوطہ لگانے لگے۔

دیگر اساتذہ کے علاوہ حضرت ملک العلما نے درج ذیل کتابیں پڑھائیں۔ دیوان حماسہ، مسلم الثبوت، تصریح، ہدایہ آخرین، تفسیر مدارک، مسند امام اعظم، طحاوی شریف، بخاری شریف۔ حضرت ملک العلما درسی و درسگاہی شخصیت تو تھے ہی، ان کی درسگاہ کی دھوم پورے غیر منقسم ہند میں تھی۔ لیکن دروس نظامیہ کے علاوہ فنون دقیقہ میں ان کا سکہ رائج الوقت مانا جاتا تھا۔ چنانچہ محمد شہاب الدین ان فنون دقیقہ میں بھی استفادہ کیا۔ کامل دو برس کے بعد محمد شہاب الدین کی تحصیل علم کا دور ختم ہو گیا۔ پھر ان کے سر پہ فضیلت علم کا زریں تاج رکھ دیا گیا۔ اب وہ فارغ التحصیل ہو کر حضرت مولانا محمد شہاب الدین ہو گئے۔

صفت بدل گئی: کل تک محمد شہاب الدین کی گنتی طلبا کی قطار میں تھی۔ بعد فراغ اساتذہ کی صف میں آگئے۔ حضرت مولانا محمد شہاب الدین صاحب کی ارجمندی تھی۔ عہد تحصیل رخصت ہوا، تو دور تدریس شروع ہو گیا۔ مگر ان کو تو اس کے لئے جگہ ڈھونڈنا نہ پڑی، جگہ نے ان کو خود ڈھونڈ لی۔ مولانا محمد شہاب الدین جہاں کہیں بھی رہے، ہر جگہ ہمیشہ اساتذہ وطلبہ کے نور نظر رہے۔ یہاں بھی وہ حضرت ملک العلما اور دیگر اساتذہ کے منظور نظر تھے۔ بحر العلوم کو ایک فاضل استاد کی ضرورت بھی تھی، حضرت ملک العلما کی فرمائش پر اراکین وانتظامیہ نے ان کا تقرر کر لیا۔

اب وہ ابتدائیہ سے درجات عالیہ تک کی کتابوں کا درس دینے پر مامور ہو گئے۔ حضرت ملک العلما کی موجودگی میں دو سال سے زائد مدت تک تعلیم دیتے رہے اور حضرت ملک العلما سے اکتساب فیض بھی کرتے رہے۔ ضعف ونقاہت کی بنیاد پر حضرت ملک العلما نے ۱۹۶۰ء میں پٹنہ مراجعت فرمائی، تو مولانا محمد شہاب الدین کو بڑا قلق ہوا اور تنہائی محسوس ہوئی۔ مگر علی حالہ درس وتدریس کا جاری رکھا اور یہ سلسلہ کوئی پانچ برس بعد تک چلا۔ بحر العلوم جب مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے ملحق ہونے لگا، تو مولانا محمد شہاب الدین مستعفی ہو گئے۔ مولانا محمد شہاب الدین کو چوں کہ ملحقہ مدارس کی بوجوہ ملازمت پسند نہ تھی۔

بائسی آگئے: بائسی تحصیل کے پورب ذرا فاصلہ پر گھسکی ٹولہ چریا ہے۔ یہاں مدرسہ مختار العلوم چلتا تھا اور ... کٹیہار سے آکر آپ ... نے یہاں جوائن کیا۔ آپ کے آنے سے یہاں کافی

تبدیلیاں آئیں۔ طلبہ کی تعداد بڑھی۔ معیار تعلیم بلند ہوا۔ نظام اخلاق و تربیت بدلا۔ غرض آپ کے وجود سے، یہاں کافی کچھ ترقیاں ہوئیں۔ مدت قیام معلوم نہیں، پھر یہاں سے آپ گھگڑا چلے گئے۔ دارالعلوم حنفیہ گھگڑا کا ایک معروف مدرسہ ہے۔ یہاں آ کر آپ نے مسند تدریس بچھائی اور ایک ہی سال بعد سمیٹ بھی لیا۔

سونا پور کو سنوار دیا: یہ سونا پور ہے۔ جو بارسوئی میں ہے۔ یہاں مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم ہے۔ یہ جگہ مولانا محمد شہاب الدین کے گھر سے قریب بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد شہاب الدین گھگڑا سے اپنا جادۂ تدریس سمیٹا اور سونا پور میں لا کر بچھا دیا۔ اس مدرسہ کو انہوں نے باقاعدہ مدرسہ بنادیا۔ باضابطہ تعلیمی نظام رائج کرایا۔ طلبا کی تعداد بڑھائی۔ طعام و قیام کا انتظام کرایا۔ اچھے اساتذہ کی بحالی ہوئی۔ مدرسہ اور معیار تعلیم خود بخود ترقی کرتا چلا گیا۔ آپ نے یہاں اپنی زندگی کے کوئی قیمتی بیس برس صرف کئے۔ تب جا کر یہ مدرسہ علاقہ بھر کا ایک نامور ادارہ بنا۔ حضرت مولانا محمد شہاب الدین کی یہ قربانی اور کارنامہ اس خطہ کے لوگ بھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔

دیکھئے پتھر کے اندر آگ موجود ہے، ذرا گھسنے کی ضرورت ہے۔ حنا کی پتیوں میں لالی موجود ہے۔ مگر پیسنے کی ضرورت ہے۔ کفرستان میں بھی ایمان کی سلامتی ممکن ہے۔ بشرطیکہ انسان نیک طینت ہو۔ بد باطن انسان کعبہ کی دیوار کے سایہ میں بھی دین سلامت نہیں رکھ سکتا۔ حضرت مولانا محمد شہاب الدین نے پتھر گھس کر آگ پیدا کردی۔ حنا پیس کر لالی اچھال دی۔ اپنی جاں کاہ جدوجہد سے ایک طرح سے علم دین سے کورے خطہ میں لازوال بہار علم کا سماں پیدا کر دیا۔

وعظ و نصیحت: حضرت مولٰینا محمد شہاب الدین علیہ الرحمہ مقرر و واعظ اور خطیب زماں نہیں تھے۔ وہ وعظ کہتے تھے۔ پند و نصیحت کرتے تھے۔ وہی وعظ و نصیحت، جو صوفیا اور بزرگان مرتاض کی زبان سے ہوا کرتا تھا۔ دور حاضر میں خطیب و مقرر وہ ہے۔ جو خوب لفاظی، لسانی، چرب زبانی، زبانی جمع کرتا ہے۔ مارے گھٹنا پھوٹے سر والی تقریر کرتا ہے۔ بے جا چیخ و پکار، بے معنی لائلاگ، بے سند روایات اور بے سر پیر کے اڑاتا رہتا ہے۔ لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی، پھکڑپن، پھوہڑپن، ابتذال کی حد تک اتر جاتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خوب ہنسیں، نعرہ بازی کریں۔ نہ اپنی اصلاح حال کی فکر اور نہ اصلاح عوام کا خیال۔ اس حرکت و حربہ سے جو پیش از پیش غرض ہے، وہ محض حصول مال ہے۔

حضرت مولٰینا محمد شہاب الدین علیہ الرحمہ وعظ و تقریر کرتے تھے

ذات اور اصلاح جماعت مطمح نگاہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ہوں، خواص ہوں، ہر طبقہ میں ایک بیداری ،ایک تبدیلی اور جذبۂ اصلاح کا ایک خاص ماحول پیدا ہو جاتا تھا۔ الغرض وہ پیشہ ور مقرر نہیں تھے، درد مند داعی، پرسوز واعظ، اصلاح پسند ناصح اور بذات خود ذکر و فکر والے پند گو تھے۔

دینی تصلب: خود دینی و شرعی حصار میں رہنا اور دوسروں کو اسی حصار میں کسے رکھنا، یہی تو تصلب ہے۔ بعض لوگ تصلب کو تشدد سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو درست نہیں، دینی حدود اور شرعی قیود کو پھلانگ جانا ہی مداہنت، صلح کلیت، بے دینی اور بد عقیدگی ہے۔ اس امر میں حضرت مولٰنا شہاب الدین علیہ الرحمہ ذرا برابر بھی سمجھوتہ کے قائل نہیں تھے۔ چوں کہ وہ پابند شریعت تھے، پاسدار سنت تھے۔ اپنی ہی طرح وہ اعزہ، اقربا، احباب، عوام کو پابند و پاسدار رکھنا اور دیکھنا چاہتے تھے۔ عقائد حقہ اہل سنت پر وہ اس درجہ کاربند تھے کہ کہیں بھی کسی لچک کو گوارا ہرگز نہیں کرتے تھے۔ بد مذہبیت، صلح کلیت، بد عقیدگی سے سخت بیزار تھے۔ حسام الحرمین کو تو حرز جاں، حرز ایماں بنائے رکھتے تھے۔ اکابرین اہل سنت خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے تو والا و شیدا تھے۔ ان پر نثار ہونے والوں کو وہ دوست رکھتے تھے اور ان سے خار کھانے والوں سے ان کا ہرگز نہیں جمتا تھا۔ اسی مسلک حق کا وہ تاحیات درس دیتے رہے۔ یہ تھا ان کا دینی تصلب۔

رونق محراب: حضرت مولانا محمد شہاب الدین علیہ الرحمہ ذی علم شخصیت تھے۔ درس و تدریس سے خاصا شغف تھا۔ اسی شعبہ کی آبیاری میں ان کی تمام تر زندگی گزر گئی۔ مگر تبلیغ دین کا ایک ذریعہ تو وعظ و خطاب ہے۔ اس کا ایک اسٹیشن تو عوامی اجلاس کا منبر ہے۔ دوسرا اہم اسٹیج مسجد کا محراب و منبر ہے۔ حضرت مولانا محمد شہاب الدین نے امامت بھی کی۔ مگر پنجوقتہ امام کبھی نہیں رہے۔ لوگوں کے اصرار پر جمعہ جمعہ کی امامت فرمائی۔ عیدین کی نماز پڑھائی۔ متفقہ طور پر نماز دوگانہ پڑھاتے تھے۔ وہ بھی منصبی فرض سمجھ کر یا پھر صرف رضائے مولیٰ اور خوشنودی محبوب الٰہی کے لئے۔ اس موقع سے ان کو ایک کثیر مجمع سے مخاطب ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اصلاح عوام، فضائل و مسائل اور ردوہابیت پر جم کر بیان ہوتا تھا۔ عید گاہوں میں انہوں نے عرصہ دراز تک امامت فرمائی۔ بعد میں دوری اور دشواری اور کچھ ذاتی کمزوری یا مجبوری کی وجہ سے یہ سلسلہ رک گیا۔

بیعت و خلافت: حضرت مولانا محمد شہاب الدین تاجدار علم تو تھے ہی۔ تاجدار عمل بھی تھے۔ طبیعت جو خدا ترس پائی تھی۔ اس کا میلان ہمیشہ دین پرستی کی طرف ہی رہا۔ علم دین کی گہری

بصیرت تو تھی ہی، اب ان کو طریقت کا گہر اعرفان مطلوب تھا۔ اس کے لئے انہوں نے خانقاہ عالم پناہ کچھوچھہ مقدسہ کا انتخاب کیا اور زیب سجادۂ عالیہ اشرفیہ سرکار کلاں حضرت سید شاہ محمد مختار اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے دامن طریقت وعرفان سے وابستہ ہو گئے۔ مرشد گرامی کی فیضان نظر اور توجہ خاص سے جذب وسلوک کی اعلیٰ منزلیں طے کیں۔ بچپن سے ہی پاکباز، پرہیز گار تھے ہی، مرشد طریقت نے روح وباطن میں ایک اور نیا اجالا پھیلا دیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت سرکار علیہ الرحمہ کی نگاہ میں وہ اہل ٹھہرے اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ اس سے پہلے ان کے استاذ گرامی ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ نے نقوش وتعویذات، اعمال واشغال خصوصاً کتاب 'نافع الخلائق' کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔

حج وزیارت: ہر بندۂ مومن کی آخری خواہش سفر حج ہوتا ہے۔ زیارت حرمین شریفین ہوتی ہے۔ درِ کعبہ پہ جبیں سائی کا شوق اور در رسول پہ اشک شوئی کی تڑپ ان کو برسوں سے تھی۔ بالآخر خدائے رحیم اور محبوب خدائے کریم نے ان کی سن لی اور وہ زیارت حرمین کی سعادت وشرف سے مشرف ہو گئے۔ اس سفر مقدس میں ان کو امام النحو حضرت علامہ سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی سنگت مل گئی۔ جس سے اس سفر کا لطف اور دوبالا ہو گیا۔

شادی اور نتیجہ شادی: حضرت مولانا قاضی محمد ثمیر الدین رشیدی علیہ الرحمہ استاذ الکل حضرت علامہ محمد ہدایت اللہ خان رامپوری ثم جونپوری کے شاگرد رشید تھے۔ قاضی محمد ثمیر الدین رشیدی شہجہ تحصیل بارسوئی کے متوطن تھے۔ علمی، مالی، زمینی، خاندانی ہر اعتبار سے ان کا گراف علاقہ میں بڑا اونچا تھا۔ انہی قاضی محمد ثمیر الدین رشیدی کی صاحبزادی سے حضرت مولانا محمد شہاب الدین اشرفی علیہ الرحمہ کی شادی ہوئی تھی۔ نتیجہ شادی کے طور پر آپ کو سات اولادیں پیدا ہوئیں۔ چار لڑکے اور تین لڑکیاں۔ ایک لڑکا ایام طفولیت ہی میں انتقال کر گیا۔ ایک لڑکی ابھی کچھ پہلے وصال کر گئی۔ اہلیہ محترمہ مرحومہ کا عرصہ پہلے وصال ہو چکا تھا۔ اب ان کی پانچ اولادیں حیات ہیں: (۱) محمد حبیب الرحمٰن (۲) محمد آل مصطفیٰ (۳) ضیاء المصطفیٰ (۴) کنیز مصطفیٰ (۵) نزہت فاطمہ۔ محمد آل مصطفیٰ فقیہ بصیر حضرت مفتی محمد آل مصطفیٰ مصباحی بن کر اپنے والد نامدار کے علمی جانشین ہوئے ہیں۔ جامعہ امجدیہ گھوسی یوپی کے افتاوتدریس کے منصب جلیل پر فائز ہیں۔ چھوٹی عمر میں مفتی محمد آل مصطفیٰ کو علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت میں جو عروج ملا ہے۔ اس سے پورا ہندوستان آگاہ ہے۔

☆ ☆ ☆

یک در گیر محکم گیر
خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد عبد الخالق رضوی صاحب

چندر گاؤں، چکلہ، کھڑھیال بائسی میں ہے۔ عبد الخالق کا گھرانہ خوش حال ہے اور شیخ صدیقی کہلاتا ہے۔ عبد الخالق کی پیدائش نانیہال تارا باڑی میں ہوئی۔ یہ ۱۹۵۱ء کا سال تھا۔ یہ بڑا اچھا ہوا عبد الخالق غلام ہندوستان نہیں، آزاد ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ فکر وخیال کی آزادی لے کر پیدا ہوئے۔ کیوں کہ یہ اب عہد استعمار نہیں، دور استقلال تھا۔ بایں وجہ ان کی سرشت نے استقلال کا وصف خاص پایا۔ عبد الخالق کے دادا اور باپ کاشتکار تھے، مگر زندگی خالص مذہبی، مشترع، متدین گزاری۔ مذہبی ماحول کا اثر بھی مذہبی ہی ہوتا ہے۔ اس لئے عبد الخالق کا ذہن بچپن سے ہی مذہبی رہا۔ دھینگا مستی کی طرف کبھی مائل نہ ہوا۔ عبد الخالق چار بھائی بہن ہیں۔ لیکن خاندان کا نام عبد الخالق نے ہی اجاگر کیا۔

تعلیم تربیت: پرورش کے بعد عمر تعلیم کے لائق ہوئی، تو والد مرحوم نے بسملہ خوانی کی تقریب منعقد کی۔ حافظ محمد ابراہیم رضوی نے بسملہ خوانی کرائی۔ قاعدہ، قرآن، اردو کے بعد عبد الخالق نے مدرسہ شرفیہ جامع العلوم چندر گاؤں میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا محمد قمر الدین اشرفی سے فارسی پڑھی، ابتدائی عربی پڑھی۔ بائسی سے ذرا پورب ہجلہ ہے۔ پھر منڈیل ہے۔ پھر گھسکی ٹولہ چریا ہے۔ ہجلہ میں مدرسہ منظر اسلام اشرفیہ ہے۔ محمد عبد الخالق چندر گاؤں سے نکلے۔ نو وارد ہجلہ ہوئے۔ وہاں مدرسہ جامع العلوم شرفیہ تھا۔ یہاں مدرسہ منظر اسلام اشرفیہ ہے۔ اسی مدرسہ میں عبد الخالق دوزانو بیٹھ گئے کافیہ، قدوری تک کا کورس پڑھ ڈالا۔ اب عبد الخالق کو پر پرواز نکل آیا، مانند طائر بلند پرواز کہیں باہر کی فضا میں اڑنا چاہا۔ لیکن اڑ کر جائے، تو کہاں تک جائے۔ اس دور میں ایسوں کا منتہی روہیلکھنڈ کا بانس بریلی تھا۔ چنانچہ بائسی سے روانہ ہوئے، بریلی پہنچ گئے۔

بریلی روانگی: ۱۹۶۲ء میں عبد الخالق بریلی شریف آگئے۔ جامعہ منظر اسلام میں داخلہ لیا۔ شرح جامی کی جماعت سے شروع کیا۔ بخاری شریف پڑھ کر چھوڑا۔ یہ سفر کوئی پانچ برسوں میں قطع ہوا۔ شرح جامی، شرح تہذیب حضرت مولانا مفتی محمد جہانگیر اعظمی سے پڑھی۔ بخاری شریف کے علاوہ تمام کتب حدیث حضرت مولانا محمد احسان علی محدث مظفر پوری نے پڑھائی۔ فنون کی زیادہ تر کتابیں اور بطور

خاص بخاری شریف کا درس وہیں بحرالعلوم حضرت مفتی سید محمد افضل حسین مونگیری سے لیا۔
محدث عصر حضرت علامہ محمد احسان علی مظفر پوری کا تذکرہ لکھا جانا چاہیے۔ علمائے سیتامڑھی توجہ دیں، کچھ اساس و مواد خاکسار راقم فراہم کر سکتا ہے، بحرالعلوم مفتی سید محمد افضل حسین مونگیری تو یقیناً علوم وفنون کا بحر ذخار تھے۔ وہ پاکستان ہجرت کر گئے۔ پتا نہیں۔ ان کی اولاد اس قابل ہیں یا نہیں، اگر ہیں، تو ان کو اور ان کے شاگردوں کو ان کے احوال حیات اور علمی کوائف سے قوم کو روشناس کرانا چاہیے۔ بلاشبہ وہ اس امر کے مستحق ہیں۔ آج چھوٹے چھوٹے لوگوں کا تذکرہ موٹا موٹا لکھا جارہا ہے۔ جو ان کے گھٹنے برابر بھی نہیں۔ آج کل حقدار کو حق نہیں ملتا۔ چھچھندر کے سر پر چمیلی کا تیل کی روایت چل پڑی ہے، مفتی سید افضل حسین رضوی اس قوم کے بڑے محسن تھے۔ اس قوم کے عالموں کو قدر واحسان سناشی کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ ارے جناب! بات دور چلی گئی۔ بات تھی محمد عبد الخالق کی دورۂ حدیث کی، ہاں تو انہوں نے کتب احادیث کا دورہ کر لیا۔ پھر وہ ساعت سعید آہی گئی۔ جس کے لئے بائسی سے بریلی کا سفر کیا تھا۔ پہلے پانچ برسوں سے مشکلات شاقہ اٹھا رہے تھے۔ جب ان کے سر پہ فضلیت علم دین کا تاج زریں رکھا گیا۔ تو یہ ۱۹۶۷ء کا سنہ تھا۔

آغاز تدریس: محمد عبدالخالق نہیں تھے، اب حضرت مولانا محمد عبدالخالق صاحب بن گئے تھے۔ اب ان کو تدریس کی چاہت تھی۔ جہاں انہوں نے پانچ سال درس لیا تھا، اب وہاں وہ درس لیتے نہیں، بلکہ درس دینے لگے۔ یہ ان کی خوبی قسمت کہیے، انہیں کہیں بھٹکنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ خود ان کی مادر علمی نے ان کا انتخاب بحیثیت استاذ کر لیا۔ کل جو منظر اسلام کی درسگاہ میں طالب علم بن کر داخل ہوئے تھے، آج وہ نوعمر، مگر فاضل استاذ کی حیثیت سے باب منظر اسلام پر دستک دے رہے تھے۔ اول تو وہ مدرس ہوئے۔ پھر سینئر مدرس ہوئے۔ پھر وہ منظر اسلام کے نائب شیخ الحدیث کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوئے۔ شروع سے آخر تک پینتیس سے زائد برسوں سے وہ وہاں جامعہ منظر اسلام کی خدمت کر رہے ہیں اور امید ہے کہ وہ آئندہ بھی یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ یہ دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ محکم عزم واستقلال اور یک درگیری محکم گیری کے وہ کوہ گراں ہیں۔

بیعت وخلافت: حضرت مولانا عبدالخالق مفتی اعظم ہند سے مرید ہیں۔ رضوی ہیں۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ ایک دن وہ اپنے استاذ گرامی محدث منظر اسلام حضرت علامہ محمد احسان علی مظفر پوری کے ہمراہ حضور سیدنا مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یوں تو مولانا ۱۹۶۲ء سے بریلی شریف میں رہ رہے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند کو برابر دیکھتے ہی رہتے تھے۔ مگر اس دن نہ معلوم کس نظر سے دیکھا اور سرکار اقدس کے ملاحت آمیز زیبا قد کے اندر کون سا جلوہ نظر آیا۔ ان کا

دل مچل اٹھا۔ عجب کیفیت طاری ہوئی۔ سرکار اقدس کے دامن سے لپٹ گئے، غلامی کا پٹہ گردن میں ڈال لیا۔ بے دام بک گئے۔ باادام ہو گئے۔ ۱۹۶۷ء میں ان کی تکمیل نصاب شریعت ہوئی تھی۔ اب یہ تکمیل طریقت کا باب بھی پورا ہو گیا۔ یہ واقعہ آٹھ اکتوبر ۱۹۶۸ء ہے۔

تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ محمد اختر رضا ازہری میاں، جو بعد میں جانشین مفتی اعظم ہوئے۔ انہیں کی وساطت سے سرکار اقدس مفتی اعظم ہند نے مولانا محمد عبد الخالق کو خلافت واجازت سے نوازا اور یہ تاریخ ۹ نومبر ۱۹۷۶ء کی تھی۔ اس طرح حضرت مولانا عبد الخالق رضوی کو مفتی اعظم ہند کے ماذون ومجاز ہونے کی سعادت حاصل ہے۔

میری ملاقات: حضرت مولانا محمد عبد الخالق رضوی سے میری ملاقات ہے۔ ایک دو دفعہ بائسی میں یوں ہی، کئی دفعہ بریلی شریف میں۔ یہ سب ملاقاتیں بس وہی سرسری علیک سلیک کی حد تک ہی ہے۔ کبھی تفصیلی تعارف یا بات چیت نہیں ہے، وجہ وہی کہ فطرتاً میں کم گو، کم آمیز واقع ہوا ہوں۔ حضرت مولانا محمد عبد الخالق رضوی ذی علم، خوش اخلاق، خوش وضع، خوش پوش، خوش گفتار شخصیت کے مالک ہیں، گورا گیہواں رنگ، گٹھیلا بدن، درمیانی قد، درمیانی جسامت، اعلیٰ صلاحیت والے مولانا محمد عبد الخالق رضوی، واعظ خوش مقال اور خطیب بے مثال بھی ہیں۔ نہ میں نے ان کی تقریر سنی ہے۔ نہ ان کی کوئی تحریر اب تک میری نظر سے گزری ہے۔ ان کا کوئی حاضر باش شاگرد چاہے، تو یہ جزئیات جمع کر سکتا ہے، بلکہ ضروری بھی ہے۔

امامت وخطابت: یہ بریلی ہے۔ یہاں امام بننا اور خطاب کرنا بھی جگر گردہ کا کام ہے۔ جب یہاں کا بھشتی بھی مسائل شرعیہ کی واقفیت رکھتا ہے۔ تو امام وخطیب کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔ حضرت مولانا عبد الخالق رضوی بریلی شریف میں کوئی چالیس برس سے امامت وخطابت کر رہے ہیں۔ درسگاہی تقریریں الگ ہوتی ہیں۔ محرابی خطاب الگ ہوتا ہے اور عوامی وعظ ونصیحت کا انداز جدا ہے۔ حضرت مولانا عبد الخالق رضوی ہر مقام کا لحاظ محفوظ رکھتے ہیں۔

نکاح وثمرۂ نکاح: حضرت مولٰنا محمد عبد الخالق رضوی جب جوان تھے۔ تو ان کا نکاح نور کانی ٹولہ بھتا میں ایک دیندار گھرانے میں ہوا۔ سردست تین لڑکے اور دو لڑکیوں کا علم ہو سکا ہے۔ علی الترتیب نام یہ ہیں۔ (۱) محمد انوار رضا نوری (۲) محمد عسجد رضا نوری (۳) محمد اسعد رضا نوری (۴) شمس النسا (۵) عصمت فاطمہ۔ مولٰنا محمد شہاب رضوی بہرائچی کی کتاب "مفتی اعظم اور ان کے خلفا" جلد اول طبع بمبئی سے میری یہ تحریر مستفاد ہے۔

کسان، مگر کشت علم کے کاشتکار بھی
حضرت مولانا محمد عبدالسلام نقشبندی

پورنیہ کی ایک بڑی تحصیل بیسہ ہے۔ مگر ندی کی کٹان کی وجہ سے بیسہ بستی بکھر کرادھرادھر آباد تو ہے۔ لیکن بیسہ تحصیل کا تمام دفتری کام روٹا میں ہوتا ہے۔ روٹا پہلے محض ایک ہاٹ تھا۔ اب یہ ایک بڑے بازار کی شکل اختیار کرلیا ہے۔ یہاں غلہ، جانور کثرت سے خرید وفروخت ہوتے ہیں۔ باقی ضروریات زندگی کی ہر چیز یہاں دستیاب ہے۔ اسکول وکالج بھی ہے اور مسجد ومدرسہ بھی ہے۔ مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں پچاسوں بستیاں ہیں۔ جن کی ضرورت اور تفریح اور تعلیم اور دوا علاج اور پولیس کے معاملات اور قانونی کاروائیوں کا آخری پڑاؤ یہی روٹا بازار ہے۔ یہ امور تحصیل سے سیدھا اترے ہے۔ اب جب کہ کنکئی ندی پر بیسہ پل بن کر تیار ہوگیا ہے۔ اس سے روٹا بازار کی رونق میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

یہیں سے ذرا پورب ایک بستی نہرا کول ہے۔ حضرت مولانا محمد عبدالسلام نقشبندی اسی بستی کے باشندہ ہیں۔ آبائی زمیندار اور کاشتکار ہیں۔ آج ۲۶ر مئی ۲۰۱۱ء ہے۔ بطور خاص ان سے ملنے آیا ہوں۔ ساتھ میں حضرت مولانا محمد مسعود رضا صاحب تارا باڑی والے ہیں۔ یہیں ان کی بہن کی سسرال بھی ہے۔ دوپہر سے پہلے پہنچا۔ ان کی زندگی کے کوائف نوٹ کرکے فوراً واپس لوٹ گیا۔ لوٹتے وقت سرِ راہ حضرت مولانا محمد نورالاسلام صاحب سے آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ بضد تھے کہ ان کے گاؤں ڈھوا باڑی چلوں۔ مگر مجھے جلدی تھی، نہ جاسکا۔ یہ حضرات اس علاقہ میں اہل سنت کے سرگرم کارکن ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبدالسلام نقشبندی کے والد مرحوم الحاج محمد بشیرالدین نقشبندی تھے۔ ان کے گھر مولانا محمد عبدالسلام کی پیدائش ۳ر مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ پھر وہ علاقہ بائسی میں دارالعلوم محی الاسلام بجرڈیہہ میں آگئے۔ اس دور میں فارسی کا بڑا چلن اور چرچا تھا۔ انتہا تک خوب فارسی پڑھی۔ پھر عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ حضرت حافظ وقاری محمد عطاء الرحمن گیہواں والے سے عربی درسیات کا سبق لیا۔ اس وقت محی الاسلام

بجرڈیہہ کا بڑا شہرہ تھا۔ایک سے ایک اساطین علم یہاں موجود تھے۔

تین برس کے بعد یہاں سے اٹھ کر وہ کٹیہار چلے گئے۔جامعہ بحر العلوم کی صف طلبہ میں جا بیٹھے۔یہاں وہ دو سال رہے۔شرح جامی کی جماعت تک پڑھ ڈالے۔یہاں کے اساتذہ میں حضرت علامہ محمد سلیمان اشرفی بھاگلپوری، حضرت علامہ محمد یوسف پٹنوی، حضرت علامہ محمد عبداللہ رضوی اچھے پوری اور حضرت علامہ محمد مشتاق مظفر پوری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

کبھی مرادآباد کے طلبہ کٹیہار آتے تھے۔اب کٹیہار کے طلبہ مرادآباد جانے لگے۔مولانا محمد عبدالسلام بحر العلوم سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد روانہ ہوئے۔جامعہ نعیمیہ میں انہوں نے چار برس تعلیم پائی۔مفتیوں کے مفتی حضرت مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی، ولایت آثار استاذ حضرت مفتی محمد طریق اللہ رشیدی، حضرت علامہ محمد یونس سنبھلی، حضرت مفتی محمد ایوب نعیمی، حضرت علامہ محمد ہاشم نعیمی سے انہوں نے جم کر اکتساب علم کیا۔اب ان کی تعلیم تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔آخری برس وہ مرادآباد سے بریلی آگئے۔مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔دورۂ حدیث مکمل کیا۔۱۹۶۵ء میں فارغ التحصیل ہوگئے۔یہاں کے اساتذہ میں یہ دو نام قابل ذکر ہیں: ولی کامل حضرت علامہ الحاج محمد مبین الدین رضوی امروہوی اور صدر العلما حضرت مولانا شاہ محمد تحسین رضا خان علیہما الرحمۃ والرضوان۔

پورنیہ، کٹیہار، مرادآباد، بریلی کی خاک چھان کر محمد عبدالسلام اب حضرت مولانا محمد عبدالسلام صاحب بن گئے۔فضیلت کا تمغہ لے کر وطن مراجعت ہوئی۔تب وہ کاروبار تدریس سے جڑ گئے۔اول تو انہوں نے مدرسہ سراج العلوم رنگاماٹی میں پڑھایا۔دو برس کے بعد وہ کسی دوسرے مدرسہ عالیہ میں منتقل ہوگئے۔پھر اپنی بستی میں ایک مدرسہ بنایا۔جس کا نام مدرسہ خلیلیہ رکھا۔مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے فوقانیہ تک منظور کرایا۔۱۹۷۲ء سے یہیں انہوں نے اپنی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔۲۰۱۰ء میں مدتِ ملازمت پوری ہوئی، تو وہاں سے سبکدوش ہوگئے۔مناظرہ باز، مناظر ساز فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی صاحب کے بنانے، سنوارنے میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

محدث اعظم اور مفتی اعظم ہند کے فیض یافتہ
حضرت مفتی محمد طاہر حسین اشرفی

اساس: مفتی محمد طاہر حسین ۲۳ رنومبر ۲۰۱۰ء کو اندور، ایم پی میں تھے۔ مولانا ڈاکٹر محمد عبدالعلیم رضوی ان کے شاگرد ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نوری نے ان سے گزارش کی کہ وہ اپنے احوال حیات نوٹ کرادیں۔ اول تو وہ کترا گئے۔ مگر ڈاکٹر موصوف کا اصرار بڑھا، تو مفتی صاحب اپنا زندگی نامہ نہایت اجمال سے لکھ دیا۔ ان کا یہ نوشتہ بفرمودہ ڈاکٹر عبدالعلیم نے ہمیں فراہم کردیا۔ اب یہی مجمل زندگی نامہ میرے اس مضمون کی اساس ہے۔ اس اساس کے فراہم کرنے پر ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کا میں سراپا سپاس ہوں۔

جائے پیدائش: موضع گانگی ایک نامور بستی ہے۔ یہ بستی علاقہ بہادر گنج، ضلع کشن گنج میں واقع ہے۔ یہ بستی ہے تو زرخیز اور زمیندار، لیکن اس بستی کی تقدیر کا تارہ اس وقت عروج پر پہنچ گیا۔ جب محمد شرف الدین نے بھدیسر بستی سے ہجرت کی اور یہاں آکر مستقل سکونت اختیار کی۔ پھر یہی محمد شرف الدین حضرت مولانا شاہ محمد شرف الدین لطیفی بن کر آفاق پورنیہ پر چھا گئے۔ یہی بستی محمد طاہر حسین کی جائے پیدائش ہے۔ پتھار محلہ اسی گانگی کا ایک اٹوٹ انگ ہے۔

تاریخ ولادت: ماہ و مورخہ کا تو پتا نہیں، البتہ سن ولادت ۱۹۴۰ء ہے۔ وہ بھی حتمی نہیں، تقریری وتخمینی ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ زمانہ آزادی ہند کے شوروزور کا تھا۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا۔ تو لال قلعہ کی فصیل پر ترنگا جھنڈا لہرا چکا تھا۔ غرض کہ پیدا تو ہوئے غلام ہندوستان میں۔ مگر ہوش میں آئے آزاد ہندوستان میں۔

تعلیمی ادوار: تعلیم کا پہلا دور ظاہر ہے۔ اپنے محلّہ کے مکتب سے شروع ہوا۔ دوسرا دور مدرسہ انورالاسلام گانگی ہاٹ میں گزرا۔ جہاں آپ نے حضرت علامہ محمد عبدالرحمٰن رضوی اچھے پوری سے اخذ علم کیا۔ علامہ اچھے پوری ملک العلما حضرت مولانا سید شاہ محمد ظفرالدین قادری علیہ الرحمہ کے چہیتے شاگرد تھے۔ ان کے ابر علم سے شمال وجنوب سیراب ہوا۔ ان کے بہت سے خطوط ملک العلما کے نام محفوظ ہیں۔ جن سے ان کی سیرت اور خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔

تیسرا دور: مدرسہ عارفیہ چنامنا میں گزرا۔ جہاں استاذ العلما حضرت مولانا شاہ محمد نصیرالدین

اشرفی علیہ الرحمہ سے کسب فیض کیا۔، استاذ العلما کا تذکرہ تفصیلی 'کاملان پورنیہ' کی پہلی جلد میں آچکا ہے۔
چوتھا دور: مڑھیا گاؤں علاقہ اسلام پور میں گزارا۔ جہاں آپ نے حضرت مولانا محمد سلیم اللہ رحمت اللہ تعالیٰ علیہ سے تعلیم پائی۔
پانچواں دور: علاقائی تعلیم کے بعد آپ بریلی شریف آگئے۔ ۱۹۶۱ء میں مدرسہ مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔ یہ آپ کا پانچواں تعلیمی پڑاؤ تھا۔ یہاں کے نامی گرامی اساتذہ میں درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں: حضرت علامہ محمد ثناء اللہ محدث مؤی، حضرت علامہ حاجی محمد مبین الدین امروہوی، امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، شمس العلما حضرت علامہ قاضی محمد شمس الدین رضوی جونپوری علیہم الرحمہ۔
سند فراغت: مظہر اسلام میں دو سال تعلیم پائی۔ ۱۹۶۲ء میں فراغت ہوئی۔ اکابر اہل سنت کی موجودگی میں سند و دستار سے نوازے گئے۔
جوش علم: محمد طاہر حسین اب حضرت مولانا محمد طاہر حسین ہو گئے تھے۔ مگر حصول علم کا جوش ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ جذبہ اب اور زیادہ جوش زن ہو چکا تھا۔ ھل من مزید کے شوق نے ان کو منظر اسلام کی درسگاہ میں لے گیا۔ یہ ۱۹۶۳ء کا زمانہ تھا۔ مسلسل تین سال علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۶ء میں پھر سے دستار فضیلت ملی۔ یہاں کے قابل ذکر اساتذۂ کرام یہ ہیں: بحر العلوم حضرت مفتی سید محمد افضل حسین رضوی، حضرت علامہ محمد احسان علی محدث مظفر پوری، حضرت مفتی محمد جہانگیر رضوی، حضرت علامہ سید محمد عارف رخوی وغیرہم۔
قرآن کا شغف: بریلی میں علم کا دریا موجزن تھا۔ ادھر آپ کا ذوق وشوق بھی جوش زن تھا۔ مظہر اور منظر دونوں دریا سے آپ نے خوب خوب پیا۔ حصول علم کی پیاس بجھ چکی تھی۔ اب ان کو قرآن کریم سے شغف پیدا ہو گیا۔ یہ شغف ان کا قرآن سے دلی لگاؤ کا پتا دیتا ہے۔ اب انہوں نے چولا بدلا اور قرآن کریم حفظ کرنا شروع کر دیا۔ حفظ وقرأت کا یہ دور مظہر اسلام میں پورا ہوا۔ متواتر دو برس کے بعد حفظ وقرأت کی دستار ۱۹۶۸ء میں ہوئی۔ حفظ وقرأت کے استاذ تھے قاری سردار احمد بریلوی اور حافظ محمد اسماعیل بریلوی۔
فتویٰ نویسی: فراغت کے بعد آپ نے مشق افتا کا آغاز کیا۔ تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی نورانی سرپرستی حاصل رہی۔ ذہین و فطین تو تھے ہی، جلد ہی رموز افتا سے مانوس ہو گئے اور دار الافتا بریلی میں کار افتا سر انجام دینے لگے۔ درمیان میں گاہ بہ گاہ شارح

بخاری مفتی شریف الحق امجدی اور حضرت قاضی مفتی محمد عبد الرحیم علیہما الرحمہ سے بھی استفادہ کیا۔ فتویٰ نویسی کا یہ دورانیہ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۴ء ہے۔

تدریس کا آغاز: ۱۹۷۴ء میں اندور تشریف لائے اور دار العلوم نوری میں آپ نائب شیخ الحدیث مقرر رہوئے۔ یہ ۱۹۷۸ء کا سال تھا۔

وطن واپسی: ناگپور میں بھی آپ ایک ہی سال رہے۔ پھر وطن لوٹ گئے اور دار العلوم انوار الاسلام جامع مسجد گانگی ہاٹ میں جادۂ تدریس بچھایا۔ جہاں وہ تادم تحریر صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہیں اور طالبان علوم نبویہ کو سیراب کر رہے ہیں۔

بیعت وخلافت: سیدی سرکار محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا دورہ اس علاقہ میں خوب تھا۔ اپنے ہی علاقہ میں مفتی محمد طاہر حسین نے محدث اعظم ہند کی بیعت کی اور شجرہ لیا۔ پھر جب آپ بریلی شریف حاضر ہوئے، تو مفتی اعظم ہند سے طالب ہوئے، ۲۰ رمئی ۱۹۷۴ء کو مفتی اعظم ہند نے مثالی خلافت عطا فرمائی۔

مبارک سفر: مفتی محمد طاہر حسین اشرفی، وہ خوش نصیب شخص ہیں، جن کو مفتی اعظم ہند کی رفاقت میں بار بار سفر کرنے کا موقع ملا۔ مفتی اعظم ہند کے سفر ممبئی میں تین بار شریک سفر رہے۔ ایک دفعہ جے پور سے ممبئی ہوائی جہاز سے سفر کیا۔ یونہی وہ تین چار بار مفتی اعظم ہند کی خدمت ومعیت میں وہ گجرات کے دورے کئے۔ اجمیر شریف، جبل پور اور برہان پور کے سفر میں میں بھی وہ ساتھ ساتھ رہے۔ اپنے صوبہ بہار میں جب کبھی مفتی اعظم ہند تشریف فرما ہوئے، مفتی محمد طاہر حسین کو ہر بار خدمت گزاری کا شرف حاصل رہا۔

مشہور تلامذہ: حضرت علامہ محمد صالح شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف، حضرت علامہ مفتی محمد ریاض احمد قتال پوری، حضرت مفتی محمد عبد الرحمن وغیرہ مشہور تلامذہ میں ہیں، جنہوں نے درس کے ساتھ فتویٰ نویسی میں بھی اکتساب فیض کیا۔ حضرت مفتی حبیب یار خان صدر و مفتی دار العلوم نوری اندور اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد العلیم رضوی نے بھی علمی استفادہ کیا ہے۔

رشتہ ازدواج: جناب عبد القادر آپ کے ماموں تھے۔ انہی کی لڑکی سے مفتی محمد طاہر حسین صاحب کی شادی ہوئی، چھ لڑکیوں میں دو بچیوں کے نام سرکار مفتی اعظم ہند نے رکھا تھا اور دو لڑکوں میں ایک تجارت کرتے ہیں۔ نام ہے غلام محی الدین اور دوسرے صاحبزادے عالم دین ہیں، جو جامعۃ الرضا بریلی شریف سے فارغ ہیں۔ ان کا نام ہے حضرت مولانا محمد حامد رضا۔

☆ ☆ ☆

سادگی اور پاکیزگی کا پیکر
حضرت مفتی محمد بشیر الدین رضوی صاحب

حضرت مفتی محمد بشیر الدین صاحب رضوی قبلہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ جس طرح صبح کی سادگی بے ریا ہوتی ہے، اسی طرح مفتی صاحب کا مزاج بھی سادہ و بے ریا ہے اور بالکل بے غبار۔ طبیعت کی سادگی اور دل کی پاکیزگی نے ان کو ہر دل عزیز بھی بنایا اور بلند منصب پر بھی پہنچ دیا۔ والد گرامی محمد تیسیر الدین مرحوم تھے، جو انتہائی سیدھے سادے اور بھولے بھالے تھے۔ یوں بھی دیہات کے لوگ بھولے، نرالے اور چھل کپٹ سے دور ہی ہوتے ہیں۔ سانپ نکلا جاگیر، رام گنج، اسلام پور، دیناج پور آپ کا وطن ہے۔

تعلیم حاصل کرنے کی عمر ہوئی، تو تحصیل علم کی ابتدا وہیں سے ہوئی۔ جہاں پیدا ہوئے تھے، یعنی گاؤں کا مکتب۔ اطراف کے بڑے عالم حضرت مولانا محمد عبد الرحیم صاحب مرحوم نے بسم اللہ خوانی اور ابجد خوانی کرائی اور ابتدائی تعلیم دی۔ یہی بڑے مولانا علیہ الرحمہ نے آپ کا نام 'محمد بشیر الدین' تجویز کیا تھا۔ بعدہ مدرسہ جوہر العلوم میں داخل ہوئے اور وسطانی درجات کے زینے طے کیے۔ ۱۹۷۱ء میں آپ نے منظر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا اور تحصیل علم و فن کرتے کرتے مرحلۂ تکمیل تک پہنچے۔ درسیات کی تکمیل کے بعد ۱۹۷۷ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔ مقامی و بیرونی علما و مشائخ کے مقدس ہاتھوں آپ کی دستار بندی ہوئی۔ اساتذۂ کرام میں مندرجہ ذیل شخصیات و صنادید بطور خاص قابل ذکر ہیں:

۱ محدث عصر حضرت علامہ محمد احسان علی مظفر پوری، شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف
۲ شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی، سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف
۳ امام النحو حضرت مفتی بلال احمد نوری پورنوی، مفتی و محدث منظر اسلام بریلی شریف
۴ تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا ازہری جانشین مفتی اعظم ہند بریلی شریف

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، یہ چکنے پات چمن سے نکل جائیں، تو پھر حسن چمن کیوں کر برقرار رہے۔ وہ محمد بشیر الدین، جو اب تلک چمن میں بلبل بن کر چہکتا تھا، اب اسے روش چمن سنوارنے والا بنا دیا گیا۔ اب وہ حضرت مولانا محمد بشیر الدین صاحب رضوی بن کر مسند

تدریس پر بیٹھ چکے تھے۔ جوانی کی عمر تھی۔ خون گرم تھا۔ علم بھی تازہ و حاضر تھا۔ تعلیمی گوہر لٹانے لگے۔ علمی جوہر دِکھانے لگے۔ یہ کوئی عام درسگاہ نہیں تھی۔ منظر اسلام کی درسگاہ تھی۔ بریلی کی مسجد میں امامت انسان کا پتا پانی کر دیتی ہے۔ چہ جائے کہ بریلی جیسی جگہ پر تعلیم و تدریس کا مشغلہ۔ لیکن وہ کوئی اور نہیں، حضرت مولانا محمد بشیر الدین رضوی تھے۔ جس پر اساتذۂ عظام کا سایہ تھا۔ مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے فیضانِ نظر کی کرامت تھی۔ اساتذۂ کرام فخر کرنے لگے۔ طلبہ ناز کرنے لگے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۲ء تک عرصہ کوئی پانچ سال یہ سلسل جاری رہا۔

پھر وہ اسی سال جامعہ نوریہ باقر گنج، بریلی ہی میں منتقل ہو گئے۔ جہاں وہ ۱۹۸۴ء تک کار تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ہر جگہ دور تحصیل سے دور تدریس تک اپنی نیک نامی گہری چھاپ چھوڑی۔ جوان العمر تھے۔ گھریلو ذمہ داریوں نے گھیر لیا۔ مٹی کی مہک اور وطن کی محبت نے اکسا دیا۔ بوریہ بستر سمیٹا اور وطن روانہ ہو گئے۔ قابل کار فرد کہیں بھی اپنی جگہ بنا لیتا ہے۔ وہ جگہ نہیں ڈھونڈتا، جگہ اسے خود ہی تلاش کر لیتی ہے اور ناکارہ ہر جگہ نکما ہی رہتا ہے۔

ان کے علاقے میں دار العلوم محمدیہ شنکر گچھ، رام گنج، اسلام پور ان کے انتظار میں تھا۔ جہاں ان کا تقرر ہوا۔ یہاں وہ درس تو دیتے ہی تھے، صدر المدرسینی کی اہم ذمہ داری بھی سنبھالی۔ یہ دونوں فریضہ وہ ۲۰۰۰ء تک بحسن و خوبی سر انجام دیتے رہے۔ دیہات و اطراف کے مال خام کو مال خالص بنا کر برآمد کیا۔ سنگ ریزوں اور خذف ریزوں کو بازار علم کی قیمتی جنس بنا دیا۔ یہاں چوں کہ دستار فضیلت کا تصور نہیں، مگر بنیاد کی اینٹیں ایسی رکھیں کہ کہیں بھی جا کر بلند و بالا عمارتیں تیار ہوئیں۔ ان کے شاگردوں اور فیض یافتوں کی ایک لمبی قطار ہے۔ جو علاقہ اور بیرون علاقہ میں دین و سنیت کا مضبوط حصار بن کر کام کر رہی ہے۔

۲۰۰۱ء سے آپ مدرسہ تنظیم المسلمین رام گنج بازار میں بحیثیت استاذ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ صدر المدرسین ہونا انہی کا حق تھا۔ لہٰذا یہ منصب انہیں ہی زیب دیتا ہے۔ وہ شخص، جو بریلی میں پڑھا بھی ہو، پڑھایا بھی ہو اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا فیض بھی اٹھایا ہو، یہ ناممکن ہے کہ وہ فتوی نویسی نہ کرے۔ چنانچہ آپ فتوی نویسی بھی کرتے ہیں اور نپے تلے انداز میں کرتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد بشیر الدین رضوی تقریر بھی کرتے ہیں۔ مگر چالو مقرروں جیسا وہ انداز نہیں، وہ گھن گرج نہیں، وہ داؤ پیچ نہیں، جو پیشہ ور مقرروں کا ہوتا ہے۔ بلکہ وہ وعظ و تقریر کرتے ہیں، جو بزرگانِ سلف کا وطیرہ و شیوہ تھا۔ اسی وعظ و نصیحت سے وہ قوم

کی خدمت اور معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں۔ حضرت مفتی محمد بشیر الدین تعویذ بھی لکھتے ہیں۔ لیکن یہ کام آپ فیض رسانیٔ خلق کے لئے کرتے ہیں۔ زر کشی اور جلب منفعت کے لئے نہیں۔ گھر، مکان، رہن سہن، چال ڈھال، لباس و پوشاک، خوراک، طبیعت، مزاج، غرض درون سے بیرون تک سادگی ایسی کہ صبح بہاراں کی ہزاروں سادگیاں قربان۔

حضرت مفتی محمد بشیر الدین رضوی صاحب طبیعت کے غنی ہیں۔ قسمت کے دھنی ہیں۔ انسان دریا میں ہو اور پھر وہ پیاسا ہو یا ناپاک ہو، یہ کیوں کر ممکن ہے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی ذات والا صفات واہ! کیا ذات ستودہ صفات تھی۔ وہ ذات تو علم کا معدن تھی۔ معرفت کی کان تھی۔ اخلاق نبوی کا منبع و مصدر تھی۔ ولایت و روحانیت کا دائرۂ پرکار اور فیض بخشیوں کا نکتۂ ارتکاز تھی۔ اس علمی، عرفانی اور روحانی بحر بے کراں سے مفتی محمد بشیر الدین رضوی خالی خولی کیسے لوٹتے۔ وہ تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند سے بیعت ہوئے۔ سرکار بریلی کا فیضان ان پر ٹوٹ کر برسا اور وہ نہال و مالا مال ہو گئے۔ دین و دنیا دونوں جہان میں یہ ان کے لئے عظیم سرمایہ اور گنج گراں مایہ ہے۔ جو نہ کوئی چھین سکتا ہے اور نہ کوئی چرا سکتا ہے۔ شرف بیعت و ارادت کا یہ تمغہ ہی کیا کم تھا، تقدیر کی سرفرازی اور قسمت کی ارجمندی ایسی کہ مثال خلافت سے بھی نوازے گئے۔ سبحان اللہ! مقدر کا ستارہ کیسا ہی اوج پر چمکا۔

مفتی محمد بشیر الدین صاحب، جب مولانا نہیں تھے، مفتی نہیں تھے، درس نظامی کے منتہی درجے طالب علم تھے۔ آخری سال تھا۔ ان کے عمدہ اخلاق اور تعلیمی حسن کارکردگی کے سبب انہیں 'مفتی اعظم ہند گولڈ میڈل' سے سرفراز کیا گیا تھا۔ وہ بھی دستار فضیلت کے اجلاس مقدس کے منبر پاک پر، جس پر علمائے کرام اور مشائخ عظام صف بہ صف جلوہ فگن تھے اور سامعین و ناظرین کا مجمع سامنے تھا۔ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے دست اقدس سے یہ ان کی حیات و کائنات کا سب سے بڑا تمغہ تھا، جو دینی و دنیوی کامیابی کی ضمانت تھا۔ رب جلیل سبحانہ تعالیٰ مفتی محمد بشیر الدین صاحب کو صحت و عافیت سے رکھے کہ وہ اپنے اسلاف کی سادگی و پرکاری کی متحرک تصویر بنے رہیں اور اصاغر و عوام ان کے نقش قدم کو اپنے لئے راہِ عمل بناتے رہیں۔ عزیز گرامی مولانا نذیر احمد رضوی سلمہ، جو ان کے اور میرے بھی شاگرد ہیں، کا شکر گزار ہوں کہ انہی کی فراہم کردہ معلومات کی اساس پر یہ تحریر تیار ہو پائی۔

☆ ☆ ☆

شاداب ذہن، تروتازہ دل و دماغ کا مصنف
حضرت مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری

محل وقوع: اسلام پور ایک زرخیز علاقہ ہے۔ یہ زرخیزی زراعتی اعتبار سے بھی ہے، ذہنی لحاظ سے بھی۔ یہاں چاول، گیہوں، جوٹ، ربیع کی فصلیں خوب ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی چائے کی کاشت بھی نہایت عمدہ طریقے سے ہوتی ہے۔ دینی، دنیوی تعلیمی کی شرح بھی یہاں امید افزا ہی ہے۔ مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے علمائے دین کی کثرت پائی جاتی ہے۔ پہلے یہ ایک قصبہ تھا۔ اب یہ شہر تو نہیں، مگر شہر نما ضرور بن گیا ہے۔ ضرورت کی ہر چیز ہر وقت مہیا رہتی ہے۔ اسلام پور سے ہٹ کر اس کے توابع میں چھوٹی بڑی پچاسوں بستیاں ہیں۔ ان بستیوں کے باشندگان کچھ تو مکمل خوشحال ہیں اور کچھ نیم خوشحال ہیں۔ بدحالی ناگفتہ حالت تک نہیں ہے۔ اسلام پور کشن گنج سے پورب، سلی گوڑی کے پچھم اور ثانی کشمیر دار جلنگ کے قریب ہے۔ تہذیبی اعتبار سے یہ بنگال سے دور، کشن گنج سے نزدیک، بائی ریل، بائی روڈ یہاں آنے جانے کی سہولت بھی ہے۔ باگڈوگرا ایرپورٹ بھی پورب طرف قریب ہی ہے۔

جغرافیائی تقسیم: اسلام پور اتر دیناج پور، مغربی بنگال کا بالکل اتری حصہ ہے، جو پورے دیناج پور اور دیناج پوریوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ دیناج پور کے تمام مواضعات کسی عہد میں پورنیہ ہی کے توابع میں تھے۔ برطانوی راج میں بھی کچھ نقشے بنائے گئے تھے۔ اب آزادی کے بعد ۱۹۵۶ء سے یہ بالکل پورنیہ سے کاٹ دیئے گئے اور اتر دیناج پور ایک مستقل ضلع بن کر مغربی بنگال کا حصہ بن گیا۔ زبان کی بنیاد پر کبھی بنگالیوں نے پورنیہ کے بیشتر حصوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ حالاں کہ وہاں بنگال کا رواج وچلن ہرگز نہیں تھا۔ خیر یہ انہیں کوششوں کے نتیجہ میں اسلام پور اور دیناج پور کے بہت سے گاؤں مغربی بنگال میں چلے گئے۔

مقام پیدائش: کٹم پوسہ اسی اسلام پور کی ایک بستی ہے۔ جس کا پوسٹ آفس ڈومرولہ ہے اور تعلقہ اسلام پور ہے اور ضلع وہی اتر دیناج پور ہے، جواب موجودہ مغربی بنگال میں ہے۔ محمد عیسیٰ کی ولادت اسی کٹم پوسہ میں ہوئی۔ ہندی زبان میں کٹم کا معنی مہمان ہے۔ پوسہ پوسنا سے بنا ہے۔ مطلب یہ ہو۔ مہمان پالنے والا۔ مہمان پوسنے والا۔ تبھی خوب خاطر و مدارات کرنے والی بستی ہے۔ یوں بھی پورنیہ کی مہمان نوازی اور مسافر نوازی مشہور زمانہ ہے۔ عین ممکن ہے۔

اس بستی کا نام کٹم پوسہ اسی مناسبت سے پڑا ہے۔ خیر محمد عیسیٰ کے والد ماجد شیخ محمد بشیر الدین تھے۔ دادا مرحوم کا نام شیخ نصیر علی تھا۔ محمد عیسیٰ کی تاریخ پیدائش ۴؍جولائی ۱۹۶۷ء ہے۔ محمد عیسیٰ برسات میں پیدا ہوئے۔ شاید اس لئے ذہن شاداب اور دماغ تروتازہ لے کر چمن زار جیسی بستی کٹم کوسہ میں مانند پھول ہنستے مسکراتے نمودار ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: تعلیم کی ابتدا ظاہر ہے اپنی بستی سے ہوتی ہے۔ مسجد، مدرسہ، قبرستان ہر مسلم بستی کی بنیادی ضرورت ہے۔ اسی احساس وضرورت کے پیش نظر اس بستی میں مدرسہ حسینیہ سمرقندیہ رواں دواں تھا اور ہے۔ محمد عیسیٰ کی ذہنی تشکیل اور دماغی تعمیر میں اس مدرسہ نے اہم کردار ادا کیا۔ اردو، فارسی اور غالباً عربی کی مبادیات بھی محمد عیسیٰ نے یہیں پڑھیں۔ محمد عیسیٰ زرخیز بستی کی پیدا ر تھا۔ ذہن بھی ذرخیز پایا تھا۔ پڑھتے تو سبھی ہیں، مگر گڑھتا ھتا کوئی کوئی ہے۔ محمد عیسیٰ نے یہاں پڑھائی بھی کی اور گڑھائی بھی کی۔ اس لئے قد میں چھوٹا سہی، پڑھائی میں قدر آور رہا۔ کچھ لوگ ایڑیاں تول کر اونچے دیکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جو قدر میں اونچا ہوتا ہے، وہ دور ونزدیک ہر جگہ اونچا ہی نظر آنے لگتا ہے۔

تکمیل تعلیم: محمد عیسیٰ نے صرف دو ہی جست میں منزل حاصل کرلی۔ ایک پائیدان تو ان کا وہی مدرسہ حسینیہ سمرقندیہ تھا۔ دوسرا منظر اسلام بریلی شریف تھا۔ محمد عیسیٰ باذوق طالب علم تھے۔ منظر اسلام بافیض درسگاہ تھی۔ مبادیات، متوسطات، منتہیات تینوں مراحل طے کر کے تکمیل تعلیم ہوئی۔ ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۱۹۸۶ء کو جلسۂ عام میں برسر منبر نور وسرور دستار فضیلت زیب سر ہوئی۔ منظر اسلام کے شیخ الحدیث نے اسی تاریخ کو سند حدیث اور سند فضیلت مرحمت فرمائی۔

تعلیمی لیاقت: فاضل منظر اسلام تو ہوئے ہی۔ دوران درس ہی انہوں نے اور بھی امتحانات دیئے اور سب میں امتیازی کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ مولوی، عالم، فاضل، دینیات، فاضل ادب، فاضل معقولات کی سندیں الہ آباد بورڈ سے تفویض ہوئیں۔ ادیب، ماہر، ادیب کامل کی سرٹیفکیٹ جامعہ اردو علی گڈھ میں نے ایشو کیا۔

بیعت وخلافت: کتابی علم، اسنادی حیثیت، فیضان مکتب، اپنی جگہ مسلم۔ لیکن علم سینہ اور نظر کی کیمیا گری اپنے آپ میں ایک اٹل حقیقت ہے۔ محمد عیسیٰ، جواب مولینا محمد عیسیٰ ہو چکے تھے، بریلی کے بہار بداماں ماحول میں داخل ہوتے ہی کسی کیمیا گر نظر کا جلوہ دیکھتے ہی دامن سے وابستہ ہو 17

چکے تھے۔ اس وابستگی نے انکو پہلے محمد عیسیٰ رضوی بنادیا تھا۔ یہ دامن تھا، جو خیر و برکت کا منبع تھا۔ سیدنا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری نوراللہ مرقدہٗ کا۔ جب انہوں نے غلامی کا قلادہ گردن میں ڈالا، تو سنہ تھا ۱۹۷۹ء کا۔ مفتی اعظم ہند نے بیعت فرمائی۔ جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا قادری ازہری نے تمغۂ خلافت سے نوازا۔ یہ تمغہ جو تمغۂ طلائی و ذہبی سے بھی بڑھ کر ہے، ان کو ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں حاصل ہوا۔

کارگہہ عمل میں: پہلی درسگاہ، جہاں انہوں نے پہلا درس دیا، وہ دارالاسلام فدائیہ سمرقندیہ محلہ رحم گنج دربھنگہ ہے۔ دوسری درسگاہ دارالعلوم غوثیہ نیوریا، پیلی بھیت یوپی ہے۔ تیسری درسگاہ جنوب ہند کی مدرسہ ضیاء الاسلام، کاماریڈی، نظام آباد آندھراپردیش ہے۔ چوتھی درسگاہ دارالعلوم غوثیہ رضویہ، اشرف نگر، ناندیر مہاراشٹرا ہے۔ پانچویں درسگاہ الجامعۃ الرضویہ مظہر اسلام، گرسہائے گنج، قنوج یوپی ہے۔ اس پانچویں پڑاؤ میں ۱۹۹۸ء سے تاحال ۲۰۱۵ء وہ منصب مفتی و شیخ الحدیث پر فائز ہیں۔ مذکورہ اداروں میں بھی وہ تقریباً انہی مناصب جلیلہ پر فائز رہے ہیں۔ اب یہ نہیں معلوم کہ وہ کس ادارے میں کتنے برس رہے۔ کس منصب پر رہے اور کون کون سی کتابیں زیر درس رہیں۔ اس طرح ان کے اساتذہ کی تفصیلی فہرست بھی درج نہیں اور نہ یہ درج ہے کہ کس کس استاذ سے کس کس کتاب کا درس لیا۔ یوں ہی طلبہ و تلامذہ کا تذکرہ بھی پیش نظر نہیں ہے۔ قریب پچیس برسوں سے وہ درس و تدریس سے واسطہ ہیں۔ ہر برس اگر سو ہی مان لیا جائے، تو پچیس سو طلبا کو تو پڑھا چکے ہوں گے۔ متخرجین کی تعداد اگر آدھی بھی سمجھ لیں، تو ہزار بارہ سو طلبہ ان کے زیر درس رہ کر فارغ تحصیل ہوئے ہوں گے۔

قلمی خدمات: مفتی محمد عیسیٰ رضوی کی عمر اس وقت تقریباً ۴۸ ربرس کی ہے۔ حصول علم کی تو کوئی قید نہیں، مگر تکمیل عقل اور پختگی شعور کے لئے کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کے بعد ہی ہوتی ہے۔ یوں ہی درس و تدریس کسی بھی عمر میں شروع ہو سکتی ہے۔ مگر تحقیق و تصنیف کے لئے وہی چہل سال کی مدت بطور عام مطلوب ہوتی ہے، مگر مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی نے چہل سال سے قبل ہی اپنے آپ کو قرطاس و قلم سے وابستہ کر لیا اور چالیس برس پورے ہوتے ہوتے کوئی ایک درجن علمی تحقیقی کتابوں کے مصنف و محقق ہو گئے۔ اب جب کہ وہ چہل سال کی حد کراس کر چکے ہیں۔ ان کا علم و شعور پختہ ہو چکا ہے، تو رفتار قلم صبا رفتار ہو چکی ہے۔ ہر برس کوئی نہ کوئی تحقیق سامنے لا کر اہل علم کو خوشگوار حیرت میں ڈال دیتے ہیں یا فرحت بردوش استعجات سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔

مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی مضمون نویسی بھی کرتے ہیں۔ مقالہ نگاری بھی کرتے ہیں۔ نعت

گوئی اور نظم نویسی بھی کرتے ہیں۔ نیر تخلص ہے۔ کوئی کلام یا شعری نمونہ سر دست خاکسار کے سامنے نہیں۔ البتہ مضامین و مقالات ہند و پاک کے مؤقر مذہبی جرائد میں چھپ کر قارئین سے خراج تحسین وصول کرتے رہے ہیں۔ ٹھہرے جو شاداب ذہن اور تر و تازہ دماغ والے۔ اسلوب ٹھوس ہے، مگر ذرا رنگینی لئے ہوئے۔ پھر جب علمی یا تحقیقی نثر لکھتے ہیں، تو پھر وہ رنگین بیانی نہیں رہتی۔ سادہ سلیس عمدہ پیرایہ میں جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں، وہ رقم کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب آئیے، ان کی فہرست تصانیف پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

۱ امام احمد رضا اور علم حدیث: پانچ ضخیم جلدیں، ۳ مطبوعہ ۲ غیر مطبوعہ۔

شہرت و مقبولیت اور حسد و مخالفت یہ دونوں گویا لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ امام احمد رضا سیرت و مقبولیت کے جس آسمان پر پہنچے، ان کا کوئی معاصر وہاں تک تو کیا، ان کے گھٹنے برابر تک جو پہنچا ہو۔ لازمی نتیجہ کے طور پر حسد، مخالفت یا بے جا الزام تراشی کا بادل اٹھنا بھی ایک فطری امر تھا۔ اس صورت حال میں مرعوب و متاثر ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آئینہ سامنے رکھ دینا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے اور کہا کیا گیا ہے۔ مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی وہی مرد میدان ہیں، جو میدان ہارتے نہیں، آئینۂ حقیقت سامنے رکھ کر میدان مار لیتے ہیں۔ مذکورہ میدان سے انہوں نے پانچ جلدوں پر مشتمل کتاب ترتیب دی۔ جس میں حاسد، مخالف، الزام تراش کے منہ پر خاک اڑادی یا چٹان نما سل جمادی۔ یہ کارنامہ دیکھ کر تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا قادری ازہری نے مصنف علامہ کو انعام بھی دیا اور خلافت سے بھی نوازا۔ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں اس ناچیز کی رائے و رہنمائی شامل ہے۔

۲ سیرت مصطفےٰ جان رحمت: چار ضخیم جلدیں، چار مطبوعہ۔ یہ کتاب بھی چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ مطبوعہ ہے اور انعام یافتہ بھی ہے۔

۳ تعارف تصانیف امام احمد رضا: دو ضخیم جلدیں۔ اس کی پہلی جلد چھپ گئی ہے۔ دوسری غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں تصانیف امام احمد رضا کا دلکش مگر حقیقت مندانہ تعارف پیش کیا گیا ہے۔

۴ فیضان اعلیٰ حضرت: مطبوعہ، یہ کتاب ہے تو ایک جلد، مگر ضخامت و فخامت کے لحاظ سے تین جلدوں کے برابر ہے۔ پندرہ سو صفحات ہیں۔ یہ ایک دعوتی، تبلیغی، اصلاحی کتاب ہے۔ عقائد، عبادات، اعمال، فضائل، اخلاق، ترہیب، ترغیب، وعدہ، وعید، غرض دینی شعبہ کے تمام ابواب کا اس میں احاطہ کیا گیا ہے۔ مساجد، مکاتب، مجالس مسلمین میں یہ کتاب بطور نصاب درس پڑھی پڑھائی

جاتی اور سنی سنائی جاتی ہے۔ الحاج قاری تسلیم رضا خاں نے اسے امام احمد رضا لائبریری بریلی شریف سے چھپوائی ہے۔ مصنف کی فرمائش سے اس کتاب مستطاب پر اس خاکسار کی تقدیم مرقوم ہے۔

۵ قرطاس وقلم: مطبوعہ، یہ ایک چھوٹی کتاب ہے، یہ کتاب قد میں چھوٹی سہی، قدر و قیمت میں بڑی بیش قیمت ہے۔ یہ گویا ان کتابوں اور مقالوں کی ایک فہرست ہے، جو امام احمد رضا کی ذات و نگارشات، افکار و نظریات پر لکھی یا لکھے گئے۔ امام احمد رضا پر لکھی گئی کتابوں یا تحریر شدہ مقالوں کی تعداد یوں تو ہزار سے متجاوز ہے، مگر مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی کی تلاش و تفحص نے اس میں سات سو چھبیس کتب و مقالوں کے اسما درج فہرست کر دیا ہے۔ اب آئندہ کا محقق اس ٹھوس بنیاد پر مضبوط عمارت کھڑی کر سکتا ہے۔ اس کتاب کے مواد کی فراہمی میں اس خاکسار فقیر کی خاص حصہ داری رہی ہے۔

۶ فرمودات اعلیٰ حضرت: مطبوعہ، یہ ایک بڑی ضخامت والی کتاب ہے۔ اس کا تعلق بھی دعوت و تبلیغ و اصلاح سے ہے۔ مگر 'فیضان اعلیٰ حضرت' والی کتاب سے اس کا مواد الگ ہے۔

۷ علوم القرآن: مطبوعہ، اس کتاب میں دراصل امام احمد رضا کے کئی رسالوں کا رس نچوڑا گیا ہے۔ جن کا تعلق علم قرآن یا علم تفسیر سے ہے۔ یہ مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی کی اخاذ طبیعت کا کرشمہ ہے۔ مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی نئی نئی جہت سے فکر رضا کی مشاطگی کرتے رہتے ہیں۔

۸ امام احمد رضا اور مسائل نکاح: مطبوعہ، یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ ایک جلد ہے۔ مطبوعہ ہے۔

۹ امام احمد رضا اور مسائل خضاب۔ یہ بھی ایک ہی جلد ہے۔ شائع شدہ ہے۔

۱۰ امام احمد رضا اور معارف تصوف: مطبوعہ، یہ بھی ایک ہی جلد ہے۔ مگر بڑی ضخیم، لحیم، شحیم ہے۔ حال ہی میں چھپی ہے۔

۱۱ تخریج و وضاحت: مطبوعہ، تمہید ایمان، امام احمد رضا کا مشہور رسالہ ہے۔ بمرات و کرات چھپ چکا ہے، مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی نے اس کی تخریج و وضاحت کر کے قارئین کے لئے بے حد آسان کر دیا ہے۔ اس کی ضرورت بھی تھی۔

۱۲ تخریج و وضاحت: امام احمد رضا کے ملفوظات وارشادات کا مجموعہ بنام تاریخی 'الملفوظ' ہے۔ جس کی ترتیب مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے کی تھی۔ مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی اس کی تخریج و وضاحت کر کے قارئین کے لئے بے حد سہولت پیدا کر دی ہے۔ اب اس کی ضخامت اور افادیت دونوں دو چند ہو گئی ہے۔

۱۳ عظمت قرآن: غیر مطبوعہ، یہ یک جلدی کتاب ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ جس میں عظمت قرآن پر گفتگو اور اعجاز قرآن پر تحقیق و تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۱۴ امام اعظم ابوحنیفہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں: یہ کتاب بھی ابھی چھپی نہیں ہے۔ جس میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ امام احمد رضا کی نظر میں امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

۱۵ تعظیم نبی اور امام احمد رضا: یہ کتاب ابھی زیر ترتیب ہے۔ مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی کا زرنگار قلم ابھی اس کی نوک و پلک درست کرنے میں مصروف ہے۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس چہار و چہل سالہ مصنف، محقق، مؤلف، مرتب کا۔ جس کا قلم نہ ابھی تھکا ہے، نہ رکا ہے، بلکہ ان کے قلم کا کاروانِ شوق بڑی تیزی سے مسافتیں قطع کرتا اور آگے ہی آگے بڑھتا ہوا چلا جا رہا ہے۔

اختتامیہ: درمیانی قد، گھٹیلا بدن، سنترہ نما گول مٹول چیتا چہرہ، گورا گیروا رنگ، اخاذ ذہن،، نباض طبیعت، حساس دل، عقابی نگاہ والے مفتی محمد عیسیٰ قادری رضوی مدظلہ سے میرا تعارف اس وقت ہوا، جب یہ دارالعلوم غوثیہ رضویہ اشرف نگر، ناندیر مہاراشٹر میں تھے۔ 'امام احمد رضا اور علم حدیث' کا مواد اکٹھا کر کے ترتیب وطباعت کے لئے، شش و پنج میں تھے۔ میں نے اس حوالے سے ان کی ڈھارس بندھائی تھی۔ ہمت بڑھائی۔ تب سے اب تک رسم و راہ قائم ہے۔ ملاقاتیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ مواصلاتی رابطہ بھی رہا۔ ٹیلی فونک گفتگو بھی کبھی کبھار ہو جاتی ہے۔ ملاقات و تعارف کی کچھ تفصیلات میں نے قلمبند بھی کی ہے۔ جو ان کے حلقہ احباب میں ہے۔ البتہ انہوں نے مجھے اپنی بزم محبت میں جگہ دے کر مجھ حقیر کی بے حد عزت وافزائی کی ہے۔ ان سے میری ہر بات میں بنتی ہے۔ بس ایک ہی بات میں جم نہیں پائی کہ وہ گوشت خور بہت ہیں اور میں سبزی خور بہت ہوں۔ حالاں کہ جب ان کی پیدائش ہوئی تھی، تب چاروں طرف سبزیاں ہی سبزیاں اگی ہوئی تھیں۔ گوشت کی لذت اپنی جگہ، مگر سبزیوں کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

معروف استاذ و مشہور قلم کار
حضرت مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

بالو گنج، پرانا گنج، بوکھیرا، باگڈوب، ہڈانگ، مادھے پور، آل پور، عماد پور، اور رحمٰن پور، سیتل پور، دلشاد پور، ملنا پور، سہرول، بجھارا، بینی باڑی، شیخ پورہ، ہدشکار پور، ماہی نگر، ریاں پور، چوکی، ہری پور، دھنگواں؛ یہ تمام زمینداروں اور سرکاروں اور سرداروں کی بستیاں ہیں۔ مہانندا اور کنکئی دوندیوں کی مار جھیلنے کے باوجود میں ادھر کی زمین جس طرح غلہ واناج کی پیداواری میں زرخیز ہے، اسی طرح اشخاص وافراد کی فصل اگانے میں بھی صالح ونافع ہے۔

ڈاکٹر انجم کی ددیہال مادھے پور میں ہے اور ننیہال آل پور ہے۔ پرداد امحمد عبداللطیف مرحوم تھے۔ اسی نسبت سے ڈاکٹر انجم اپنے آپ کو "لطیفی" لکھتے نہیں تھکتے۔ نانا مرحوم ڈاکٹر الحاج عبدالستار مرحوم تھے، دونوں زمین دار اور سردار تھے۔ سرکار محمد عبداللطیف کئی بستیوں کے زمیندار بھی تھے اور سردار بھی۔ انگریزی دور حکومت میں ان کا عجب رعب ودبدبہ تھا۔ حکام اور اہلکاران سے رائے مشورہ ضرور کرتے تھے۔ انہیں محمد عبداللطیف مرحوم کے فرزند دلبند جناب محمد جمیل اختر اشرفی ڈاکٹر انجم کے والد بزرگوار ہیں۔ ڈاکٹر انجم کی پیدائش ننیہال آل پور میں ہوئی۔ تعلیمی اسناد کے مطابق تاریخ پیدائش ۱۴ر نومبر ۱۹۶۶ء ہے۔ ڈاکٹر انجم کا ابھی بچپنا ہی تھا کہ ان کی والدہ کریمہ مرحومہ کا وصال ہوگیا۔ پرورش کچھ دنوں نانا نانی کے گھر ان کی نگرانی میں ہوئی۔ پھر اپنے گھر آ گئے۔ سوتیلی ماں نے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔

تعلیم کچھ تو اپنے والد محمد جمیل اختر اشرفی سے حاصل کی۔ پھر گاؤں پڑوس کے مکتب ومدرسہ میں پڑھی۔ امام علم وفن خواجہ صاحب کے گاؤں میں جو مدرسہ حمایت الاسلام ہے، پہلے یہ بڑا نامی گرامی مدرسہ تھا، ڈاکٹر انجم کچھ دن یہاں بھی رہے۔ ۱۹۷۶ء میں باقاعدہ تعلیم مدرسہ لطیفیہ تکیہ شریف رحمان پور میں شروع ہوئی۔ مدرسہ بدرالاسلام چوکی بھی کچھ دن کے لئے گئے۔ دارالعلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں بھی آپ نے پڑھائی کی۔ اس دوران آپ نے مدرسہ عالیہ سے وسطانیہ اور فوقانیہ کے امتحانات بھی دیئے اور امتیازی نشانات سے پاس ہوئے۔

۱۹۷۹ء میں آپ نے علاقائی مدارس کو الوداع کہا۔ پھر حصول علم کی شدت تڑپ ان کو مبارک پور لے گئی۔ جامعہ اشرفیہ میں کسی وجہ سے داخلہ نہ ہوا، تو مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ چلے گئے۔ یہاں آپ نے کئی برس جم کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ تب آپ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا رخ کیا۔ علامہ محمد احمد مصباحی کی سفارش پر آپ کا داخلہ ہو گیا۔ مگر یہاں کی فضا ان کو راس نہیں آئی۔ ایک سال گزار کر جامعہ منظر اسلام بریلی شریف چلے گئے۔ بریلی ہی سب کی علمی روحانی پناہ گاہ ہے۔ بریلی کا پانی دودھ سے کم نہیں۔ پان بھی یہاں غضب کا بنتا ہے۔ علمی تعلیمی ماحوم سب کے لئے تسکین جان و ایمان ہے۔ ڈاکٹر انجم یہاں آئے، تو بس یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ منظر اسلام میں داخل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۷ جمادالاول ۱۴۰۴ھ ۲۰ رفروری ۱۹۸۴ء کے اجلاس میں دستار فضیلت ہوئی۔

ڈاکٹر انجم کی تشکیل سیرت اور تکمیل تعلیم میں جن اساتذہ کی گاڑھی محنت اور نگاہ خاص شامل ہے، ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ڈاکٹر انجم کے مطابق ان کے اساتذہ کرام کے اسما حسب ذیل ہیں۔ والد گرامی محمد جمیل اختر اشرفی، مولانا مسیر الدین، مولانا فضیلت حسین مادھے پوری، مولانا ثمر الحق بنی باڑی، مولانا عثمان غنی مادھے پور، مولانا عباد اللہ پرانا گنج، مولانا چراغ عالم نچت پور، مولانا عبد الحلیم سیتل پور، مولانا حبیب عالم رحمٰن پور، مولانا طالب حسین ماہی نگر، مولانا عبد الشکور چوکی، ماسٹر ابو ظفر شکار پور، حضرت مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی موجودہ سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جون پور، شیخ الاسلام حضرت مولانا شاہ غلام محمد یٰسین علیمی رشیدی نور اللہ مرقدہ، مرشد طریقت حضرت علامہ محمد عرفان علی علیمی رشیدی، یہ مقامی اسمائے گرامی ہیں۔

آپ کے بیرونی اساتذہ میں حضرت مولانا امجد علی قادری محمد آباد، حضرت مولانا محمد عارف اللہ مصباحی، حضرت علامہ محمد نصر اللہ خان رضوی، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی، حضرت علامہ محمد نصیر الدین عزیزی، حضرت علامہ اسرار احمد، حضرت علامہ مولانا محمد نظام الدین رضوی، حضرت علامہ مولانا محمد نعیم اللہ خان رضوی، حضرت علامہ محمد بہاء المصطفٰے رضوی، حضرت علامہ محمد عبد الخالق رضوی، حضرت علامہ مولانا محمد صالح رضوی، حضرت علامہ سید عارف علی رضوی، ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خان رحمانی میاں وغیر ہم۔

تعلیمی اسناد: کچھ اس طرح ہیں:

☆ فاضل درس نظامی، جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

☆ وسطانیہ، فوقانیہ، مولوی، فاضل فارسی، مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ
☆ منشی، کامل، عالم، مولوی، فاضل دینیات فارسی عربی بورڈ الٰہ آباد
☆ ادیب ادیب ماہر، ادیب کامل، معلم جامعہ اردو علی گڑھ
☆ ایم اے، اردو، روہیل کھنڈ یونورسٹی بریلی شریف
☆ بی ایم پی (جدید فارسی ڈپلوسہ) بریلی کالج بریلی
☆ پی ایچ ڈی ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونورسٹی مظفر پور

ڈاکٹر انجم کے پاس جتنی ڈگریاں ہیں، اتنی پگڑیاں بھی ہیں۔ پگڑیوں کا ذکر بعد میں، اتنی ڈگریوں کے لئے کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر انجم زمین دار، مگر دیندار خاندان کے چشم چراغ ہیں۔ رئیس زادہ ہیں۔ چاہتے، تو رئیسی ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزارتے۔ مگر شوق علم میں وہ تڑپ تے رہے اور سلگتے رہے۔ بالآخر تپ تپا کر خالص کندن ہوہی گئے۔ آج وہ اپنے اقران و اماثل میں قابل رشک ہیں، باعث فخر ہیں۔ وہ چمکتی دمکتی مثال ہیں، ان نوجوانوں کے لئے، جو تعلیم کو کھیل سمجھ تے ہیں۔ تنگ دامنیوں کا شکوہ کرتے ہیں۔ تن آسانیوں کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ بات اہم ہے، جس میں نسلی برتری، خاندانی تفوق، رئیسانہ تفاخر یا مسکینی اور مجبوری حائل نہیں ہوتی، پس اصل چیز ہے جذبۂ جنوں، اگر یہ ہے، تو پہاڑ بھی تو دہ ریت ہے۔ ورنہ تل بھی پہاڑ اور چٹان ہے۔

ڈاکٹر انجم طبعاً ذہین و فطین واقع ہوئے تھے۔ طالب علمی کا زمانہ بڑی محنت کا گزارا۔ دل جمعی سے پڑھا۔ یہی دلجمعی اور دلچسپی ان کے مدرسین کو بھاگئی۔ شرافت طبع اور نیک نفسی نے اساتذہ کے دل جیت لیئے۔ منظر اسلام کے صدر مدرسین مولانا نعیم اللہ خان نے ان کو معین المدرسین بنادیا۔ گلستاں، بوستاں، فیض الادب، میزان الصرف، پنج گنج، نحو میر، وہ پڑھاتے گئے۔ جبکہ وہ دورۂ حدیث کے طالب علم تھے۔ خود پڑھتے بھی، مشقی تدریسی عمل جاری تھا۔ اس عمل نے ان کی شخصیت اور صلاحیت کو نکھار دیا۔ اساتذہ کا ایسا انتخاب، طالب علم کی ذہانت، شفافیت اور روشن مستقبل کا روشن اشاریہ ہے۔ طالب علموں کی بھیڑ میں کسی کو چن لینا نصیبے کی ارجمندی بھی ہے اور معنی خیز بھی۔ مذکورہ کتابیں ہی درس نظامیہ کی بنیادی کتابیں ہیں۔ قواعد اور گرامر اور مثال و ممثل لہ کی شرح و وضاحت ہی درس نظامیہ کی اصل بنیاد ہے۔ یہ درست ہے۔ تو آگے بھی سب ٹھیک ٹھاک رہے گا۔ ڈاکٹر انجم ابھی فارغ ابھی نہیں ہوئے کہ ان کو کارگاہ عمل اتار دیا گیا۔ جو کچھ کچا تھا، پکا ہوگیا۔ پھر وہ کھنکتے سکے کی طرح باہر آگئے۔

۱۴۰۴ھ کا یہ شعبان کا مہینہ تھا کہ سر پہ فضیلت کی پگڑی رکھی گئی تھی۔ رمضان تعطیل میں گزرا۔ شوال کا مہینہ آیا۔ تو ان کے لئے فال نیک بن کر آیا۔ ریحان ملت حضرت مولانا شاہ ریحان رضا خان رحمانی میاں اس وقت مہتمم تھے۔ صدر المدرسین علامہ نعیم اللہ خان نے سفارش کی اور علامہ رحمانی میاں نے ان کا تقرر بحیثیت استاذ بصد اعزاز کرلیا۔ اب ۱۴۳۶ھ آنے کو ہے۔ یہ پورے بتیس سال ہوگئے۔ تب سے اب تک وہ وہاں ایک فاضل استاذ کی حیثیت سے اپنا فریضہ تدریس انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی دیگر سرگرمیاں ہیں۔ چوں کہ ذہن جامد نہیں، ذہن ثاقب اور فکر سیال کے مالک ہیں، شاخ شجر پر طائر بیٹھا رہے، تو بھی اچھا لگتا ہے۔ چہچہائے تو اور اچھا لگتا ہے اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ صحن چمن بیدار ہوجاتا ہے۔ روش چمن گوش بر آواز ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر انجم وہی طائر ترنم ریز اور مغنی ہیں۔ چوں چوں کرتے آتے ہیں، چہچہاتے رہتے ہیں۔ ان کی چہچہاہٹ صحرا کو گلشن بداماں کردیتی ہے۔

۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر انجم منظر اسلام سے متخرج ہوئے اور متخرج ہوتے ہی مدرس ہو گئے۔ ۱۹۸۶ء میں ان کا نام الہ آباد بورڈ میں قانونی حیثیت سے چلا گیا۔ جب وہ باقاعدہ قانوناً اور رسماً استاذ ہوگئے، تو ان کو نائب صدر المدرسین بنا دیا گیا۔ پھر بورڈ کا تمام دفتری کام ان کے حوالہ کردیا گیا۔ علامہ نعیم اللہ خان صدر مدرس تو رہے۔ لیکن عملاً سارا کام ڈاکٹر انجم ہی کرنے لگے۔ پرنسپل علامہ نعیم اللہ خاں، مہتمم سبحان رضا خان سبحانی میاں اور بابا عبد الہادی ڈاکٹر انجم پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتے تھے۔ سبحانی میاں تو مہتمم اور پیر طریقت تھے۔ علامہ نعیم اللہ خان تو پرنسپل تھے، مگر ذرا کم آمیز اور ضعیف تھے۔ ڈاکٹر انجم گٹھیا بدن جوان تھے۔ علم، عمر، عمل، ذہن، جسم، فکر، خیال، جوش، وجذبہ، سب جوان تھا، خوب کام کیا ہے۔ بے تحاشہ محنت کی اور سب کو خوش کردیا۔

امامت اور خطابت یہ علما ہی کا حق ہے۔ یہ منصب بڑا جلیل الشان منصب ہے۔ قرآن کریم میں لفظ امام آیا ہے۔ جو نبی کی شان میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ علما نبیوں کے ہی نائب ہیں۔ ارشاد حدیث میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ یہ منصب موروثی اور متواتر بھی ہے۔ ہماری قوم کا ذہنی انحاط ہے کہ وہ اماموں کو جنس بازار سمجھتی ہے یا دو کوڑی کی چیز گردانتے ہیں۔ قوم یہ جان لے کہ یہ علما اور ائمہ، نہ جنس بازار ہیں، نہ دو کوڑی کی چیز ہیں۔ یہ بہت بلند ہیں۔ ہدایت و حکمت کی روشن قندیلیں ہیں۔ علم و عرفان کے قطب منار ہیں۔ قوم کے بدقماش افراد کو اپنی فکر، اپنا انداز اور اپنا مزاج فوراً بدلنا لینا چاہیے۔

جو علما اور ائمہ امامت وخلافت کو کوئی پیشہ سمجھتے ہیں یا آمدنی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ان کی یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ یہ نہ پیشہ ہے، نہ آمدنی کا ذریعہ۔ یہ تو سراسر کار عبادت ہے اور کار عبادت میں نقد وجنس اور مال وزر دیکھا نہیں جاتا ہے۔ عبادت محض عبادت ہے۔ پیشہ یا تجارت سمجھنا علما اور ائمہ کے شایان شان ہر گز نہیں۔ امامت وخطابت کو لوگ ہلکا، کم تر شعبہ کی خدمت سمجھتے ہیں۔ ایسا ہر گز نہیں۔ یہ ائمہ علما ہی قوم کی زبان ہیں۔ ان کی امامت وخطابت ایسی ہی ہے، جیسی قلب کی حرکت اور زبان کی طلاقت۔ اگر یہ بند ہو جائے، تو نتیجہ کتنا اندوہ ناک ہو جائے۔ علما اور ائمہ یہ نکتہ زنہار، زنہار بھولنے کی کوشش نہ کریں۔

یہ کوئی اور شہر نہیں، شہر بریلی ہے۔ دینی مسائل یہاں بہشتی بھی بخوبی جانتے ہیں۔ یہاں امام بننا اور تقریر کرنا بھی کڑا امتحان سے کم نہیں۔ یہاں جس نے امامت کر لی اور تقریر کر لی، وہ کہیں بھی امام وخطیب بن سکتا ہے۔ یہ بریلی ہے بریلی، علم وعرفان کا مرکز تو ہے ہی، ڈی ایڈ، بی ایڈ کی طرح یہ امامت وخطابت کا ٹریننگ سنٹر بھی ہے۔ ڈاکٹر انجم جب سے بریلی آئے، اس سنٹر کا سینئر اسٹوڈنٹ قرار پائے۔ ڈاکٹر انجم منجھے منجھائے امام بھی ہیں اور خطیب بھی۔ دور تعلیم سے دور تدریس تک جن محرابوں میں آپ نے صدائے اللہ اکبر بلند کی اور جن منبروں سے خطاب کا غلغلہ بلند ہوا یا گنبد ومینار اور ٹیرس کی دیواریں گونجتی رہیں، وہ درج ذیل ہیں: نوری مسجد پرانا شہر ترکی ٹولہ، مسجد دھوبیان گنج، نالے کی مسجد ملک پور، شاہی مسجد شاہ آباد، ہری مسجد اعظم نگر، مسجد نور جہاں پھولوالان۔

ڈاکٹر انجم شریف آدمی ہیں۔ خطیبانہ داؤ پیچ سے واقف نہیں۔ سیدھی سچی خطابت کرتے ہیں۔ کھرا خالص وعظ کہتے ہیں۔ رنگین بیانی نہیں کرتے۔ ڈائلاک نہیں دیتے۔ مدارس اسلامیہ میں جمعرات کو بزم منعقد ہوتی ہے۔ بچے مشقی تقریر کرتے ہیں۔ یہ مشقی تقریریں ان کے لئے کامیاب تقریر وخطابت کا زینہ بنتی ہیں۔ ڈاکٹر انجم کی تقریری اساس اسی مشقی بزم سے اٹھی۔ مظبوط پائیدار تقریر ہونے لگی۔ اول ان کی تقریر مسجدوں کی چہار دیواروں میں گونجتی رہی۔ پھر بریلی کے اطراف وجوانب میں پھیل گئی۔ اب تو بڑے بڑے تاریخی اجلاس اور پروگرام اٹینڈ کرتے ہیں اور ملک کی تمام ریاستوں کا دورہ کرتے ہیں۔ جائس، یوپی میں آل انڈیا مشائخ کانفرنس ۱۷ر نومبر ۱۹۸۹ء میں صاحب سجادہ علامہ سبحان رضا خان مدعو تھے۔ سبحانی میاں نے اپنا نائب بنا کر ڈاکٹر انجم کو بھیج دیا۔ ڈاکٹر انجم گئے اور جا کر اس تاریخ ساز وپروگرام میں پر مغز تقریر کر کے سبحانی میاں کی نیابت کا حق ادا کر دیا۔

ڈاکٹر انجم کامیاب مدرس ہیں۔ کامیاب امام ہیں۔ کامیاب مقرر ہیں۔ ساتھ ہی کامیاب صاحب قلم بھی ہیں۔ مقالہ نویس، محقق و مصنف بھی ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہر برس ۱۴؍محرم کو یوم مفتی اعظم ہند اور ۲۵؍صفر کو یوم رضا منایا جاتا تھا۔ جس میں بین الطلبہ تحریری اور تقریری مقابلہ ہوتا تھا۔ طلبہ ذوق و شوق سے حصہ لیتے تھے۔ یہ سلسلہ میرے زمانہ میں دھوم دھام سے جاری تھا۔ ڈاکٹر انجم نے پہلے پہل قلم پکڑا تھا۔ یہ انعام حاصل کرنے والی تحریر 'اعلیٰ حضرت اور ردّ و بدعات منکرات'، کے زیر عنوان سے وجود میں آئی تھی۔ بریلی آئے، تو جلسۂ دستار بندی کے حسین موقع پر طلبائے منظر اسلام کی فرمائش پر انہوں نے ہدیہ تشکر لکھا۔ برسر اجلاس پڑھ کر سنایا۔ تو طلبہ، اساتذہ اور سامعین نے بے حد داد اور تحسین سے نوازا۔ حضرت علامہ رحمانی میاں نے اسے قابل اشاعت قرار دیا اور یہ ہدیہ تشکر ماہنامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی میں شائع ہوا۔ بس یہیں سے ڈاکٹر انجم کا کلیجہ سوا من کا اور سینہ چھتیس انچ کا ہو گیا۔

یہ ۸۷ یا ۱۹۸۸ء کا سنہ تھا۔ ماہنامہ 'اعلیٰ حضرت' کے مدیر مولانا سعید جیلانی کانپوری مستعفی ہو کر چلے گئے۔ زیب سجادۂ رضویہ حضرت سبحانی میاں نے ڈاکٹر انجم کو بلایا اور شہریہ 'اعلیٰ حضرت' کی ادارت کا قلمدان سونپ دیا۔ اول تو ڈاکٹر انجم ذرا ہچکچائے۔ سبحانی میاں کی فہمائش پر پھر سنبھل کر کام شروع کر دیا۔ اداریے چھپنے لگے۔ قارئین پڑھنے لگے۔ حوصلہ افزا تعریفی خطوط آنے لگے۔ پھر تو ان کا قلم تھکا، نہ رکا، اداریے، مضامین، مقالات، گوناگوں تحریریں ان کا قلم اگانے لگا۔ ملک و بیرون ملک کے رسائل جرائد میں وہ متواتر چھپنے لگے۔ خراج تحسین وصول کرنے لگے۔ یومیہ، ہفتہ روزہ اخبارات میں کالم بھی لکھے۔ رپوٹیں بھی چھپوائیں۔ بحیثیت کالم نویس اور رپوٹران کو پریس کارڈ بھی ملا۔ اخبارات میں مضمون نویسی کے مقابلہ میں انعام بھی حاصل کیا۔

۱۹۹۰ء کے بعد ڈاکٹر انجم ملک کے مطلع پر ایک قد آور قلمکار کی شکل میں نمودار ہوئے۔ بڑے بڑے سمینار میں بلائے گئے۔ راجدھانی دہلی میں 'مفتی اعظم ہند سمینار' منعقد ہوا۔ ڈاکٹر انجم نے شرکت کی۔ پرانے قلمکاروں کی نگاہ میں آپ کا مقالہ بے حد مقبول ہوا۔ ۱۹۹۲ء میں ادارہ افکار حق بائسی (پورنیہ) نے 'تذکرہ اسلاف کانفرس و سمینار منعقد کیا۔ ڈاکٹر انجم خاص مقالہ نگار کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ۱۹۹۵ء میں براؤں شریف بستی میں 'شعیب الاولیا سمینار' انعقاد پزیر ہوا۔ علامہ عبدالقادر علوی نے ڈاکٹر انجم کو بطور خاص مدعو کیا۔ وہاں آپ نے ماہنامہ 'اعلیٰ حضرت' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ ۱۹۹۷ء میں جامعۃ القرا لکھنؤ کے زیر اہتمام 'آل انڈیا مقابلہ تجوید و قرات و سمینار' منعقد کیا گیا۔ جس میں ڈاکٹر انجم نے 'امام احمد رضا اور فن تجوید قرات'

کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ اہل نظر کی آنکھیں کھول دیں۔ بہتوں نے باصرار مقالے کی فوٹو کاپی لی۔ ابھی ۲۰۱۱ء میں مرکز برکات رضا ایجوکیشنل ٹرسٹ میرا روڈ نے 'بین الاقوامی امام احمد رضا سمینار' کا انعقاد کیا۔ 'فروغ رضویات میں منظر اسلام کا کردار' کے زیر عنوان مقالہ پڑھکر سامعین وناظرین کو خوش گوار حیرت میں ڈالدیا۔

۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر انجم نے بریلی کالج بریلی سے اردو میں ایم اے کا فارم بھرا۔ ۱۹۸۸ء ایم اے فائنل کا امتحان دیا۔ شاہین علم اور شہباز ادب کو موجود فضا کی وسعتیں بھی ناکامی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ کسی اور کائنات کی سیر اور پرواز کرنا چاہتا ہے۔ انجم صاحب ایم اے کر چکے تھے۔ اب ان کے جذبۂ جنوں انگیز کو نئے بال و پر لگ گئے اور وہ کسی عالم بالا کی پرواز کرنے لگے۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مرحوم نے رہنمائی فرمائی۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی نے کرم فرمایا۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونیورسٹی مظفر پور میں پی ایچ ڈی کا رجسٹریشن ہوگیا۔ ۱۹۹۵ء میں یہ کاروائی ہوئی۔ ۲۵ نومبر ۱۹۹۷ء کو تھیسس یونیورسٹی کے متعلقہ دفتر میں جمع کردی۔ قانونی مراحل سے گزرنے کے بعد ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کردی گئی۔

ڈاکٹر اعجاز انجم کے اس حصول اعزاز پر اکابرین علم وادب نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ دین ودانش کے ان اکابرین کے کچھ نام یہ ہیں: پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ایم، اے، ایل، ایل، پی، ایچ، ڈی، ڈی لٹ سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی سندھ پاکستان، پروفیسر داکٹر مختار الدین احمد، ایم اے، پی، دی، ڈی، ایم فل، سابق صدر شعبہ عربی علم یونیورسٹی علی گڑھ وسابق وائس چانسلر کو مظہر الحق عربک پرشین یونیورسٹی پٹنہ، پروفیسر وسیم بریلوی ڈین فیکلٹی آف آرٹس روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی سابق صدر شعبہ اردو وڈین فیکلٹی آف ہیومنیٹیز ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر یونیورسٹی مظفر پور، فقیہہ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی بانی مدارس کثیرہ وتحقیقات باہرہ، ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام فتحپوری مسجد دہلی، پروفیسر محمد ضیاء الدین احمد صدر شعبہ تقابل ادیان، مہو اندور، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی رضا اسلامک میشن بریلی، ڈاکٹر محمود حسین بریلوی صدر شعبہ عربی وفارسی بریلی کالج بریلی۔

یہاں ہم نے صرف ان مقتدر شخصیات کے ذکر اسماء پر ہی اکتفا کیا ہے۔ خوف وطوالت سے اقتباس نقل نہیں کیا۔ جن کو دیکھنا ہو، ان کا مطبوعہ مقالہ دیکھیں، جو کوئی ۹۲۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر انجم کے مقالہ ڈاکٹریٹ کا عنوان ہے: 'پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: حیات اور

علمی وادبی خدمات‘۔ یہ مقالہ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز کراچی پاکستان سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔جس میں پروفیسر محمد مسعود احمد کی پر بہار شخصیت، سدا بہار اسلوب، زرنگار قلم، متنوع خدمات کی تمام بوقلموں جہان کا احاطہ کیا گیا ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد انجم صاحب قسمت کے دھنی ہیں۔مقدر کے سکندر ہیں۔وہ تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ سے مرید ہیں۔محبت مرشد سے وہ سرشار ہیں۔اس محبت کا نشہ ان پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ وہ اپنے آپ میں ایک پل کے لئے اس سے الگ نہیں کر پاتے ہیں ۔شاید نہیں، یقیناً ان کی اتنی ساری کامیابیوں کا راز بھی یہی ہے۔ان کی بیعت کا واقعہ انتہائی دلچسپ ہے۔جب وہ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد میں پڑھتے تھے۔شعبان کی چھٹی ہو چکی تھی۔ سارے بچے اپنے اپنے گھر لوٹ چکے تھے۔انجم صاحب محمد آباد شہر گئے۔پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ بریلی شریف چلا جائے۔مگر زاد راہ نہیں تھا۔ان کے استاذ حضرت مولانا نصر اللہ خان رضوی سے ملاقات ہوگئی۔چہرا اترا ہوا تھا۔استاذ نے پوچھا: اداس کیوں ہو؟۔جواب دیا: بریلی شریف جانا چاہتا ہوں، لیکن زاد راہ نہیں ہے۔استاذ نے زاد راہ فراہم کر دیا اور وہ اسی شام بریلی روانہ ہوگئے۔بریلی میں ان کے رشتے کے ماموں علامہ امام اختر رضوی رہتے تھے۔ساتھ رہنے لگے۔ اسی دوران انجم صاحب کو عارضی امامت کی جگہ مل گئی تھی۔علامہ امام اختر نے انجم صاحب سے کئی بار کہا اور اکسایا کہ وہ مفتی اعظم ہند سے بیعت کر لیں۔لیکن ہر بار انجم صاحب نے انکار کر دیا۔ان کا ارادہ تھا کہ وہ کسی سید پیر سے مرید ہوں۔

سویا نصیب جاگ اٹھا۔محلہ احمد علی تالاب کی مسجد میں سوئے تھے۔ظہر کا وقت ہوا۔تو اٹھے۔نہایا دھویا۔نماز ظہر کی امامت کرائی۔پھر تلاوت قرآن میں مصروف ہوگئے۔دوران تلاوت ہی ان کا دل مفتی اعظم ہند کی طرف کھینچنے لگا۔کھینچاؤ اتنا تیز تھا کہ برداشت نہ کر سکے۔دوڑے دوڑے اپنے ماموں علامہ امام اختر صاحب کے پاس آئے اور عرض کیا: چلئے، جلدی چلئے، مجھے حضور مفتی اعظم سے مرید ہونا ہے۔علامہ امام اختر حیرت میں تھے کہ کہنے پر تو انکار کر رہا تھا۔آج خود ہی اس قدر بیتاب ہے۔خیر دونوں روانہ ہوئے۔مسجد رضا سوداگران حاضر ہوئے۔نماز عصر ہونے والی تھی۔ باجماعت نماز پڑھی۔وہیں مسجد ہی میں علامہ امام اختر نے گزارش کی اور مفتی اعظم ہند نے اعجاز انجم کو مرید کر لیا۔مرید ہونے کے بعد اعجاز انجم نے دعا کی درخواست پیش کی۔تو سرکار مفتی اعظم ہند نے ترقی علم، روشن مستقبل اور ترقی درجات کی دعا فرمائی۔بس اول آخر اسی دعائے مرشد کی برکت سے

لکھتے ہیں کہ میرا ارداہ تھا نہیں۔ اعجاز صاحب
اعجاز انجم رضوی زندگی کے ہر موڑ پر بے حد کامیاب ہیں۔
اور تصرف کا قائل ہوگیا'۔
یہ مفتی اعظم ہند کا تصرف تھا۔ پس اسی دن سے میں پیر و مرشد کی توجہ
ڈاکٹر انجم صاحب متاہل، شادی شدہ ہیں۔ ان کے سگے ماموں ان کے خسر ہیں۔ عفت
انجم سے ان کی شادی ۲۶/اپریل ۱۹۹۱ء کو ہوئی۔ اب تک وہ چار اولاد کے باپ ہیں۔ گل رعنا، گل
افشاں، صوفیہ انجم اور محمد اسعد انجم ان کے باغ حیات کے ہنستے اور مسکراتے پھول ہیں۔ سب کے
سب زیر تعلیم ہیں۔ اب ڈاکٹر انجم صاحب نے بریلی کے صالح نگر علاقہ مین اپنا ذاتی مکان تعمیر کرالیا
ہے اور یہیں بال بچوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز انجم خانوں کے شہر میں رہتے ہیں۔
خانوں جیسا چال ڈھال ہے، شکل وصورت، وضع قطع، بات چیت، سب خانوں ہی جیسی ہے۔
دراز قد، بھرا بھرا جسم، چوڑی پیشانی، مخمور فراخ آنکھیں، کھلتا ہنستا چہرا، گھنی بھری داڑھی، جامہ
زیب، شیروانی اور خباح کیپ اور خلیق، شریف آدمی کام کا اور نام کا، جب دیکھیے، متحرک، متبسم،
متواضع اور ہنستے وقت لب ودہن لگے کہ کھلا ہوا گلاب، مکھڑا ماہتاب، جسم سارا سرو وچمن کا منظر پیش
کرتا ہوا۔ چشم بد دور، قلم یہاں روکتے ہیں۔ ڈاکٹر انجم نے اپنی ایک خودنوشت بھیجی تھی۔ اسی خود
نوشت کی روح اس مضمون کے قالب میں اتر آئی ہے۔

☆ ☆ ☆

علم و عمل اور جہد مسلسل کے کوہ گراں
حضرت علامہ محمد سراج الحق نوری

مولانا نوری کے والد گرامی نبی بخش مرحوم تھے۔ جدامجد کا اسم گرامی محمد عبد الصمد مرحوم تھا۔ تاریخ ولادت ۱۰ ر نومبر ۱۹۶۳ء ہے۔ مولد کولانی، پوسٹ طیب پور، ضلع کشن گنج ہے۔ مولانا نوری کا تعلق کاشتکار گھرانہ سے ہے۔ زراعت پیشہ افراد سادہ لوح، نیک طینت، صاف گو، بے ریا قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ ہوں، تو پھر وہ کاشتکاری کیوں کریں۔ چالاک لوگ زینہ بہ زینہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ کاشتکار لوگ وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں۔ پسینے بہاتے ہیں۔ موٹا جھوٹا پہنتے ہیں۔ روکھا پھیکا کھاتے ہیں۔ پیداوار بڑھاتے ہیں۔ گھٹیا خود کھاتے ہیں۔ عمدہ کوئی اور کھاتا ہے۔ اس اعتبار سے کاشتکار حضرات قوم کے سچے خدمتگار ہیں۔ کیوں کہ وہ سب سے زیادہ ضروری بنیادی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ ارشاد حدیث میں آیا ہے۔ یہی سادہ لوح حضرات زیادہ جنت میں جائیں گے۔

مولانا نوری کے آبا واجداد بالکل سادہ لوح، سادہ دل، صاف طبیعت، شفاف سیرت والے تھے۔ خاندان میں چوں کہ کوئی عالم دین یا حافظ قرآن نہیں تھا۔ اس لئے جب کوئی عالم، حافظ، پیر، فقیر گاؤں میں یا دروازے پر آجاتا، تو دل براہ، چشم برقدم بن جاتے۔ خوب خدمت کرتے۔ خوب تواضع کرتے۔ کٹیا اور بٹوا میں جو کچھ ہوتا۔ دل کھول کر نذر پیش کرتے۔ کچھ ہوشیار پیر فقیر لوگ باہر سے آتے اور خوب خوب جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے۔ تاہم اس دور میں علما دیندار ہوتے تھے۔ پیر حضرات خداترس ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی خاطر مدارات دیہاتی لوگ باعث سعادت سمجھتے تھے۔ اب نہ علما میں دینداری ہے، نہ پیروں میں خداترسی ہے۔ اب ہر پیشہ بازار بن گیا ہے۔ جنس تجارت بن گیا ہے۔ خیر مولانا نوری کی پرورش بالکل بے ریا ماحول میں ہوئی۔ اس کا اثر ان کے کومل دل اور کورے ذہن پر پڑا۔ جو کہ عمر بھر قائم رہا۔

مولانا نوری کا بچپنا بالکل سیدھا، سادہ، شریفانہ گذرا۔ تعلیم کی عمر ہوئی، تو اس کا آغاز ہوا۔ منشی محمد عبد القدوس اور ماسٹر محمد عبد اللطیف نے ان کو قاعدہ، قرآن، ناظرہ پڑھایا اور اردو لکھنے پڑھنے کی تربیت دی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب اشرفی نے ان کو فارسی پڑھائی۔ مولانا نوری پڑھنے میں تیز تھے۔ ذہن حاضر، حافظہ قوی تھا۔ تیزی سے تعلیمی مراحل طے کر رہے تھے۔ اسی دوران ان کے

والد کریم کا انتقال ہو گیا۔ اس انتقال نے مولانا نوری کے جسم اور ذہن دونوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ بڑے اداس ہوئے۔ نہایت مایوس ہوئے۔ مصائب و مشکلات نے انہیں بالکل بے سہارا بنا کر بٹھا دیا۔ سامنے کوئی رستہ نہیں تھا۔ ناچار کھیتی باڑی کے کاموں میں جٹ جانا پڑا۔ کہاں گھنی چھاؤں کی درسگاہ اور کہاں برستی دھوپ کی شدت، مرتا، کیا نہ کرتا۔ نصیب میں جو تھا وہ کرنا پڑا۔

حافظ محمد غیاث الدین مرحوم اور جناب محمد یوسف مرحوم کو مولانا نوری کی اس حالت زار پر ترس آیا۔ ان دنوں مولانا نوری کے دو ماموں جناب جان محمد اور جناب دین محمد کو مشورہ دیا کہ وہ محمد سراج الحق کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کریں۔ ان کی دیکھ بھال اور سرپرستی کریں۔ یہ مشورہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا۔ مدرسہ احمدیہ، کاشی باڑی، علاقہ گوال پوکھر، ضلع دیناجپور میں محمد سراج الحق کو داخل کرا دیا گیا اور درجہ اعدادیہ سے اپنی تعلیم کی شروعات کر دی۔ دو سالوں میں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ۱۹۷۴ء میں آپ ٹھاکر گنج آ گئے۔ یہاں مدرسہ اصلاح المسلمین میں داخلہ لیا۔ ثانیہ اور ثالثہ درجہ کی درسی کتابیں عرق ریزی سے پڑھیں۔ یہاں کے اساتذہ میں حضرت مفتی سلیم اختر نقشبندی کا نام نمایاں ہے۔

غالباً ۱۹۷۶ء میں آپ نے بھاگلپور کا تعلیمی سفر کیا۔ مدرسہ فیضیہ ایشی پور اس وقت بغداد العلم بنا ہوا تھا۔ چوں کہ فن تدریس کے کئی پہاڑ یہاں سینہ تانے کھڑے تھے۔ فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی قبلہ، مفکر اسلام حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی زید مجدہٗ، حضرت علامہ محمد مشتاق احمد نوری یہ تمام اپنی اپنی جگہ جبال العلم تھے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ ان پہاڑوں کی چوٹی اور کوہان امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی مدظلہ اپنی تمام تر کج کلاہی کے ساتھ جلوہ بار تھے۔ محمد سراج الحق نوری شیریں طبیعت کے ذہین طالب علم تھے۔ ان عبقری الزمان اساتذہ کی فیض بار درسگاہوں میں اور شبانہ یوم بارگاہوں میں بیٹھنے کا زریں موقع ملا۔ یہ موقع انہوں نے گنوایا نہیں، اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایک طویل عرصہ تک اس علمی فضا میں پرواز کرتا رہا۔

بالآخر ان کی یہ تعلیمی پرواز علم و فن کے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر ختم ہوئی۔ ۱۹۷۹ء کے سالانہ اجلاس میں دستار فضیلت زیب سر کر دی گئی۔ علوم اسلامیہ کے پڑھانے کی ان کو سند ملی۔ بہار کا بچہ تھا۔ بہار میں پلا بڑھا اور بہار ہی میں پڑھا لکھا۔ غربت اور جہالت کی گود سے اٹھا تھا۔ حصول علم کے بعد وہ کارنامہ انجام دیا کہ اہل بہار کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ بچہ ہو، تو ایسا، تقدیر ہو، تو ایسی۔

۱۹۸۰ء میں بہار کا یہ سپوت بہار سے اٹھا۔ سرزمین گجرات پہنچا۔ دار العلوم معین الاسلام تھام،

بھروچ میں بحیثیت استاذ تقرر ہوا۔ جوان رعنا تو تھے ہی، علم بھی سارا تازہ تازہ ہی تھا۔ جلوۂ تدریس بکھیرنا شروع کردیا۔ بہار میں رائی تیل کا رواج ہے۔ گجرات میں مونگ پھلی کا تیل کھایا جاتا ہے۔ نہ کھان پان پسند آیا، نہ آب وہوا اس آئی۔ ایک سال پڑھا کر بستر گول، کھاٹ کھڑی کرلی۔

مفتی سلیم اختر نے ان کو ٹھاکر گنج میں پڑھایا تھا۔ اب وہ دارالعلوم وارثیہ ستار یہ لکھنؤ میں پڑھا رہے تھے۔ انہی کے ایما پر حضرت مولانا محمد سراج الحق نوری گجرات سے لکھنؤ چلے گئے۔ یہ ۱۹۸۱ء کا سن تھا۔ وہ لکھنؤ کیا گئے کہ لکھنؤ کو انہوں نے پکڑ لیا اور لکھنؤ نے ان کو جکڑ لیا۔ اب یہ ۲۰۱۵ء ہے۔ لکھنؤ نے انہیں چھوڑا نہیں ہے۔ اس پینتیس سالہ مدت میں گرم سرد حالات، واقعات کی کتنی داستانیں ہیں۔ کچھ رنگین، کچھ غمگین، اس کی تہیں اور پرتیں وہی اٹھا سکتے ہیں۔ قلم ان کا اچھا ہے۔ انہیں چاہیے کہ دارالعلوم وارثیہ کی منزل بہ منزل تاریخ رقم کر ڈالیں۔ اس کی ضرورت یوں بھی ہے۔ لکھنؤ ریاست اتر پردیش کا دارالحکومت بھی ہے اور روحانی تاجداروں کا دارالخلافہ بھی۔ علمی تعلیمی انقلاب کی جو آواز وہاں سے بلند ہوئی، وہ برصغیر کے کونے کونے سے سنی گئی۔ مگر ماضی قریب میں لکھنؤ کی جو مذہبی صورت حال رہی اور تعلیم کے نام پر مذہبی تعلیم کی جو درگت سامنے آئی، وہ کسی داستانِ خون چکاں سے کم نہیں۔ اس تناظر میں دارالعلوم وارثیہ کی تاریخ کی ترتیب عین مقتضائے حال ہے۔

خیر مولانا سراج الحق نوری لکھنؤ تشریف لائے اور دارالعلوم وارثیہ میں مسند تدریس بچھائی۔ ابھی چند مہینے گزرے تھے کہ دارالعلوم کے صدرالمدرسین مفتی سلیم اختر نقشبندی نے دارالعلوم کو الوداع کہا اور منصب صدارت نے مولانا نوری کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ دارالعلوم وارثیہ کا اولین تصور کس کے ذہن کی اپج تھا۔ اس کا مجھے علم نہیں۔ مگر فخر القرا حضرت قاری محمد ابوالحسن قادری دارالعلوم کے اصل روح رواں تھے۔ یہ میں جانتا ہوں۔ یہ دارالعلوم مچھلی محال کی ایک مسجد میں قائم ہوا تھا۔ ابھی یہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ تعلیمی معیار اچھا تھا۔ طلبہ کی گنجائش کم تھی۔ چونکہ جگہ کی تنگی تھی۔ قاری صاحب موصوف اولوالعزم، دردمند، خلیق مرد تھے۔ ان سے میری ایک دو ملاقات تھی۔ یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اب وہ مرد خلیق حضرت قاری ابوالحسن قادری رہے نہیں، علیہ الرحمہ ہوگئے۔ تاریخ وصال ۱۶ر شعبان ۱۴۳۰ھ ہے۔

جن دنوں کی بات کررہا ہوں، ان دنوں یہ دارالعلوم کسمپرسی کا شکار تھا۔ جگہ کم تھی، وسائل کم تھے۔ مسائل زیادہ تھے۔ مگر اراکین بڑے باحوصلہ تھے۔ نہایت بے جگری سے کام کررہے تھے۔

قاری ابوالحسن قادری، مولانا سراج الحق نوری اور غالباً حضرت مولانا محمد اقبال کی نیند پل پل حرام ہورہی تھی اور اس قافلہ میں کون کون تھے۔ ان کا پتہ نہیں۔ لیکن دارالعلوم کا جو چراغ روشن ہورہا تھا۔ اس میں قاری محمد ابوالحسن قادری اور حضرت مولانا محمد سراج الحق نوری کا خون جگر جل رہا تھا۔

لکھنؤ کا جو تعلیمی ماحول تھا۔ اس پس منظر میں دارالعلوم وارثیہ کا خواب بس ایک خواب پریشان تھا۔ لیکن اراکین واساتذہ کی انتھک جدوجہد نے اسے ایک زندہ حقیقت کا روپ دے دیا۔ مچھلی محال کی مسجد میں بیٹھ کر منصوبہ تیار ہوا۔ شہر سے دور، گومتی ندی کے اس پار، قدیم آبادی، مگر ذی زرع اجڑیا گاؤں میں بڑا پلاٹ خریدا گیا۔ جو کئی ایکڑ کا تھا۔ غالباً ۱۹۸۲ء میں اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ کچھ تعمیری کام ہوا۔ جو اساتذہ وطلبہ کی کفالت کے لئے کافی تھا۔ تو دارالعلوم مچھلی محال سے اجڑیاؤں، گومتی نگر منتقل ہو گیا۔

پھر تو یہاں یہ ادارہ آندھی طوفان کی رفتار سے آگے بڑھا۔ مگر یہ نہ بھولئے کہ سنچالک وہی قاری ابوالحسن قادری اور حضرت مولانا محمد سراج الحق نوری تھے۔ الغرض دارالعلوم کی خاکہ سازی، رنگ آمیزی، تعمیر وترقی، تنظیم وتنسیق، تعلیم وتربیت، ہر ہر شعبہ، ہر ہر صیغہ میں سراج ملت حضرت مولانا محمد سراج الحق نوری کی سرفروشانہ شراکت داری ہے۔ دارالعلوم کا کوئی مؤرخ مولانا نوری کے بغیر ایک قدم آگے بڑھ نہیں سکتا۔ اگر کوئی بے جا جرأت کرتا ہے، تو خون ناحق کا الزام اس کے سر ہوگا۔

مولانا تعمیری مزاج رکھنے والے بہترین قابل ترین مدرس ہیں۔ آج تیس برس سے وہ دارالعلوم وارثیہ کا صدر المدرسین ہیں۔ تدریسی، صدارتی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم وارثیہ کی تعمیر وترقی میں حصہ لیتے رہے، پس یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ لکھنؤ کا یہ پرانا دارالعلوم الہ آباد بورڈ کی ایجوکیشنل گرانٹ سے ایک طویل مدت تک باہر رہا۔ ۲۰۰۵ء میں جب ایڈیڈ مدارس میں اس کا شمار ہوا۔ تو مولانا نوری کی پرنسپل شپ کے معاملے میں ارباب مجاز کی راہیں مختلف ہو گئیں۔

کچھ لوگ کھلی مخالفت پر بھی کمربستہ ہو گئے۔ مگر حضرت قاری ابوالحسن قادری اپنے فیصلے پر اٹل رہے۔ کیوں کہ مولٰینا نوری نے ان کا دست راست بن کر شروع سے آکر تک کام کیا تھا۔ مولٰینا نوری کی قربانیوں کا احساس قاری صاحب کو تھا۔ انہوں نے ہزار مخالف ہواؤں کی زد میں بھی مولٰینا نوری کو پرنسپل کے عہدے پر بحال وبرقرار رکھا۔ خدا کا شکر کہ مولٰینا نوری آج بھی اس عہدے پر فائز ہیں اور تاحال ان کی کاوشیں دارالعلوم کے فروغ وارتقا میں جاری ہیں۔

سراج ملت حضرت علامہ محمد سراج الحق نوری خاموش طبع، مگر پرعزم، پردرد شخصیت کے

مالک ہیں۔ بولتے، بڑبڑاتے کم ہیں، کرتے کراتے زیادہ ہیں۔ یوں ان کی خاموشی میں طوفان کی آہٹ محسوس ہوتی ہے۔ مائن میک اپ کرنا بھی ایک فن ہے۔ عوام وخاص کی ذہن سازی میں بھی مولٰینا نوری کو ملکہ حاصل ہے۔ یوں اس فن کے ماہر ہیں۔ جب لکھنؤ تشریف لائے۔ تو تعلیم وتدریس اور منصب صدارت سے جڑ گئے یا جوڑ دیئے گئے۔ ان کی صلاحیتیں ان شعبوں میں نئے نئے چراغ روشن کرنے لگیں۔ کوئی بڑا منصوبہ بغیر عوامی تعاون کے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔ اس کے لئے آبادیوں میں گھسنا، ذہن سازی، افراد سازی کرنا، انسانی بھیڑ میں گھس کر قابل کار اشخاص کو چننا پڑتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مولٰینا نوری امامت وخطابت سے وابستہ ہوگئے۔ اس کے لئے انہوں نے اسی اجڑیاؤں گاؤں میں خطیب مسجد کا انتخاب کیا اور وہ وہاں خطیب منتخب ہوگئے۔ مصلائے امامت سے لوگوں میں ذوق عبادت پیدا کیا اور خطابت سے لوگوں میں جذبۂ خدمت کو بیدار کیا۔ آدمی مخلص تھے۔ باتوں میں تاثیر تھی۔ لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے۔ انہوں نے سب کا رخ دارالعلوم وارثیہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ اجڑیاؤں گاؤں جو اس وقت لکھنؤ شہر سے باہر تھا۔ اب تو شہر میں داخل ہوگیا ہے۔ اس گاؤں سے شہر اور اس شہر سے بیرونِ شہر اور دور ونزدیک کے قصبوں، دیہاتوں میں وہ دارالعلوم کی آواز بن کر پھیل گئے۔ عبادت گاہ میں رہے، درسگاہ میں رہے، سفر میں رہے، حضر میں رہے، جہاں بھی رہے۔ دارالعلوم وارثیہ ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ کیوں کہ دارالعلوم وارثیہ ان کی نسوں اور سانسوں میں رچا ہوا تھا، بسا ہوا تھا۔ اس بات کی گواہی دارالعلوم وارثیہ کی ہر اینٹ دے سکتی ہے۔ دارالعلوم کا ہر لمحہ دے سکتا ہے۔

مولٰینا نوری احسان سناش بھی ہیں اور انسان سناش بھی۔ اجڑیاؤں گاؤں میں مولٰینا نوری نے محبت وخلوص کا وہ پودا لگایا۔ جو جلد ہی تناور درخت بن گیا۔ لوگ اس کی گھنیری چھاؤں میں آگئے اور پھر مولٰینا نوری ان کے دینی قائد اور مذہبی پیشوا بن کر ان کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ یہ خلوص ومحبت یکطرفہ نہیں، دوطرفہ تھا۔ اجڑیاؤں گاؤں والوں نے جس طرح مولٰینا نوری کی آواز پر لبیک کہا اور خلوص ومحبت وایثار سے نوازا۔ اس کا اعتراف مولٰینا نوری کو کھلے دل سے ہے۔ وہ اپنی زبان وبیان سے اس بات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

ہر دور میں اور ہر دیار میں ہمیشہ خوش عقیدہ مسلمانوں کی غالب اکثریت رہی ہے، لکھنؤ شہر اس سے مستثنٰی نہیں ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ نہایت روشن ہے۔ ہر جگہ، ہر شہر میں سنی سردمہری کا

شکار رہتے ہیں اور غیر سنی سر گرم سفر رہتے ہیں۔ ان کی سر گرمیوں کے مقابلہ میں اپنی سر گرمیاں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ بایں وجہ کبھی کبھی غیر متوقع صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ تب اہل سنت کا کارواں بیدار ہوتا ہے۔ کوئی تنظیم یا تحریک لیکر اٹھتا ہے۔

چوں کہ یہ حق وصداقت کی ترجمانی ہوتی ہے، عام انسانوں کی تائید وحمایت اسے حاصل ہو جاتی ہے۔ جوں ہی وہ غیر متوقع صورت حال قابو میں ہوتی ہے۔ پھر چادر تانے سنی سو جاتے ہیں۔ خیر اس کی ایک واضح مثال انجمن تحفظ ناموس رسول، لکھنؤ ہے۔ اس انجمن کے پرچم تلے مولینا نوری نے جو خدمات انجام دی ہیں۔ وہ ناقابل فراموش ہیں۔ جب کبھی اس انجمن کی کوئی رپورٹ لکھی جائے گی۔ مولینا نوری کا نام اس میں سرفہرست جھلملاتا نظر آئے گا۔ جیسا کہ میں نے کہا۔

ہماری تنظیم وتحریک کے ردعمل کے نتیجہ میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ ایک مدت تک متحرک رہتی ہے۔ پھر کیا حشر ہوتا ہے۔ بتانے کی حاجت نہیں ہے۔ خیر مولینا نوری اب ایک دوسری تنظیم "تنظیم ائمہ مساجد اہل سنت لکھنؤ" سے وابستہ ہیں۔ اب وہ اس پلیٹ فارم سے دینی، دعوتی، تبلیغی، سماجی اور معاشرتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بزرگان دین سے مولینا نوری کو بے حد عقیدت ہے۔ درگاہوں اور بارگاہوں کی حاضری کو وہ باعث برکت وسعادت جانتے ہیں۔ اس کیلئے وہ شدرحال بھی کرتے ہیں۔ اجمیر شریف، دہلی شریف، مارہرہ شریف، کچھوچھہ شریف، پنڈوا شریف، سنبھن شریف، بدایوں شریف، اور بریلی شریف جانا آنا ان کے معمولات زندگی میں شامل ہے۔

وہ حضرات بڑے خوش نصیب ہیں۔ جنہوں نے سرکار مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا ہے۔ یا ان کے رخ زیبا کی زیارت کی ہے۔ مولینا نوری انہیں خوش نصیبوں میں شامل ہیں۔ ان کی گردن میں وہی قلادہ ہے اور کمر میں اسی غلامی کا پٹہ ہے۔ جس برس وہ علوم اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی برس انہوں نے شہر خوباں بریلی شریف کا سفر کیا اور یہ سعادتیں سمیٹیں، یہ ۱۹۷۹ء کا سنہ تھا۔

جب انہوں نے نسبت حاصل کی، تو بالکل جوان العمر تھے۔ تو ظاہر ہے۔ جوان العمر کی نسبت بھی تو جوان ہی ہوگی۔ یہی جوان نسبت نے ان کو زندگی کے ہر موڑ پر جوان رکھا اور بڑی بڑی کامیابیوں اور کارناموں سے ہمکنار کیا۔ مولینا نوری کو اس نسبت پاک پر بے حد ناز بھی ہے۔ اس نسبت کی شان میں وہ رطب اللسان رہتے ہیں۔ دن رات اسی کا گن گان کرتے ہیں۔ چوں کہ یہی نسبت ان کا توشۂ دنیا بھی ہے اور توشۂ آخرت بھی۔ خدا اسی نسبت کا صدقہ ہمیں بھرپور عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

خطیب الہند
حضرت علامہ سہیل احمد قادری مقیم دہلی

ضلع کٹیہار کی تحصیل کدوا میں بلیہا پور ایک مشہور بستی ہے۔ یہ بستی اطراف میں معروف بھی ہے۔ اس کی شہرت زمین سے آسمان تک اس وقت پہنچ گئی۔ جب سہیل احمد تدریس اور خطابت کے افق پر نور مستطیل بن کر چھا گئے۔ جب تو وہ فقط سہیل احمد تھے۔ لیکن اب جب لوگ نظر اٹھا کے دیکھتے ہیں، تو وہ خطیب الہند حضرت علامہ سہیل احمد قادری زید مجدہ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہ ۲/نومبر ۲۰۱۱ء کی تاریخ تھی۔ مارہرہ مقدسہ اور بریلی شریف کی واپسی میں، جب میں دہلی پہنچا۔ تو علامہ سہیل احمد قادری اور مولانا محمد ابرار رضا نے مجھے آدمی بھیج کر نئی دہلی اسٹیشن سے اچکوا لیا اور میں جامع مسجد، مٹیا محل جانے کے بجائے جیت پور، بدر پور پہنچ گیا۔ اب تک تو علامہ سہیل احمد قادری کو مقرر محض سمجھتا تھا۔ چوں کہ حقیقی تعارف نہیں تھا۔ ایک آدھ ملاقات تو تھی، مگر سرسری، علیک سلیک کی حد تک، اب جوان کو دیکھا، سنا، ان کی مسجد دیکھی، مدرسہ دیکھا، دینی درد، ملی کرب، دین، سماج پر پھیلا ہوا دائرۂ خدمات کا جائزہ لیا۔ تو وہ ایک سرگرم کارکن ہی نہیں، کاموں کی مشین کی صورت میں جلوہ گر تھے۔ تب معلوم ہوا۔ دور کا ڈھول کبھی کبھی در حقیقت سہانا بھی ہوتا ہے۔

سہیل صاحب کی ولادت ان کے آبائی گاؤں بلیہار پور میں ہوئی۔ تاریخ پیدائش ۲۰/جنوری ۱۹۷۱ء ہے۔ پرورش و پرداخت کے بعد تعلیم کی عمر ہوئی۔ تو گاؤں کے مکتب میں بٹھایا گیا۔ تب بعد میں پڑوس کی زمیندار بستی چوکی آ گئے۔ مدرسہ بدر العلوم میں پڑھنے لگے۔ اردو، فارسی کے بعد عربی کی ابتدا ہوئی، تو قصبہ شیش گڑھ، ضلع بریلی، یوپی آ گئے۔ پھر یہاں سے حسن پور، نینی تال چلے گئے۔ یہاں بھی مدرسہ بدر العلوم ہی تھا۔ نینی تال کے بعد سنبھل منتقل ہوئے۔ یہیں انہوں نے تکمیل تعلیم کی۔ سنبھل میں یہ ادارہ جامعہ اجمل العلوم تھا۔ جس نے انہیں فضیلت کی سند دی اور جبہ و دستار سے نوازا۔ بلیہار پور سے سنبھل تک ان کے خاص خاص اساتذہ یہ ہیں: مولانا عبد الشکور صاحب، مولانا قاری محمد طالب صاحب، ماسٹر ابوظفر صاحب، مفتی عبد الحلیم رضوی صاحب، حضرت مولانا چراغ عالم صاحب، حضرت مفتی محمد اختصاص الدین علیہ الرحمہ صاحب، جو مفتی اعظم سنبھل سے معروف تھے۔

علامہ سہیل احمد صاحب بذات خود کہتے ہیں: ان کی تعلیم کی پختگی اور سیرت و کردار کی

مفتی عبدالحلیم صاحب مغتنمات روزگار سے ہیں۔ علم، عمل، کردار ہر جہت سے اپنا جواب آپ ہیں۔ سہیل صاحب بچپن سے ان کے ساتھ رہے ہیں۔ چوں کہ استاذ گرامی پختہ علم اور با کردار تھا۔ جس کا اثر سہیل صاحب کی شخصیت پر پڑا۔

علامہ سہیل احمد قادری کی فراغت ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔ بعد فراغت وہ باقاعدہ مدرس ہوئے۔ لیکن فراغت سے پہلے ہی ان کا عمل تدریس جاری ہو چکا تھا۔ جہاں کہیں پڑھا اور جس جماعت میں پڑھتے تھے۔ اس سے نیچے کی جماعت کو بالالتزام پڑھاتے تھے۔ یعنی ہر جگہ 'معین المدرسین' کا فریضہ انجام دیا۔ اس سے ان کو دوہرا فائدہ ہوا۔ اگلا درس تو ہوتا ہی تھا۔ پڑھانے کی وجہ سے پچھلا درس تازہ اور ازبر ہو جاتا تھا۔ یوں ابتدائی عربی قواعد سے اونچی کتابوں کے مباحث و مسائل تک ان کے پیش نظر رہے۔ اس عمل تادیب و تدریس سے ان کے اندر جو تدریسی نکھار پیدا ہوا۔ اس کا سارا کریڈٹ اور پورا سہرا ان کے مربی استاذ حضرت مفتی عبدالحلیم رضوی صاحب کے سر بجتا ہے۔

حضرت مفتی عبدالحلیم رضوی صاحب بستی چوکی، تحصیل کدوا، ضلع کٹیہار کے باشندہ ہیں۔ مفتی صاحب موصوف فی الوقت دارالعلوم رحمانیہ تیغیہ نان پور، چھپرہ بہار کے منصب اہتمام پر فائز ہیں۔ امین ملت سید شاہ محمد امین میاں مدظلہ زیب سجادہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کے چہیتے خلیفہ ہیں۔ مفتی صاحب کی داستان حیات بھی ایک جہان حیرت ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس داستان کا ورق بھی الٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کروں، جس پر قابو پانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

ہاں تو علامہ سہیل احمد قادری جامعہ اجمل العلوم سے فارغ ہوئے۔ جب تک پڑھتے رہے، تو پڑھتے بھی رہے اور پڑھاتے بھی رہے۔ لیکن اب پڑھنا چھوٹ گیا اور باقاعدہ پڑھانے لگ گئے۔ اب معین المدرسین نہیں، باضابطہ مدرس ہو گئے۔ درسیات کی مشق و مہارت تو تھی ہی، از ابتدا تا انتہا کتابیں زیر درس آ گئیں۔ عمر بھی جوان تھی، علم بھی جوان تھا۔ علم و فن کا جوہر متواتر چار برسوں تک خوب خوب اجاگر کرتے رہے۔ سیکڑوں طلبہ مستفید ہوئے۔ پھر مشیت ایزدی نے سنبھل سے اٹھا کر چھپرہ پہنچا دیا۔ یہاں مدرسہ احسن العلوم ہے۔ جو ان کی دوسری درسگاہ ہے۔ یہاں بھی وہ مسلسل پانچ برس رہے۔ ڈھیروں تلامذہ نے ان سے اکتساب علم کیا۔

یہ ان کا تدریسی دور کا عروج تھا۔ جس طرح وہ اس میدان میں کامیابی کا پرچم بلند کئے تھے۔ اسی طرح ان کی خطابت کا پھریرا بھی ہندوستان بھر کے آفاق پر لہرا رہا تھا۔ دیگر شہروں کی طرح دہلی کی زمین بھی ان کی خطابت سے مانوس ہو چکی تھی۔ ان کی زندگی

میں ایک نیا موڑ اس وقت سامنے آیا، جب دہلی والوں نے گذارش کی کہ وہ دہلی میں ہی مستقل اقامت کرلیں۔ یہ گذارش بعد میں اصرار میں بدل گئی۔ چنانچہ ۱۹۹۷ء میں علامہ سہیل احمد قادری دہلی منتقل ہو گئے اور مستقل یہیں کے ہوکر رہ گئے۔

سہیل احمد صاحب چھپرہ سے دہلی نقل مکانی تو کرلیا، مگر دہلی میں ان کی کوئی مستقل ملازمت نہیں تھی۔ ذاتی رہائشی مکان کے پلاٹ پہلے ہی خرید چکے تھے۔ پروگرام کرتے رہے۔ اپنا ذاتی مکان ذاتی صرفے سے بناتے رہے۔ حسب فرصت جیت پور، بدر پور اور دیگر نواح دہلی میں دعوتی، تبلیغی، تنظیمی سرگرمیاں جاری رہیں۔ آبادیوں میں گھس گئے۔ لوگوں سے ذاتی ملاقاتیں کیں۔ مسجدوں کو دیکھا۔ مدرسوں کا جائزہ لیا۔ دہلی اور اہل دہلی کے ماحول اور مزاج کو قریب سے سمجھا۔ سہیل صاحب وہاں نئے نہیں تھے۔ ان کی تقریر نے انہیں کافی شہرت دے دی تھی۔ مقبولیت بھی تھی۔ ہر دل عزیز بھی تھے وہ، مذہبی لوگوں کے علاوہ سیاسی سماجی افراد سے بھی خاصی رسم وراہ بڑھ چکی تھی۔ جب ذہن سازی اور افراد سازی کا کام ہو چکا، تو انہوں نے غالب حکمت وتدبیر سے باقاعدہ کام کا آغاز کردیا۔

اول تو انہوں نے تسخیر قلب کیا۔ ثانیاً مذہبی لوگوں کو قریب کیا۔ ثالثاً مسجدوں کے ذمہ داروں سے مل کر مسجدوں کو قانونی حیثیت دلوائی۔ یعنی خالص اہل سنت (جس کی واضح شناخت مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال کیا جاتا ہے) کے دائرہ میں کرایا۔ ان کی کوششوں سے جن مسجدوں کو آج یہ حیثیت وسعادت حاصل ہے، ان کی تعداد درجن بھر سے اوپر ہی ہوگی۔ کچھ نئے پلاٹ الاٹ منٹ کروائے۔ نئے سرے سے مساجد کی بنیادیں رکھیں۔ پھر تعمیری مراحل سے گذارا۔ آج ان کے گنبد ومینار دور سے ہی جگمگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں مسجدوں میں ہی مکتب قائم کردیا۔ کہیں الگ سے مکتب ومدرسہ کا قیام عمل میں لایا۔ اس طرح انہوں نے تعلیم گاہوں اور عبادت گاہوں کا ایک سلسلہ دراز کردیا۔ کام ہوتا گیا۔ خوش عقیدہ مسلمان ساتھ آتے گئے۔ یوں انہوں نے بدعقیدوں کے دن رات بڑھتے قدم کو یکسر روک دیا۔ اتنی کامیابی تک پہنچنے میں ان کو پانچ چھ برس گئے۔

ناٹے قد، گٹھیلا بدن، سانولے رنگ کے علامہ سہیل صاحب افتادِ طبع کے لحاظ۔ سے بڑے جاں باز واقع ہوئے ہیں۔ چیتے کا جگر رکھتے ہیں، شاہین کا تجسس انہیں کشاں کشاں لئے اڑتا رہتا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں انہوں نے ایک لمبی جست لگائی۔ کھلی زمین کا ایک بڑا پلاٹ حاصل کرلیا۔ سنی حنفی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ پہلی منزل بن سنور کر تیار ہے۔ دوسری منزل زیر

تعمیر ہے۔ اطراف کی مسجدوں میں یہ ایک بڑی مسجد ہے۔ ۲۰۰۷ء کا سال ان کے لئے فال نیک ثابت ہوا۔ مسجد کے متصل ہی دوسرا بڑا قطعہ اراضی خرید لیا۔ اسی برس ۶ ر دسمبر کو عظیم الشان اجلاس منعقد کیا۔ اسی زریں موقع سے انہوں نے جامعہ اسلامیہ کی خشت اول رکھوادی۔ بریلی کے پیر طریقت حضرت مولانا قمر رضا خان نے یہ پہلی اینٹ اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ تعلیم جو مسجد میں پہلے سے ہی رائج تھی۔ اب مدرسہ میں ہونے لگی۔

تعمیر اور تعلیم دونوں کا کارواں روبہ عروج ہے۔ جب جامعہ کے کمرے بن گئے۔ تو طلبہ کی تعداد بڑھادی گئی اور درس نظامیہ کا شعبہ قائم کر دیا گیا۔ مکتبی تعلیم اور درجہ حفظ بدستور جاری رہا۔ اب یہ ۲۰۱۱ء میں موجودہ اسٹاف چھ ہے۔ اقامتی طلبہ کی تعداد ساٹھ سے اوپر ہے۔ مقامی طلبہ کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔ عربی درجے، معیار تعلیم خامسہ تک ہے۔ حضرت مولانا محمد ابرار رضا ممتاز صاحب کی تشریف آوری سے جامعہ اسلامیہ کے نظام تعلیم میں چار چاند لگ گیا ہے۔ دارالافتا اور لائبریری کا قیام علامہ سہیل احمد صاحب اسی برس عمل میں لانے والے ہیں۔ ہر سال 'فیضان علم کانفرنس' کے نام سے جلسہ کراتے ہیں۔ نامور خطبا مدعو ہوتے ہیں۔ مشائخ اہل سنت بھی زینت اجلاس ہوتے ہیں۔ شعبہ حفظ کے کامل التکمیل طلبہ کی دستار بندی کرتے ہیں۔ اس کے ایک اجلاس کی سرپرستی امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں مدظلہ نے بھی کی ہے۔

تعلیم اور تعمیر کے حوالہ سے سہیل صاحب کا یہ وہ اہم کارنامہ ہے۔ جو ماتھے کی کھلی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ عظیم کام، جو ذہن سازی کا کیا ہے، وہ ان کا دوسرا بڑا کارنامہ ہے۔ تعلیمی اور مذہبی امور میں جہاں ان سے ہزاروں افراد جڑے ہوئے ہیں۔ سیاسی اور سماجی معاملات میں بھی لاکھوں لوگ ان کی رائے اور رہنمائی کے محتاج ہیں۔ یہ ایک ایسی فیلڈ ہے۔ جو بڑی طاقتور ہے۔ سہیل صاحب نے اس فیلڈ میں بھی اپنا مضبوط وجود بنالیا ہے۔ اس اثر ورسوخ سے وہ جہاں اپنی قوم، اپنی جماعت کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ وہیں دوسری قوم اور دوسری جماعت بھی فائدہ اٹھا رہی ہے۔

مثلاً پانی کے نل لگوانا، گلیوں کی سڑکیں بنوانا، زیر تعمیر رہائشی مکانوں کی قانونی رکاوٹ دور کرنا، تہواروں کے وقت مخلوط آبادی کے نظم ونسق میں مدد کرنا، پولیس اور عدالت کے معاملات دیکھنا، سلجھانا، لاچار بیماروں کی عیادت کرنا اور دوا علاج کی سبیل پیدا کرنا، شادی بیاہ کی مشکلات میں ہاتھ بٹانا، فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، اس حوالہ سے انہوں نے ایسی شہرت اور مقبولیت حاصل

کرلی ہے کہ جہاں مسلمان انہیں اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں، وہیں غیر مسلم بھی ان کو اپنا بہی خواہ گردانتے ہیں۔ صوفیا خدمت خلق کو اپنا مشن سمجھتے تھے۔ اسی راہ سے وہ ہر کسی کا دل جیتتے تھے۔ سہیل صاحب نے خدمت خلق کی وہی راہ اپنائی ہے۔ اس لئے وہ جہاں ایک متصلب سنی راسخ عقیدہ عالم دین کی حیثیت سے معروف ہیں۔ وہیں وہ دردمند رہنما کی صورت میں بھی مشہور ہیں۔

تقریر وخطابت کے حوالہ سے ان کی پورے ہندوستان میں دھوم تھی اور ہے۔ کوئی ایسی ریاست اور کوئی ایسا شہر نہیں، جہاں وہ بلائے نہ گئے ہوں اور ان کی تقریر نہ ہوئی ہو۔ سرزمین دہلی میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا، ان کی جادو بیانی، طلاقت لسانی اور سحر خطابت کا ہی کرشمہ ہے۔ سہیل صاحب خطیب ہیں، مگر پیشہ ور نہیں ہیں۔ پیشہ ور لوگ اپنی دیکھتے ہیں، قوم کی نہیں دیکھتے۔ مردہ جنت جائے یا جہنم۔ ان کو محض حلوہ مانڈہ چاہیے۔ خطیب الہند سہیل صاحب نے اپنی ضرور دیکھی، لیکن ساتھ ہی قوم کو بھی دیکھا۔ نتیجہ میں قدرت نے دیکھ لیا اور انہیں نواز دیا۔ اب لوگ رشک کرتے ہیں۔ جب کہ حسد پیشہ لوگ تو حسد ہی کریں گے۔ اچھا ہوا، آج وہ محسود ہیں، حاسد نہیں۔ حدیث میں فضیلت محسود کی ہی بتائی گئی ہے، حاسد کی نہیں۔ بلکہ حاسد کے لئے وعید آئی ہے۔

سہیل صاحب میں دین کا بڑا درد ہے۔ اسی درد نے انہیں پروان چڑھایا۔ انہوں نے بتایا، سنی اکابر ومشائخ نے جتنی توجہ بمبئی وغیرہ پر دی، اتنی توجہ دہلی پر نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کا عوامی طبقہ غیروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ یہ طبقہ موروثی طور پر سنی تھا اور ہے۔ اب محنت ہو رہی ہے، توجہ دی جارہی ہے، پردہ اٹھتا جارہا ہے۔ علمی سطح پر دینی رسالوں اور کتب خانوں نے اچھا کام کیا ہے۔ دانشورانہ سطح پر بھی آج اچھی گرفت ہے۔ لیکن عوامی حلقوں میں جو آج اہل سنت کی بہار نظر آرہی ہے، وہ بڑی شخصیات کی کم، چھوٹے مولویوں کی کمائی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مولوی آبادیوں میں اترے، ٹیوشن پڑھانا شروع کیا، مسجدیں پکڑیں، امامتیں کرنے لگے۔ مکتبوں اور مدرسوں کا جال بچھا دیا۔ تقریر وخطابت کے سلسلہ وار جلسے آراستہ کیے۔ قلب دہلی میں مفتی محمد ثمر میاں اور مفتی محمد مکرم کی موجودگی نے اپنے اثرات چھوڑے، مدرسے قائم ہیں، سیکڑوں مسجدیں اپنی ہیں۔ اہل سنت کے افراد اب فخر سے سر بلند کیے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود روز افزوں بڑھتی آبادی اور نئے تقاضے کے پیش نظر مزید محنت کی ضرورت ہے۔

سہیل صاحب کی نظر جہاں مذہبی ماحول پر ہے، وہیں عصری ماحول پر بھی کڑی نظر رکھتے ہیں۔ دینی تعلیم کے ساتھ وہ جدید تعلیم کے بھی قائل ہیں۔ دہلی میں اسکولی ٹائم ٹیبل ایسا ہے کہ

طلبہ دونوں نصاب بہ یک وقت پڑھ سکتے ہیں۔ مورننگ شفٹ طالبات کے لئے مخصوص ہے۔ جب کہ دوپہر میں سیکنڈ شفٹ طلبہ کے لئے مختص ہے۔ یوں بچے صبح دینی تعلیم اور دوپہر کو عصری تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سہیل صاحب نے اپنے قابل ذہین طلبہ کو دونوں تعلیم دلوار ہے ہیں اور اس کے لئے راہ ہموار کر تے ہیں۔

بریلی ہمارا مرکز ہے، سہیل صاحب کو بریلی سے بہت پیار ہے۔ بریلی کی گلیاں ان کو پھلواریاں معلوم ہوتی ہیں۔ وہاں کے ذروں کو وہ آنکھوں کا سرمہ سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ذکر وردزباں رہتا ہے۔ جہاں جاتے اور بیٹھتے ہیں، اپنا کامل تشخص برقرار رکھتے ہیں۔ بریلی وہ بارہا گئے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں وہ یہ سفر بطور خاص کیا اور تاج الشریعہ حضرت مفتی شاہ محمد اختر رضا ازہری میاں مدظلہ سے بیعت ہو کر غلامی کا پٹہ ہمیشہ کے لئے اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اب وہ اسی خمار سے مخمور ہیں۔ اسی سرور سے سرشار ہیں۔

سہیل صاحب، صاحب قلم بھی ہیں۔ انہوں نے بتایا، اجمل العلوم کے دوران قیام 'فتاویٰ اجملیہ' کی ترتیب وتہذیب انہی کا کارنامہ ہے۔ بعد میں یہ کتاب کسی اور کے نام سے چھپی۔ یہ حادثہ ان کے ساتھ کوئی پہلا حادثہ نہیں ہے۔ پرانے زمانے میں بھی ایسا ہوا ہے۔ اب بھی ہو رہا ہے۔ یہ قلمی اور تحریری اسکنڈل ہے۔ اس نوعیت کے کئی اسکنڈل میرے علم میں ہیں۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ سہیل صاحب تدریس میں غرق رہے، بعد میں خطابت میں غوطہ زن ہو گئے۔ پھر تو ان کی لائف لائن کچھ یوں صبا رفتار ہو گئی کہ قلم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ امید ہے کہ عمر کے اخیر حصہ، جب ہر طرح مطمئن ہو جائیں گے، میں اس جہت سے بھی کچھ نہ کچھ نقش حسین چھوڑیں گے۔

سہیل صاحب نے ۱۹۹۲ء میں 'النکاح من سنتی' پر عمل کیا۔ سسرال وہی سنبھل ہے۔ جہاں انہوں نے پڑھا بھی اور پڑھایا بھی، بیوی حسن صورت اور حسن سیرت دونوں کا مجموعہ ہے۔ یہ یوپی کی بیٹی بہار کی بہو بن کر بہار میں بھی کھپ جاتی ہے۔ دہلی تو خیر دہلی ہی ہے۔ سہیل صاحب اور ان کی اہلیہ کی گود پانچ اولادوں سے بھری ہوئی ہے۔ دو قطب مینار ہیں۔ تین تاج محل ہیں۔ اچھے اچھے پیارے پیارے نام یہ ہیں۔ ا۔ حسنین رضا قادری۔ ۲۔ ثقلین رضا قادری۔ ۳۔ راحت فاطمہ۔ ۴۔ ندرت فاطمہ۔ ۵۔ نصرت فاطمہ۔ سب زیر تعلیم ہیں۔ خدا اسدا ہرا بھرا رکھے اس چمن کو۔

☆ ☆ ☆

طوطیٔ بنگال
حضرت علامہ احمد حسین نوری

میں نے اشاعتی کام ۱۹۹۰ء سے شروع کیا۔ اپنے اسلاف واکابر، خصوصاً اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں، جو اردو، ہندی انگریزی میں چھپتی اور بٹتی تھیں۔ اس دور میں تقریباً تیس پینتیس کتب ورسائل شائع ہوئے۔ بیسویں صدی کے اختتام پر میں نے خود لکھنے کی مشق شروع کی اور میرے مضامین رسائل وجرائد میں چھپنے لگے۔ ۲۰۰۰ء کے بعد جب تحقیقی سیریز شروع ہوئی، تو قارئین وقدردانوں کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ ۲۰۰۸ء/ ۲۰۰۹ء میں ہم نے سیمانچل پر تحقیقی کام کا آغاز کیا اور اس خطے کے صوفیا ومشائخ اور ادبا وشعرا کو متعارف کرانے کا بیڑا اٹھایا، تو سیمانچل ہی نہیں، پورے ملک سے باشعور قدرشناسوں کی ایک بڑی تعداد سامنے آئی۔ انہیں میں حضرت مولانا محمد ذاکر حسین صاحب بھی تھے۔ ۲۰۰۱۱ء میں ہم نے گوڑ، پنڈوہ اور کلیا چک، مالدہ کا دورہ کیا۔

پنڈوہ شریف ہی میں مولانا خالد کمال مصباحی سے شناسائی ہوئی۔ وہ ایک اچھے مدرس بھی ہیں اور عمدہ شاعر بھی۔ 'کاملانِ پورنیہ' جلد اول انہوں نے پڑھ رکھی تھی۔ ادھر میں اس کی دوسری جلد کی تیاری میں لگا ہوا تھا اور وہ یعنی مولانا خالد کمال اپنے والد گرامی حضرت علامہ احمد حسین صاحب نوری پر ایک خصوصی نمبر کی تیاری میں تھے۔ یہی صاحب کمال مولانا کمال نے مجھے اپنے والد کا ایک بائیوڈاٹا اور ایک خودنوست بھیجی اور فرمائش کی کہ میں ایک مضمون ان کے والد گرامی پر لکھ دوں۔ وہی خودنوشت آج کام آرہی ہے اور نذر قارئین کی جارہی ہے۔ البتہ بائیوڈاٹا کی روشنی میں چند باتیں اخذ کرکے درج کی جارہی ہیں، جن کا ذکر خودنوشت میں ذرا مبہم سا ہے۔

طوطیٔ بنگال کی ولادت یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم گلشن حبیب دیکھل گاؤں، موجودہ بنگلہ دیش اور دارالعلوم عارفیہ چنامنا میں زانوئے تہہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مرادآباد بریلی شریف کا دورہ کیا۔ فراغت منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ اساتذۂ کرام ذیل کی نامور شخصیات قابل ذکر ہیں۔

۱: پدر بزرگوار منشی محمد تعظیم الدین بن منشی محمد حصیرالدین مرحوم، ۲: استاذ العلما نصیر ملت حضرت

شاہ محمد نصیر الدین اشرفی پورنوی علیہ الرحمہ، ۳: امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی علیہ الرحمہ، ۴ شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی پورنوی علیہ الرحمہ، ۵. بحر العلوم حضرت سید شاہ افضل حسین مونگیری علیہ الرحمہ، ۶ محدث عصر حضرت علامہ محمد احسان علی مظفر پوری علیہ الرحمہ، ۷ حضرت مفتی محمد جہانگیر حسین علیہ الرحمہ

رفقائے درس میں حضرت علامہ محمد عبد الخالق نوری پورنوی سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۶۷ء سے ۲۰۱۲ء تک اپنے ہی علاقے دار العلوم اشرف العلوم لکھی پور بازار میں ثانیہ تک کی تعلیم دی۔ ساتھ ہی تقریر و خطابت کا بھی مشغلہ جاری رہا۔ پیر طریقت سید شاہ مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی، شیخ الاسلام علامہ محمد مدنی میاں کچھوچھوی، شیخ اعظم سید شاہ محمد اظہار اشرف کچھوچھوی، مجاہد دوراں سید شاہ محمد مظفر حسین کچھوچھوی، غازی ملت علامہ سید محمد ہاشمی اور خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہم الرحمہ کے ہمراہ بنگال و بہار اور نیپال کا تبلیغی و اصلاحی دورہ کیا۔

اس کے علاوہ تنظیم و تحریک سے بھی آپ کی وابستگی رہی۔ تنظیم اصلاح المسلمین رام گنج بازار کے آپ نائب صدر رہے۔ رویت ہلال کمیٹی کے آپ ہی محرک تھے۔ تحریک اصلاح معاشرہ کے آپ سرپرست تھے۔ فراغت کے بعد سے آپ نے جمعہ و عیدین کی امامت بھی کی۔ یہ دورانیہ عرصہ کوئی پینتالیس پر محیط رہا۔ دعا و دم و تعویذات اور جھاڑ پھونک میں بھی بے حد تاثیر تھی۔ اس صیغہ سے بھی آپ نے خدمت قوم کا فریضہ انجام دیا۔ بیعت و خلافت کا شرف حضرت سید شاہ مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے حاصل تھا۔ نومبر ۲۰۰۷ء میں آپ نے حج و زیارت کا مقدس سفر کیا اور مناسک حج ادا کیے۔ سب سے بڑا کارنامہ آپ کا رد بدمذہباں ہے۔ انتہائی متصلب سنی صحیح العقیدہ تھے۔ بدمذہبیت کے ناسور سے معاشرہ کو پاک رکھنے کے لئے آپ نے ان تھک جدو جہد کی۔ بلفظ دیگر آپ مسلک اعلیٰ حضرت کے سخت پابند تھے اور اسی کے مبلغ و پرچارک بھی۔ عمر طبعی گزار کر آپ کا وصال دہلی میں ہوا، جہاں آپ بغرض علاج تشریف لے گئے تھے۔ دہلی سے لاش ان کے وطن لائی گئی اور ان کے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

شادی بی بی مومنہ خاتون سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس اولادیں عطا فرمائیں۔ سات بیٹے اور تین بیٹیاں۔ جن کے اسمایہ ہیں۔ صاحب زادے [۱] فضل حق ربانی [۲] مشتاق احمد نورانی [۳] خالد کمال نعمانی [۴] قیصر محمود [۵] غلام یزدانی [۶] انجم عرفانی [۷] محمد عبد المنان اور صاحب زادیاں

[۸]قدسیہ بانو[۹] رابعہ خاتون[۱۰] رضوانہ فردوس۔ سبھی دینی وعصری تعلیم یافتہ ہیں اور شادوآباد ہیں۔
اب آیئے، ان کی خودنوشت پڑھیے، جو ہمیں ان کے صاحب زادے حضرت مولانا خالد کمال مصباحی نے ارسال کیا ہے۔ جو 'اظہار حقیقت مبنی بر حقیقت' کے عنوان سے ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

'تحدیث نعمت کے طور پر اظہار حقیقت جائز ہی نہیں، بلکہ مستحق اجروخوش نودیٔ رب العالمین بھی ہے۔ ارشاد ہے: واما بنعمة ربک فحدث۔ اورُ واشکروا الی ولا تکفرون. ہمارا خاندانی بیک گراؤنڈ دولت وثروت کے اعتبار سے لمبا چوڑا نہ سہی، البہ علم وفضل، امامت وقیادت، روحانی و جسمانی عبادت کے اعتبار سے شروع ہی سے مرجع خلائق رہا ہے۔ میرے دادجان محمد حصیرالدین، کہنے کو تو منشی تھے، مگر پابند صوم وصلوٰۃ، ذکرواذکار، تسبیح وتہلیل، اوراوراد ووظائف میں اس وقت اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انہیں خصوصیات کی بنیاد پر علاقے کے لوگ دعا وتعویذ، جھاڑ پھونک کے لئے آپ ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ امامت وقیادت کی باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی اور تاحین حیات اس کو خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔

آپ کے بعد آپ کے ولد عزیز منشی محمد تعظیم الدین نے اپنے پدر بزرگوار کی حق جانشینی خوب بڑھ کر نبھائی۔ موصوف علم وعمل کے ساتھ روحانی طبیب اور ہومیو پیتھ کے تجربہ کار ڈاکٹر تھے۔ ڈاکٹری ہی کی وجہ سے دور دور تک ان کا دورہ ہوتا تھا۔ صبح کو نکلتے ،شام کو گھر لوٹتے۔ کامیاب معوذ، اسپیشلسٹ ڈاکٹر ہونے کی بنیاد پر علاقے میں سخت پکڑ تھی۔ پوری عمر امامت کی ذمہ داری نبھائی۔ رعب ودبدبہ کا یہ عالم تھا۔ بچے بوڑھے، امیر غریب، مرد عورت یکساں عزت کرتے تھے۔ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کسی بھی نزاعی معاملہ میں آپ کا وقول، قول فیصل ہوتا تھا۔

اسی خاندانی روایت کو برقرر رکھتے ہوئے مجھے تن من دھن کی

قربانی پیش کر کے مجھے پڑھایا، لکھایا۔تہذیب وتمدن کی تعلیم دی۔
ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد بنگلہ دیش، مرادآباد، بریلی شریف سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ۱۹۶۷ء میں دستار فراغت پائی۔فراغت کے بعد تدریسی خدمت کے لئے یوپی کے مختلف اضلاع سے بلاوا آیا۔ مگر والد گرامی کا حکم تھا کہ علاقہ گمراہ ہو رہا ہے۔اس لئے علاقے میں رہو۔تمہاری اعلیٰ تعلیم کے پیچھے میری تمنا تھی کہ علاقے کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور پھر یہ کہ میرا بوڑھاپا ہے۔اس کا سہارا ابھی تم ہی ہو۔آخر کار آبا واجداد کے عشق ومحبت کی راجدھانی پر ہی قناعت کرنی پڑی۔

اس وقت سے آج تک ۴۴ رسال سے علاقے کی خدمت پر مامور ہوں۔ درس و تدریس، تقریر و تبلیغ، امامت و قیادت میرا میدان رہا۔تدریس وامامت کا دائرہ علاقہ ہی تک محدود رہا۔تقریر وتبلیغ کے لئے بیرون ممالک بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال، ملک کے اندر دہلی، بنگال و بہار کے مختلف خطے پورنیہ، کشن گنج، کٹیہار، کلکتہ، مالدہ، اسلام پور، سلی گوڑی، دارجلنگ، جلپائی گوڑی وغیرہ جگہوں پر بارہا جانا ہوااور ہر بار کامیاب تقریر وتبلیغ ہوئی۔جن مبلغین و پیران طریقت کے ساتھ دورہ رہا،ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔علامہ مشتاق احمد نظامی، مجاہد دوراں علامہ مظفر حسین، اشرف الاولیا علامہ ومولانا الحاج سید محمد مجتبیٰ اشرفی وجیلانی، شیخ اعظم علامہ سید اظہار اشرف علیہم الرحمہ، شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں، غازی ملت علامہ سید ہاشمی میاں، اشرف الاولیا کے بنگال کے اکثر دوروں کا دست راست اور چہیتا خطیب تھا۔

مگر کل اور آج کی تبلیغ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔کل مدارس ومساجد کا وجود نہیں تھا۔کہیں کہیں پر وقتیہ مسجدیں تھیں۔

جہاں پر معدودے چند افراد نماز ادا کرتے تھے۔ مجالس میلاد کا خاطر خواہ قیام نہیں تھا اور دیگر اسلامی جائز رسومات کا حال اور بھی برا تھا۔ ایک زمانہ تک ہم لوگ بھی اسی طرح تبلیغ و ارشاد کا کام کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ہم نے جو پریشانیاں اٹھائیں، وہ اپنی سخت کوشی و جفاکشی میں اس طرح معلوم ہوتی ہیں کہ کل کی بات ہے۔ علاقے کے با اثر سنی صحیح العقیدہ لوگوں کے ساتھ مہینہ بھر کا پروگرام خود ہی ترتیب دیتے۔ بن بلائے خود ہی علاقوں میں پہنچ جاتے۔ رات بھر ہدایت و نصیحت، وعظ و تقریر ہوتی رہتی۔ پھر صبح پا پیادہ یا سائیکل سے گھر لوٹ جاتے۔ آہ! کتنی پر خلوص تھی وہ تبلیغ۔ نہ دان پانی کی طلب، نہ نذرانہ کی خواہش۔ نہ مائک، نہ الیکٹرک لائٹ، رب کی بارگاہ میں سراسر قربانیاں تھیں ہماری۔ آج جب وہ دن یاد آتے ہیں، تو آنکھوں میں پانی اتر آتا ہے۔ کچھ لوگ یوں ہی نماز کے پابند ہو گئے۔ باقی ڈھیٹ قسم کے لوگوں کو زجر و توبیخ کے ذریعہ بھی پابند صلوٰۃ کیا گیا کہ اگر نماز کے پابند نہ ہوئے، تو تمہارے یہاں میلاد نہیں کریں گے۔ میت ہوگی، نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ یعنی یوں کہیے کہ سوشل بائیکاٹ کی دھمکی دی گئی۔ اس دھمکی کا بھی اچھا اثر ہوا۔

دل کی سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں پر طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

الغرض آج جو علاقے میں سماجی باغ و بہار ہے، مدارس و مساجد ہیں، تحریکیں و تنظیمیں ہیں، اسی دور کی یادگار ہیں۔ بلا مبالغہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ آج علاقہ میں علما و فضلا کی، جو جماعت نظر آ رہی ہے، وہ زیادہ تر میرے یا میرے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ رب العالمین کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے کہ اس نے میرے ایثار اور قربانی کا دنیا ہی میں خوب بدلہ دے دیا۔ ہارڈ کی تکلیف میں بدحال ہوا، تو جماعت کے لوگوں نے ہی

میڈیکل میں ایڈمٹ کیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ پیس میکر مشین لگانی پڑے گی، جس کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ پڑے گا، تو ان لوگوں نے ہی پوری رقم ادا کی اور مجھے خبر تک نہ ہونے دی۔ ان احسان مندوں نے ہی مجھے زیارت حرمین شریفین کے لئے بھیجا۔

صحیح یہ ہے کہ میری طویل خدمات کے اعتراف میں سلور جوبلی، گولڈن جوبلی نہیں ہوا اور نہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ مگر دکھ درد وں اور کٹھن مرحلوں میں جس طرح ان لوگوں نے ساتھ دیا، وہ مذکورہ اعزازات و اکرامات سے کم نہیں۔ آج بھی ذرا سی طبیعت بگڑتی ہے، تو پوری جماعت بے چین ہو اٹھتی ہے اور عیادت کرنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ میں نہ رب العالمین کا کما حقہ شکریہ ادا کر سکتا ہوں اور نہ احسان مندوں کے احسانات کا بدلہ دے سکتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کو جس حال میں رکھے، اس کا شکریہ ہم پر واجب ہے۔ البتہ دعا گو ہوں کہ خدائے برتر و بالا ہمارے سماج کے لوگوں کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

اپنی خاندانی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے میں نے خالد کمال کو اونچی تعلیم دی۔ اچھی تہذیب وتربیت کی ہر ممکن کوشش کی۔ بہت ساری توقعات وابستہ رکھا۔ ماشاء اللہ، توقعات سے کہیں زیادہ اس نے کر دکھایا۔ آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری سب اولاد کی عمر و عمل میں برکتیں اور وسعتیں عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو بھی اسی طرح دین متین کی خدمات کرنے کی توفیق بخشے۔ یہی ہمارے لئے دولت وثروت اور توشۂ آخرت ہے۔

☆ ☆ ☆

اچھے عالم، عمدہ شاعر
حضرت مولانا محمد مبارک رضوی

زمیں زرخیز ہو، تو فصل خوب اگاتی ہے۔ زمین شور فصل تو کیا، جھار جھنکار بھی نہیں اگاتی۔ یوں ہی ذہن کا حال ہے۔ بیدار ذہن خال خال پیدا ہوتا ہے۔ قدیم پورنیہ بڑا خوش نصیب خطہ ہے۔ زمین بھی زرخیز ہے کہ یہ دوسرا پنجاب ہے۔ ذہنی توانائی میں یہ خطہ اپنا جواب نہیں رکھتا ہے۔ یہ دوسرا کوفہ و بخارا، روم ایران ہے۔ اس کی اپنی صبح ہے، اپنی شام ہے۔ تہذیب ومعاشرت بھی اس کی اپنی ہی ہے، نہ کہ عاریۃً نہ اجارۃً۔ خودی وخودداری میں بھی یہ دھرتی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ جو کم نسل، کم ظرف اور بے ضمیر ہوتے ہیں، اپنی رسوائی اپنے ہاتھوں کماتے ہیں۔ اس قماش کے کچھ لوگوں نے بھی اس خطہ کو بھی رسوا کر دیا ہے۔ یہ اپنا چند روزہ بھلا تو کرتے ہیں، مگر سب کے دامن پر بٹا لگاتے ہیں۔ لیکن یہ ایسی بات نہیں، جو صرف پورنیہ ہی کے ساتھ خاص ہو، یہ بات تو ہر قوم، معاشرہ، علاقہ میں پائی جاتی ہے۔

محمد مبارک اسی زرخیز زمین کی پیداوار ہیں۔ زرخیز ذہن لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ پیدائش نانیہالی بستی میں ہوئی ہے، یہ بستی ہرے بھرے کھیتوں سے گھرا، پروان ندی کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ یہ بستی نہایت نامی گرامی ہے۔ اہل علم کی بستی ہے۔ عرفی، انوری یہاں آتے، تو شادکام ہوتے۔ مبارک کی دادیہالی بستی چکلہ ہے، جو اسی بائسی تحصیل میں ہے۔ کھپرا کی پیدائش ہے۔ کھپرا کی رہائش ہے۔ والد شیخ زین الدین سسرال آکر رک گئے تھے۔ محمد مبارک یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ تاریخ پیدائش ۱۱ جنوری ۱۹۶۴ ہے۔ فی الوقت پچاس برس کی عمر ہے۔ اب ان کو گولڈن جبلی منانا چاہیے۔

دنیا کی انمول مخلوق اور نعمت ماں ہے۔ ماں کی آغوش اولین تربیت گاہ ہے۔ جنت دور کہاں، ڈھونڈنے کیوں جایئے۔ ان کے قدم تلے جنت کمایئے۔ محمد مبارک کی ماں ہزاروں میں ایک رہی ہوں گی۔ محمد مبارک نے ابجد خوانی انہیں سے سیکھی ہے۔ قاعدہ، قرآن گاؤں کے مکتب میں پڑھا اردو، فارسی کا درس بھی انہوں نے یہیں سے لیا۔ فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ شرفیہ چکلہ میں جا بیٹھے۔ عربی کی ابتدا بھی یہیں ہوئی۔ بہتر تعلیم کی تلاش میں وہ مدرسہ محی الاسلام آئے۔ جو چکلہ سے اتر چند قدم پر ہے۔ مدرسہ محی الدین بجرڈیہہ میں انہوں نے متوسطات تک پڑھی۔ یہاں ان کو بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اب جو کچھ قد نکل آیا، تو قد آور بننے کا سپنا آنے لگا۔ اس سپنے کی تعبیر

کہیں اور تھی۔ رخت سفر باندھا۔ گھر سے نکل پڑا۔ بریلی پہنچ کر سامان سفر کھولا۔ منظر اسلام کے وہ طلبہ جوان کے ہم درس تھے۔ ان کی صف میں جا بیٹھا۔ ۱۹۸۳ء کی یہ بات ہے۔

محمد مبارک کا پورا خاندان رضوی ہے۔ انہیں یہ نسبت عزیز بھی تھی اور مطلوب بھی۔ بریلی کا علمی ماحول، عرفانی فضا، روحانی روز وشب، کشش بڑھ گئی۔ کرنٹ لگ گیا۔ عقیدت کا مارا یہ تپش برداشت نہ کرسکا۔ شمع کے سامنے پروانہ کب تک صبر کرسکتا ہے۔ اس کی فطرت ہے کہ فوراً نثار ہو جائے۔ نامی گرامی مرشد کے قدموں پر نثار ہوگیا۔ صبر و سکون میسر آ گیا۔ یہ مرشد گرامی ہیں تاج الشریعہ حضرت شاہ اختر رضا ازہری میاں۔ یہ مرشد، مرشدوں کے مرشد ہیں۔ مخدوموں کے مخدوم ہیں۔ علم عرفان، وجاہت وشوکت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ بیعت وارادت یہ واقعہ مبارکہ ۱۹۸۶ء کا ہے۔

شگوفہ، شگوفہ نہیں رہتا، کھل کر پھول بنتا ہے۔ بچہ، بچہ نہیں رہتا، بڑھ کر جوان ہوتا ہے۔ محمد مبارک رضوی جب بائسی سے چلا تھا، تو بچہ تھا۔ ناتراشیدہ پتھر تھا۔ اب جو تراش خراش ہوئی، چمک کر ہیرا بن گیا۔ کھیتی تیار ہوتی ہے۔ تو فصل کاٹی جاتی ہے۔ ہیروں کی نمائش ہوتی ہے۔ محمد مبارک رضوی کی نمائش کا وقت بھی آ پہنچا۔ جشن دستار فضیلت کی صورت میں ان کی نمائش ہوئی۔ کورا تھا، کڑا ہو گیا۔ کھر درا تھا، کھرا ہو گیا۔ ناقص تھا، کامل ہو گیا۔ تکمیل تعلیم کا یہ خوبصورت منظر ۱۹۸۸ء میں پیش آیا۔ محمد مبارک اب محض محمد مبارک نہیں تھا۔ حضرت مولانا محمد مبارک رضوی صاحب بن کر قوم کے سامنے آیا۔

جن اساتذہ نے ان کی شخصیت کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا اور جن کی مشفقانہ تربیت پر ان کو ناز ہے۔ وہ یہ ہیں: منشی محمد تصنیف حسین رضوی، منشی محمد سلیم الدین، حضرت مولانا عبد القادر رضوی، حضرت مولانا قمر الدین رضوی، حضرت مفتی محمد طیب رشیدی اور حضرت مفتی محمد طاہر حسین رضوی، حضرت مفتی محمد حسن منظر قدیری، حضرت علامہ عبد الخالق رضوی، حضرت علامہ محمد نعیم الدین خان رضوی، حضرت علامہ سید شاہ محمد عارف حسین رضوی۔

گل شگفتہ ہوتا ہے، تو فضا مہکتی ہے، گھٹا چھاتی ہے، تو کھیتی سیراب ہوتی ہے۔ مولانا محمد مبارک اب شگفتہ پھول تھے۔ برسنے والی گھٹا تھے۔ جب سے فارغ ہوئے ہیں، مہک رہے ہیں۔ برس رہے ہیں۔ امامت وخطابت، تعلیم وتدریس اور شعر وشاعری ان کا مشغلہ ہے۔ یہ مشغلہ محبوب بھی ہے اور معشوق بھی۔ بریلی میں پڑھے۔ بریلی میں پڑھائے۔ دہلی میں پڑھائے، ایم پی اور چھتیس گڑھ میں پڑھائے۔ اب اڑیسہ میں پڑھا رہے ہیں۔ محفل محفل شاعری سناتے ہیں۔ مجمع مجمع خطابت کی کرسی سنبھالتے ہیں۔ شاندار شاعری اور عمدہ خطابات سنا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں۔ خطابت اور شاعری کچھ ایسی دل آویز ہے، جو انہیں ہر دم

آمادۂ سفر اور پا بجولاں کئے رہتی ہے۔قدم رکتا نہیں۔بستر کھلتا نہیں۔
جوانی آئی ہے، تو امنگوں کی بارات لاتی ہے۔شادی سنت بھی تو ہے۔نیت سے عمل کی نوعیت بدل جاتی ہے۔علامہ محمد مبارک نے اس سنت پر عمل کیا، تو 'النکاح من سنتی' سمجھ کر کیا۔حیوانی، شہوانی، نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں۔۱۹۹۳ء میں شادی ہوئی۔ اب تک گلشن حیات میں پانچ پھول مسکرائے۔ایک مرجھا گیا۔تین بیٹے، ایک بیٹی حیات ہیں۔ابھی زندگی باقی ہے، تو رنگ زندگی بھی برقرار ہے۔خدا سدا خوش رکھے اس چمن کو۔
علامہ مبارک رضوی ایک کامیاب مدرس ہیں۔کہیں مدرس بنتے ہیں۔کہیں صدر مدرس ہوتے ہیں۔کار تدریس عبادت جان کر انجام دیتے ہیں۔وہ ایک بہترین خطیب بھی ہیں۔ خطابت ان کا پیشہ نہیں، تبلیغ کا ذریعہ ہے۔جو کچھ مل جائے اجرت نہیں کہ وہ اجیر نہیں، یہ نذر ہے یا پھر بونس ہے۔بنگال، بہار، یوپی، مدھ پردیس، چھتیس گڑھ، گجرات اور مہاراشٹرا میں خلق خدا کی اصلاح ہوتی ہے۔کیا ان کی زنبیل میں جگہ ہے۔اتنی نیکیاں وہ کہاں رکھیں گے۔ خدا کرے یہ سفر جاری رہے اور مرحلہ شوق طے نہ ہو۔
بہترین مدرس، کامیاب مقرر تو وہ ہیں ہی، اس کے علاوہ ایک طالع آزما مصنف بھی ہیں۔عمدہ ادیب و قلم کار بھی ہیں۔لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، لکھنے کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ کوئی تصنیف یا تحقیق تو فی الوقت سامنے نہیں، مگر ان کی فہرست کتب میں یہ اسمائے کتب جھلملا رہے ہیں: (۱) متاع بخشش، مطبوعہ، شعری تصنیف، (۲) شہنشاہ چھتیس گڑھ، مطبوعہ، نثری تصنیف، (۳) سلسلہ نور کا، مطبوعہ، شاعری، (۴) بریلی تجھے سلام، مطبوعہ، شاعری، (۵) مہک، غیر مطبوعہ، شاعری، (۶) سفر نامہ بائسی، مطبوعہ، شاعری، (۷) تعبیر الحیوان، غیر مطبوعہ، نثری تصنیف، (۸) ایمان کی حقیقت، غیر مطبوعہ، نثری تصنیف۔
حضرت علامہ محمد مبارک رضوی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔بڑے اوصاف کے حامل ہیں۔سب سے بڑا وصف ان کا ان کی شاعری ہے۔یہ شاعری نہیں، ساحری ہے۔مجمع سانسیں روک کر سننے پر مجبور ہوتا ہے۔سامع کو مٹھی میں لے لینا ان کا کمال ہے۔شاعری کسبی نہیں، فطری ہوتی ہے۔شاعر کوئی بنتا نہیں، پیدا ہوتا ہے۔محمد مبارک رضوی جب پیدا ہوئے تھے، تو ان کے اندر کا شاعر پیدا ہو چکا تھا۔یہ شاعر خالص دیہاتی ماحول میں پرورش پاتا رہا۔پلتا، بڑھتا رہا۔جب وہ جوان ہوئے، تو وہ پوشیدہ شاعر بھی چپکے چپکے جوان ہو چکا تھا اور گھر آنگن، بیٹھک و بازار، کھیت کھلیان اور شعر و شاعری کے دیوان و ایوان میں گنگنانے لگا تھا۔
ان کے شیخ طریقت شاہ محمد اختر رضا ازہری، جب بائسی تشریف لاتے، تو تاریخی جلسے تو ہوا

ہی کرتے تھے۔ شعری بزم بھی خوب برپا ہوتی تھی۔ جم کر شاعری ہوتی تھی۔ ازہری میاں شہ نشین ہوتے۔ ارباب فن شریک بزم رہتے۔ امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، مفتی حسن منظر قدیری، مولانا رحمت حسین کلیمی، مولانا عبد العزیز رضوی، مولانا امام مظفر رضوی، یہ تمام اساطین علم وادب موجود ہوتے، نعتیں اور نعتیہ غزلیں پڑھی جاتیں۔ مفتی حسن مظفر قدیری، جو شعروسخن کے صنادید سے ہیں، انہیں ازہری میاں نے فرمائش کی کہ کوئی کلام سنائیں۔ فرمائش کی تکمیل کی، تو محفل زعفرازار بن گئی۔ اس نورانی کیف زا محفل میں مولانا مبارک موجود تھے۔ اہل فن کی فنکاریاں دیکھ کر مبارک صاحب کے اندر سویا ہوا شاعر کسمسا اٹھا۔ اس شاعر خفتہ کے بیدار ہونے کا یہ پہلا لمحہ تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا، جب مبارک بالکل بچہ تھا، وہی بچہ شاعر ہمکنے لگا، تک بندیاں ہونے لگیں۔ شاعری رینگنے لگی۔ یہ بائسی کی بات تھی۔

۱۹۸۳ء میں اس شاعر نے بائسی چھوڑا اور بریلی پہنچا۔ یہاں اس کو وسیع علمی وادبی ماحول ملا۔ ادبا وشعرا کی صحبت ملی، تو وہ رینگتا، گھیٹتا شاعر گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ مفتی اعظم ہند کے صحن کاشانہ میں نعتیہ مشاعرہ ہوا۔ بزرگ شعرا نے شرکت کی۔ مبارک صاحب کو بھی سنانے کا موقع ملا۔ بزرگوں نے داد دی۔ حضور ازہری میاں نے ایک شعر کی اصلاح فرمائی اور خوب خوب شعر کہنے کی تاکید کی۔ حوصلہ جلا پا گیا۔ ہچکچاہٹ دور ہوگئی۔ ہمت بڑھ گئی۔ ذہنی فضا تیار تھی۔ فکروسخن کا کبوتر اڑنے لگا۔ یہ ۱۹۸۶ء کی ہے۔

بریلی کا ماحول ادبی تھا۔ ادبا کثرت سے تھے۔ مبارک کا تعلق دلاور بریلوی اور مختار نسیم رامپوری سے ہوگیا۔ یہ دونوں استاذ شاعر تھے۔ خوب حمد، نعت، غزل، گیت کہتے، دونوں سے اصلاح لینے لگے۔ مفتی حسن منظر قدیری سے بھی مشورۂ سخن کرتے رہے۔ شاعری کرتے، مشاعرے پڑھتے، ناپختہ شاعر، پختہ شاعر ہوتا گیا۔ کچی شاعری پکی ہوتی گئی۔ علامہ مبارک کو اعتراف ہے، ان کے شعری پیکر کے سنوارنے میں ازہری میاں، مفتی حسن منظر، جناب دلاور حسین، جناب مختار نسیم کا بنیادی کردار ہے۔ اب تو دو دہائی بیت گئی۔ دماغ توانا ہوگیا، تو استاذ کا تراشیدہ بذات خود سنگ تراش، استاذ ہو ہی جاتا ہے۔ بزرگوں کی دعائیں لگ گئیں۔ امیدیں بر آئیں۔ اب علامہ محمد مبارک رضوی استاذ شاعر کی منزل پہ فائز سمجھے جاتے ہیں۔ کبھی وہ دوسروں سے اصلاحیں لیتے تھے۔ اب وہ اوروں کی اصلاحیں کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

[۲]

خودنوشتوں کی جلوہ سامانی

خامۂ خود یا حدیث دیگراں

[ص: ۲۹۳ تا ۳۹۲]

معروف فکشن نگار سید محمد اشرف قادری مارہروی

چیف انکم ٹیکس کمشنر صوبہ بنگال، کلکتہ

عزیز گرامی مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ہمارے علمائے کرام کی نئی پیڑھی سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ سوچنے والے ذہن، محسوس کرنے والے دل اور محنت کرنے والے ہاتھوں کے مالک ہیں۔ زمانہ طالب علمی کا ایک بڑا حصہ قلندرانہ شان کے ساتھ بسر کیا اور اس عالم درویشی میں صرف قلم کی دولت کے حریص رہے۔ جو دینے والے نے انہیں خوب عطا کیا۔

....

جانشین سرکار مسولی ناشر مسلک اعلیٰ حضرت بازوئے تاج الشریعہ

حضرت علامہ سید شاہ گلزار اسماعیل قادری رزاقی مدظلہ العالی

سجادہ نشین خانقاہ قادریہ اسماعیلیہ مسولی شریف بارہ بنکی یوپی

امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ایک حساس فطرت، اعلیٰ قلمی ذوق کے مالک، مسلک کے سچے خیر خواہ، تاج الشریعہ کے مقبول بارگاہ اور علم وحلم کے پیکر جمیل ہیں۔ متعدد تصانیف نظر سے گزر چکی ہیں۔ جو اہل سنت کو علمی افادات سے بہرہ ور کر رہی ہیں اور مستقبل میں بھی بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ رب قدیر علامہ موصوف کے فکر وقلم کو خوب توانائی عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔

معروف ناقد ومحقق پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

سابق صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی مظفر پور

رضویات کے ایک اہم شارح اور مفسر کی حیثیت سے ڈاکٹر غلام جابر شمس کا نام علمی وادبی حلقوں میں اب محتاج تعارف نہیں رہا۔ وہ جس ذوق وشوق، حوصلہ مندی واولوالعزمی اور اخلاص نیت کے ساتھ امام احمد رضا کی عبقری شخصیت اور ان کے متنوع کارناموں کو انفس وآفاق میں متعارف کرا رہے ہیں، وہ انتہائی قابل قدر اور لائق صد مبارک باد ہے۔ ان کاموں کی قدر وقیمت اور اہمیت وافادیت کا برملا اعتراف ارباب علم وتحقیق اور اصحاب قلب ونظر تو کر ہی رہے ہیں، عالم بالا کے ساکنین اور روح القدس بھی کر رہے ہوں گے۔

شیخ الاسلام حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ

کچھ یادیں کچھ باتیں

از قلم: علامہ ابوالحسن علی رضوی پورنوی، نظام آباد

[نوٹ: میں نے اپنی کتاب 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' کی تحقیق و ترتیب کے وقت کئی حضرات کو ان کی اپنی معلومات و مشاہدات لکھنے کی دعوت دی اور مسلسل اصرار بھی کرتا رہا۔ جن کے مضامین بروقت موصول ہو گئے، شامل کتاب کر لیے گئے۔ بحمد اللہ کتاب چھپ کر ۲ر ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۵ء کو شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین شاہدہ رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پاک کے مبارک موقع پر اس کا اجرا بھی ہو بھی ہو گیا۔ حضرت علامہ محمد ابوالحسن علی رضوی مد ظلہ کا مضمون مجھے مکمل ایک مہینہ تاخیر سے ملا۔ مناسب جان کر ان کے شکریہ کے ساتھ یہاں شامل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین محظوظ ہوں اور یہ خاکسار دعاؤں سے نوازا جائے اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے فیوض روحانی سے متمتع بھی ہو۔ غلام جابر شمس پورنوی]

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ہمارا گھرانہ زمانہ سے خانقاہ رشیدیہ جون پور شریف سے منسلک ہے۔ میرے پردادا، دادا، تایا، والد مرحوم اسی خانقاہ سے منسلک رہے۔ میں نے اپنے دادا اور پردادا کو تو نہیں دیکھا۔ خانقاہ رشیدیہ سے ان کی قربت اور حسن عقیدت کے مختلف واقعات اپنے والد مرحوم اور تایا مرحوم سے سنے۔ البتہ اپنے بچپن سے اپنے والد مرحوم کو خانقاہ بندگی کی انتظامی کمیٹی کا مستقل رکن دیکھا۔ وہ وہاں کی ہر میٹنگ میں جاتے رہے اور پھر اپنی زمین داری کے حدود میں دارالعلوم مصطفائیہ اور خانقاہ بندگی کے لئے نذرانے اور اعانتیں جمع کراتے رہے۔

دادا مرحوم حضرت مولانا سکندر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریب رہے۔ وہ اور ان کے فرزند گرامی حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب علیہ الرحمہ، جن کی مادر زاد ولایت مشہور تھی، اکثر ہمارے گھر تشریف لایا کئے اور کئی کئی دن قیام رہا۔ والد گرامی جناب عبد العلی رشیدی مرحوم اپنے چھوٹے چھوٹے مسئلے میں چمنی بازار شریف بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے

پاس رجوع ہوتے یا پھر حضرت مولانا شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ صاحب تک پہنچتے۔ گھر میں کسی بچے کی طبیعت بگڑی، زینات کا معاملہ الجھا، کوئی نزاعی معاملہ آ گیا، تو طبیب، منصف، مشیر و مربی یہی دونوں حضرات ہوا کرتے۔

ان دونوں بزرگوں نے ہمارے غریب خانے کو ہمیشہ اپنا گھر سمجھا۔ ہمارے تایا جناب امیر الدین مرحوم اور والد گرامی جناب عبد العلی مرحوم کو اپنا چھوٹا بھائی گردانا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت بڑے مولانا صاحب علیہ الرحمہ کا حکم ہمارے گھر پر ہر حال میں نافذ رہتا تھا۔ خانقاہ کا فلاں کام کرنا ہے۔ فلاں وقت تارا باڑی آنا ہے۔ تم کو ہمارے ساتھ فلاں جگہ جانا ہے۔ تمہارے ذمہ فلاں کام دیا جاتا ہے۔ جون پور شریف خانقاہ کی تعمیر جدید اور توسیع کے موقع پر والد مرحوم مسلسل ایک مہینہ بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے ساتھ جون پور شریف جا کر رہے اور وہاں اپنے لائق خدمت انجام دی۔ مجھ سمیت ہمارے سارے بھائیوں کے نام حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے تجویز کردہ ہیں۔

۱۹۷۵ء تا اوائل ۱۹۷۸ء دار العلوم محی الاسلام بجرڈیہہ تعلقہ بائسی حضرت علامہ مفتی حسن منظر قدیری صاحب مدظلہ العالی کے زیر سایہ رہا۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ چمنی بازار شریف سے تارا باڑی یا تارا باڑی سے چمنی بازار شریف آتے جاتے وہاں تشریف لایا کرتے۔ ضروریات سے فارغ ہوتے۔ نماز کا وقت ہوتا، تو نماز ادا فرماتے۔ دار العلوم کے تمام اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا مفتی حسن منظر صاحب قدیری ادام المولی تعالیٰ فیوضاتہم، حضرت علامہ محمد طاہر حسین صاحب رضوی بہاوی، حضرت مولانا شاہد رضا صاحب تلمیذ رشید حضرت صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد مسلم صاحب رضوی ملہناوی سراپا مؤدب رہتے۔ حضرت گرامی مرتبت بڑے مولانا حسب عادت کریمہ قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت، حدیث پاک کا کوئی نہ کوئی ارشاد یا بزرگان دین کے اقوال صوفیانہ سے علمی نکات بیان فرماتے اور اساتذہ وطلبہ سراپا مؤدب ہو کر محظوظ ہوتے۔

انہیں دنوں کی بات ہے۔ ایک دن آپ تشریف لائے۔ میری عمر اس وقت دس برس رہی ہوگی۔ وضو کے لئے ان کا بڑا لوٹا ان کے ساتھ رہتا تھا۔ تھیلے سے لوٹا نکالنے کا حکم فرمایا اور خود لے کر ہینڈ پمپ کے قریب چلے گئے۔ میں دوڑا اور چاہا کہ پانی بھر دینے کی سعادت

حاصل کروں۔ اپنی پاٹ دار آواز میں فرمایا:

کیا بات ہے۔ آپ کو لوٹا کیوں دوں۔ مجھ میں طاقت ہے۔

میں خود پانی بھر سکتا ہوں۔ چلیے۔ اپنی جگہ بیٹھ جائیے'۔

میں سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ حکم شرعی پر ان کا یہ عمل میری سمجھ میں اس وقت آیا، جب سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے یہاں پانی بھرنے والے بہشتی کے بچے کا واقعہ 'حیات اعلیٰ حضرت' میں پڑھا۔ جب اس نے حضرت محدث الوری علیہ الرحمہ کو یہ کہہ کر پانی دینے سے معذرت کر لی کہ 'میرے دیئے پانی سے آپ کا وضو نہیں ہوگا۔ چوں کہ میں نابالغ ہوں'۔

حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے تعلق سے یہ بات یقین کی منزل سے کہی جا سکتی ہے۔ آپ نہایت بافیض تھے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والا ہر خوش نصیب اس کی گواہی دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان فیض ترجمان میں بے پناہ تاثیر رکھی تھی۔ جو کچھ فرماتے، وہ مخاطب کو یاد ہو جاتا۔ پھر وہ برسوں، بلکہ تاحیات ان کا کہا نہ بھول پاتا۔ یہ ان کے اخلاص و للٰہیت اور تقرب الی اللہ کی کھلی دلیل ہے۔

مزاج جتنا گرم تھا، اتنا ہی نرم بھی تھا۔ لیکن حق گوئی و بے باکی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ صاحبانِ ثروت کے سامنے ان کا لہجہ عام طور پر حاکمانہ ہوا کرتا تھا۔ میں اپنے اس دعوے پر اگلی سطور میں کئی شواہد پیش کروں گا۔ کچھ دیدہ اور کچھ معتبر ذرائع سے شنیدہ۔ آپ بجا طور پر اس شعر کے مصداق تھے:

اس قدر عشق نبی ہو کہ مٹا دوں خود کو

اس قدر خوف خدا ہو کہ نڈر ہو جاؤں

ستر کی دہائی قریب الختم تھی۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ ذیابطیس فشار دم اور کئی امراض میں گھرے ہوئے تھے۔ ارشاد فرمایا:

'پورے دیار میں اعلان کرادو۔ میں اپنی زندگی کی آخری تقریر کروں گا'۔

تاراباڑی ولوٹیاباڑی کے ذمہ داروں کی دوڑ بھاگ اور انتظامات کے لئے مسلسل تگ و دو، عوام و خواص کا جوش و خروش، پورے علاقے سے سیلاب کی طرح امنڈتے ہوئے لوگوں کی آمد، سرکار کے باغیچے کا اندرون و بیرون، کھیتوں تک بھرا ہو کھچا کھچ مجمع، مکھیا غلام رسول مرحوم،

میرے والد گرامی جناب عبد العلی مرحوم، سرپنچ غیاث الدین صاحب مرحوم، مولانا قمر الزماں صاحب مرحوم، مولانا حسام الدین مرحوم، جناب فضل اللہ صاحب مرحوم، جناب وکیل فضل احمد صاحب مرحوم حضرت مولانا کے فرزند اکبر اور دیگر بہت سے خوش بختوں کی کدو کاوش۔

ذہن کے پردے پر یادوں کے نقوش ادھ مٹے ہو چلے ہیں۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ ہزاروں کا مجمع گوش برآواز، باں کبرسنی وضعف امراض، حضرت بڑے مولانا نے کئی گھنٹوں تک علما وخواص اور عوام اہل سنت کو نصیحت فرمائی۔ حضرت مولانا نے اس جلسے میں جو کچھ فرمایا، وہ جواہر پارے سے کم نہیں تھے۔ میرا لڑکپن تھا۔ لیکن یہ یاد رہ گیا کہ بڑے مولانا نے کھنکھار کر اگالدان طلب فرمایا اور مکھیا غلام رسول مرحوم نے کسی کو اگالدان لانے کے لئے آواز دی۔ حضرت بڑے مولانا کی پرجلال آواز گونجی:

> 'تم لوگ حکم نافذ کرنے کے عادی ہو گئے ہو۔ خود سے کام کرنا خلاف شان سمجھتے ہو۔ زمینداری اور سرکاری تمکنت تمہارے ذہنوں سے نہیں جاتی۔ تم کو نہیں معلوم، میں بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے کھانسی آتی ہے۔ کھنکھارتا بھی ہوں۔ تم کو اگالدان کا انتظام پہلے سے رکھنا چاہیے تھا'۔

جنگی تارا باڑی کے ایک تاجر اجناس سامنے ہی بیٹھے تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: چوری دنیا سے ختم ہو جانی چاہیے۔ انہوں نے کہا: جی۔ فرمایا: ڈکیتی؟۔ انہوں نے عرض کیا: جی۔ فرمایا: زنا کاری؟۔ انہوں نے کہا: جی۔ اب پھر پلٹ کر فرمایا: چور چوری نہیں کرے گا۔ تو وکیلوں کے بچے کیسے پلیں گے؟۔ ڈکیت ڈکیتی نہیں کرے گا، تو فلاں کے بچے کیا کھائیں گے؟۔ مجھے خوب یاد ہے۔ اس 'فلاں' کی جگہ آپ نے اپنے فرزند گرامی عالی جناب وکیل فضل احمد صاحب مرحوم کا نام لیا تھا اور دیر تک دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے۔

کبھی نہ ختم کیا میں نے روشنی کا سفر
اگرچہ راغ بجھا دل جلا لیا میں نے

ان کی دوسری مجالس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کو آخری حیات تک اس کا بہت قلق رہا کہ صاحب زادگان میں سے کوئی بھی ان کا مسند نشین نہ

ہوسکا۔ وکیل فضل احمد صاحب کو وہ عالم دین بنانے کے خواہش مند تھے۔ لیکن انہوں نے علم دین پڑھ کے نہیں دیا۔ وکیل بن گئے۔ جس مجلس میں انہوں نے اظہار افسوس کیا، اس میں والد مرحوم کے ساتھ چمنی بازار شریف میں مجھے بھی حاضر رہنے کی سعادت حاصل ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر آیا چاہتا ہے۔

میں اس وقت جس آخری تقریر کا ذکر کر رہا ہوں، اسے منعقد ہوئے تقریباً چالیس سال ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے ارشادات، یوں لگتا ہے، جیسے کل سنے گئے ہوں۔ اختتام خطاب کے بعد حضرت مولانا حسام الدین مرحوم اٹھے اور مجمع سے مخاطب ہو کر مقامی مکتب کے لئے اعانت کی اپیل کی۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ حاضرین مجلس سے محو گفتگو تھے۔ اس بیچ دو چار لوگوں نے ایک ایک دو دو روپے دے ڈالے اور مولانا حسام الدین صاحب نے جزاک اللہ جزاک اللہ سے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اتنے میں مرد قلندر [بڑے مولانا] نے توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

'یہ کس مدرسے کے لئے پیسے جمع کئے جا رہے ہیں۔ کتنے مدرسین ہیں۔ کتنے طلبہ کے طعام و قیام کا انتظام ہے۔ آپ نے کس کی اجازت سے چندے کی اپیل کی؟۔ میری تقریر کے بعد یہ کام نہیں ہوگا۔ میں نے لوگوں کو اپنے وعظ کی قیمت وصولنے کے لئے نہیں بلایا۔ جتنے لوگوں سے پیسے لئے ہیں، واپس کر دیجئے'۔

مولانا حسام الدین مرحوم نے عرض کیا: حضور! مکھیا جی نے کہا کہ اعانت کی اپیل کیجیے۔
اب اس مرد قلندر کا ایمانی تیور نہایت تلخ ہوگیا۔ پر جلال آواز میں فرمایا:

'آپ مکھیا کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ آپ عالم ہیں۔ مکھیا پر آپ حکم کریں گے یا مکھیا آپ پر حکم کرے گا۔ آہ! ہمارے بعد کیا ہوگا۔ آپ لوگ دین کا کام کیسے کر پائیں گے'۔

آنکھوں میں ایک نمی سی ہے ماضی کی یاد کا
گزرا تھا اس مقام سے اک کارواں کبھی

ستر کی دہائی اختتام پر رہی ہوگی۔ ہمارا پورا گھرانہ حسب معمول عرس بندگی چمنی بازار کی

تقریبات میں حاضر تھا۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کی علالت کا زمانہ تھا۔ حضرت والا اپنے خاندان والوں سے کسی یتیم کی زمین کے معاملہ میں ناراض چل رہے تھے۔ تارابارڑی آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ آم کا موسم تھا۔ ہم لوگوں کو انواع واقسام کے کئی لذیذ آم یہ فرماتے ہوئے کھانے کو دیئے کہ:

'یہ تو حضرت بندگی کے مہمانوں کا ہی حصہ ہے۔ میں ان میں سے کچھ بھی نہیں کھا سکتا۔ میں ذیابطیس میں مبتلا ہوں۔ حالاں کہ ان تمام باغات میں میں نے اپنے کاندھوں پر پانی کا مشکیزہ لے کر سینچائی کی ہے۔ مگر اب تو میرا حال یہ ہے۔ کبھی مٹھی بھر چنا، کبھی وہ بھی کھانا منع'۔

اسی مجلس میں حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ نے اس تاسف کا اظہار فرمایا:

'میرے بعد کیا ہوگا۔ میرے بیٹوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں، جو اس مسند کو سنبھال سکے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ فضل احمد دینی تعلیم حاصل کریں۔ لیکن ہزار سختی کے باوجود انہوں نے دینی تعلیم حاصل نہیں کی۔ پھر چاہا کہ جمیل [چھوٹے بیٹے] پڑھ لیں۔ میرے پاس نہیں پڑھ سکے، تو مولانا عبید الرحمٰن کے پاس بھیجا۔ انہوں نے استاذ کا بیٹا کہہ کر سختی نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے جو کچھ پڑھایا تھا، وہ بھی بھول کر آئے۔ اب لے دے کر مولانا عبید الرحمٰن پر نظر تو جاتی ہے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ایک سال یہاں، دوسرے سال کسی نے زیادہ تنخواہ دے دی، تو وہاں چلے جا رہے ہیں'۔

مستقل بولتا ہی رہتا ہوں کتنا خاموش ہوں میں اندر سے

حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ حرص وہوس سے کوسوں دور تھے۔ ان کی زندگی خالص زاہدانہ طور پر گزری۔ دنیا اور دنیا داروں کو آپ نے قابل اعتنا کبھی نہیں گردانا۔ خوف خدا نے ان کو دنیا سے بے خوف کر دیا تھا۔ بے دین دولت مندوں کی تو بات ہی الگ تھی۔ بظاہر دیندار علما وخواص بھی اور بڑے بڑے پارسا قسم کے سرمایہ دار و زمیندار بھی ان کے حضور دبے

لیے ہی حاضر ہوتے۔

اپنے دیار کے رؤسا میں سے ایک بڑے رئیس زادے جناب وکیل محمد عبدالسلام صاحب مرحوم، جو برسوں درگاہ چمنی بازار شریف کے انتظامی امور کے نگراں رہے، درگاہ کمیٹی کی صدار بھی، جہاں تک مجھے معلوم ہے، تاحیات انہی کے پاس رہی۔ ہم نے عرس بندگی کی بھری مجلس میں دیکھا ہے۔ مسجد مصطفائی میں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ اندر صحن اور باہر تک لوگ ہی لوگ ہیں۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کچھ ضروری امور پر گفتگو کے لئے مائک پر تشریف لائے۔ والد مرحوم کے ساتھ مجھے بھی اس مجلس میں حاضر رہنے کی سعادت میسر ہے۔ حضرت والا گرامی مرتبت نے دوران خطاب فرمایا کہ:

'کہاں ہیں وکیل عبدالسلام صاحب؟۔

سفید ریش وکیل صاحب باآں پیرانہ سالی دست بستہ بیچ مجلس سے کھڑے ہوئے۔

تب حضرت والا نے فرمایا: 'میں جب چمنی بازار آیا، تو مجھے انتظامیہ کی طرف سے کتنا ماہوار ملتا تھا؟۔

وکیل صاحب نے عرض کیا: بیس روپے۔

فرمایا: 'کیا وہ بیس روپے میرے پان کے لئے بھی کافی تھے؟۔
پھر میرے اور میرے گھر کے اخراجات کیسے پورے ہوئے؟۔ میں
نے بچوں کو کیسے پالا؟'۔

تقریباً آدھا گھنٹہ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ دارالعلوم مصطفائیہ کی تعمیر، مسجد، خانقاہ اور مہمان خانہ کی تعمیر و توسیع، موقوفہ اراضی و زمینات کی باز آبادکاری و واگزری اور باغیچوں کے نصب و نگرانی کے معاملات پر گفتگو فرماتے رہے اور ادھر باآں ضعف پیری جناب وکیل عبدالسلام صاحب مرحوم رئیس اعظم سیمی پور کھرھیال دست بستہ ہی کھڑے رہے۔ جب حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ بیٹھ جائیے۔ تو وہ بیٹھ گئے۔

اب حجرۂ خاص میں تشریف لائے۔ جہاں انواع و اقسام کی بسکٹ، نمکین، پھل اور مختلف قسم کی چائے پتی وافر مقدار میں رہتی تھی، ہر ایک آنے والے کی بسکٹ اور چائے سے تواضع کی جاتی۔ آپ نہایت فیاض، دریادل اور مہماں نواز تھے۔ ہم بھی حاضر ہوئے۔

ہمارے تایازاد بھائی ماسٹر محمد مسعود اظہر بھی اس مجلس میں ساتھ تھے۔ ہم نے سلام وقدم بوسی کی اور بیٹھ گئے۔ دوسیب نکلوایا۔ ماسٹر محمد مسعود کو مجھ سے قدرے بڑا سیب دیتے ہوئے فرمایا:
'تم بڑے ہو۔ اس لئے تم کو بڑا' اور پھر مجھے ان سے چھوٹا سیب عطا فرمایا۔

غالباً اسی مجلس میں وکیل فضل احمد مرحوم کے خسر صاحب مرحوم بھی حاضر ہوئے۔ جو مہیش پور اسٹیٹ کے بڑے زمیندار تھے اور حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے سمدھی۔ ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:

> 'جگہ مل گئی؟۔ کہیں بھی چادر بچھا کر بیٹھ جائیے۔ یہاں سب حضرت بندگی کے مہمان ہیں۔ حضرت بندگی کی چوکھٹ پر جس کو جو جگہ ملے، وہ لے لیں'۔

پھر انہوں نے چرم قربانی کی کچھ رقم دارالعلوم مصطفائیہ کے لئے پیش کی۔ فرمایا:

> 'کتنے ہیں؟۔ اس سال یہاں چوری ہوگئی ہے۔ آپ سب سے کہلوایا دیا تھا۔ چرم قربانی کی آدھی رقم دارالعلوم مصطفائیہ کے لئے رکھیں'۔

جیسا کہ مجھے یاد آرہا ہے۔ وہ رقم کچھ کم تھی۔ جسے انہوں نے پوری کی۔ مجھے اس مجلس با برکت کے جس خاص حصے کی طرف توجہ دلانی ہے، وہ یہ کہ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ نے وہ رقم اپنے سمدھی صاحب سے لے کر اپنے پاؤں کے نیچے رکھ لی۔ ہمارے تایا مرحوم اپنی سادگی کی وجہ سے اس بارگاہ خاص میں مرتبہ ناز پر تھے اور بے تکلف بھی۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بے تکلف کچھ بھی عرض کر ڈالتے اور حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ بھی ہمیشہ ان پر شفقت کی نظر ڈالے رہتے۔ مسکراتے ہوئے ان کے معروضات سن بھی لیتے۔ اس وجہ سے انہوں نے یکبارگی عرض کیا:

'بھائی صاحب! آپ نے روپے پاؤں کے نیچے رکھ لئے۔ انہیں جیب میں رکھیے'۔
مسکرا کر فرمایا:

> 'امیر الدین! جس کی جو جگہ ہو، اس کو وہیں رکھو۔ یہ پاؤں کے نیچے کی ہی چیز ہے۔ اس کو سینے سے مت لگاؤ۔ انہیں جب تک

پاؤں کے نیچے رکھو گے، یہ تمہارے پاؤں چومیں گے اور اگر سینے
سے لگالو گے، تو یہ بھاگ جائیں گے۔ تم اس کے پیچھے جتنا تیز دوڑو
گے، وہ اتنا ہی تم سے تیز آگے بھاگیں گے‘۔

یہ چند جملے دراصل حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کی زہد واتقا اور صبر قناعت سے لبریز زندگی کی بڑی تفصیل وتفسیر کا ایک مجمل اشارہ ہیں، جنہوں نے ان کی اس قابل صد رشک عنوان حیات کا نقشہ کھینچ دیا۔ آپ ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہے۔ دنیا اور دنیا داروں کو اپنے قدموں میں جھکا کرامت وملت کو درس عبرت دیتے رہے۔

ان کی زندگی کے شب وروز اور صبح وشام دیکھنے والے گواہ ہیں کہ بڑے بڑے صاحبان ثروت اس بندۂ بے نفس اور رجل خوددار کی قیمت نہ لگا سکے۔ سب کی نظریں جھکی جھکی رہیں۔ سب کے سب دبے دبے اور سہمے سہمے ہی رہے۔ ہر ایک پر ان کا علمی اور روحانی رعب چھایا رہتا تھا۔ ان کی بارگاہ ناز میں اونچی آواز سے بولنے کی جرأت کوئی نہ کرسکا۔ ان کا رعب علمی سب کو باہر سے مرعوب اور اندر سے مؤدب بنائے رکھتا۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

ستر کی دہائی تھی۔ ہمارے تایا زاد بھائی ماسٹر محمد مسعود اظہر صاحب کا بچپن تھا۔ مڈل اسکول بائسی میں زیر تعلیم تھے۔ قریب کی بستی بریلی میں خالہ رہتی تھیں۔ وہیں سے اسکول جانا آنا تھا۔ راستے میں ایک غیر آباد جھاڑی سے گزرنا ہوتا تھا۔ ایک دن اسکول سے آتے وقت کچھ دیکھا اور ڈر گئے۔ بخار آگیا۔ بے ہوش ہوگئے۔ گھر میں رونا دھونا شروع ہوگیا۔ دواخانہ میں ایک مہینہ زیر علاج رہے۔ سارے اقربا ان کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ ایک دن خبر آگئی کہ عالم نزع میں ہے۔ غشی کا وقفہ کافی طویل ہوگیا۔ سب لوگ ان کی زندگی سے مایوس ہو کر گھر خبر بھیجوادی کہ اب جینے کی امید نہیں ہے۔

ہمارے تایا گھر پر تھے۔ انہوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ اس روح فرسا خبر سے تمہاری دادی جان پریشان اور بے قرار ہو کر رو پڑیں۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ آپ نہ گھبرائیں۔ میرے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں بڑے مولانا کے پاس جاتا ہوں اور انہیں لے کر دواخانہ پہنچتا

ہوں اور پھر میں روتا پیٹتا ہوا بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ آپ کے رہتے ہوئے میرا بیٹا ختم ہو جائے گا۔ آپ ابھی میرے ساتھ بائسی چلیے اور اسے دیکھیے۔ حضرت بڑے مولانا نے مجھے تسلی دی۔ بیٹھایا اور چائے پلائی۔ تعویذ لکھا۔ اس میں دھاگا لگایا اور فرمایا:

'تمہارے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔ ایک تعویذ شاہ صاحب سے بھی لے لو۔ وہ مجھ سے بڑے ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ تمہارا بیٹا صحت یاب ہو کر گھر آ جائے گا'۔

پھر میں شاہ صاحب کے گھر پہنچا اور ان سے بھی یہی کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے میرا بیٹا ختم ہو جائے گا۔ چلیے اور بائسی دواخانہ میں اس کو دیکھیے۔ وہاں سے ایسی خبر آئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی تسلی دی۔ مجھے بیٹھایا۔ چائے پلوائی۔ تعویذ لکھا اور موم جامہ کروا کر دھاگا لگوایا اور مجھے تعویذ دیتے ہوئے فرمایا:

'جاؤ۔ یہ تعویذ اس کے گلے میں ڈالو۔ تمہارے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔ اگر تمہارا بیٹا مر گیا، تو میں بھی مر جاؤں گا۔ وہ صحت یاب ہو کر گھر آئے گا۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ'۔

اب نگاہیں ان خاصان خدا کو ترس گئیں۔ جو اپنے حاضر باشوں کو یوں اطمینان دے سکیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقادر علیہ الرحمہ کی شان، ہم سب کی پہنچان، پورے علاقے کی آن، یہ حضرات ہمارے کمزور کاندھوں کی توانائی، ہمارے محافظ و پاسبان، ہماری ہمت و قوت، ہم بے بصارتوں کی آنکھوں کا نور اور دل کا قرار:

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں

تایا ابا فرماتے ہیں:

'میں ان دونوں مردان خدا کی تسلی و ہمت کے سہارے بائسی دواخانہ پہنچا۔ روتے ہوئے اقربا کو پیچھے کیا اور میں نے کہا۔ رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے بچے کو کچھ نہیں ہوگا۔ یہ صحت یاب ہو کر گھر جائے گا۔ مجھے بڑے مولانا اور شاہ صاحب نے کہہ دیا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اللہ والے ہیں۔

جھوٹ نہیں بول سکتے اور ہوا وہی، تعویذ باندھنے کے پانچ منٹ
کے بعد مریض نے آنکھیں کھول دیں۔ غشی جاتی رہی اور دس
منٹ کے اندر اندر میں اسے عرق بہ دانہ پلایا۔ پھر وہ چند دنوں میں
صحت یاب ہو کر گھر آگئے۔

اب وہ بوڑھے ہو چلے ہیں۔ چند سالوں میں اپنی ملازمت سے وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہو جائیں گے۔

ستم کی سزا کتنی کڑی ہے   گلوں کو کھل کے مرجھانا پڑا ہے

بات ان دنوں کی ہے، جب خانقاہ اور مسجد مصطفائیہ کی تعمیر جدید کے لئے حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ شب و روز جد و جہد میں لگے ہوئے تھے اور پورا علاقہ ان کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت تعمیری کام میں شریک ہو کر سرخ رو ہو رہا تھا۔ ایک تو حضرت بڑے مولانا کی فرمابرداری کا شرف، دوسرے خانقاہِ بندگی کی تعمیر میں بڑے مولانا کے توسط سے اپنے ناموں کی شمولیت، دوہری مسرت کا سماں تھا۔

اپنے دیار کے لوگوں کو اس کار خیر میں شامل کرنے کے لئے جنتا ہاٹ میں فروکش ہوئے۔ آمد کی تاریخ علاقے والوں کو پہلے ہی بتا دی گئی تھی۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کی آواز پر حاضر ہونے میں لوگوں نے سبقت کی اور اپنی اپنی خوش بختی تصور کیا۔ اینٹ، سمینٹ، ریتی، روپے پیسے، جس سے جو ہو سکا، حضرت مولانا کی فہرست میں اپنا اپنا نام لکھوالیا۔ ایک مقامی رئیس بالکل اخیر میں رخصت کے وقت ایک معمولی سی رقم لے کر حاضر ہوا۔ عینی شاہدین کا بیان ہے۔ اس مرد خوددار نے پرجلال آواز میں فرمایا:

'تم بہت تاخیر سے آئے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ تمہارے چند
ٹکوں سے تعمیر کا کام ہو جائے گا اور تم نہیں دوگے، تو کام رک
جائے گا۔ میں اشارہ کروں، تو صرف ایک آدمی پوری مسجد تعمیر کرا
دے گا۔ میں نے چاہا کہ اپنے دیار کے لوگ بھی اس سعادت
سے محروم نہ رہیں اور تمہارا نام بھی اس فہرست میں شامل ہو
جائے۔ تمہاری طرح سو رئیس اس جیب میں اور سو رئیس اس
جیب میں ہر وقت رہتے ہیں'۔

رئیس جتنا ہاٹ بہت ہی شرمندہ ہوا اور معذرت چاہی۔

اسی سلسلہ میں حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ شہر پورنیہ کے ایک مشہور وکیل کے پاس بھی پہنچے۔ اس نے کچھ عامیانہ سلوک کیا۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے جلالت علمی سے بھرپور اپنے مقام سے باخبر عالم دین کے منصب جلیل کا اس وکیل کو احساس دلاتے ہوئے فرمایا:

'تم نے مجھے دو ٹکے کا مولوی سمجھا ہے۔ اگر آج اسلام کی حکومت ہوتی، تو جس جج کے یہاں تم وکالت کرتے، وہ جج میں ہی ہوتا۔ غلام محمد یٰسین دوبارہ دروازے پر کبھی نہیں آئے گا'۔

حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے اس پرجلال تیور نے اس مغرور وکیل کو لرزا کر رکھ دیا۔ اس نے فوراً معافی چاہی اور حیات بھر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا کفش بردار بنا رہا۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے روحانی رعب نے بہت سے کج کلاہوں کا پتا پانی کیا ہوا تھا۔ ان کی حیات بابرکات میں اس قسم کے بہت سے عبرت آموز واقعات ملتے ہیں۔

ڈھنگرہ گھاٹ سے دکھن ہبڈانگ نام کی ایک خوش حال بستی ہے۔ اس بستی کے سب سے بڑے رئیس، جن کی تقوی وطہارت اور عشر وزکوٰۃ ادا کرنے کی پابندی بڑی مشہور تھی۔ انہوں نے اپنے طور پر ایک ضابطہ بنا رکھا تھا کہ جب کسی رشتہ دار کے گھر سے کچھ کھانے کی چیز تحفے میں آتی، تو وہ خود نہیں کھاتے تھے۔ حاضر باشوں اور آنے والوں کو یہ کہہ کر کھلا دیتے تھے کہ دوسرے کے گھر کی چیز میں اس لئے نہیں کھاتا ہوں کہ لوگ زکوٰۃ اور عشر ادا نہیں کرتے اور مال ناپاک رہ جاتا ہے۔

اتفاقاً کسی موقعہ پر حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ وہاں پہنچ گئے۔ دستر خوان چنا گیا۔ اس دن اس رئیس کے یہاں کسی قریبی رشتہ دار کے ہاں سے کھیر آئی تھی۔ انہوں نے بشمول حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے سب کی پلیٹ میں کھیر ڈلوا دی اور حسب معمول خود نہیں لیا۔ دریافت کرنے پر اپنا خود ساختہ ضابطہ بیان کر دیا۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ نے اس رئیس کی اصلاح فرمائی اور حدیث کا مفہوم بتایا:

'جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔ تم مجھے حرام خور سمجھتے ہو اور اپنے کو متقی وپارسا۔ یا تو خود بھی کھاؤ یا سب کی پلیٹ سے کھیر اٹھوالو۔

یہ تھی حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کی حق گوئی و بے باکی اور یہ تھا ان کا طریقۂ اصلاح۔ امرائے وقت ہوں یا رؤسائے دیار، ان کے سامنے کسی کا بھی کروفر نہیں چل پاتا تھا۔ ان واقعات سے ان کے اپنے عالمانہ وقار کی حفاظت واحساس کا بھی پتا خوب چلتا ہے۔

میں ان دنوں بریلی شریف منظر اسلام میں درجۂ ثالثہ کا طالب علم تھا۔ سن اسی کی دہائی کا پہلا سال رہا ہوگا۔ کسی چھٹی میں گھر آیا۔ صحت گری ہوئی دیکھ کر والد مرحوم مجھے اپنے طبیب حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کے پاس لے گئے۔ وہاں مجلس گرم تھی۔ بیسوں معتقدین ان کے دیوان خانے میں موجود تھے۔ وہ مسلسل بول رہے تھے۔ خدام کسی کو چائے پلا رہے تھے۔ کسی کو ناشتہ کرایا جا رہا تھا۔ حاضرین مجلس میں سے کسی عرض کیا: حضور! دل میں وسوسے بہت آتے ہیں۔ انہیں دور کرنے کی کوئی سبیل ارشاد فرمائی جائے‘۔ سورۂ ناس کی تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ کیا اور بہت سے تفسیری نکات ارشاد فرمائے۔ میری شوخ طبیعت سے ایک آواز اٹھی۔ ’بہت بولتے ہیں‘۔ صاحب کشف مرد حق آگاہ کی گفتگو کا فوراً تیور بدلا اور فرمایا:

> ’جب دلوں میں وسوسے آئیں، تو اللہ کی پناہ تلاش کرو۔ نماز اسی عرض سے شروع ہوتی ہے۔ ’اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم‘۔ اللہ کی پناہ کیا ہے۔ ہوا سے بچنے کے لئے اللہ نے دیوار کو پناہ گاہ بنایا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے چھت کو پناہ گاہ بنایا۔ دریا کی موجوں سے بچنے کے لئے کشتی کو پناہ گاہ بنایا۔ اسی طرح شیطان سے بچنے کے لئے انبیائے کرام اور رسلان عظام پناہ گاہ ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات شیطان سے بچنے کے لئے پناہ گاہیں ہیں۔ شریعت مصطفیٰ کی پابندی شیطان سے بچنے کی پناہ گاہ ہے‘۔

اس تقریر پر تنویر کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا؟۔ میں بہت بولتا ہوں؟۔ میں اس مرد مومن اور ان کی قوت کشف کی کڑی گرفت پر پانی پانی ہو گیا اور اندر تک لرز گیا۔ یہ میری ہی شوخ طبیعت کی آواز تھی۔ ’بہت بولتے ہیں‘۔ بہت صحیح فرمایا اللہ والوں نے۔ بزرگانِ دین کی چوکھٹوں پر دل ونگاہ کو مؤدب رکھنا چاہیے۔ ورنہ یوں ہی گرفت ہوتی ہے۔ اگرچہ دوسرے لوگ میری ذہنی شرارت اور شوخی طبیعت اور ان کی کشفی گرفت سے آگاہ نہیں ہو پائے۔ لیکن ان جملوں سے مجھے تو جتا دیا گیا کہ اللہ کے ولیوں کی نظر سے تمہارے دلوں کے خطرات بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔

دہد عشق محمد بندگان چیدۂ خود را
بخاصاں شاہ می بخشد مئے نوشیدۂ خود را

پروردگار عالم اپنے چنے ہوئے بندوں کو اپنے حبیب کا عشق عطا فرماتا ہے۔ بادشاہ اپنے خاص حاضر باشوں کو اپنا بچا ہوا جام عطا فرماتے ہیں۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ اللہ کے انہیں چنے ہوئے بندوں میں تھے۔ جن کو سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خاص غلاموں کی نسبت حاصل تھی۔ وہ خاصان بارگاہ کے مئے چسیدہ تھے۔ وہ صاحب کشف خاصان خدا اور پاکان الہ میں تھے۔ میں اس دعوے کے ثبوت میں اپنی شوخ طبعی سے پیدا شدہ جملہ 'بہت بولتے ہیں' پیش کرتا ہوں۔

جان کر منجملۂ خاصان خدا مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اسی مجلس کے اختتام پر والد مرحوم نے میری طرف اشارہ کر کے عرض کیا: اس کو پڑھتے پڑھتے نیند آجاتی ہے۔ کوئی تعویذ عطا فرمادیں'۔ حضرت مولانا علیہا الرحمہ نے فرمایا: تعویذ سے پڑھو گے۔ علم تعویذ سے نہیں ملتا۔ علم ملتا ہے محنت سے۔ بیوی ملتی ہے قسمت سے'۔ اس جملے کو تین بار دہرایا۔ آج سے تقریباً پینتیس [۳۵] سال پہلے سنا ہوا یہ جملہ دل پر نقش کالحجر ہے۔ نہ اب تک بھولا اور نہ انشاء اللہ حیات بھر بھولوں گا۔ پھر فرمایا:

'نیند اس لئے آتی ہے کہ کتاب سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ کتاب سمجھ میں آتی ہو اور نیند آجائے، یہ ہو نہیں سکتا۔ ہم لوگوں نے کتابیں سمجھ کر پڑھیں۔ عشا کی نماز کے بعد کھانا آیا ہوا رکھا ہے۔ مطالعہ کے لئے یوں [دونوں کہنیاں زمین پر رکھ کر] بیٹھا۔ ابھی ایک ہی صفحہ مطالعہ ہو پایا کہ ادھر فجر کی اذان ہوگئی۔ نہ کھانے کا ہوش رہا اور نہ وقت گزرنے کا احساس۔ کتاب سمجھ کر پڑھا کرو۔ نیند نہیں آئے گی'۔

بالآخر تعویذ نہیں دیا۔ البتہ اس مجلس میں یہ بھی فرمایا:

'میرے پاس چھ مہینے پڑھو۔ وقت کے امام بن جاؤ گے'۔

مگر مجھ حرماں نصیب کو اس درویش صفت فیاض زمانہ عالم دین کی بارگاہ میں چھ مہینے تو کیا مسلسل چھ گھنٹے بھی میسر نہیں ہوئے۔ کاش! اس مربیانہ پیش کش پر لبیک کہتے ہوئے چند مہینے

خدمت اقدس میں گزار لیتا، تو اپنے بھی دن بھلے ہو جاتے۔

حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے شاگرد خاص حضرت صدر الشریعہ مصنف 'بہار شریعت' سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ انہوں نے برسوں حضرت صدر الشریعہ کی خدمت بابرکت میں گزارے۔ حضرت صدر الشریعہ فدائے اعلیٰ حضرت تھے اور وہ اپنے شیخ کی محبت اپنے تلامذہ کے قلوب میں بھی ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت اور ان کے خانوادہ بالخصوص سرکار سیدی مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہ سے خاص قلبی تعلق رہا۔

جناب ماسٹر محمد عبد الواحد صاحب مرحوم تاراباڑی فرزند اکبر حضرت علامہ شاہ محمد عبد القادر رشیدی معروف بہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ راوی ہیں کہ:

> 'حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ نے سرکار مفتی اعظم ہند کو تاراباڑی مدعو کیا، تو ان کا وہ شایان شان تاریخی استقبال کیا۔ جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ پوری تاراباڑی بستی میں جھاڑو لگوایا۔ عورتوں کو ہدایت فرمادی کہ تاجدار اہل سنت کے قیام تاراباڑی کے دوران پردے میں رہیں اور کوئی عورت گھر سے باہر نہ نکلے۔ مویشی گائے بیل چوپائیوں کے بول و براز سے گاؤں صاف ستھرا رہے۔ تاجدار اہل سنت کے لئے عارضی خصوصی بیت الخلا بنوایا۔ سیکڑوں پرجوش معتقدین کے ساتھ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ بہ نفس نفیس جنتا ہاٹ تک استقبال کے لئے گئے۔ تاجدار اہل سنت کو جس گاڑی سے تارابا ڑی لایا گیا، اس میں بیل نہیں جوتے گئے۔ عشاق مفتی اعظم ہند نے اپنے کاندھوں پر جوار کھ کر اپنے مقتدائے اعظم کو تارابا ڑی پہنچایا۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کا جوش مسرت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔
>
> جنتا ہاٹ سے تارابا ڑی تک عشاق اعلیٰ حضرت و شہزادۂ اعلیٰ حضرت کا ہجوم تھا۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت زندہ باد۔ تاجدار اہل سنت زندہ باد اور خاندان اعلیٰ حضرت زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج رہی

تھی۔ تارا باڑی کا بچہ بچہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت پر نثار ہو رہا تھا۔ حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کا یہ پر تپاک خیر مقدم اور پر جوش انداز استقبال برسوں پورے علاقے میں زبان زد خاص و عام رہا۔

سرکار مفتی اعظم ہند نے بھی انہیں ہمیشہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا۔ ولی را ولی می سناشد، ولی ہی ولی کو پہنچانتا ہے۔ اب نہ ولی رہا، نہ پہنچان رہی۔ احترام رہا، نہ محبت رہی۔ زبان طعن دراز ہے۔ بونے قسم کے لوگ قد آوروں کی پگڑیاں اچھالنے میں لگے ہیں۔ جس کے منہ جو آرہا ہے، بول رہا ہے۔ الامان والحفیظ۔

مولائے کریم اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے بزرگوں کا ادب کرنے اور متاع حسن عقیدت سنبھال کر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

فقیر قادری محمد ابوالحسن علی رضوی قادری غفرلہ الولی

شب دوشنبہ مبارکہ ۲۹؍ربیع النور ۱۴۳۷ھ/ ۱۱؍جنوری ۲۰۱۶ء

بمقام جامعہ غوثیہ رضویہ لنگم پیٹ، نظام آباد، تلنگانہ

☆☆☆

چراغ علم وفن

حضرت علامہ محمد عبدالرحمٰن صاحب، بینی باڑی

ازقلم: مفتی محمد اعجاز اصغر نوری، جامعہ بحر العلوم کٹیہار

نوٹ: ۲۰۱۳ء میں ایک بار میں کٹیہار گیا اور حضرت مفتی محمد اعجاز اصغر صاحب سے جامعہ بحر العلوم میں ملاقات ہوئی۔ ان دنوں مفتی صاحب مذکور 'تاریخ جامعہ بحر العلوم کی تحقیق و تصنیف میں مصروف تھے۔ وہیں ان کے بستوں میں کئی علمی چیزوں پر نظر پڑی، جو میری دلچسپی کی تھیں۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ وہ مجھے کچھ کاغذات کی فوٹو کاپی لینے کی اجازت دیں۔ انہوں نے شرح صدر سے اجازت دے دی۔ انہی کاغذات میں درج ذیل مضمون بھی تھا۔ اب ان کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون یہاں شامل کیا جارہا ہے، شمس پورنوی۔

آپ کیا ہیں؟۔اور کیا نہیں؟۔ یہ دو سوالیہ نشان ایسے ہیں، جس کا جواب موجودہ عصر میں شاید ہی کسی کے پاس ہو، یا وہی دے سکتے ہیں، جو آپ کے نشست و برخاست، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر، افتاومناظرہ پر گہری نظر رکھا ہو۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آپ کے دور میں دینی ومذہبی کتابیں خال خال کہیں موجود تھیں، وہ بھی صرف درسیات کی یا پھر دو ایک افتا سے متعلق پائی جاتی تھیں۔ منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، تفسیر، علم بیان وعلم بدیع وغیرہ کتب کا تو نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ ایسے دور میں فراغت کے بعد گھر کی چہار دیواری کے اندر محدود ہو جانے کے بعد بھی علمی ضیا پیدا کر لینا اور تصنیف وتالیف کی جانب توجہ مبذول ہونا، یقیناً آپ کی ذہانت وبصیرت کا عظیم کارنامہ سمجھا جائے گا۔

نام عبدالرحمٰن ابن منشی عزت علی بن دیدار علی بن مہر اللہ بن شیخ چمڑو۔ مقام بینی باری ضلع کٹیہار (بہار) پیدائش ۱۸۸۴ء اور وفات ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین قدس سرہٗ رحمانپوری سے اور فراغت مظاہر العلوم سہارنپور، مرید مولانا بدرالدین پھلواروی سے اور خلافت مولانا محی الدین ابن مولانا بدرالدین سے حاصل کی تھی۔ فراغت کے بعد کلکتہ میں انگریزوں کا قائم شدہ 'فورٹ ولیم' کالج میں بحیثیت پروفیسر طلب کیا گیا، مگر

گھر کی مصروفیات کچھ اس قدر تھیں کہ ولیم فورٹ کالج نہ جا سکے۔

۱۳۳۳ھ میں شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد مدرسہ لطیفیہ رحمان پور میں بحیثیت مدرس مسند درس پر فائز ہوئے، تو ذوق شاعری اور کتب بینی کا شغف بڑھتا گیا۔ آپ کی تحریروں سے اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ مولوی منور علی اور مولوی عبدالرزاق استاذ دارالعلوم لطیفی کٹیہار، یہ دونوں آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن صاحب بے پناہ علمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ درسیات میں کامل طور پر عبور حاصل تھا۔ تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ بروقت ادیب، شاعر، مدرس، مفتی، مناظر سبھی کچھ تھے۔ حاضر جوابی کا ملکہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ شعر و سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ شاعری میں آپ کا تخلص 'قتیل' تھا۔

تحریری دستاویزات بشکل بیاض، جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں، اسے مطالعہ کے بعد آپ کی علمی لیاقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

(۱) زبان فارسی میں ایک رسالہ علم صرف پر ۴۲ر صفحات میں تصنیف کی ہے۔
(۲) اصول حدیث میں 'خیر الوصول فی حدیث الرسول' لکھی ہے۔
(۳) مسلم کی عبارت 'سبحانہ ما اعظم شانہ' کی تشریح ۱۴ر صفحات پر ہے۔
(۴) ۳۶ر صفحات پر ایک رسالہ منطق میں لکھی ہے۔
(۵) 'تقاریر ملا حسن'، ۲۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔
(۶) ۱۴ر صفحات میں 'وجود مطلق و مقید' پر بحث کی ہے۔
(۷) منطقی اعتراض و جوابات پر ۲۸ر صفحات میں ایک رسالہ ترتیب دیا ہے۔
(۸) فارسی اشعار میں ایک دیوان ترتیب دیا ہے، جس کا نام 'اشعار منظومہ درجواب ہذیانات سفیہان و مدعیان شرافت اہل شمال'' رکھا۔
(۹) تقریباً سوا اشعار پر مشتمل فارسی زبان میں ایک منظوم بیاض کی صورت میں موجود ہے۔
(۱۰) خانقاہ پھلواری شریف کی تعریف و توصیف پر ایک قصیدہ ۴۵ر اشعار پر مشتمل ہے۔
(۱۱) تقریباً ۷۰ر اشعار پر موقوف اردو زبان میں ایک قصیدہ بھی نگاہوں سے گزرا۔
(۱۲) ہمارے نانا جان مرحوم بشیر الدین پتی دار چوکی کے دروازے پر باہری حصہ میں ایک قدیم طرز پر عالیشان مسجد ہے، جس مسجد کی باہری دیوار پر پتھر کا ایک کتبہ دس اشعار میں کندہ ہے۔ ان اشعار کو 'ابیات تاریخ تعمیر و ترمیم مسجد' کے عنوان سے آپ ہی نے طبع آزمائی کی۔

(۱۴) سہرول گاؤں میں مولوی عابد کے ساتھ مباحثہ ہوا، جس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ہریپوری بائسی، مولانا سکندر علی بینی باری اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب بینی باری شریک بحث تھے۔ اس بحث اور مذاکرہ کی گفتگو کو غلط رنگ وروغن دے کر مولوی عطا مولیٰ نے ایک اشتہار میں چھاپ کر تقسیم کیا۔ جب یہ اشتہار مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو ملا، تو اس کی تردید میں ۲۰ر صفحات پر مشتمل اپنی تحریرات قلمبند کیں اور آخری میں لکھا:

'الحمد للہ حتی الوسع اشتہار کے حرف حرف کا جواب میں نے دے دیا ہے۔ ہر موقع وہر محل پرعوام الناس کے فائدے کے لئے کسی قدر تفصیل بھی کردی ہے۔ بایں وجہ یہ جواب اشتہار اشتہار کی صورت میں باقی نہ رہا، بلکہ ایک رسالہ کی صورت میں آگیا ہے۔ لہٰذا اس کا نام 'نتائج الافکار علی اجوبۃ الاشتہار' رکھا گیا'۔

پوسٹر اور اس کا جواب بالتفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجئے۔ اس کے علاوہ شادی بیاہ کے کچھ واقعات بھی نگاہوں سے گزرے، جس میں آپ ہی کی مغز ماری کے جوہر نظر آئے۔ یہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ فن پارے ہمیں کہاں سے دستیاب ہوئے، اسے ابھی راز میں رکھا جائے۔ آپ کے صاجزادے مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس وقت حیات سے ہیں اور عمر کی آخری سرحد یعنی ۹۵ر سال کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ پھر بھی نقاہت کا احساس کم اور تعویذات وعملیات زیادہ کرلیتے ہیں، چلتے پھرتے کم ہیں، مگر تمکنت ابھی باقی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے نورِ نظر بھی علم دوست شخصیت کے مالک ہیں۔ رشتہ میں ہمارے عزیز تو ہیں، مگر مضمون نگاری اور میگزین کی سرپرستی میں اولیت حاصل ہے۔

جب ''کٹیہار بولٹین'' ۱۹۸۵ء میں بہار شریف سے ماسٹر عبدالمغیر صاحب کی سرپرستی میں اجرا ہوا تھا، تو اس وقت میں قلم کاری کے ہنر اور ادبی دنیا میں غوطہ زن ہونے کا رخ متعین کررہا تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ آج سے ۲۵ر سال پہلے میں دادا سے لے کر پوتا تک کسی بھی شخصیت سے متعارف نہیں تھا۔ پھر بھی کٹیہار بولٹین کے مطالعہ سے بہت متاثر رہا۔

☆ ☆ ☆

حضرت مفتی محمد شمس الحق رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان

از قلم: مفتی محمد مجیب الرحمٰن رضوی، شیخ پورہ، سالماری، کٹیہار

آپ کا اسم گرامی محمد شمس الحق لقب 'شمس الحق' کنیت صوفی صاحب۔

ولادت: حضرت صوفی شمس الحق ضلع کٹیہار، قدیم پورنیہ کے مشہور و معروف گاؤں 'شیخ پورہ' میں ۱۹۲۸ء بروز پیر پیدا ہوئے، جو ضلع کٹیہار سے تقریباً ۶۰ رکلومیٹر پورب سالماری اسٹیشن سے سیدھے ۸ رکلومیٹر جانب شمال واقع ہے۔ جس کو آج ارباب علم و دانش مدینۃ العلما سے یاد کرتے ہیں۔

حسب ونسب: آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ محمد شمس الحق بن بندہ علی بن یار محمد بن صابر علی غفر اللہ لھم جو جاجن بلرامپور کے رہنے والے تھے، آپ کے جد اعلیٰ ننہیال گاؤں شیخ پورہ میں آکر بس گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم: جب آپ سن شعور کو پہنچے اور لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، تو والد محترم جناب شہادت حسین مرحوم نے گاؤں ہی کے ایک منشی محمد یوسف صاحب مرحوم سے بسم اللہ خوانی کرائی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت علامہ مولانا عبد الحفیظ مرحوم بچھاڑوی سے ناظرہ قرآن شریف کی تکمیل کی۔ بعدہٗ اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی خواہش و شوق و ذوق نے محبوب وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور مدرسہ اشرفیہ ھجلہ منڈیل بائسی میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ مولانا قمر الدین علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر فارسی دینیات کی تکمیل کی۔

اعلیٰ تعلیم وتربیت: تقریباً ۱۹۴۸ء میں حضرت استاذ محترم علامہ قمر الدین علیہ الرحمہ کی ایما وارشاد پر مدرسہ حمیدیہ رکن العلوم خانقاہ عشق پاک پٹنہ میں داخلہ لیا اور علامۂ زمن حضرت علامہ مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمہ متوطن بہار شریف سے اکتساب فیض کیا۔

بارگاہ عشق کی رہنمائی: صوفی صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز میں عالم خواب میں تھا کہ اچانک قسمت کا ستارہ جگمگا اٹھا۔ ایک نورانی چہرہ سامنے جلوہ گر تھا۔ اپنے دست اقدس سے میری انگلی پکڑ کر تاجدار اہل سنت عاشق رسول کے دیار پر بہار کا رخ کرا کر شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم عالم اسلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی عابد شب زندہ دار تمہارا مرشد برحق ہے، اسی کے دامن کرم سے لپٹ جاؤ۔

مرشد برحق کی تلاش: دل بے قرار تھا۔ صبح اٹھ کر بعد نماز فجر بارگاہ عشق پاک میں سلام وقدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوا اور اجازت لے کر سیدھے جلوہ گہِ اعلیٰ حضرت بریلی شریف روانہ ہوا۔ سب سے پہلے بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری دی، پھر مجدد مائۃ حاضرہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت بابرکت میں سلام ودست بوسی سے مشرف ہونے کے بعد حضرت کے دست حق پرست پر بیعت حاصل کر کے سلسلۂ قادریہ رضویہ میں داخل ہوا اور دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ کے متمنی ہوا۔

اعلیٰ تعلیم کی رہنمائی: حضور مرشد برحق علیہ الرحمۃ والرضوان نے سرتاج العلما حضرت علامہ سردار احمد خاں پاکستانی علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ اس بچہ کا داخلہ مظہر اسلام میں لے کر توجہ خاص دیں اور لال مسجد محلّہ ملکپور میں طعام وقیام کا انتظام کرنے کا حکم صادر کر دیں۔

عملیات کی اجازت: صوفی صاحب کا بیان ہے کہ میں اسی مسجد میں تقریباً ۳۵/سال رہا اور دوران طالب علمی ہی میں اپنے پیر ومرشد برحق سے سلسلۂ قادریہ رضویہ کے جملہ عملیات کی اجازت حاصل کر چکا تھا۔

سند دستار فضیلت: حضرت شمس العلما دارالعلوم مظہر اسلام کی تقریباً ۱۴/سالہ مدت تعلیم میں اپنی محنت اور وسعت مطالعہ کی بدولت ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔ بالآخر اجلہ علمائے کرام واساتذۂ عظام مثلاً محدث زمن حضرت علامہ ومولانا ثناء اللہ، حضرت علامہ ومولانا تحسین ملت، حضرت علامہ ومولانا عبدالمبین، حضرت علامہ ومولانا مجیب الاسلام وغیرہم علیہم الرحمۃ والرضوان اور بالخصوص مجدد مائۃ حاضرہ قطب الارشاد حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ۲۷/دسمبر ۱۹۶۳ء/ مطابق ۱۱/شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ کو سند دستار فضیلت سے نوازا۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد حضور ساجد میاں علیہ الرحمہ نے بحکم حضور مفتی اعظم عالم اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں بحیثیت مفتی مسند افتا پر مقرر فرمایا۔ حضور شمس العلما علیہ الرحمہ کو جس طرح زمانۂ طفولیت سے ہی علوم دینیہ سے شغف تھا۔ اسی طرح فقہ، اصول فقہ وعلم حدیث سے بھی بے انتہا گہرا لگاؤ تھا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ارباب علم ودانش نے وہ دن بھی دیکھا کہ آپ نے اپنی تدریسی زندگی ہی میں فتویٰ کی دو ضخیم جلدیں بنام 'فتاویٰ پورنیہ' تصنیف فرمائی۔ جو معاشی بحران کی وجہ سے اب تک قلمی نسخہ ہی میں محدود ہے۔

دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں آپ نے تقریباً ۶ رسال خدمت تدریس وافتا مصروف رہے
حضرت علامہ مولانا قربان علی دلشاد پوری کا بیان ہے کہ حضرت مولانا شمس الحق علیہ الرحمہ نے مجھے بتایا کہ فتو
یٰ نویسی کے دوران ایک روز میں ایک مسئلہ کی تحقیق وتوثیق کیلئے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں پہنچا،
دیکھا کہ آپ تعویذ لکھنے میں مصروف تھے، جس کی وجہ سے میری طرف نظر التفات نہ فرما سکے۔ میں کبیدہ
خاطر دارالافتا روانہ ہو گیا اور دل ہی دل کہا کہ واہ! کیا اعلیٰ حضرت نے تعویذ ہی لکھنے کے لئے مامور فرمایا تھا۔
کچھ دیر کے بعد حاضرین کی طرف مسکراتے ہوئے متوجہ ہو کر فرمایا: صوفی صاحب کہاں چلے گئے، جلد
بلاؤ۔ خبر سنتے ہی میں فوراً بارگاہ حضور مفتی اعظم میں آیا۔ سلام ودست بوسی کے بعد معانقہ فرمایا۔ صوفی صاحب
کا بیان ہے کہ باخدا دوران معانقہ حضور مرشد برحق علیہ الرحمہ نے آن واحد میں وہ چیز عطا فرمائی، جو میں اپنے
......سالہ زندگی میں حاصل نہ کر پایا تھا۔ یعنی میرے سینے کو انوار وتجلیات الٰہی کا مخزن بنا دیا۔ پھر بعد نماز عشا
علما وصوفیائے کرام کے بھرے مجمع میں سلسلۂ قادریہ رضویہ کی خلافت واجازت عطا فرما کر ارشاد فرمایا: جاؤ میں
نے تم کو صوبۂ بنگال کی ولایت بخش دیا۔ پھر کشف ومجاہدات میں زندگی بسر کرنا اپنا معمول بنا لو۔ پھر دوسرے
ہی دن دارالعلوم مظہر اسلام سے مستعفی ہو کر لال مسجد ملکپور بریلی شریف کے قریب جناب نیاز احمد کے ایک
حجرے میں فنا فی اللہ وفنا فی الرسول ہو کر ریاضت ومجاہدات میں مشغول رہتے اور گاہ بگاہ اپنے ہاتھ سے کپڑا
سلتے اور گذارہ کے مقدار سے جو روپیہ زیادہ ہوتا اسے بچوں میں تقسیم کر دیتے۔

حضرت شمس العلما علیہ الرحمہ علوم عقلیہ ونقلیہ وکشف ومجاہدات میں تمام معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے۔ علم کلام، علم فقہ وعلم حدیث میں آپ کو تخصص حاصل تھا۔ کوئی ہمعصران کا ہم پلہ نہ تھا، بلکہ جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ علمائے عصر وفضلائے دہر کو کیا مجال کہ اس بلند پایہ بے باک مجاہد کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکے۔ بسا اوقات یہ سنا گیا کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانۂ فن تصور کرتے تھے، جب ان کی زبان سے ایک حرف سنتے، دعوئ کمال کو فراموش کر کے شاگردی اپنا فخر سمجھتے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی رہبری نے حضور شمس العلما علیہ الرحمہ کو صرف یہ نہیں کہ قائد قوم وملت بنا دیا، بلکہ قوم جنات کا قطب بنا دیا۔ جیسا کہ جناب احمد حسین شیخ پوری کٹیہاری (جو آپ کے چھوٹے چچا ہیں) کا بیان ہے کہ صوفی صاحب جب گھر تشریف لائے، تو میرے اصرار وضد پر کچھ ایسی باتیں مجھے بتائیں، جو قابل رشک کے ساتھ فخر خاندان وقبیلہ بھی ہے۔

صوفی صاحب کہہ رہے تھے کہ تقریباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ ایک رات میں جناب نیاز احمد خان بریلوی کے حجرہ میں بعد نماز عشا سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک رکشہ والا نے دروازہ پر دستک دی، بیداری کے بعد دروازہ کھولا اور آنے کی وجہ پوچھا؟۔تو بتایا کہ محلّہ باقر گنج یا محلّہ ذخیرہ (شک راوی) میں شادی ہے، دولہا اور دلہن دونوں کی خواہش ہے کہ آپ ہی سے عقد خوانی کروائیں۔لہٰذا آپ تشریف لے چلیں۔آپ نے وضو فرمایا اور رکشے میں بیٹھ گئے۔ رکشے والا جب مذکورہ محلّہ سے آگے بڑھا، تو آپ نے فرمایا، ارے وہ محلّہ تو پیچھے رہ گیا۔تم آگے کہاں چل رہے ہو؟۔رکشے والے نے کہا۔حضور میں قوم جنات سے ہوں۔آج میری لڑکی کی شادی ہے، لہٰذا میری خواہش ہے کہ آپ ہی عقد خوانی فرمادیں۔

احمد صاحب کا بیان ہے کہ صوفی صاحب نے فرمایا کہ میں نے دل ہی دل سوچا کہ ایک دن تو مرنا ہی ہے۔چلو جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔کچھ دور گیا ہی تھا کہ ایک بہت بڑا سرنگ نظر آیا، جس کے قریب پہنچ کر کہا حضور نیچے اتر کر آگے تشریف لے چلیں۔صوفی صاحب کا بیان ہے کہ جب میں سرنگ کے اندر گیا، تو دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان محفل سجی ہوئی ہے بڑے بڑے علما جبہ ودستار میں ملبوس ہو کر تخت نشیں ہیں۔دیکھتے ہی سبھی حضرات استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔پھر مجھ کو بیچ میں بٹھا کر مہر کی تعیین کرنے لگے۔کچھ دیر کے بعد عالیشان عمارت کے اندر سے ایک ضعیف العمر جن بشکل انسان تشریف لایا اور کہا حضور اندر تشریف لے چلیں، دلہن تیار ہے۔جب میں اندر کے لئے روانہ ہوا، تو کوئی پکارنے والا پکار رہا تھا۔پردہ کرلو۔مولانا صاحب تشریف لارہے ہیں۔میں اندر گیا اور لڑکی کا نکاح پڑھایا۔پھر باہر آیا۔خطبہ پڑھ کر دولہا کا نکاح پڑھانے کے بعد کہا گیا۔حضور کچھ کھالیں۔میں نے کچھ کھایا۔مگر یہ باور نہ کرسکا کہ کیا کھایا۔پھر اجازت لے کر سرنگ کے باہر آیا، رکشہ اسی جگہ کھڑا تھا۔میں رکشے میں بیٹھا۔رکشہ والا مجھے مسجد کے سامنے اتار دیا۔میں بستر پر سو گیا۔ پھر رکشہ والا ایک تھیلی میں کچھ لے کر کہا کہ حضور یہ نذر ہے، قبول فرمالیں۔میں نے کہا کہ چارپائی کے نیچے رکھ دو۔جب صبح ہوئی اور بعد نماز فجر میں نے دیکھا کہ چارپائی کے نیچے چاندی کے کچھ سکے پڑے ہوئے ہیں۔میں نے ان تمام سکوں کو فقیروں، غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔

اسی طرح حضرت مولانا قربان علی دلشاد پوری، حضرت مولانا الیف الرحمٰن شکارپوری و جناب عبدالباری شاہدی اور جناب احمد حسین شیخ پوری کا بیان ہے کہ حضرت مولانا قمرالدین پورنوی علیہ

الرحمہ (جو حضرت ممدوح کے مشفق استاذ تھے) کی اہلیہ محترمہ مرحومہ کا کمر بند جو چاندی کا تھا۔ جناتوں نے قبضہ کرلیا۔ جس سے حضرت مولانا قمرالدین مرحوم کو بہت افسوس ہوا، علاقے کے بڑے بڑے عاملوں کی بارگاہ میں دستک دی۔ مگر کسی سے مسئلہ کا حل نہ ہوسکا۔ بالآخر حضرت صوفی شمس الحق کی طرف متوجہ ہوئے اور واقعہ کی جانکاری دی۔ یہ سن کر صوفی صاحب نے فرمایا کہ اس کمبخت کی یہ ہمت کہ میرے استادنی صاحبہ کے چاندی کا کمر بند کو قبضہ کرلیا۔ اگر شمس الحق نے واپس نہ کیا، تو اپنے پیر و مرشد کی ارادت کو چھوڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر نور کانی عرف بتہا گاؤں متصل بائسی ضلع پورنیہ، جہاں حضرت مولانا قمرالدین علیہ الرحمہ کا دولت کدہ تھا۔ تشریف لائے اور رات کے کچھ حصہ گزر جانے کے بعد جنات کے سردار سے ہم کلامی فرمایا اور بالآخر سارق جن مجبور ہوکر ۱۲ رسال کے قبل کا گم شدہ سامان حضرت کے حوالہ کیا اور معافی مانگ کر تائب ہوا، جس کو صوفی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے استاذ محترم کے سپرد کیا۔ حضرت صوفی صاحب سے اس طرح کے بے شمار کرامتوں کا ظہور ہوا۔ مگر تنگئ وقت کی وجہ سے سب کو جمع نہ کرسکا۔

نکاح خوانی کی بشارت: حضرت شمس العلما کا بیان ہے کہ میں بعد فراغت ۱۵ رسال ایک کمرہ میں ہی زندگی بسر کی اور ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے بلا کر یہ فرمایا: تم گھر جاؤ اور ارشاد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (النکاح من سنتی) کے مطابق جلد عمل پیرا ہوکر صوبۂ بنگال کے بدعقیدہ لوگوں کے سینے سے کفر و شرک کی خاردار جھاڑیوں کو مٹا کر مسلک اعلیٰ حضرت کا چراغ روشن کرو۔ حکم مرشد سنتے ہی اپنا مالوف وطن شیخ پورہ ضلع کٹیہار قدیم پورنیہ آیا اور خویش و اقارب کے بے حد اصرار و ضد پر پھر مرشد برحق کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ۱۹۸۰ء کے اواخر میں جناب اختر حسین متوطن سنگھیا ضلع کٹیہار کے دختر نیک اختر سے نکاح کیا۔ جس سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

مرتبۂ قطبیت پر فائز: شادی کے کچھ دنوں بعد مدرسہ اشرفیہ نوادہ پیر ہاٹ بنگال (جو ضلع رائے گنج سے تقریباً ۴۰ رکلومیٹر جانب شمال واقع ہے) کے اراکین کی جانب سے ایک وفد آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور اپنے ہمراہ مدرسہ اشرفیہ پیر ہاٹ نوادہ لے گیا اور جملہ اراکین کے اتفاق رائے سے آپ صدر المدرسین و صدر دارالافتا کے منصب پر فائز ہوئے۔ بارگاہ اعلیٰ حضرت کی ۳۶ رسالہ روحانی تربیت تو تھی ہی، مگر جب آپ بنگال تشریف لائے، تو وہاں آپ کا اصل جوہر

روشن ہوا، خوابیدہ صلاحیت اجاگر ہوئی، پوشیدہ رموز واسرار کا بھید کھلا کہ آپ صرف اور صرف ایک عالم ہی نہیں، بلکہ عالم ربانی، صوفی باصفا، دیدہ ور فقیہ، محدث وقت، قطب زمن، مسیحائے قوم مریض، مجذوب روشن ضمیر، مرشد برحق، صاحب تصانیف، حق گو، بے باک مجاہد، زہد وتقویٰ کا مجسمہ، عابد شب زندہ دار اور ناشر مسلک اعلیٰ حضرت بھی ہیں۔ ہر طرف چاندنی بکھر گئی، بہار وبنگال کے تمام مضافات اس چاندنی سے روشن ہونے لگے۔ یہ وہی دور تھا، جس کو آپ کی حیات کا بے مثال زرین دور کہا جاتا ہے۔

مجاہدانہ کردار: مدرسہ اشرفیہ نوادہ پیر ہاٹ بنگال کے ناظم اعلیٰ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اس طرح کا عابد شب زندہ دار، بے باک مجاہد، تہجد گذار عالم کو اپنی زندگی میں دیکھا ہی نہیں۔ موصوف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہندو مسلم تنازع بھڑک اٹھا اور ہندو حکمراں کی سازش کی بنا پر قریب تھا کہ یہ فساد شعلۂ جوالہ بن کر مسلمانوں کے لئے عظیم خطرہ ثابت ہوجائے کہ اچانک بے باک مجاہد حضرت صوفی صاحب نے رائے گنج کے اطراف واکناف کے مسلمانوں کو للکارا اور اپنے ہمراہ لئے اتر دیناجپور کے کلکٹر (D.M.) کا گھیراؤ کیا اور بلاخوف وخطر ضلع مجسٹریٹ کے قریب پہنچ کر انکے بڑھے ہوئے مونچھ کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے غضبناک آواز میں فرمایا: حکومتی کتے حکومت کی کرسی میں بیٹھ کر آرام کی سانس لیتے ہو اور خلق خدا کو فتنہ وفساد کی آگ میں ڈال رہے ہو۔ خبردار! اگر ایک بھی ناحق جان چلی گئی، تو انجام برا ہوگا۔ مجاہد اعظم کا بے باکانہ رعب دیکھ کر کرسی سے کھڑا ہوگیا اور تعظیم کرتے ہوئے اپنی کرسی میں حضرت کو بٹھایا اور یہ وعدہ کیا کہ آج سے کچھ نہ ہوگا اور ایسا ہی ہوا کہ دوسرے ہی دن سے لوگ امن وسکون کی زندگی گزارنے لگے۔

آخرت کا سفر: آپ درس وافتا، وعظ وتقریر، ردّ ومناظرہ، دعوت وتبلیغ دین، اشاعت اسلام وسنیت، سرکوبی فرقۂ باطلہ، تصفیہ ظاہر وباطن اور فکر آخرت میں سرگرم عمل تھے کہ اچانک شدید بخار لاحق ہوا اور آپ گھر تشریف لائے۔ بسیار علاج ومعالجہ کے بعد بھی کوئی افاقہ نہ ملا، بلکہ روز بروز مرض بڑھتا ہی رہا۔ بالآخر ۲۸ر جون ۲۰۰۲ء / مطابق ۱۶ر ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ بروز جمعہ بعد فجر سالماری ایک ماہر ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہماری جانکاری کے مطابق صوفی صاحب بہت پہلے ہی دنیا سے چل بسے ہیں۔ نہیں معلوم کہ یہ بزرگ صفت انسان اب تک کیسے باحیات ہیں۔ جبکہ اس وقت تک حضرت شمس العلما علیہ الرحمہ باعقل وخرد خویش

واقارب سے گفتگو فرماتے تھے۔ بالآخر قبل جمعہ گھر لائے گئے اور جو بھی مزاج پرسی کے لئے آتا، انہیں بدعقیدوں کی صحبت سے بچے رہنے اور مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم ودائم رہنے کی ہدایت فرماتے اور صبر وتحمل سے کام لینے کی تلقین کرتے۔ اتنے میں عصر کا وقت ہوا اور مؤذن نے اذان پکارا۔ آپ بغور اذان کے کلمات کو سنتے رہے کہ اچانک ایک نور چمکا، جس سے سارا گھر روشن ہوگیا اور زبان پہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد جاری تھا اور جان شوق دیدار الٰہی میں قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ آپ محبوب حقیقی سے جاملے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

۱۷ ربیع الثانی بروز ہفتہ بعد نماز ظہر حضرت علامہ مولانا محمد قربان علی دلشاد پوری خلیفہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور راقم الحروف مجیب الرحمٰن رضوی، حضرت مولانا عثمان غنی رضوی، حضرت مولانا عبدالسبحان رضوی، جناب حافظ وقاری احسان الحق رضوی اور دیگر علما وفضلاء اور بے شمار عقیدت مندوں نے گاؤں ہی کے پرانے قبرستان میں لب سڑک سپرد خاک کئے۔ اس طرح تقریباً ۷۴ سال دنیا میں رہ کر ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگئے۔

آپ کا مزار اقدس آج بھی ہر خاص وعام کے لئے مرجع عقیدت بنا ہوا ہے اور ہر سال ۱۶/۱۷ ربیع الثانی کو سالانہ عرس بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ منایا جارہا ہے۔ جملہ مسلمانان اہلسنّت سے دعا کی درخواست ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے جلد از جلد حضرت شمس العلما کے مزار اقدس کو گنبد رضا کے نقشہ میں ڈھال کر تکمیل کی توفیق رفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

محمد مجیب الرحمٰن رضوی مصباحی

خادم دارالافتاء والتدریس شیخ پورہ رضا نگر ڈاکخانہ

بلیا بلون وایا سالماری کٹیہار

۲۴/۱۱/۴ ۲۰۰ء/ ۲۷/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ۔

☆ ☆ ☆

حضرت مفتی قاضی نور پرویز رشیدی

بقلم خود:

نام ونسب: قاضی محمد نور پرویز رشیدی ابن حضرت العلام مفتی قاضی ثمیر الدین احمد رشیدی علیہ الرحمۃ الباری

ولادت: ۱۳۵۶ھ/ مطابق ۱۹۳۵ء ۱۳/ شعبان المعظم بروز جمعہ۔

مولد ومسکن: بھینہ، ضلع کٹیہار اور بارسوئی سب ڈویزن میں واقع ایک گاؤں ہے۔

ابتدائی تعلیم: ابتدائی کتابیں مکتب میں پڑھنے کے بعد عربی اولیٰ سے لے کر جماعت سادسہ یعنی جلالین شریف تک کی تعلیم والد ماجد قدس سرہٗ سے حاصل کی۔ بعدہٗ جب ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار تشریف لائے، تو والد ماجد نے حضرت ممدوح کے حلقۂ درس میں مجھے داخل کر دیا اور یہاں رہ کر منتہی درجہ تک کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۷ء میں سند فراغت حاصل کی اور ۱۹۵۸ء میں علما ومشائخ کے اجلاس عام میں دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار کے اساتذۂ کرام حسب ذیل ہیں:

(۱) ملک العلما تلمیذ اعلیٰ حضرت علامہ ظفر الدین علیہ الرحمہ

(۲) حضرت مولانا سید شاہ مفتی عبد المنان صاحب گیاوی علیہ الرحمہ

(۳) حضرت مولانا یوسف صاحب پٹنہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴) حضرت مولانا سلیمان صاحب بھاگلپوری۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد سونا پور میں درس وتدریس کا کام شروع کیا۔ بعد میں حضرت سید اظہار اشرف مدظلہٗ کی سرپرستی میں باضابطہ ایک ادارہ کا قیام ہوا اور مجھے نائب سرپرست بنایا گیا۔ یہاں کئی سال تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ پھر ۱۹۷۴ء میں مدرسہ حسینیہ درگاہ شریف جلکی میں صدر مدرس کی حیثیت سے درس کی ذمہ داری سنبھالی اور ۲۰۰۶ء تک اسی منصب پر فائز رہا۔

اس وقت کا مشغلہ: گھر کی ذمہ داریوں کے علاوہ فتویٰ نویسی، امامت، خطابت نیز نزاعی امور میں لوگوں کے درمیان شرعی تصفیہ کرانا وغیرہ۔

کس استاذ سے زیادہ متاثر رہا: جامعہ لطیفیہ بحر العلوم میں حضرت ملک العلما سے زیادہ

متاثر رہا۔ والد ماجد قدس سرہٗ سے حضرت ممدوح کے بڑے اچھے اور خلوص بھرے تعلقات تھے۔ اسکے پیش نظر حضرت ملک العلما مجھے بہت عزیز رکھتے تھے اور بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ تعلیم وتربیت کا خیال رکھتے۔ میرے والد ماجد قدس سرہٗ ایک بہترین مفتی اور بافیض عالم ہونے کے ساتھ صاحب ثروت اور زمیندار بھی تھے۔ اس لئے گھر سے ہر ہفتہ کھانے پینے کے عمدہ اور لذیذ سامان بھیجے جاتے۔ حضرت ملک العلما کے لئے الگ سے حصے مخصوص ہوتے، حضرت بڑے شوق سے تناول فرماتے، پڑھنے کے علاوہ خالی اوقات میں حضرت کی خدمت میں لگا رہتا اور حضرت علمی ودینی مسائل بتاتے، بلکہ سوالات کر کے حل کا مطالبہ کرتے، اس طرح ہر لمحہ علم وتعلیم میں گذرتا رہا۔ زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایہ حیات ہوگئیں۔ یوں تو سب اساتذۂ کرام بڑے مخلص تھے اور شفقت آمیز سلوک سے پیش آتے، لیکن حضرت ملک العلما کا طرز تعلیم اور انداز تربیت نرالا اور دلکش تھا، اس لئے میں ذاتی طور پر ان سے زیادہ متاثر رہا۔ دوران درس یہ تصور ہمارے لئے بڑا مسرور کن ہوتا کہ صرف ایک واسطہ سے ہم امام اہل سنت کے فیض وبرکات سے مستفیض ومستفید ہو رہے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

بحر العلوم کی ابتدائی تعلیم: جب ہم لوگ مادر علمی بحر العلوم میں زیر تعلیم تھے، یہ زمانہ علمی بحران کا زمانہ تھا، غیر منقسم پورنیہ ضلع کے لوگ بالعموم علم دین سے نا آشنا تھے، حضرت سید شاہ شاہد حسین علیہ الرحمہ عرف درگاہی میاں کا قائم کردہ ادارہ 'دار العلوم لطیفی' پر جب بد مذہبوں کا تسلط ہوگیا، تو حضرت موصوف نے اس کے مقابل جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کی بنیاد رکھی اور حضرت ملک العلما سے صدر مدرس کی عرضی پیش کی۔ حضرت ملک العلما نے علاقہ کی علمی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے بطیّب خاطر منظور فرمالیا اور ایک کمرے میں مدرسے کا افتتاح کردیا گیا۔ طلبہ کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر یہ جگہ ناکافی تھی، اس لئے وکیل عبد السلام صاحب مرحوم کے ایک ذاتی کمرہ عارضی طور پر مدرسہ کے لئے مستعار لے لیا گیا اور اس طرح تعلیم کا سلسلہ چل پڑا اور حضرت ملک العلما کی علمی شہرت کا ڈنکا، جب اطراف وجوانب میں بجنے لگا، تو طلبہ کی بڑھتی تعداد کے سامنے یہ جگہ بھی کم پڑنے لگی۔

وہ ساتھی جو شریک درس رہے: میری معلومات کے مطابق میرے وہ درسی ساتھی، جو بقید حیات ہیں، ان کے اسماء یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا عبد الرشید صاحب بہتا، بائسی۔

(۲) مولانا عبد القادر صاحب بائسی۔

(۳) مولانا عبدالجبار صاحب اشرفی، شیخ پورہ
(۴) حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب، بائسی، پورنیہ
(۵) مولانا علیم الدین صاحب، کشن گنج۔
اور درج ذیل حضرات وفات پا چکے ہیں:
(۱) مولانا عبدالرحمٰن اچھے پوری
(۲) مولانا عبداللہ اچھے پوری
(۳) مولانا شہاب الدین بھینس بندھوی
(۴) مفتی غلام مجتبیٰ، کشن گنج
(۵) مولانا خلیل الرحمٰن طیب پوری۔

بحر العلوم میں تعلیمی زوال: جس زمانے میں حضرت ملک العلما بحر العلوم میں تشنگان علوم نبویہ کو سیراب و فیضیاب کر رہے تھے، وہ زمانہ تعلیمی عروج کا زمانہ تھا، طلبہ بڑے ذہین تھے اور حضرت سے اکتساب فیض کر کے دوسروں کو فیضیاب کرتے تھے، بلکہ یوں کہہ لیا جائے، تو بیجا نہ ہوگا کہ اس دور میں حضرت ممدوح کی درسگاہ سے فیض یافتہ ہر شخص اپنے آپ میں علم و فضل کا ماہتاب تھا۔ع ایں خانہ ہمہ آفتاب ست۔ میں کن کن کا نام گناؤں۔ مگر جب حضرت ملک العلما ضعف و نقاہت کی وجہ سے چلے گئے اور دوسرے قابل فخر اساتذہ بھی رخصت ہو گئے، تو بحر العلوم میں علمی زوال آ گیا اور یہ زمانہ کافی دراز ہو گیا۔ اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علمی ترقی کی طرف کچھ دھیان ہے۔ عزیز مکرم حضرت مولانا اعجاز اصغر صاحب کی محنت و کاوش سے امید بندھی ہے، مگر مدرسہ کے ساتھ وقار کو بحال کرنے کے لیے مزید جہد مسلسل اور باصلاحیت تجربہ کار مدرسین کی ایک ٹیم کی ضرورت ہے، تاکہ عظمت رفتہ بحال ہو سکے۔

بحر العلوم کا سبب قیام: مولوی عابد حسین چندی پوری مالدہوی ایک ادارہ کے قیام کا منصوبہ لے کر بغرض صلاح و مشورہ حضرت مولانا سکندر علی رحمۃ اللہ علیہ بنی باڑی کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ درمیان گفتگو اس نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا جو اس وقت کے بڑے عابد و زاہد تھے، علاقہ میں ان کے زہد و تقوی کی نظیر نہ اس وقت تھی اور نہ اب ہے، انہوں نے مولوی عابد کے فساد عقیدہ کا حال معلوم کر لیا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ آپ کو اس ضعیفی کے عالم میں اس میدان میں قدم رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مولوی عابد اس وقت تو وہاں سے لوٹ گئے، مگر ادارہ کے قیام کا کام خاموش طریقے سے اس نے جاری کیا۔

حضرت مولانا سکندر علی نے مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ کی کفری عبارات سے متعلق مولوی عابد کا نظریہ معلوم کیا، تو اس نے کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہا اور بالآخر سہارنپور کا جواب حوالہ کردیا کہ دہلوی ٹھیک ٹھاک حنفی مزاج شخص تھے، البتہ مزاج میں شدت تھی۔ اس تناظر میں حضرت مولانا سکندر علی نے مولوی عابد کے تعلق سے حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت اور دوسرے اکابر علما سے استفتا کیا اور مولوی عابد پر ضال مضل، گمراہ گر ہونے کا حکم لگایا گیا اور علمائے اہلسنّت نے جلسۂ عام میں اس کی توبہ کا مطالبہ کیا، اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کسی طرح توبہ کرلیا، لیکن بعد میں وہ اپنی سابقہ روش پر قائم رہا اور اس نے کٹیہار شہر میں 'دارالعلوم لطیفی' کے نام سے ادارہ قائم کرلیا، اس میں دو دیوبندی مولویوں کو بحال کردیا۔

حضرت سید شاہ شاہد حسین علیہ الرحمہ سابق سجادہ نشین خانقاہ بارگاہ عشق پٹنہ نے ان دو مولویوں کے متعلق عابد حسین سے بات کی کہ تم ان دونوں کو مدرسے سے نکال دو، یہ دونوں دیوبندی عقیدے کے ہیں۔ مولوی عابد حسین نے لیت ولعل سے کام لیا اور ان دونوں کو مدرسہ سے نہیں نکالا اور طوفان بدتمیزی یہ کہ ایک پوسٹر نکال دیا، جس کی ہیڈ لائن یہ تھی 'بارگاہ عشق پر ہائیڈروجن بم'۔ حضرت سید شاہ شاہد حسین کو عابد کی اس گھٹیا حرکت سے سخت تکلیف پہنچی اور آپ نے رحمان پور میں عرس کے موقع پر ایک میٹنگ طلب کی۔ علما، مریدین، معتقدین کو مدعو کیا۔ علمائے کرام میں دو شخصیتیں (۱) استاذی حضرت ملک العلما مولانا ظفرالدین قادری علیہ الرحمہ (۲) استاذی حضرت مولانا سلیمان صاحب علیہ الرحمہ خصوصیت کے ساتھ میٹنگ میں شریک رہیں۔ جناب شرف الحق اور جناب وکیل عبدالسلام بھی شریک میٹنگ رہے۔ باتفاق رائے ایک مدرسہ کے قیام کی تجویز پاس ہوگئی اور اس ادارہ کا نام 'جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم' طے پایا۔ اس طرح سے یہ مدرسہ اہل سنت وجماعت کی ضرورت کے علاوہ اس علاقہ میں ایک نشان امتیاز بھی بن گیا۔

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا نذیر احمد رضوی علیہ الرحمہ

از قلم: مولانا عسجد رضا، آبجہ، بائسی، پورنیہ

پورنیہ کے معروف عالم دین حضرت مولانا نذیر احمد نوری پورنوی کا طویل علالت کے بعد اپنے گاؤں میں ۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ اتوار کی شب [۱۱/۳۰] میں انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ علاقہ کی ایک معروف و متدین و متشرع شخصیت حافظ وقاری عبد الصمد رضوی نے پڑھائی۔ جس میں ہزاروں مسلمان شریک ہوئے اور تدفین اپنے آبائی قبرستان میں عمل میں آئی۔ پسماندگان میں آپ کی اہلیہ محترمہ یعنی میری مامی جان اور پانچ اولاد ہیں۔ جن میں تین لڑکے [۱] محمد قیصر رضا [۲] مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی [۳] مولانا انصار رضا امجدی اور دو لڑکیاں شامل ہیں۔

موصوف علاقے کے باثر عالم دین، پابند شریعت اور زبردست عامل تھے۔ دعا وتعویذ میں زوداثر رکھتے تھے۔ ہزاروں پریشان حال آپ کی بارگاہ میں آتے اور اپنی مرادیں پاتے۔ مشہور نوجوان عالم دین مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی [صدر المدرسین و شیخ الحدیث، دار العلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد، گجرات ونائب قاضی، دار القضا احمد آباد، گجرات] آپ کے سعادت مند فرزند ہیں۔

آپ آبجہ، ضلع پورنیہ، بہار میں ۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پائی۔ پھر ہرن توڑ بائسی میں، اس کے بعد علاقے کا قدیم اور تاریخی، تعلیمی ادارہ، دار العلوم مصطفائیہ، درگاہ شریف، چمنی بازار، پورنیہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ اس وقت مذکورہ ادارہ میں مجدد سلسلۂ رشیدیہ شیخ الاسلام علامہ ابو صالح غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی وغیرہم جیسے اساطین علم وفضل منصب تدریس کو رونق بخش رہے تھے۔ اس کے بعد علوم وفنون کی تکمیل اور سند فراغت کی تحصیل دار العلوم مظہر اسلام، بریلی شریف میں کی۔ بیعت و ارادت کا شرف حضرت مفتی اعظم ہند سے رکھتے، دعا وتعویذ کی اجازت انہیں سے حاصل تھی۔ اساتذہ میں علامہ غلام محمد یٰسین رشیدی، حضرت شارح بخاری، حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، منشی محمد تصنیف ہرن توڑی، امام النحو حضرت علامہ بلال احمد نوری، مفتی محمد اعظم خان، مولانا عبد الرشید رشیدی دام ظلہم وغیرہم جیسی بلند پایہ شخصیتیں شامل ہیں۔

بعد فراغت متعدد اداروں میں یا کی ضلع پورنیہ میں چھ سال، بیگھا باڑی، علاقہ گوال پوکھر ضلع اتر دیناج پور میں پانچ سال، مدرسہ اشرفیہ اظہر العلوم، حورا حجرہ، سونا پور، بارسوئی، کٹیہار میں آٹھ سال، دار العلوم تنظیم المسلمین بائسی میں دس سال تدریسی زندگی گزاری۔ تادم حیات دار العلوم اہل سنت امان الاسلام، جنتا ہات، بائسی، پورنیہ میں صدر المدرسین کے عہدے پر تدریسی خدمات پر مامور تھے۔ آپ کے بے شمار تلامذہ افق پر نیر تاباں بن کر طلوع ہوئے۔ جن میں مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مفتی قاضی فضل احمد مصباحی، مفتی قاضی فضل رسول مصباحی، مولانا کاظم رضا نعیمی، مولانا حسنین رضا نعیمی، مولانا مزمل حسین رضوی، مولانا شرافت حسین رضوی، مولانا سعید الرحمن قادری نعیمی، مولانا تبریز اقبال اور مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ آپ سنجیدہ طبیعت کے مالک اور انتہائی خلیق اور ملنسار تھے۔ مشربی اختلافات سے سخت نفرت تھی۔ نسبت کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ خانقاہوں کا احترام حد درجہ تھا۔ مشائخ وصوفیا سے نیازمندانہ ومخلصانہ عقیدت ومحبت اور صوفیا وعرفا سے بے پناہ محبت والفت رکھتے تھے۔ علما، تلامذہ اور طلبہ سے بھی بہت محبت کرتے اور ہر ایک کی خبر گیری وخیریت پرسی کرتے۔

علاقائی سطح پر آپ کی دینی وسماجی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت مولانا عبد العزیز رضوی کے انتقال کے بعد سے تاحیات بلا اجرت اپنے گاؤں کی جامع مسجد کے منصب امامت پر فائز رہے۔ دار العلوم تنظیم المسلمین بائسی حین حیات اس کے منصب صدارت متمکن رہے۔ عزیزی لائبریری جنتا ہاٹ بائسی کے صدر تھے۔ جنتا ہاٹ سے جانب شرق [چنکی] عیدگاہ کے پندرہ سال عیدین کے امام رہے۔ علاقے کے دینی اور اصلاحی پروگراموں میں شریک وسہیم ہوتے۔ جنتا ہاٹ بائسی میں عرس رضوی کا اہتمام کیا کرتے۔ جو آج بھی اسی انداز میں جاری ہے۔ اختتام عرس کے بعد علمائے عظام آپ کے دولت کدے پر تشریف لاتے اور علمی، قومی، ملی، سماجی مسائل پر باہم تبادلۂ خیالات کرتے۔ اس طرح سے آپ کی پوری زندگی علاقے کی فلاح و بہبود، خدمت خلق اور علم واخلاق کی اشاعت میں گزری۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی دینی وسماجی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں غریق رحمت فرمائے، آمین۔ جملہ عوام، علما، مشائخ، طلبہ، احباب اور محبین و مخلصین سے مولانا مرحوم کی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[ماخوذ از: ماہنامہ ’کنز الایمان‘ دہلی شمارہ اپریل ۲۰۱۵ء، ص: ۴۱]

☆ ☆ ☆

حضرت مفتی محمد زبیر عالم صاحب رضوی صدیقی پورنوی
جگ بیتی اور آپ بیتی جیسی خودنوشت اور معلوماتی ایک تحریر

پورنیہ، بہار کا سب بڑا ضلع مانا جاتا تھا۔ اسی سے کاٹ کر کٹیہار، سہرسہ، مدھے پورہ اور اب اررریہ، کشن گنج بنایا گیا۔ پورنیہ کے پچھمی بیلٹ میں سب سے پہلے عالم دین بریلی شریف منظر اسلام سے فارغ ہو کر آنے والے پیر طریقت حضرت مولانا محمد مسلم صاحب رضوی علیہ الرحمہ تھے۔ لال گنج [پورنیہ] مولانا موصوف کا اپنا آبائی وطن تھا۔ بڑے وجیہ صورت تھے۔ پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی بڑی، مسکراتا چہرہ، لوگ دیکھیں، تو دیکھتے رہ جائیں۔ لوگوں نے ان کا استقبال عالم کے شایان شان کیا۔ بڑی عزت ملی۔ لال گنج میں ہی مدرسہ عثمانیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا۔ ابھی اس مدرسہ کی روح حضرت علامہ مولانا غلام محی الدین دلکش پورنوی صاحب قبلہ ہیں۔ جو مولانا مسلم صاحب علیہ الرحمہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یہ بھی بریلی شریف منظر اسلام سے فارغ ہیں۔ علاقے کے بہترین مقرر ہیں۔ ان کی بھی علاقے میں الگ چھاپ ہے اور مولانا مسلم صاحب علیہ الرحمہ کے بڑے صاحب زادے حضرت حافظ وقاری محمد شعیب صاحب رضوی بھی اسی مدرسہ سے جڑے ہوئے ہیں اور مدرسہ کو بام عروج تک پہنچانے میں حافظ صاحب کا بڑا ہاتھ ہے۔

اسی مدرسہ کے پروڈکٹ پیر طریقت رہبر شریعت مجاہد جلیل حضرت علامہ مولانا عبد محمد الجلیل صاحب نعیمی علیہ الرحمہ والرضوان [سبوتر والے] تھے۔ جنہوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کو بد مذہبوں سے بچایا اور فی الحال اس علاقے میں جتنے بھی عالم دین نظر آتے ہیں، بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ حضرت مجاہد جلیل ہی کے شاگرد ہیں۔ سبوتر حضرت مجاہد جلیل کا وطن مالوف ہے۔ جو پورنیہ سے پچھم ۱۵؍ کیلو میٹر پر واقع ہے۔ اسی گاؤں میں حضرت نے 'مدرسہ حیات العلوم' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا اور اس علاقے میں سنیت کا پرچم بلند کر دیا۔ بڑے بڑے دولت مند دیوبندیوں کو سرنگوں ہوتے ہوئے دیکھا گیا۔

کئی مناظرہ بھی آپ نے کیا۔ ایک مناظرہ میں مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن صاحب قبلہ اور دوسرے علما کو بھی مدعو فرمایا۔ مناظرہ جیتنے کے بعد جب علما کو صبح رخصت کرنے کی باری آئی، تو بقول مفتی مطیع الرحمن صاحب قبلہ:

'ہم لوگوں نے کہا، مولانا! جلدی گاڑی منگوائیں۔ تاکہ ہم لوگ روانہ ہو جائیں۔ مولانا نے ناشتہ کا اصرار کیا۔ ہم لوگ ناستہ سے بھی فارغ ہو گئے۔ پھر بھی کسی کو روانہ نہیں کر رہے ہیں۔ میں نے کہا: مولانا! اب کیا دیری ہے؟۔ لیکن کچھ نہیں بول رہے ہیں۔ میں غصہ سے باہر آیا۔ تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ علمائے کرام کو نذرانہ دینے کے لئے روپے نہیں ہیں۔ تو اپنی بیوی کا زیور لے کر صبح ہی کسی کو پورنیہ بھیجے ہیں۔ اسی کے آنے میں دیری ہے'۔

جب علمائے کرام نے یہ بات سنی، تو سبھوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ خود غریب تھے۔ مگر کسی غریب کی بے بسی کو برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ بے اختیار رو پڑتے تھے۔ قرض لے کر ہی سہی، مگر اس کی مدد ضرور کرتے تھے۔ اسی پھلدار درخت کا ایک پھل کا نام پیر طریقت رہبر شریعت غزالی دوراں حضرت علامہ مولانا غلام رسول حشمتی قبلہ ہیں۔ جن سے اس علاقے کے لوگ بہت مستفیض ہوئے۔ آپ نے کٹیہار شہر میں ایک ادارہ 'روح العلوم' کے نام سے قائم فرمایا۔ مفتی صاحب قبلہ کا بھی علاقے میں ایک مقام ہے۔ یوں تو مجاہد جلیل کے بے شمار شاگرد ہیں۔ مگر مشہور شاگردوں میں چند کا نام یہ ہے:

حضرت علامہ مولانا محمد نور الدین حشمتی، حضرت مولانا محمد اسعد صاحب دھنہرہ، حضرت مولانا غلام محمد محی الدین صاحب دل کش لال گنج، حضرت مولانا محمد ابو القاسم صاحب، جو فی الحال اجمیر شریف میں کسی مدرسہ کا صدر مدرس ہیں۔ حضرت مولانا غلام محمد یٰسین صاحب، جو جھونی مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ حضرت مولانا محمد مسلم صاحب سبوتر، حضرت علامہ مولانا محمد محسن القادری صاحب، جو فی الحال دوبئی رہتے ہوئے دار العلوم محمدیہ عربک کالج کی صدارت کر رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ عربک کالج کا قیام اور بقا انہی کے دم قدم سے ہے۔ مولانا موصوف بڑے دیندار عالم باعمل ہیں۔ جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم برہان پور ایم پی سے فارغ ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند کے دامن سے وابستہ ہیں۔ بڑے مخلص ہیں۔ دوبئی میں علما کے درمیان آپ کا تذکرہ یقینی آتا ہے۔

مجاہد جلیل کے بڑے صاحب زادے حضرت علامہ مولانا محمد عالمگیر بخت صاحب، جو فی الحال محمدیہ عربک کالج پورنیہ کے مدرس ہیں۔ بڑے با اخلاق اور خود دار ہیں۔ ایسے لوگ بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت مولانا حافظ وقاری محمد عبد الوکیل صاحب مجاہد جلیل کے سچے جانشین ہیں۔ مدرسہ حیات العلوم سبوتر کے صدر مدرس ہیں۔ مدرسہ کی حیات انہی کے دم

قدم سے ہے۔ یہ ناچیز محمد زبیر عالم صدیقی قادری بھی مجاہد جلیل کی بارگاہ کا خوشہ چین ہے۔

مجاہد جلیل صاحب علیہ الرحمہ میرے والد گرامی پیر طریقت الحاج الشاہ محمد اسرائیل فریدی قادری علیہ الرحمہ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ میرے والد صاحب بھی حضرت پر فدا تھے۔ ہمیشہ میرے دادا حضور پیر طریقت الحاج الشاہ کرامت علی فریدی قادری علیہ الرحمہ کے عرس پاک کے موقع پر تشریف لایا کرتے تھے۔ جو پانچ پھاگن فصلی کو ہوا کرتا ہے۔ میرے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ حاجی صاحب! زبیر کو مجھے دے دیں۔ والد صاحب کچھ نہیں بولے۔ عرس کے بعد مجھ کو کا جھاہائی اسکول میں ڈال دیا۔

چوں کہ اسی اسکول میں میرے بڑے بھائی حاجی محمد شمیم صاحب اور محمد نسیم اور محمد عثمان بھی پڑھ رہے تھے۔ دادا علیہ الرحمہ کے عرس پاک کے موقع پر مجھے ایک بار چھٹی نہیں ملی۔ دوسرے روز عرس تھا۔ شام کو والد صاحب تشریف لائے۔ میں بضد ہو گیا کہ میں یہاں ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ جہاں عرس میں جانے کی چھٹی نہ ملے۔ اس وقت کچھ سمجھ نہ تھی۔ ایسا کیوں منع کیا جا رہا ہے۔ مگر اب سمجھ میں آیا کہ وہ ٹیچر بنام مسلم دیوبندی عقیدے سے تعلق رکھتے تھے۔ حالاں کہ میری ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔

بہر حال میں گھر آ گیا۔ عرس کے بعد والد صاحب نے مجاہد جلیل کے سپرد فرما دیا اور اس وقت سبوتر میں مدرسہ حیات العلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرتا تھا۔ واہ رے شفقت استاذ ہو، تو ایسی ہو۔ سبق پڑھائے جاتے، ادھر ایسا معلوم ہوتا کہ سینے میں اتار رہے ہیں۔ حضرت ہی نے وہاں سے دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار بھیج دیا۔ وہاں حضور پیر طریقت رہبر شریعت حکیم لطیف الرحمٰن صاحب رشیدی علیہ الرحمہ والرضوان، جو روحانیت کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، تقویٰ وطہارت کا جواب نہیں۔ اس وقت بچہ ہونے کی وجہ سے اتنا فیض نہیں اٹھا سکا۔ اب احساس ہوتا ہے۔

حضرت کا راتوں کا جاگنا اور رونا اور ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر گھنٹوں وظیفہ پڑھنا۔ بچہ ہونے کی وجہ سے چھپ چھپ کر ہم لوگ دیکھتے تھے اور ہنستے تھے کہ ان کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہیں۔ پھر ہم لوگ بھی ایک پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے پر ہنستے ہوئے گر جاتے۔ صبح بچوں میں تذکرہ ہوتا۔ رات کا انتظار شدت سے رہتا اور سب بچے چھپ کر یہ منظر دیکھتے۔ آج وہ لمحہ یاد آتا ہے۔ کاش! آج ویسے ہی کامل بزرگ مل جائیں۔ حضرت سے گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی، زلیخا وغیرہ پڑھا۔ سبق کے دوران سمجھانا

اور نصیحت کرنا۔ آج ساری باتیں یاد آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر گہر باری کرے۔

پھر وہاں سے برہان پور دارالسرور جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم مدھیہ پردیش میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ بھی خانقاہی رنگ میں مکمل رنگا ہوا تھا۔ اس کے بانی اور سرپرست اعلیٰ پیر طریقت الحاج الشاہ عبد الغفور اشرفی علیہ الرحمہ خلیفہ حضور اشرفی میاں کچھوچھہ شریف علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔ بڑے بااخلاق، علما نواز، طلبہ سے پیار، وہاں خامسہ تک پڑھا۔

پھر میرٹھ امام النحو شارح بخاری حضور سید غلام جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا۔ میرٹھ آنے کے بعد پتا چلا کہ تعلیم کیا ہے۔ علم کس کو کہتے ہیں۔ پڑھنے کے دوران ہی میں نے 'میزان' کی شرح 'مرجان' کی ترتیب دی۔ لیکن چھپی، اس وقت جب میں برہان پور ایم پی کے مشہور ادارہ جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم میں پڑھانے لگا اور اس وقت جو بچے پڑھ رہے تھے، ان کے اصرار پر شائع کروایا۔ جو بچے تفسیر بیضاوی میرے پاس پڑھ رہے تھے، ان کے اصرار پر بسم اللہ کی تفسیر بنام 'تفسیر تسمیۃ القرآن' شائع ہوئی۔ جو بچے 'ہدایۃ النحو' پڑھ رہے تھے، ان لوگوں کے کہنے پر 'برکات النحو' کی میں نے ترتیب دی۔ ہدایۃ النحو کے متن میں جو اغلاط ہیں، جن کی نشاندہی شارح بخاری امام النحو حضور صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ نے ہم لوگوں سے پڑھانے کے دوران کی تھی، ان سبھوں کی نشاندہی کر کے میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس جگہ عبارت یہ ہونی چاہیے۔

پھر ہدایۃ النحو کی شرح مثلاً درایہ، الہامیہ اور دیگر دیوبندی شروحات کی خبر لی گئی ہے۔ لیکن اب تک شائع نہ ہوسکی۔ صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے 'کافیہ' کی شرح مجرورات تک کر دی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا کوئی شاگرد آگے مکمل کر دے گا۔ الحمد للہ! برہان پور پڑھانے کے دوران شروع کیا۔ تقریباً پانچ سو صفحات مکمل ہوئے ہیں۔ مکمل کتاب کی ترکیب بھی کر چکا ہوں۔ لیکن شرح کچھ باقی ہے۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے اب تک مکمل نہ کر سکا یا یوں کہیں کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے نہ کر سکا۔ دعا کریں، مکمل کر دوں۔

برہان پور دس سال پڑھایا۔ پھر دار العلوم سبحانیہ بھساول، مہاراشٹرا میں دس سال تک شیخ الحدیث رہا۔ اسی کے درمیان ایک سال کے لئے عارضی طور پر اندور مجھے لے جایا گیا۔ وہاں کے دار الافتا میں ایک سال رہا۔ پھر بھساول کے لوگ بھساول لے آئے کہ آپ کو عارضی طور پر دیا گیا تھا۔ اب پھر بھساول ہی رہنا ہے۔ پھر بھساول آگیا۔ چھٹی کے ایام میں جب کبھی گھر آتا، پورنیہ شہر کے بارے میں سن کر بہت افسوس ہوتا تھا کہ اپنا کوئی ادارہ نہیں۔ پورنیہ شہر

میں ۱۹۹۳ء میں دار العلوم محمدیہ عربک کالج میں قائم ہوا اور دو مدرس بحال کر دیے گئے۔ ابھی باضابطہ پڑھائی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ مکمل دار العلوم کو پیٹرول چھڑک کر ۱۹۹۵ء کے اکتوبر میں جلا دیا گیا۔ جلانے والوں نے سوچا ہوگا کہ اس طرح دار العلوم کا وجود ختم ہو جائے گا۔

مگر رب کو کچھ اور منظور تھا۔ دار العلوم کو جلانا ہی شہرت کا سبب بن گیا۔ ۱۹۹۶ء میں مجھ سے کہا گیا کہ اب آپ کو پورنیہ ہی رہنا ہوگا۔ باہر رہ کر چاہیں گے کہ دار العلوم آگے بڑھے۔ یہ نہ ہو سکے گا۔ تو میں بھساول سے مستعفی ہو کر ۱۹۹۶ء میں مستقل طور پر پورنیہ آ گیا۔ اس وقت بیس فی صد سے زائد سنی مسلمان شہر میں تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہم لوگ پورنیہ شہر میں ساٹھ فی صد ہیں اور اطراف پورنیہ میں بد مذہبیت الحمد للہ دم توڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ عربک کالج میں فضیلت تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ ساتھ میں عصری علوم مثلاً انگریزی، حساب، کمپیوٹر کا بھی کورس چل رہا ہے۔

جب بد مذہبوں نے دیکھا کہ کام نہ چلے گا، تو لڑکیوں کی تعلیم کے نام پر ادارہ کھول دیا اور سنیوں کی بچیاں بھی جانے لگیں۔ تو مجھے تشویش ہوئی کہ تعلیم کے نام پر ہماری بچیوں کو بد مذہب نہ بنا لے۔ تو میں نے ۷ر نومبر ۲۰۰۷ء میں دار العلوم ابو ہریرہ للبنات کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور پانچ سالہ کورس کو میں نے ترتیب دی کہ اگر کوئی پانچ سال اپنی بچی کو میرے یہاں رکھے گا، تو میں عالمہ بنا کر دے دوں گا اور اس میں انگلش، حساب، کمپیوٹر بھی شامل ہے۔ چوں کہ کوسی کمشنری میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے سنیوں کا یہ پہلا ادارہ قائم ہوا ہے۔ سنیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فی الحال بیرونی بچیاں ایک سو ہیں۔

الحمد للہ! ادھر علاقے میں عربک کالج کی اٹھائیس شاخیں ہیں اور ہر شاخ کا نام مدرسہ غوثیہ ہے۔ رسید کسی شاخ کی نہیں چھپتی ہے۔ صرف عربک کالج سے چلتا ہے۔ ہر شاخ پر خدا کے فضل و کرم سے گہری نظر رکھتا ہوں۔ الحمد للہ پورے علاقے میں مسلک اہل سنت کا کام ہو رہا ہے۔ میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کا غلام ہوں۔ تاج الشریعہ نے خلافت واجازت سے نوازا ہے۔ کچھوچھہ شریف سرکار کلاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے بھی خلافت و اجازت ہے۔ ابھی اپنی خانقاہ چشتیہ فریدیہ للیا کا الحمد للہ سجادہ نشین ہوں۔ اپنے گاؤں میں دو ادارے برکات رضا للاطفال، برکات رضا للبنات کے نام سے چل رہے ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے دین کی خدمت لے لے اور مغفرت فرما دے، آمین ثم آمین۔

پورنیہ شہر سے پانچ کیلومیٹر دور پرورہ گاؤں میں ایک عظیم صوفی حضرت حافظ محمود عالم رحمۃ

اللہ علیہ گزرے ہیں۔ مدرسہ عثمانیہ لال گنج میں مدرس رہے۔ جہاں بے شمار پیاسوں کو علم سے سیراب کیا۔ حضرت حافظ وقاری شمیم اختر رضوی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب قبلہ بڑے متقی وپرہیزگار تھے۔ ہمدردی کا جذبہ بے پناہ تھا۔ مقناطیسی کیفیت کے مالک تھے۔ کھیت میں کام کرتے وقت بھی تلاوت کیا کرتے تھے۔ قاری شمیم صاحب کے اندر اسی چیز کو دیکھ کر حفظ کا شوق پیدا ہوا۔ ورنہ یہ بھی جانور چرایا کرتے تھے۔ دوسرے ہی دن سے حفظ شروع کر دیئے۔ حافظ صاحب فرمانے لگے: 'پوتا شمیم! محنت کرو۔ ان شاء اللہ حافظ بن جاؤ گے'۔ اور ایسا ہی ہوا۔ آج حافظ شمیم صاحب عربک کالج پورنیہ میں شعبۂ حفظ و قرأت کے معلم ہیں۔ حافظ صاحب علیہ الرحمہ کا پرورہ قبرستان میں ہے۔

ان کے صاحب زادے مولانا محمد مناظر صاحب بڑے خلیق ہیں۔ اپنے والد کے نام سے ایک 'مدرسہ قادریہ محمودیہ' چلا رہے ہیں۔ خطیب شہیر حضرت مولانا شہریار رضا صاحب کے غالباً حافظ صاحب علیہ الرحمہ نانا جان تھے۔ مولانا موصوف کی تعلیم روح العلوم کٹیہار میں زیر سرپرستی غزالی دوراں حضرت علامہ مفتی غلام رسول صاحب قبلہ ہوئی۔ مولانا موصوف ان ہی ایام میں ڈی ایس کالج کٹیہار میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ بڑے ذہین اور انتظامی امور کے ماہر ہیں۔ پٹنہ بورڈ سے ملحق مدرسہ کلیمیہ قصبہ سدر مدرس ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے خطابت کی دنیا میں چھا گئے۔ علاقے میں بھی ماشاء اللہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علمائے اہل سنت کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔

پورنیہ سے تقریباً ۲۵ رکیلومیٹر پچھّم دھمدھا سے تین کیلومیٹر پر ایک پرانی بستی ککرون ہے۔ یہاں اکثر انصاری برادری کے لوگ ہیں۔ ایک سے ایک عالم ہیں۔ خاص طور پر حضرت علامہ مولانا شمیم احمد صاحب قبلہ لائق ذکر ہیں۔ وہاں بھی ایک ادارہ پٹنہ بورڈ سے ملحق چل رہا ہے۔ جس کے آپ حضرت صدر مدرس ہیں۔ الحمدللہ اس علاقے میں بھی عربک کالج نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ بہت تیزی کے ساتھ پورے علاقے میں لوگوں کو پھر سے اہل سنت وجماعت میں داخل کیا۔ آج لوگ عربک کالج پورنیہ کے شکر گزار ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ کاش یہ ادارہ بیس سال پہلے قائم ہوا ہوتا۔ خیر دیر آید درس آید۔ عربک کالج کی ترقی کے لئے دعا کریں۔

☆ ☆ ☆

امام علم وفن کے علمی جانشین
حضرت علامہ قاضی شہید عالم رضوی صاحب

بقلم خود:

نوٹ: حضرت قاضی شہید عالم صاحب رضوی درج ذیل شعر کے مکمل مصداق ہیں:

موج دریا سے کہہ رہا ہے سمندر کا سکوت
جس میں جتنا ظرف ہے اتنا ہی خاموش ہے

سچ ہے، بسیار گوئی کثیر العلمی کو زیب نہیں دیتی۔ سانولے سے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکان ان کی شخصی وذاتی اور علمی وفنی تموج خیزی کی کھلی شہادت ہے۔ باعمل عالم ربانی ہیں۔ کم بولتے ہیں۔ لیکن جب بولتے ہیں، بولنے والوں کی بولتی بند کر دیتے ہیں۔ علمی مباحث کے وقت ان کا ٹھہرا ہوا اسلوب کلام، دھیمہ لہجہ، مگر نکات علمیہ کا وہ انبار، جزئیات فقہیہ کی وہ بارش اور منطقی انداز میں دلائل و براہین کی وہ کاٹ کہ ہر ایک کو لگتا ہے کہ علم وفن کا ایک دوسرا ہمالہ محو رقص ہے اور سامنے والا اس رقص وسرود میں دم سادھے گم ہے۔ جی ہاں! نہ مجال دم زدن، نہ پائے ماندن اور نہ جائے رفتن۔ اس لیے انہیں 'جانشین علم وفن' کہنا کچھ بے جا نہیں۔ جب کہ ان کا عملی پہلو اور باطنی تابنا کی اس پر مستزاد ہے۔ بس آج اتنا ہی، شمس پورنوی۔

نام ونسب: قاضی شہید عالم ابن قاضی عبدالسبحان ابن قاضی رحیم بخش ابن قاضی رجب علی۔

متوطن: موضع پنڈ ھال، سالماری، ضلع کٹیہار، بہار۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنی ننیہال موضع سیتل پور میں واقع ایک مکتب میں، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ اعظم نگر، پھر درجۂ اولیٰ مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں، پھر درجۂ ثانیہ تا سادسہ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڑھ میں۔ اس زمانے میں شیخ الادب حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی فیض العلوم میں صدر المدرسین تھے۔ اس کے بعد امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین مدظلہ العالی کے زیر سایہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں۔ استاذ مکرم حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی کی ترغیب پر علم توقیت، علم ہیئت اور علم مساحت امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ سے حاصل کیا۔ عربی، فارسی بورڈ لکھنؤ سے منشی، عالم، فاضل دینیات، فاضل، معقولات اور فاضل طب کی سندیں حاصل کیں اور آگرہ یونیورسٹی

سے ایم۔اے اردو کی سند حاصل کی۔
مشاغل: تدریس، افتا، مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے سیمیناروں کے لئے مقالات لکھنا۔شرعی کونسل بریلی شریف کے سیمیناروں کے لئے مقالات لکھنا وغیرہ۔
تدریسی خدمات: ۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۶ء مدرسہ عالیہ قادریہ مولوی ٹولہ بدایوں میں تدریس وافتا کی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۹۷ء سے اب تک جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج بریلی شریف میں تدریس وافتا کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔
تصنیف وتالیف:
(۱) رفع العلہ، جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی کتاب 'کشف العلہ عن سمت القبلہ' میں واقع ہیئت، ہندسہ اور علم مثلث کے اصطلاحات کی تعریفات وتشریحات پر مشتمل ہے۔ہندو پاک سے شائع ہوچکی ہے۔
(۲) 'حاشیہ کشف العلہ عن سمت القبلۂ جو المجمع الرضوی سوداگران بریلی شریف ومرکز اہلسنّت برکات رضا پور بندر گجرات اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی پاکستان سے شائع ہوچکی ہے۔
(۳) کشف الغطا عن الصبح والعشا، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے شائع ہوچکی ہے۔
(۴) چند مقالات غیر مطبوعہ ہیں۔
بیعت: تاجدار اہلسنّت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل ہے۔
اجازت وخلافت: تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری مدظلہ العالی اور امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین اور صدر العلما حضرت مولانا مفتی تحسین رضا خان علیہما الرحمہ نے اجازت وخلافت سے نوازا۔
حج وزیارت: ۲۰۱۰ء/ مطابق ۱۴۳۱ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے حبیب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ اسلم کے طفیل حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔
عقد مسنون: ۲۹ر شوال المکرم ۱۴۱۱ھ/ مطابق ۱۵ر مئی ۱۹۹۱ء میں۔
اولاد: شافعہ نوری، صالحہ نوری، طاہرہ نوری اور صائمہ نوری چار لڑکیاں، محمد عنبر رضا، محمد اشرف رضا اور محمد رضا تین لڑکے ہیں۔

☆ ☆ ☆

علوم اسلامیہ وفنون عربیہ کے ایک جبل شامخ
حضرت مفتی محمد عزیر احسن رضوی پورنوی بن محمد نعیم الدین شیخ

بقلم: تلمیذ رشید مولانا محمد راغب الحسن، ہبڑا نگ، بائسی، پورنیہ

نوٹ: حضرت مفتی موصوف اپنے فضل اور جلیل الشان خدمات کے اعتبار سے اپنے آپ میں ایک جبل شامخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا علمی اور عملی مرقع اگر کھینچا جائے، تو صدہا صفحات درکار ہوں۔ لیکن ایک تو میرا ان سے قریبی تعارف و تعلق نہیں، دوسرا ان کے شاگرد عزیز مولانا محمد راغب الحسن صاحب کا اصرار رہا کہ ان کی تحریر من وعن ہی شائع کی جائے۔ چنانچہ ان کا اصرار مجھ پر غالب رہا اور یہ اجمالی خاکہ پیش قارئین ہے۔

اللہ نے چاہا اور اس کی توفیق مجھے ارزانی ہوئی، تو آج نہیں، تو کل کوشش کروں گا کہ حضرت مفتی محمد عزیر احسن صاحب رضوی قبلہ کی ذات ستودہ صفات اور خدمات و کمالات پر کچھ شایان شان کام کر گزروں۔ آج اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ شمس پورنوی۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ ۸ر فروری ۱۹۶۴ء کو بیرگاچھی، پرانا گنج، پورنیہ، بہار کے اندر ایک متمول، مگر معزز اور متدین گھرانہ میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔ آپ کی والدہ ایک پارسا عورت تھیں۔ جب کہ آپ کے پدر بزرگوار جناب محمد نعیم الدین شیخ گاؤں کے ایک متمول اور زمین دار ہونے کے باوجود مزاج میں دینی رنگ رکھتے تھے۔ جس کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب قبلہ کو میدان علم و حکمت میں کافی پھلنے پھولنے اور علمی و تحقیقی گتھیاں سلجھا کر آسمان چھونے قدرتی طور پر ایک سنہرا موقع میسر آیا۔

ابتدائی تعلیم: خداوند جل وعلا نے آپ کو موزون قد وقامت، ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ باطنی حسن و کمال اور ذہانت و فراست بھی عطا کی اور اس کو نکھارنے، سنوارنے کے لئے آپ کے والد محترم نے اپنے دروازہ پر ہی استاذ متعین کر کے آپ کی ابتدائی تعلیم کا اہتمام کیا اور پھر سال دو سال کے لئے علاقائی درسگاہ بائسی میں داخلہ کروایا۔ جہاں پر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے بہت قلیل مدت میں اپنی جودت طبع اور خداداد زیر کی سے اپنے رفقا و اساتذہ کو

مانوس ومتاثر کر کے ان کے درمیان اپنی امتیازی چھاپ چھوڑی۔ پھر ثالثہ اوراس کے مابعد کی تعلیم کے لئے وطن چھوڑا اور سیتا پور، خیر آباد، لکھنؤ جا کر استاذ العلما و الفقہا سید مفتی نجم الحسن رضوی کے حضور زانوے ادب تہہ کیا۔ جن سے آپ نے درس نظامیہ کے قدیم نظام کے مطابق ساری جماعتیں اور جماعتوں کی جملہ کتابیں بالاستیعاب پڑھیں۔ پھر دستار بندی کی غرض سے ایک سال کے لئے جامعہ عربیہ سلطان پور تشریف لے گئے اور نمایاں نمبر کی سند حاصل کی۔

قدرتی طور پر قوی الحافظہ اور فہم ثاقب کے حامل تو تھے ہی، مزید برآں مفتی نجم الحسن رضوی صاحب کی صحبت بابرکت نے اس میں وہ کام کیا، جو بارود میں آگ کرتی ہے۔ پھر کیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے علم وحکمت کے ابر باراں بن کر چھا گئے اور معمولی عرصہ میں ہندوستان کے سرکردہ اور گنے چنے چوٹی کے مفتیان کرام میں شمار ہونے لگا۔ جن کا وجود مسعود روئے زمین کے لئے زینت اور امت مسلمہ کے لئے مینارۂ رشد وہدات ہے اور جن کی مثال بہت خال خال ہے۔ بڑے بڑوں نے سراہا۔ اونچے اونچوں نے مقام دیا۔ دوست ودشمن نے ہر فن مولی محقق عصر اور علم کے بحر ناپیدا کنار ہونے کا اعتراف کیا۔ بزرگوں نے زبانی تحریریں سندیں عطا کیں۔ خلافت واجازت سے نوازا۔

اسناد:

☆ سند مصافحہ، دوران طالب علمی، از سید مفتی نجم الحسن رضوی
☆ فضیلت، جامعہ عربیہ، سلطان پور
☆ افتا، از سید مفتی نجم الحسن رضوی
☆ حدیث، از مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی
☆ خلافت واجازت، از تاج الشریعہ حضور ازہری میاں
☆ قاضی شرع کا اعلان، جامعۃ الرضا فقہی سمینار کونسل بورڈ

اس کے علاوہ آپ نے لکھنؤ بورڈ، ایجوکیشن پٹنہ بورڈ سے بھی فاضل تک کی ساری ڈگریاں حاصل کیں۔ جب کہ علی گڈھ سے کامل، معلم اور اودھ یونیورسیٹی فیض آباد سے ایم اے بھی کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ سادہ مزاج، خاکسار، متواضع، سیاست سے دور، درس د

تدریس، وعظ وخطاب، فتوی ومقالہ نویسی، مناظرہ، عدل وانصاف، علمی مباحثہ، اسلاف کے موقف پر سختی سے کاربند، ان کے خلاف نظریات کا رد بلیغ، آپ کا مشغلہ ہے۔

خدمات: منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس اور صدر مفتی کی حیثیت سے ایک عرصہ تک خدمات انجام دیں۔اس کے بعد عہدۂ صدارت وافتا پر پور بندر، گجرات میں بھی ایک مدت تک آپ کی خدمات رہیں۔ پھر رزق نے جامعہ رضویہ مظہر العلوم علی پور کلیا چک، مالدہ بنگال بلایا۔ جہاں آپ نے سب سے لمبی مدت گزاری اور علم وحکمت کا فیضان لٹاتے رہے اور ملی و اعتقادی طور پر اس علاقہ میں جو کام کیا تھا، آج بھی اس کی دھمک محسوس کی جاتی ہے۔اس کے بعد اراکین دار العلوم اہل سنت تدریس الاسلام بسڈیلہ سنت کبیر نگر یوپی [جو گورمنٹ سے ملحق مشرقی یوپی کی عظیم الشان درسگاہ ہے۔ جس کا قیام مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی یادگار میں عمل میں آیا تھا اور آج فضیلت تک کی مکمل تعلیم ضابطہ سے ہو رہی ہے] کی درخواست پر وہاں تشریف لائے اور صدارت وافتا کے عہدے پر فائز ہوئے اور ہنوز وہیں علمی گوہر لٹا رہے ہیں۔

اس کے علاوہ اقطار ہند میں منعقد ہونے والے سیمناروں میں شرکت بھی آپ کی خاص مصروفیت میں سے ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، منظر اسلام بریلی وغیرہما میں منعقد ہونے والے کئی سیمناروں میں شرکت کی اور کر رہے ہیں۔

حج وزیارت: سعادت بالائے سعادت یہ ہے۔آپ نے نوعمری میں حج بیت اللہ شریف بھی کر لیا۔ جس میں بہت ساری تاریخی جگہوں کی امتیازی طور پر زیارت بھی کی، مثلاً بغداد، کربلا، نجف اشرف، سامری، تہران وغیرہ۔

☆ ☆ ☆

ایک ذی علم، فعال اور ذہن ساز عالم
حضرت مفتی محمد رفیق عالم رضوی صاحب
بقلم خود:

نام ونسب: محمد رفیق عالم رضوی مصباحی ابن عبد الشکور صاحب مرحوم۔
مقام: گنجریا پوسٹ گنجریا بازار وایہ اسلام پور، اتر دینا جپور۔
ولادت: ۱۹؍مارچ ۱۹۶۴ء بروز جمعرات۔
تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے وطن مدرسہ جوہر العلوم گنجریا علاقہ اسلام پور سے حاصل کی۔
۱۹۷۷ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے حفظ کی دستار بندی ہوئی۔
۱۹۸۰ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے سند قرأت حفص حاصل کی۔
۱۹۸۴ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے قرأت سبعہ کی دستار بندی ہوئی۔
۱۹۸۶ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے سند فضیلت حاصل کی۔
الہ آباد عربی فارسی بورڈ سے منشی، مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب اور فاضل معقولات کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔
جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات ادیب، ماہر، کامل اور معلم اردو کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔
تدریسی خدمات: ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۱ء تک قصبہ بھوجپور ضلع مراد آباد میں واقع جامعہ قادریہ مجیدیہ بشیر العلوم میں تعلیمی خدمات انجام دیں اور ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۲ء تک جامعہ قادریہ رضویہ قصبہ کیمری ضلع رامپور میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہ کر بخاری شریف کی تعلیم دی۔
۱۹۹۳ء سے اب [۲۰۱۵ء] تک جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف میں تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہوں۔
بیعت وخلافت: حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل ہے اور تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خانصاحب ازہری میاں نے اور صدر العلما حضور تحسین رضا خان

صاحب نے خلافت سے نوازا۔

حج وزیارت: ۲۰۰۹ء کو خداوند قدوس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل حج وزیارت کی دولت سے مالا مال کیا۔

قلمی خدمات: مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے سیمیناروں کے لئے فقہی مقالات لکھنا۔ شرعی کونسل بریلی شریف کے سیمیناروں کے فقہی مقالات لکھنا۔ مختلف موضوعات پر عناوین لکھنا۔ **الاصطلاحات الفقهيه من الفتاوى الرضويه** زیر تالیف ہے۔

عقد مناکحت: ۱۹۹۰ء میں عقد مسنون ہوا۔

اولاد: زرین خانم، نوشین خانم، ام ہانی، تین لڑکیاں ہیں اور ایک بیٹا محمد عدنان رضا ہے۔

☆☆☆

حضرت مفتی آل مصطفیٰ صاحب مصباحی

بقلم خود:

نام: آل مصطفیٰ

نسب: آل مصطفیٰ ابن مولانا محمد شہاب الدین ابن منشی نجات حسین صدیقی۔
مولد و مسکن: ایک اندازہ کے مطابق میری پیدائش ۲۷/اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ننیہال شہجنہ میں ہوئی۔ جو علاقہ بارسوئی ضلع کٹیہار صوبہ میں واقع ایک دیہی، مگر معروف گاؤں ہے۔ آبائی وطن بھینس بندھا ہے۔ میرے والدین کریمین میرے بچپنے میں ہی ننیہال میں آباد ہوگئے تھے۔ اس لئے شروع سے اب تک میرا مسکن شہجنہ ہی ہے۔ زمینداری اور علمی حیثیت کے لحاظ سے میرے نانا قاضی ثمیر الدین صاحب رشیدی علیہ الرحمہ علاقے کے با اثر اور معروف لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ جامع معقول ومنقول حضرت علامہ ہدایت اللہ خان رامپوری ثم جونپوری علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں تھے۔ ان کی فراغت مدرسہ جونپور سے ہوئی تھی۔ میرے والد گرامی حضرت علامہ مولانا محمد شہاب الدین اشرفی لطیفی مدظلہ العالی حضرت ملک العلما علامہ سید محمد ظفر الدین بہاری خلیفۂ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے ارشد تلامذہ میں ہیں، میرے دادا منشی نجابت حسین صاحب ثروت تھے اور فارسی زبان میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ علاقہ میں منشی نجابت سے معروف تھے۔
مدارس میں تعلیم: ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم حوراجحرا سونا پور، ضلع کٹیہار، بہار میں ہوئی۔ جہاں والد گرامی مدظلہ العالی صدر المدرسین تھے۔ درجۂ ثانیہ ۱۹۸۳ء۔۱۹۸۲ء مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔ ثالثہ ورابعہ ۱۹۸۳ء۱۹۸۴ء۱۹۸۵ء الادارۃ الاسلامیہ دار العلوم حنفیہ کھگڑا، کشن گنج، بہار، خامسہ تا ثامنہ (دورۂ حدیث) ومشق افتا ۱۹۸۶ء جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی میں۔
اساتذہ: حضرت منشی طاہر حسین صاحب، رسول پور ضلع کٹیہار سے قاعدہ بغدادی، پارہ عم۔
☆ حضرت منشی ومولوی نذیر احمد صاحب، آسجہ، بائسی، پورنیہ سے قرآن شریف۔ فارسی کی پہلی، دوسری، چہل سبق، آمد نامہ، نسخہ تعلیماں۔

☆ مولانا عبدالجلیل صاحب علیہ الرحمہ سے اردو کی پہلی، اردو کی دوسری، کتاب العقائد وغیرہ۔
☆ حضرت منشی محمد تصنیف صاحب، بائسی پورنیہ سے پندنامہ، گلستاں، بوستاں کے کچھ اسباق۔
☆ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب بگڈار، ضلع کٹیہار سے گلستاں، بوستاں کے کچھ اسباق۔
☆ حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب چریا، بائسی، پورنیہ سے میزان ومنشعب۔
☆ ماسٹر انوار عالم اور ماسٹر سید اصغر صاحب جلکی وماسٹر نورالعین صاحب سے حساب، ہندی، انگریزی۔
☆ والد گرامی محمد شہاب الدین صاحب اشرفی سے نحو میر، پنج گنج، ھدایۃ النحو، منہاج العربیہ۔
☆ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بھینس بندھا سے شرح مائۃ عامل، بدایۃ المنطق۔
☆ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (جو اس وقت فیض العلوم کے صدر المدرسین تھے) سے فیض الادب حصہ اول، دوم۔
☆ حضرت مولانا محمد نصر اللہ صاحب بھیروی سے علم الصیغہ، فصول اکبری۔
☆ حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب محمد آبادی سے سخن نو مع انشا و فارسی۔
☆ حضرت مولانا عارف اللہ صاحب گونڈوی سے ہدایۃ النحو، شرح مائۃ عامل، جواہر المنطق، مرقاۃ۔
☆ حضرت مولانا احمد حسین صاحب مالنگاؤں، دیناج پور، سے کافیہ، شرح جامی، ہدایۃ الحکمت، قطبی۔
☆ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کسیاری سے شرح وقایہ اول، دوم۔
☆ حضرت مولانا ناظر اشرف صاحب بہادر گنج سے ملاحسن کے چند اسباق۔
☆ حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر سے شرح تہذیب، اصول الشاسی، نورالانوار کامل، معلم الانشا اول، اور ہدایہ اولین ومشکوٰۃ کے چند اسباق۔
☆ حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب اشرفیہ مبارک پور سے ملاحسن، تلخیص المفتاح۔
☆ حضرت مولانا عبدالحق صاحب رضوی اشرفیہ مبارکپور سے نورالانوار، ہدایہ اولین۔
☆ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اشرفیہ مبارکپور سے مشکوٰۃ شریف۔
☆ حضرت قاری ابوالحسن صاحب وحضرت قاری جلال الدین صاحب سے فن قرأت و مشق ترتیل۔
☆ حضرت مولانا اسرار احمد صاحب، اشرفیہ مبارکپور سے ترجمۂ قرآن، حسامی، توضیح۔
☆ حضرت مولانا مفتی نظام الدین اشرفیہ، مبارکپور سے تاریخ الدروس الاسلامی، معلم الانشا ثانی، ہدایہ آخرین، شرح عقود رسم المفتی
☆ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب اشرفیہ، مبارکپور سے شرح عقائد، تفسیر جلالین

شریف، مدارک التنزیل، حمد اللہ، مسلم الثبوت۔
☆ حضرت مولانا احمد مصباحی صاحب اشرفیہ، مبارک پور سے دیوان متنبّی، الادب الجمیل، المدیح النبوی، معلم الانشاء، دوم، ثالث مختصر المعانی، سبع المعلقات، مقامات حریری، بیضاوی شریف، دیوان حماسہ۔
☆ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب اشرفیہ، مبارکپور سے شرح نخبۃ الفکر، سراجی، مسلم شریف اور تشریح کے چند اسباق۔
☆ حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب اشرفیہ، مبارکپور سے شرح ہدایت الحکمت، مناظرۂ رشیدیہ، ترمذی شریف، بخاری شریف، جلد اول، دوم، اور **الاشباہ و النظائر لابن نجیم الحنفی**، افتاء۔
☆ حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی ولیہ الرحمہ سے مشق افتا۔
مشفق استاذ: بحمدہٖ تعالیٰ اساتذہ میں بھی مشفق رہے، سب کی دعائیں اور شفقتیں ساتھ رہیں اور ہیں۔ ویسے سب سے زیادہ شفقت اور علمی استفادہ کا موقع مجھے محدث کبیر سیدی وسندی علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی سے ملا۔
سال فراغت: یکم جمادی الآخر ۱۴۴۱۰ھ/ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۹ء۔
تعلیمی اسناد: جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے عالم، فاضل۔ عربی فارسی پٹنہ بورڈ سے وستانیہ، فوقانیہ، مولوی، عالم، فاضل، فارسی۔ عربی فارسی الہ آباد بورڈ سے عالم، فاضل، دینیات، فاضل طب، فاضل ادب، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ادیب کامل، اجازت حدیث وقرآن کریم، اجازت فقہ از مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ، اجازت حدیث از بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی، اجازت حدیث از علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، اجازت حدیث از والد گرامی علامہ شہاب الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔
ہم سبق ساتھی: مولانا صدر الوریٰ صاحب استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ مولانا انور نظامی صاحب گلشن بغداد ہزاری باغ۔ مولانا رحمت علی ویشالوی مدرسہ قادریہ، کلکتہ وغیرہم۔ تقریباً ساٹھ ہم سبق ساتھی جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں تھے۔
عہد طالب علمی کے قابل ذکر احوال: بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ طلب علم میں کوشاں رہا۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں ہمیشہ امتیازی پوزیشن حاصل کرتا رہا۔ جامعہ اشرفیہ نے امتیازی پوزیشن کیوجہ سے

انعام سے بھی نوازا۔ تحریری میدان میں بھی طبع آزمائی کرتا رہا۔ خود بھی اور دورے کے طلبا کو بھی اس کی طرف رغبت دلاتا رہا۔ اشرفی دارالمطالعہ جامعہ اشرفیہ کے زیر اہتمام 'یوم رضا' کے سالانا انعامی مقابلہ میں حصہ لیتا رہا اور دوسری و پہلی پوزیشن حاصل کرتا رہا۔ متعدد کتابیں انعام میں مل چکی ہیں' جماعت ثامنہ میں یوم رضا کے انعامی مقابلے کے لئے دیوبندیوں کے اعتراضات کے دفاع میں ایک اہم مضمون ''کنز الایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ'' لکھا، جسے ادیب شہیر استاذی علامہ محمد احمد مصباحی صاحب مدظلہ نے سب سے اول نمبر کا مضمون قرار دیا۔ یہ مضمون ماہ نامہ اشرفیہ، ماہ نامہ الثقافۃ کیرلا، میں قسط وار شائع ہوا۔ پھر ادارہ افکار حق بائسی نے اسے مستقل رسالے کی شکل میں شائع کیا ہے۔ اس مقالہ پر فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تقریظ جلیل بھی ہے۔ عہد طالب علمی کے بقیہ مضامین بھی ماہنامہ اشرفیہ، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، سالنامہ افکار رضا کراچی، استقامت کان پور، ماہ نامہ قاری دہلی، پندرہ روزہ نوائے حبیب کلکتہ، نور مصطفیٰ پٹنہ وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔

تدریسی خدمات: جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے فراغت اور مشق افتا کے بعد اکتوبر ۱۹۹۰ کو استاذ گرامی قدر محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی بانی جامعہ امجدیہ کے حکم پر تدریس وافتا کی خدمات کیلئے میں جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی آیا۔ جب سے اب تک یہیں دینی خدمات پر مامور ہوں۔ اساتذۂ کرام کی دعاؤں سے مروجہ علوم وفنون کی منتہی کتابوں کا بحسن وخوبی درس دے رہا ہے۔ جامعہ امجدیہ کے شعبۂ تخصص فی الفقہ کی نگرانی، اصول افتا کی تدریس اور فن افتا کی مشق اور تربیت کی ذمہ داری بھی حضور محدث کبیر دام ظلہ نے میرے ناتواں کاندھوں پر رکھی ہے۔

تدریسی امور سے متعلق نظریات: چوں کہ عہد حاضر میں اسلام کی نشر واشاعت کا زیادہ تر تعلق مدرسہ اسلامیہ سے ہے۔ اسلئے ہمارے مخلص علماء کرام نے بڑے اخلاص وللہیت سے تدریسی خدمات انجام دیں اور آج بھی دے رہے ہیں، بحمدہ تعالیٰ اسی جذبہ سے سرشار ہو کر فقیر نے درسیات کی تکمیل کی اور اسی اخلاص سے تدریسی و تعلیمی وتربیتی امور انجام دے رہا ہے۔ حصول زر کو کبھی بنیاد نہ بنایا۔ دوسرے اداروں میں اچھی تنخواہ پر ہمیشہ مدعو کیا گیا۔ مگر درس وتدریس کیلئے اسی ادارہ کو ترجیح دی۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ یہ جذبہ باقی رکھے اور اس سے

بھی زیادہ دین کے تئیں اخلاص عطا فرمائے۔تدریس کیلئے نصاب تعلیم میں قدرے ترمیم کا بھی میں قائل ہوں۔ مگر غیر درسی کتابیں زیادہ شامل نصاب کرنے کا قائل نہیں کہ اس سے دینی تعلیم کا بنیادی مقصد فوت ہوجائے گا۔

تصنیف وتالیف:

(۱) مختصر سوانح صدر الشریعہ، مطبوعہ کتاب زیر اہتمام جامعہ امجدیہ گھوسی۔

(۲) بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت، مطبوعہ رسالہ ناشر مدرسہ قادریہ فریدیہ، شیشہ باڑی، پورنیہ۔

(۳) کنز الایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ۔ مطبوعہ رسالہ۔ ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ

(۴) منصب رسالت کا ادب واحترام، مطبوعہ رسالہ، ناشر ادارہ صدائے حق، مدرسہ رضویہ، مانجھا گڑہ، گوپال گنج بہار۔

(۵) حاشیہ فتاویٰ امجدیہ جلد سوم، مطبوعہ ناشر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو، یوپی۔

(۶) حاشیہ فتاویٰ امجدیہ جلد چہارم، مطبوعہ ناشر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو، یوپی۔

(۷) حاشیہ توضیح عربی زیر طبع، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔

(۸) خطبۂ استقبالیہ صدر الشریعہ سیمینار بموقعہ جشن زریں۔ مطبوعہ منعقدہ یکم ذوقعدہ ۱۴۱۷ ۱۰ مارچ ۱۹۹۷ء ومشمولہ 'صدر الشریعہ حیات وخدمات'۔

(۹) اسباب ستہ اور عموم بلویٰ کی توضیح وتنقیح، مطبوعہ۔

(۱۰) روداد مناظرہ بنگال۔ مطبوعہ جامعہ نوریہ، شام پور ہاٹ، رائی گنک بنگال۔

(۱۱) ترجمہ عربی عبارات مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، مصنفہ ملک العلما علیہ الرحمہ مع تقدیم۔ مطبوعہ۔ ناشر ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ۔، بہار۔

(۱۲) بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے اصول۔ مطبوعہ ناشر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو۔

(۱۳) نقشہ دائمی اوقات صلوٰۃ برائے گھوسی، مطبوعہ ناشر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو۔

(۱۴) ترجمہ مع تقدیم فقہ شہنشاہ بان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ، المعروف بہ شہنشاہ کن۔ مطبوعہ ادارہ افکار حق ورضا اکیڈمی، ممبئی۔

اہم تحریر: ☆ حاشیہ توضیح عربی (اصول فقہ) مطبوعہ مجلس برکات، اعظم گڑھ ☆ حاشیہ فتاویٰ امجدیہ سوم وچہارم ☆ فتاویٰ (غیر مطبوعہ) ☆ اسباب ستہ اوران کا دائرہ اثر۔

☆☆☆

حضرت مفتی قاضی فضل احمد مصباحی

از: عرفان احمد مینائی معلم جامعہ عربیہ ضیاء العلوم بنارس

نام ونسب: قاضی فضل احمد مصباحی ابن حضرت مولانا مفتی قاضی محمد نور پرویز ابن حضرت مولانا مفتی قاضی ثمیر الدین احمد ابن قاضی نوازش حسین۔

ولادت: ستمبر ۱۹۶۹ء۔

مولد ومسکن: شیجنہ، کٹیہار ضلع کے اعظم نگر حلقہ میں واقع ایک گاؤں ہے۔

خاندانی حالات: آپ کے آباواجداد ہمیشہ سے اہل علم واہل ثروت حضرات رہے ہیں۔ جد امجد علیہ الرحمہ اپنے وقت کے زبردست عالم اور علاقہ کے مرجع فتاویٰ ہونے کے ساتھ ساتھ زہدواتقا میں بھی کافی مشہور ومعروف تھے۔ علمی ذوق کا اندازہ تو اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ذاتی طور پر تفسیر وحدیث، فقہ ولغت کی اتنی کتابیں جمع کررکھی تھیں کہ اس وقت سے لےکر اب تک اس خصوص میں ان کا کوئی شریک نہ ہوسکا۔ مطالعہ کا شوق بھی کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ رات ودن کی کتابوں کی ورق گردانی اور اہل علم سے بحث ومذاکرہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ انہیں خصوصیات کی وجہ سے ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔

بعدہٗ والد ماجد بقید حیات ہیں، دادا مرحوم کے سچے وارث اور جانشیں ہوئے اور اپنے والد مرحوم کی طرح عالم دین اور مرجع فتاویٰ بنے۔ حضرت ملک العلما کے خصوصی اور فیض یافتہ شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ علم کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ مال کی دولت سے بھی نوازا ہے، اس لئے اپنے آباواجداد کی طرح غریبوں محتاجوں کی ہر ممکن اعانت کرتے ہیں۔ خصوصاً علما اور طلبہ کی ضیافت ان کو اپنے والد سے وراثت میں ملی۔ ایسے خالص علم علمی ودینی ماحول میں موصوف کی تربیت وپرورش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ چار سال کی عمر میں والد ماجد خاندانی رسم ورواج کے مطابق ایک صاحب فضل وکمال بزرگ سے رسم بسم اللہ خوانی کرائی۔ قدرت کی جانب سے موصوف کو غیر معمولی ذہانت وفطانت عطا ہوئی تھی، اس لئے ابتدا میں جو کتاب پڑھتے، اسے

حفظ کر لیتے ۔ یہاں تک کہ فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی زبانی یاد کر ڈالی تھیں۔

وہ اہم مدارس جن میں تعلیم حاصل کی: فارسی کی کتابیں گھر رہ کر مولانا نذیر احمد رضوی پورنوی سے پڑھیں۔ پھر ۱۹۷۸ء میں مدرسہ اظہار العلوم حوراحجر اسونا پور میں داخل ہوئے، یہ مدرسہ گھر سے ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں دو سال رہ کر عربی کی ابتدائی دو کتابیں پڑھیں۔ یہاں کے قابل ذکر اساتذہ میں حضرت مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب ہیں۔ پھر ۱۹۸۰ء میں مدرسہ حنفیہ کھگڑہ کشن گنج پہنچے اور وہاں عربی ثانیہ سے لے کر خامسہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں اساتذہ میں حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

بعدہٗ ۱۹۸۵ء میں ایک سال کے لئے مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں داخل ہوئے اور یہی وہ مدرسہ ہے، جس میں حضرت ملک العلما نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دس سال تک طلبہ کو درس دیا۔ یہاں رہ کر ہدایہ، جلالین وغیرہ کی تعلیم مکمل کی اور یہاں کے اساتذہ میں امام النحو حضرت مولانا بدرالدین صاحب احمد نوری سر فہرست ہیں۔ بعدہٗ تشنگی علم کو بجھانے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ۱۹۸۶ء میں ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور پہنچے۔ یہاں سابعہ وثامنہ تک تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ میں محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب، حضرت علامہ عبدالشکور صاحب، حضرت علامہ محمد احمد صاحب، حضرت علامہ محمد نصیر الدین صاحب، حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے نام شامل ہیں۔ یوں تو سبھی اساتذہ انتہائی شفیق اور حد درجہ مہربان رہے ہیں، تاہم حضرت علامہ عبدالشکور صاحب، حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی اور حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب کے احسانات بہت زیادہ ہیں۔

سن فراغت: ۱۹۸۹ء ماہ جنوری میں عرس حافظ ملت کے موقع پر ہم سبق طلبہ کے ساتھ رسم دستار بندی عمل میں آئی اور اسی سال سالانہ امتحان کے بعد اول درجہ سے فراغت کی سند حاصل کی۔

تعلیمی اسناد: (۱) فاضل اشرفیہ (۲) فاضل عربی فارسی بورڈ لکھنؤ (۳) فاضل بہار بورڈ (بورڈ میں ممتاز پوزیشن کے ساتھ)۔

ہم سبق ساتھی، احباب و متعلقین اور عہد طالب علمی کے احوال: یوں تو جماعت میں کم وبیش ۱۰۰ طلبہ تھے، لیکن ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جن سے موصوف کافی متاثر رہے ہیں اور ان کے ساتھ ہمیشہ مسابقت کا جذبہ بھی رہا ہے۔ ان میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا سلیمان ہزاری باغ (۲) مولانا شمس الحق مرزاپوری (۳) مولانا گونڈوی۔ ان میں سے اول الذکر سے عبارت خوانی میں مقابلہ رہتا تھا، جو عبارت خوانی پہلے شروع کردے، وہ کامیاب ہوتا تھا اور یہ سلسلہ شروع سے آخر تک رہا۔ احباب و متعلقین کی فہرست بڑی طویل ہے۔ خود شہر بنارس کے اہل علم میں احباب کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔

تدریسی خدمات: ۱۹۸۹ء میں فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد استاذ گرامی حضرت علامہ عبدالشکور صاحب دام ظلہٗ کے حکم اور مشورہ کے مطابق شوال میں تخصص فی الفقہ کے لئے اشرفیہ حاضر ہوئے اور تین چار ماہ تک یہیں رہے۔ اسی دوران بنارس کی عظیم وقدیم درسگاہ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم میں عربی شعبہ میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہوگئی۔ استاذ محترم حضرت علامہ محمد احمد صاحب زید مجدہٗ کے حکم پر تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے بنارس آگئے۔ اس وقت سے لے کر تادم تحریر یہیں رہ کر درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کی عظیم ذامہ داری نبھا رہے ہیں۔ فتاوے کثرت سے آتے ہیں اور سب کے جوابات وقت سے دیئے جاتے ہیں۔ معیار تعلیم بھی بلند ہے اور فضیلت تک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ عمدہ تعلیم اور بہتر نظم ونسق کی وجہ سے ادارہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔

قابل ذکر تلامذہ: وہ جن کی صلاحیت اور علمی افادیت سے موصوف بہت زیادہ متاثر رہے ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں: (۱) مولانا سید منظرالاسلام ارریاوی فاضل ازہر (۲) مولانا عبدالصمد رضوی گریڈیہہ، استاذ شعبۂ عربی مدرسہ مدینۃ العلوم بھدوہی (۳) مولانا عارف رضا اشرفی کشن گنج، استاذ جامع اشرف کچھوچھہ شریف (۴) مولانا سمیع اللہ ضیائی بناری، استاذ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم کچی باغ بنارس۔ ان میں اول الذکر حافظ قرآن بھی ہیں اور فاضل علوم اسلامیہ بھی۔ ہر دو شعبہ کی تکمیل انہوں نے جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سے کی اور بعد میں چار سال کے لئے جامع ازہر چلے گئے اور ابھی ابھی وہاں سے تخصص فی الحدیث دارالافتا کی تکمیل کے بعد وطن واپس لوٹے ہیں۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تقریباً چھ رسالوں کے عربی تراجم ضخیم کتابوں کی شکل میں شائع کرچکے ہیں۔ ثانی الذکر کو درسیات پر کافی عبور حاصل ہے اور فی الوقت منتہی طلبہ کو درس دے رہے ہیں، انداز تفہیم کافی اچھا اور دلنشیں ہے۔ اور ثالث الذکر بھی بلا کے ذہین اور ماہر مدرس ہیں۔ کچھوچھہ شریف میں تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کررہے ہیں۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

تدریسی امور کے متعلق نظریات: تدریسی امور کے متعلق موصوف کے نظریات بالکل صاف اور واضح ہیں کہ مدرس کو آنے والے سبق کا مکمل اور بھرپور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے تعلق سے جتنے حواشی اور شروحات ہوں، ان سب کو دیکھنا چاہیے۔ ایک مدرس کو آنے والے درس کے سلسلہ میں ہر طرح کا اطمینان اور وافر معلومات ہونی ہی چاہیے۔ بھلے وہ طلبہ کو ان کی استعداد کے مطابق ہی باتیں بتائیں۔ کافی ووافی مطالعہ کے بغیر درس دینا طلبہ کی زندگی کو برباد کرنا اور علمی ودرسی خیانت کے مترادف ہے۔ طلبہ کو مطالعہ کی ترغیب اور سبق کی تکرار پر مجبور کرنا چاہیے۔ تاکہ ان کی صلاحیت میں تدریجی ترقی ہوتی رہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ موصوف اس پر خود عامل ہیں اور ایک اچھے دیانت دار مدرس کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔

تحریر وتصنیف: تحریر وتصنیف کے میدان میں ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ طبع کے مراحل سے گزرنے والے ہیں۔ ان سب کی اجمالی فہرست ملاحظہ فرمائیں:

کتابیں:

۱	رویت ہلال کا شرعی ثبوت	مطبوعہ
۲	شرح ہدایت النحو	غیر مطبوعہ
۳	شرح سراجی	،،
۴	شرح حمد اللہ	،،
۵	آخری بدھ کی شرعی حیثیت	مطبوعہ رضا اسلامک مشن، مدنپورہ بنارس

[نوٹ: ان علمی و تحقیقی تصانیف کے علاوہ قریب چالیس مقالات ومضامین ہیں، جو اہم ہیں]

فقہ وافتا: ۱۹۸۹ء سے جامعہ عربیہ ضیاء العلوم میں منصب افتا پر فائز ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔ میری معلومات کے مطابق شہر بنارس میں جتنے فتاوے یہاں سے جاری ہوتے ہیں، کسی اور ادارہ یا دارالافتا سے نہیں۔ نکاح وطلاق، وراثت وحصہ، بیع وشرا، نماز وروزہ، زکوٰۃ وحج کے علاوہ کچھ جدید قسم کے مسائل کے جوابات بھی دیئے جاتے ہیں۔ فتاویٰ کی مجموعی تعداد دو ہزار سے اوپر پہنچ چکی ہے۔ جن میں کچھ مبسوط اور مفصل قسم کے ہیں۔

وعظ وخطابت: حضرت قاضی صاحب پیشہ ور خطابت کے میدان کے آدمی تو نہیں ہیں۔ تاہم شہر بنارس اور اطراف وجوانب میں وعظ وخطابت کے لئے جاتے ہیں۔ اپنے ضلع کٹیہار میں تو

مختلف جلسوں میں شرکت کر چکے ہیں اور ان میں سب سے اہم صا کلد اس کے مقام پر ایک تاریخ ساز کانفرنس میں شرکت ہے، جس میں ہندوستان کے مشاہیر علمائے کرام موجود تھے۔ حضرت موصوف بھی بحیثیت خطیب مدعو تھے اور ایک لاکھ کے مجمع کو گھنٹہ بھر زوردار خطاب فرمایا تھا۔ یہ کانفرنس چونکہ خالص دیوبندیوں کی آبادی میں منعقد ہوئی تھی اور مجمع کی تعداد بھی بہت تھی، اس لئے اس کانفرنس میں خطیب کی حیثیت سے شرکت بڑی اہم تھی۔

مناظرے: تقریری مناظرے کے دو مواقع سامنے آئے۔ پہلا بنارس میں اور دوسرا اپنے علاقہ میں۔ بنارس میں مناظرہ کا موضوع 'علم غیب رسول' تھا۔ جبکہ دوسرے مناظرے کا موضوع 'دہلی کے اسماعیل کے اقوال خبیثہ' تھے۔ بحمد اللہ دونوں مناظروں میں حضرت قاضی صاحب اور جماعت اہلسنّت کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ تحریری مناظرے چار ہوئے۔ جن میں 'فاسق پر نماز جنازہ کے جواز اور عدم جواز' کے موضوع پر مظاہر العلوم دیوبند کے ایک مولوی سے ہوا۔ مناظرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے:

حریف مخالف نے اولاً پانچ صفحات پر اپنے دلائل نقل کئے، جس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب نے پچیس صفحات لکھے۔ پھر مخالف نے اپنے زعم کے مطابق دس صفحات میں رد کیا، جس کا جواب بیس صفحات میں دیا گیا۔ پھر مخالف نے ۳۹ر صفحات سیاہ کر ڈالے۔ جس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب نے فیصلہ کن انداز میں پچاس صفحات لکھ کر آخری ضرب لگادی۔ یہ مناظرہ خالص علمی اور نہایت ہی معلوماتی تھا۔ اس میں علم قرآن، علم تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، اصول تفسیر، اسماء الرجال، فقہ، اصول فقہ، عقائد، نحو، صرف، منطق، غرض تمام اہم علوم زیر بحث آئے۔ یہ تمام تحریریں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں بھی جماعت اہلسنّت کو فتح مبین عطا فرمائی۔

سیمناروں اور کانفرنسوں میں شرکت: اشرفیہ مبارکپور میں مجلس شرعی کے تحت تقریباً ۱۸ر دینی وفقہی سیمینار ہوئے۔ ان سب میں حضرت کی شرکت رہی، مقالے لکھے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لیا۔ شرعی کونسل بریلی شریف کے زیر اہتمام منعقد سات فقہی سیمیناروں میں شرکت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے علاوہ دودیہی ضلع سون بھدر میں دارالافتا کے قیام کے موقع پر سیمینار اور کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مقالہ وقت مقرر پر بھیج دیا گیا تھا۔ امین شریعت ٹرسٹ

ایجوکیشن کی طرف سے دہلی میں منعقد تقریباً تمام سیمیناروں میں مقالے کے ذریعے شریک رہے۔فون اور فیکس کے مسئلے پر ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار کے سیمینار میں شریک رہے اور ایک ضخیم مقالہ لکھا۔امریکہ نے جب عراق پر حملہ کیا،تو اس حملہ کے خلاف بنارس میں منعقد ایک عظیم سیاسی سیمینار میں شریک ہوئے۔کانفرنسوں کی شرکت بہت ہے اور صحیح تعداد کا علم نہیں۔

تنظیم وادارے، اوران کی رکنیت: بریلی شریف میں 'شرعی کونسل' کے نام سے قائم ادارہ کے 'مجلس شوریٰ' اور 'بحث کمیٹی' وغیرہ کے رکن اور ممبر ہیں۔اور 'فیضان برکات' کے نام سے علاقہ میں ایک تنظیم قائم ہے اور اس کے سرپرست اور قائد ہونے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔ان کے علاوہ شہر بنارس میں کئی ایک تنظیمی ادارے ہیں، جن کی رکنیت حاصل ہے۔شہر بنارس میں سنیوں کا واحد دارالافتا بنام 'شرعی عدالت' قائم ہے۔جس کے ارباب قضا میں موصوف کا نام بھی شامل ہے۔

اکابرین سے تعلقات وتأثرات: اپنے اکابر اساتذہ سے موصوف کے بڑے اچھے اور خوشگوار تعلقات ہیں۔ان کے علاوہ تاج الشریعہ حضرت علامہ ازہری صاحب دام ظلہ العالی سے بھی اچھے روابط ہیں۔حضرت موصوف کے علمی کارناموں پر ان کے تأثرات بڑے حوصلہ افزا ہیں۔اشرفیہ میں فقہی سیمینار کے موقع پر جب خون کی منتقلی کا مسئلہ زیر بحث تھا،تو بریلی شریف کی طرف سے ہندی اخبار میں ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی، جس میں حضرت کے موقف کو سراہا گیا تھا۔امام علم وفن، استاذ الاساتذہ حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب دام ظلہٗ سے بھی دیرینہ تعلقات ہیں۔اوران کے تأثرات کا اندازہ ان کے خطوط سے ہوگا، جو مختلف مواقع پر انہوں نے حضرت کے نام لکھے۔

بیعت وارادت: سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں حضور احسن العلما علامہ مصطفیٰ حیدر حسن علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔یہ ۱۹۹۲ء کی بات ہے۔مارہرہ مطہرہ کی سرزمین سے الفت وعقیدت بہت پہلے سے تھی۔اپنے اکابر سے بارہا حالات وواقعات سنتے رہتے۔بالآخر خانقاہ عالیہ برکاتیہ پہنچے اور چند احباب کے ساتھ داخل سلسلہ ہو گئے۔

☆☆☆

محب العلما حضرت فناء القادری: حیات اور کارنامے

شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ذاکر حسین نوری فناء القادری المصباحی

پیشکش: یکے از عزیزان

تاریخ ولادت: آپ کی واقعی تاریخ ولادت محفوظ نہیں ہے۔ نہ ہی سن ولادت محفوظ ہے۔ ہاں اسناد میں مرقوم تاریخ ولادت ۲۵/اکتوبر 1972ء کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ دربھنگہ میں وسطانیہ کے امتحان کا فارم بھرنا تھا، تو عمر کی کمی کی وجہ سے داخلہ مشکل ہورہا تھا۔ تو احباب نے شرائط کے مطابق عمر پوری کرنے کے لئے جو تاریخ وسن و ماہ لکھا، وہ یہی تاریخ و سن ہے۔ اس اعتبار سے یہ تاریخ ولادت وسن و ماہ ولادت تخمینی ہے۔ واقعی تاریخ پیدائش مجہول ہے۔

جائے ولادت: آپ کی پیدائش صوبہ مغربی بنگال کے ضلع اتر دیناجپور کے سب ڈویژن شہر اسلام پور کے جنوبی مضافات میں واقع گلا پاڑہ ہاٹ کے مغرب میں آباد بستی قاضی گاؤں کے ایک دیندار علم دوست گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے ایک ایسی آغوش میں آنکھ کھولا، جہاں طہارت و پاکیزگی، حلم و بردباری، زہد و ورع، طاعت و تقویٰ، نماز و روزہ، اتباع قرآن وسنت کی ہوا پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کی مادر محترمہ علیہا الرحمہ نہایت ہی تقویٰ شعار، عفت مآب، پاکیزہ دامن، پابند صوم وصلوۃ خاتون تھیں۔ خشیت الٰہی سے معمور شہزادی نے عہد طفولیت سے ہی اپنی اولاد کو خشیت الٰہی کا ایسا جامہ پہنادیا کہ آج ان کی اولاد کے حوالے سے وہی خشیت چہار دنگ ہند میں پھیلتی نظر آرہی ہے اور آپ کے والد گرامی رفیق ملت حضرت علامہ الحاج محمد نورالدین احمد نوری مدظلہ العالی کی تربیت نے ایسا دوآتشہ بنادیا کہ ہر نظر انہیں دیکھ کر آسودگی محسوس کرتی ہے۔

ابتدائی تعلیم: چار سال کی عمر میں آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو مدرسہ نورالایمان عمل جھاڑی میں قاعدہ بغدادی ہاتھ میں دے کر بچوں کے ساتھ بھیجنا شروع کیا۔ جہاں آپ نے قاعدہ بغدادی اور ابتدائی اردو کی تعلیم حاصل کیا۔ چین پور کے بڑے جلالی استاد عالی جناب ماسٹر نورالزماں صاحب قبلہ کے پاس پڑھتے رہے۔ ایک سال کے بعد آپ کے والد گرامی نے اپنے

ساتھ رکھنے کے لائق جان کر مدرسہ نورالایقان گرناباڑی لے گئے اور جناب احمد حسین خاں صاحب کے یہاں خورد و نوش کا انتظام کردیا۔ چھ ماہ تک جناب احمد حسین صاحب کے یہاں کھاتے رہے اور مدرسہ نورالایقان گرناباڑی میں والد صاحب سے تحصیل علم کرتے رہے۔ قرآن شریف کا ناظرہ ختم ہوا اور اردو کی چند کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ کے خورد و نوش کا انتظام جناب لفیظ الدین صاحب باغنچہ بستی کے یہاں کردیا گیا اور فارسی کی تعلیم ہوتی رہی۔ یوں ہی دو سال کا عرصہ گزر گیا اور آپ نے میزان و منشعب کا آغاز کردیا، تو والد محترم نے آپ کی طبیعت کو بھانپ کر مدرسہ نورالایقان سے منتقل کر کے آپ کو مدرسہ ضیاء الاسلام تال بستی گرناباڑی میں شریک کردیا۔ جہاں کہ بائسی کی بڑی پاکیزہ شخصیت فضیلۃ العلم حضرت علامہ عبدالجلیل صاحب قبلہ پڑھاتے تھے۔ انہیں کے حلقۂ تدریس کے حوالہ کرتے ہوئے والد گرامی نے آپ کی خورد و نوش کا انتظام عالی جناب یوسف صاحب المعروف بہ امین صاحب کے گھر میں کردیا۔ آپ امین صاحب کے یہاں کھاتے رہے اور مدرسہ ضیاء الاسلام میں علامہ عبدالجلیل صاحب سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۸/ماہ کے بعد آپ کی خورد و نوش کا انتظام تال بستی گرناباڑی کے عالی جناب بچو میاں کے گھر میں کردیا گیا۔ ایک سال تک آپنے ان کے یہاں کھایا اور مدرسہ ضیاء الاسلام تال بستی میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک سال کے بعد آپ کے والد گرامی نے آپ کو تنظیم المسلمین بائسی بازار میں داخلہ کرادیا۔ جہاں آپ نے حضرت علامہ مولانا رحمت حسین صاحب کلیمی علیہ الرحمہ سے مرقات اور فقیہ عصر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ایوب مظہر صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سے قدوری، کافیہ، ایساغوجی اور حضرت علامہ مولانا نوشاد عالم صاحب قبلہ سے عربی ادب کی کتابیں پڑھیں۔ لیکن کچھ وجوہات کی وجہ سے شوال، ذی قعدہ تک وہاں رہے اور قربانی کی چھٹی میں جو گھر آئے، تو دوبارہ نہیں گئے۔ بلکہ آپ اور گرناباڑی کے مولانا مستقیم احمد نوری اور مولانا عبدالباری صاحب مل کر مدرسہ عارفیہ چنامنا تشریف لے گئے اور حضرت علامہ آفاق عالم صاحب قبلہ سے کسب فیض کرنے لگے۔ یہاں آپ نے ۸/ماہ تعلیم حاصل کیا۔ آپ کے ساتھیوں میں رام گنج کے مولانا اسرائیل صاحب اور چنامنا کے مولانا مرغوب، مولانا احسان رضا، مولانا کوثر وغیرہ داد محبت دیتے رہے۔ چنامنا میں کچھ دنوں تک آپ کے خورد و نوش کا انتظام مشیر گنج کے عالی جناب مشیر الدین صاحب کے

یہاں رہا۔ بعدہ آپ کے خورد ونوش کا انتظام مولانا مرغوب عالم کے یہاں کر دیا گیا تھا۔رمضان کی چھٹی ہوئی، گھر آ گئے اور بعد رمضان اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے آپ دربھنگہ چلے گئے۔ دار العلوم فدائیہ خانقاہ سمر قندیہ رحم گنج دربھنگہ بہار میں آپ نے میزان ومنشعب سے تعلیم کا آغاز کیا اور حضرت علامہ جلال الدین صاحب قبلہ چین پور، حضرت علامہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب قبلہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس دوران بغرض علاج حضرت علامہ عیسیٰ رضوی صاحب قبلہ بھی دربھنگہ آ گئے تھے۔ تو ان سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا اور اسی دوران آپ نے پیر طریقت میر شریعت حضرت سید شاہ نور علی صاحب قبلہ مدظلہ العالی حضور عالی کے ہاتھوں میں بیعت کر کے سلسلہ عالیہ مجددیہ معصومیہ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ پیر کی خدمت بھی کرتے رہے۔ دو سال تک تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔

اس دوسالہ دور میں آپ نے میزان ومنشعب سے لے کر کافیہ، قدوری تک تعلیم حاصل کیا۔ اسی دورِ دوسالہ کے درمیان حضور عالی مدظلہ الوالی کے ساتھ بلانگیر اڑیسہ، تربھا شریف اڑیسہ، دھنکیڈیہ، جمشید پور وغیرہ کا دورہ ہوا اور بابو حضور مدظلہ الغفور کی آمد بھی اسی دوسالہ مدت کے درمیان ہی ہوئی اور تحصیل علم کا شوق کامل بھی اسی دور دوسالہ میں پیدا ہوا، تو تلاش بھی شروع ہوئی ایک ایسے ادارہ کی، جہاں کی تعلیم وتربیت معیاری ہو۔ اسی تگ ودو میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے سفر کا ارادہ ہوا، تو تعطیل کلاں ماہ رمضان المبارک میں دربھنگہ سے وطن تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار رفیق ملت حضرت علامہ الحاج محمد نور الدین احمد نوری مدظلہ العالی سے اپنے عزم کا اظہار کیا۔ تو آپ نے بھی خوشی کا اظہار فرمایا۔ لیکن مبارکپور جانا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ کوئی رہبر وراہی مل جاتا، تو مسئلہ آسان ہو جاتا۔ اسی دھن میں والد گرامی قدر نے ہر اس فرد کے گھر کا دورہ کیا اور ملاقات کی، جو اس وقت اشرفیہ میں پڑھتے تھے۔ لیکن ہر جگہ سے مایوسی ہاتھ آئی۔ اسی حیص و بیص میں تھے کہ ایک آپ سے شرف ملاقات کے لئے نرائن پور کے مخلص عالم حضرت علامہ مولانا عمران حسین نوری قاضی گاؤں تشریف لائے، جو الہ آباد میں پڑھتے تھے۔ والد صاحب نے جب اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا اور ان کو بھی اشرفیہ میں تحصیل علم کی تشویق دلائی، تو آپ راضی ہو گئے اور دونوں حضرت علامہ مفتی محمد ذاکر حسین نوری فناء القادری المصباحی اور حضرت علامہ عمران حسین نوری نرائن پوری ۵ رشوال کو گھر سے اشرفیہ کے لئے نکل گئے۔ صعوبتوں سے پر سفر

کر کے اشرفیہ پہنچے، تو معلوم ہوا کہ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی ابھی اپنے دولت کدہ گھوسی میں تشریف فرما ہیں۔ دونوں مبارک پور سے گھوسی گئے اور حضرت کے دولت کدے میں پہنچے، تو مارے ہیبت کے زبان سے بولی نہیں نکل رہی تھی۔ لیکن محدث کبیر مدظلہ القدیر کی مہمان نوازی، مکارم اخلاق نے حوصلہ بخشا کہ اپنا مدعا ظاہر کیا جائے۔ تو آپ نے ہمارا مقصد سن کر ارشاد فرمایا کہ میں دس شوال کو اشرفیہ آؤں گا۔ امتحان میں بیٹھو، کامیابی حاصل کرو، انشاء اللہ داخلہ ہو جائے گا۔ جامعہ امجدیہ گھوسی میں ایک دن ایک رات رہ کر دونوں اشرفیہ چلے گئے اور دس شوال کا انتظار کرنے لگے۔ وہ دن بھی آ گیا کہ آپ دونوں امتحان میں بیٹھے اور کامیابی بھی حاصل ہوئی اور مفتی صاحب قبلہ کا جماعت ثالثہ میں داخلہ ہو گیا۔

جامعہ اشرفیہ مبارکپور ایک ایسا ادارہ ہے، جہاں پہنچتے ہی طالب علم کے اندر پڑھنے کا جذبہ ابھر جاتا ہے اور محنت شاقہ کی عادت سی پڑ جاتی ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا خصوصی فیضان ہے اور اساتذہ کی للّٰہیت کا بہترین ثمرہ کہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے دنیائے اسلام کو وہ نابغۂ روزگار ہستیاں عطا کی ہیں، جنکی خدمات اور کارناموں کو دنیا کا گوشہ گوشہ خراج پیش کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

مفتی صاحب کے دور طالب علمی میں جن اساتذہ کا فیضان افق اشرفیہ کے توسط سے بساط جہاں پر برس رہا تھا، ان میں فقیہ عصر، نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی شریف الحق صاحب قبلہ شارح بخاری شریف علیہ الرحمہ، بابائے قوم وملت حضرت علامہ مولانا اسرار احمد خاں صاحب قبلہ، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری امجدی مدظلہ العالی، نازش علم وفن حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی، حضرت علامہ مولانا اعجاز احمد صاحب قبلہ، حضرت علامہ شمس الہدیٰ خاں صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا عبدالحق صاحب رضوی، حضرت علامہ مولانا مفتی بدر عالم صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نصیر الدین صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا غلام حسین صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا مسعود احمد برکاتی، حضرت علامہ مولانا مفتی معراج القادری صاحب قبلہ، فخر القراحضرت علامہ قاری نور محمد صاحب قبلہ، حضرت قاری نور الحسن صاحب قبلہ، حضرت قاری جلال الدین صاحب قبلہ، عالی جناب ماسٹر آفتاب احمد صاحب قبلہ، عالی جناب ماسٹر فیاض صاحب قبلہ کے نام وہ ہیں، جن سے حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ذاکر حسین نوری فناء القادری

المصباحی اکتساب فیض کیا۔ ان بزرگوں کی چشم عنایت کا فیض اٹھاتے رہے کہ وہ دن بھی قریب آ گیا کہ آپ کے سر اقدس پر فضیلت کا تاج رکھا گیا اور آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپ کے ہم جماعت ساتھیوں میں حضرت علامہ مفتی شمشاد صاحب اعظمی، حضرت مولانا عاقل صاحب مرادآبادی، حضرت علامہ توحید عالم رضوی صاحب چوڑاکوٹی، حضرت علامہ مبشر الاسلام رضوی دمکاوی، حضرت علامہ مولانا فاروق عالم اشرفی بھاگلپوری، حضرت علامہ زاہد الرحمان صاحب رسیاوی، حضرت علامہ عرفان عالم صاحب گنجریاوی، حضرت علامہ اسحاق عالم صاحب مڑواگاوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

جن سے آپ کے گہرے تعلقات رہے اور ہم عصر ساتھیوں میں حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی، حضرت علامہ شاکر عالم رضوی، حضرت علامہ سید شاہ اولاد رسول قدسی، حضرت علامہ مولانا مفتی ذوالفقار رشیدی، حضرت علامہ صدر الوریٰ صاحب قبلہ، حضرت علامہ عبدالرزاق تاج محلی، حضرت علامہ یونس صاحب گجراتی، حضرت علامہ قمر احمد اشرفی بھاگلپوری، حضرت علامہ انوار الحق وارثی، حضرت علامہ مولانا مفتی آل مصطفیٰ صاحب، حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، حضرت علامہ مولانا غلام ناصر مصباحی صاحب، حضرت علامہ مسعود رشیدی خصوصاً ولی عہد خانقاہ سمرقندیہ رحم گنج دربھنگہ شمس الاولیا مصباح العلما حضور سید شاہ شمس اللہ جان صاحب قبلہ المعروف بابو حضور مدظلہ الغفور کے اسمائے گرامی آب زرین سے لکھنے کے قابل ہیں، جو آج افق ہند پر ماہ و نجوم بن کر چمک رہے ہیں۔

آپ نے جامعہ اشرفیہ میں قرأت حفص، قرأت عشرہ کی بھی تعلیم حاصل فرمایا اور وہیں سے فراغت بھی حاصل کیا۔ بعد فضیلت خواہش ہوئی کہ بنارس ہندو یونیورسٹی سے ایم اے کیا جائے، اسی عزم و حوصلہ کے ساتھ آپ بنارس چلے گئے اور جب حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہو گئے، تو آپ نے دوبارہ درجہ فضیلت میں جامعہ فاروقیہ میں داخلہ لے لیا اور حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ بہرائچی، حضرت علامہ مولانا سید شاہ اصغر امام صاحب قبلہ انجھروی، حضرت علامہ نوشاد عالم صاحب رضوی، حضرت علامہ مولانا صدیق صاحب قبلہ، حضرت علامہ مبارک صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا طیب رضا صاحب قبلہ اور حضرت قاری دلشاد صاحب قبلہ سے کسب فیض کیا اور حضرت علامہ سید شاہ اصغر امام قادری انجھروی

کے پاس نقل افتا کرتے رہے۔ جامعہ فاروقیہ میں ہم جماعت ساتھیوں میں مولانا ارشد جمال بنارسی، مولانا حبیب اشرف بنارسی، حضرت مولانا غلام سرور صاحب، حضرت مولانا عتیق احمد وارثی، حضرت مولانا فاروق عالم حامی دیناجپوری کے اسما قابل ذکر ہیں۔
۱۹۹۲ء کی چھ تاریخ بڑی سیاہ تاریخ رہی۔ اس سے ایک ماہ قبل جمعہ کے دن شدید حالات میں دستار بندی کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں آپ دوبارہ دستار فضیلت سے نوازے گئے اور افتا کی اجازت مرحمت ہوئی۔ اس کے بعد مفتی صاحب قبلہ نئی سڑک بنارس میں واقع مسجد رنگ ڈھلوا میں کئی ماہ تک امامت کے فرائض انجام دیئے۔ جہاں حضرت علامہ تیسیر الدین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ مجیدیہ بنارس، حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ رضوی مرتب سوانح مشائخ قادریہ، حضرت علامہ مولانا صفی اللہ صاحب بنارسی کی صحبت بھی حاصل ہوئی اور اسی اثنا میں چند ماہ کے لئے مدرسہ غوثیہ قریش گنج بنارس کے عہدۂ صدارت پہ فائز کئے گئے۔
جہاں حضرت مولانا شہریار رضوی زیروپانی بھی مدرس تھے۔ دونوں ہم علاقہ ہونے کی وجہ سے آپس میں دوست ہو گئے۔ لیکن چند ماہ بعد مولانا شہریار عالم رضوی حیدرآباد آ گئے، تو آپ نے بھی مدرسہ غوثیہ چھوڑ دیا۔ مسجد رنگ ڈھلوا میں میں امامت فرماتے رہے کہ حیدرآباد سے مولانا شہریار عالم صاحب کا خط بھی آ گیا۔ تو آپ اور مولانا احمد رضا صاحب ڈیمٹھی حیدرآباد کے لئے نکل گئے۔ سکندرآباد ریلوے اسٹیشن پر اتر کر معلوم کیا گیا کہ بوئن پلی کہاں ہے۔ تو ایک صاحب مل گئے۔ جنہوں نے بوئن پلی بس اسٹاپ تک کی رہنمائی کی اور بذریعہ بس ہم بوئن پلی پہنچے، جہاں مولانا شہریار عالم رضوی صاحب مسجد رضوان میں امامت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔
چند دنوں تک مولانا موصوف کے ساتھ رہ کر سیر وتفریح ہوئی اور جمعہ کے دن جامع مسجد سکندرآباد پہنچے کہ مشہور ومعروف خطیب حضرت علامہ مجیب علی رضوی القادری مدظلہ العالی سے ملنا طے تھا اور بعد نماز جمعہ حجرہ شریف میں آپ سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے مولانا احمد رضا قادری کو پرکاش نگر وقار نگر کی مسجد میں امامت کے لئے منتخب کرلیا اور مفتی صاحب قبلہ کو گاندھی نگر کی مسجد محمدیہ میں بھیج دیا گیا۔ مسجد محمدیہ گاندھی نگر قبرستان کے بیچ میں واقع ہے اور اس وقت (1993) مسجد کے اردگرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ مسجد کی ذمہ داری عالی جناب عبدالحفیظ صاحب نبھا رہے تھے۔ چند لوگ ادھر ادھر سے نماز کے لئے آجاتے تھے۔ بڑی

مشکل در پیش تھی۔ وقت ہی وقت تھا، تو فرصت کا فائدہ اٹھا کر مفتی صاحب قبلہ نے منطق کی مشہور و معروف کتاب الکبریٰ کی شرح لکھ ڈالی اور سورہ فاتحہ کے فضائل پر مبنی فضائل سورہ فاتحہ کو ترتیب دے دیا کہ چھ ماہ گزر گئے۔

اسی تصنیف و تالیف کے تگ و دو میں چار مینار جانا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ آپ چار مینار کتب خانوں کا دورہ کر کے بس اسٹینڈ پر آئے، تو وہاں حضرت علامہ مولانا مفتی مبین احمد آل رسول صاحب سے ملاقات ہوگئی، بڑے خلیق و ملنسار طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے۔ تعارف ہو جانے کے بعد انہوں نے جب مفتی صاحب قبلہ کے ہاتھوں میں شروحات اور مخطوطات دیکھے، تو حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اتنا قابل و ذی استعداد آدمی ایک گاؤں کی ویران مسجد میں امامت کرے، اچھی بات نہیں ہے۔ میرا مدرسہ دارالعلوم غوث اعظم شاہ علی بنڈہ میں ہے اس میں عہدۂ شیخ الحدیث کے لئے ایک عالم دین کی ضرورت بھی ہے۔ لہٰذا مفتی مبین احمد آل رسول صاحب نے شیخ الحدیث کے منصب کی پیشکش کی، تو مفتی صاحب قبلہ نے قبول فرمالیا اور اسی وقت مسجد گئے اور اراکین کمیٹی سے معذرت کر کے آپ دارالعلوم غوث اعظم شاہ علی بنڈہ حیدرآباد کے شیخ الحدیث ہوگئے۔ یہیں سے آپ کو اپنی علمی لیاقت کے مظاہرے کا موقع ملا اور بڑی خوش اسلوبی سے آپ ذمہ داریاں سنبھالتے رہے۔

آپ کے دور تدریس میں دارالعلوم غوث اعظم افق دکن پر چھایا رہا۔ کافی چرچا ہوا۔ مقبولیت بڑھ گئی۔ مضامین، حکایات، مقالے اور شعر و شاعری کرتے رہے اور حیدرآباد کے تقریباً تمام اخبارات میں چھپتے رہے۔ طیبۃ البشریٰ فی شرح الکبریٰ، فضائل سورہ فاتحہ، فیضان نور، فضائل مسواک بزبان رسول پاک نامی کتابیں منظر عام پر لائی گئیں۔ خطابات و تقاریر کی دھوم مچی۔ چہار دانگ حیدرآباد میں شہرہ ہوا۔ ایک رات کی بات ہے کہ تقریباً 10 ربجے رات عالی جناب غلام محمد مرتضیٰ عرف لیاقت رضوی صاحب قبلہ عالی جناب محمد رئیس احمد خان کے ساتھ قادر باغ نانال نگر کی مسجد ابراہیمی کے لئے امام کی تلاش میں دارالعلوم غوث اعظم پہنچے، تو مفتی مبین احمد آل رسول صاحب نے فرمایا کہ یہ مفتی محمد ذاکر حسین نوری فناء القادری المصباحی ہیں، مشہور آدمی ہیں۔ ان کی خدمات بحال کیجئے۔ انشاء اللہ سنیت کا کافی کام

ہوگا۔ عالی جناب غلام محمد مرتضٰی لیاقت رضوی صاحب قبلہ پکے سچے اور راسخ العقیدہ سنی ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے عاشق و مرید ہیں اور وہابیہ دیابنہ سے اتنے متنفر ہیں کہ ان کے قریب سے گزرنے سے بھی بچتے ہیں۔ رات کے تقریباً ۱۲ر بجے مجھے لے کر دارالعلوم غوث اعظم سے قادر باغ لے آئے اور تمام اراکین مسجد کو بلا کر قرأت و نعت و تقریر کا انٹرویو لیا اور اسی وقت بحالی ہوگئی یعنی صبح فجر سے نماز کی امامت کا آغاز بھی ہوگیا۔

دوسالہ مدت امامت گزر جانے کے بعد آپ وہاں سے اس لئے سبکدوش ہوگئے کہ لیاقت رضوی صاحب نے اپنے عہدۂ خازن سے استعفٰی دے دیا تھا اور وہ آپ کے دیرینہ خاص دوست تھے۔ آپ کے سبکدوش ہوتے ہی مولانا شہریار عالم رضوی نے ملاقات کر کے مشورہ دیا کہ حشمت پیٹھ سکندر آباد میں مولانا شبیر الحسن نوری امامت کر رہے ہیں۔ وہیں کوئی عمارت لے کر ایک مدرسہ کھولا جائے۔ تاکہ اہل سنت کا کام ہو سکے۔ تو حاجی تفضّل حسین رضوی اور مولانا شبیر الحسن نوری، مولانا شہریار عالم رضوی کے ساتھ مل کر آپ نے جامعہ نوریہ ضیاء العلوم کا افتتاح کیا۔ دارالعلوم غوث اعظم میں تدریس کا سلسلہ بھی چلتا رہا اور جامعہ نوریہ ضیاء العلوم کی نظامت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ حتی کہ چند ماہ بعد ہی حشمت پیٹھ میں جامعہ کے لئے تین سو گز زمین کی خریدی کا معاہدہ کر کے پچاس ہزار روپئے بیعانہ بھی کر دیا گیا اور باقی کے انتظام کے لئے تگ ودو کے دوران بورویل بھی نصب کر دیا گیا۔

بقایا رقوم کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ تعمیری کام کا آغاز بھی طے پایا تھا۔ لیکن کچھ احباب کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب قبلہ نے جامعہ نوریہ سے قطع تعلق کر لینا مناسب سمجھا اور آپ مستعفی ہوگئے۔ آپ کے مستعفی ہوتے ہی چند ماہ بعد زمین بھی گئی اور جامعہ نوریہ کا اختتام بھی ہوگیا۔ آپ مستعفی ہو کر موسیٰ رام باغ کی جامع مسجد محمدیہ میں امامت کے لئے بحال ہوگئے۔ وہاں امامت بھی چلتی رہی اور دارالعلوم غوث اعظم میں تدریس بھی چلتی رہی۔ چند ماہ گزرے کہ آپ جامع مسجد محمدیہ موسیٰ رام باغ سے بھی مستعفی ہوگئے اور سکندر آباد کے اڈہ گٹہ کی جامع مسجد نورانی میں بحال ہوگئے۔ امامت کے ساتھ آپ نے وہاں کپڑوں کی تجارت کا بھی آغاز فرمایا۔ مصروفیت زیادہ ہوجانے کی وجہ سے تجارت سے کنارہ کشی اختیار کر کے صرف امامت اور دارالعلوم غوث اعظم کی تدریس پر منحصر ہوگئے

جب اڈہ گٹہ کی سنیت میں بحالی آئی، تو آپ نے چند احباب کی فرمائش پر جامع مسجد زبیدہ بیگم آصف نگر میں امامت کی ذمہ داری قبول کر کے اڈہ گٹہ کی مسجد نورانی کی امامت سے سبکدوش ہو گئے۔ جامع مسجد زبیدہ بیگم وہابیوں کے مراکز کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے جب سے امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔ وہابی قریب تک نہیں آئے اور وہاں کی سنیت مستحکم ہوگئی، تو فرسٹ لانسرز کی جامع مسجد قادریہ کے اراکین کی دعوت پر آپ جامع مسجد قادریہ کی امامت وخطابت کے لئے مقرر ہو گئے۔ چھ ماہ بعد آپ جامع مسجد بلال بن رباح ٹولی چوکی کی امامت وخطابت پر مامور ہو گئے۔

امامتیں بدلتی رہیں، مگر دارالعلوم غوث اعظم میں تدریس کا کام جاری رہا۔ سینکڑوں طلبا آپ کے حلقۂ تدریس میں شامل ہو کر داعی دین، و مبلغ سنیت بن گئے کہ دارالعلوم غوث اعظم شاہ علی بنڈہ سے منتقل ہو کر اپنی ذاتی زمین پر تعمیر شدہ کشادہ مکان شاستری پورم میں منتقل ہوگیا۔ مسافت کی طوالت کی وجہ سے شاستری پورم میں چند ماہ پڑھانے کے بعد آپ دارالعلوم غوث اعظم سے مستعفی ہو گئے اور حضرت علامہ قمر احمد اشرفی مصباحی کی دعوت پر دارالعلوم محمدیہ وٹے پلی کے عہدۂ شیخ الحدیث پر فائز ہو گئے۔ جہاں دورۂ حدیث تک کے طلبا کی تعداد اطمینان بخش تھی اور طلبا میں ذوق وشوق بھی نظر آیا۔ ہم تدریس علما کی علمی لیاقتوں کے بیچ سے ایک ایسا ماحول وجود میں آیا کہ نظریں دیکھتی رہ جائیں۔ حضرت علامہ مولانا جمال الرافع اشرفی، حضرت مولانا سیف خالد اشرفی، حضرت علامہ مولانا فاروق عالم اشرفی، حضرت علامہ مولانا مبشر الاسلام رضوی، حضرت مولانا مجاہد صاحب قبلہ کی تدریسی مصاحبت نے ایک علمی ماحول کو جنم دیا۔ جس سے جہاں علما واساتذہ کو علمی فائدہ ہوا، وہیں طلبا پر بھی کافی اثر پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ شاگرد حضرات میں مولانا سید شاہ مخمور جامی ابن حضرت علامہ مولانا سید شاہ اشتیاق عالم صاحب بھاگلپوری، مولانا معارف رضا ابن حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ صاحب بھاگلپوری، مولانا سلمان رضوی، مولانا حافظ وقاری احمد حسن رضوی، مولانا آصف رضا اشرفی، مولانا جاوید وغیرہم میں دینی خدمات کا جذبہ پیدا ہوگیا۔

جامع مسجد بلال بن رباح ٹولی چوکی میں مفتی صاحب قبلہ کی کافی دھوم رہی۔ ان کی خطابت کا ڈنکا بجنے لگا اور جوش خطابت کی آغوش سے جھانکنے والے علمی نکتے اذہان وقلوب

پر ایسا اثر چھوڑنے لگے کہ جو سنتا، وہ عقیدت کیش ہو جاتا اور گمراہی کے قعر مذلت سے نکل کر سنیت سے اٹوٹ رشتہ جوڑ لیتا۔ پڑھا لکھا سنجیدہ طبقہ آپ کا گرویدہ ہو گیا اور آپ کی خدمات سے متاثر ہو کر داد و تحسین دینے لگا۔ جامع مسجد بلال بن رباح میں آپ خطبہ جمعہ و خطابت کے علاوہ ہر نماز عصر کے بعد درس تفسیر (جلالین شریف) اور بعد نماز مغرب درس حدیث (مشکوۃ شریف) دینے لگے۔ آپ کو افہام و تفہیم کا عجیب و غریب ملکہ حاصل ہے۔

بڑے باریک نکتوں کو سہل الفاظ کا ایسا جامہ پہنا دیتے ہیں کہ اذہان و قلوب میں بات اتر جاتی ہے۔ یہ تقریباً 1998ء کی بات ہے۔ انہیں تمام مصروفیات سے وقت نکال کر جلسہ جلوس میں بھی شریک ہوتے اور بڑی کامیاب تقریریں آپ نے قوم کے حوالے کی۔ آپ حکیم پیٹ میں عالی جناب محمد رضا صاحب قادری کے گھر میں رہائش پذیر رہے۔ وہاں سے پا پیادہ دو کیلومیٹر کا سفر کر کے ٹولی چوکی چوراہے پر واقع جامع مسجد بلال بن رباح میں فجر ادا کرتے اور بس کے ذریعہ بعد فجر وٹے پلی میں واقع دار العلوم محمدیہ نکل جاتے۔ دو پہر تین بجے وہاں سے نکل کر عصر کی نماز جامع مسجد بلال بن رباح میں ادا فرماتے۔ روزانہ ۳۰ رکیلومیٹر کا سفر ہوتا۔ جب آپ سے کہا جاتا کہ اتنی دور پڑھانے کے لئے کیوں جاتے ہیں، تو آپ فرماتے کہ میاں قرآن و حدیث کی تعلیم عام کرنے کے لئے راہ و سفر کی جتنی صعوبتیں اٹھائی جاتی ہیں، وہ ہمارے لئے کفارۂ سیأت بن جاتی ہیں۔ گویا حدیث پڑھانے کا ایک ایسا جذبہ موجود تھا، جو آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔

کام بس کام، کاموں کی بھیڑ سے کچھ اوقات فارغ کر کے احباب سے نجی ملاقاتیں بھی کرتے تھے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے لئے مشاورت کرتے رہتے تھے۔ جس کا ثمرہ تھا کہ ہر سال آپ ماہ صفر المظفر میں سہ روزہ یوم رضا کا پابندی سے انعقاد فرمایا کرتے۔ تین مختلف جگہوں میں لگاتار تین راتوں تک یوم رضا کی دھوم رہتی۔ اخبارات و رسائل میں جس کی تفصیلات بھی چھپتی رہتی تھیں۔ دور دراز سے علمائے اہل سنت کو مدعو کرتے اور ان کے ولولہ انگیز خطابت سے مسلک اہل سنت کی اشاعت میں اہم رول ادا ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہر حیدر آباد کے مختلف علاقوں کے لوگ آپ کے مشن میں جڑ گئے۔ جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ کئی مساجد میں آپ کے درس حدیث کا آغاز ہو گیا۔ ہفتہ بھر میں جامع مسجد سیدنا عمر سری رام نگر اور جامع مسجد بلال

رحمت نگر، جامع مسجد محمدیہ مسجد گڈہ رحمت نگر، جامع مسجد معراج بورہ بنڈہ، جامع مسجد ابراہیم گلشنی بورہ بنڈہ، جامع مسجد مومنان شبلی گنج، جامع مسجد اعراج کارمیکانگر میں برسوں تک آپ درس حدیث دیتے رہے۔ سنیت کا ایک بڑا کام انجام پایا۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی دھوم مچی۔

ڈسمبر 1998ء کی چھ تاریخ کو آپ کا عقد نکاح ہونا تھا۔ اس لئے ایک ماہ قبل ہی حضرت مفتی صاحب قبلہ حیدرآباد سے وطن روانہ ہوگئے اور خبر گاؤں کے محترم عالی جناب ابوبکر صدیق صاحب قبلہ کی صاحبزادی سے وقت مقررہ پر عقد نکاح کیا اور دسمبر 1998ء کی آخری تواریخ میں واپس حیدرآباد آگئے اور پھر دوبارہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا شروع کردیا۔ پھر وہی گہما گہمی اور مصروفیت کہ وہ وقت بھی آگیا کہ آپ نے رخصتی کے لئے وطن جانے کا پروگرام بنالیا۔ ۴/اپریل ۱۹۹۹ء کو رخصتی ہوئی اور دونوں حیدرآباد آگئے اور جناب مولوی حسن رضا صاحب کے مکان واقع حکیم پیٹ میں کرایہ دار ہوکر اتر گئے۔

اس دوران دارالعلوم محمدیہ میں کئی انقلابات وقوع پذیر ہوگئے تھے۔ علامہ قمر احمد اشرفی صاحب اپنے عہدۂ نظامت سے فارغ البال ہوگئے اور ان کی جگہ دوسروں نے ذمہ داری سنبھالی۔ اسی حیص وبیص میں مفتی صاحب قبلہ بھی مستعفی ہوگئے اور دارالعلوم محمدیہ کے عہدۂ شیخ الحدیث سے سبکدوش ہوکر صرف جامع مسجد بلال بن رباح ٹولی چوکی پر منحصر ہوگئے۔ چند ماہ کے بعد احباب بزم نے کہا کہ ناملی سے گچی باؤلی تک اس جدید شہر میں کوئی سنی ادارہ نہیں ہے اور اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور یہ کام بھی حضرت مفتی صاحب قبلہ بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

احباب کے اصرار پر حکیم پیٹ کنٹہ میں واقع مسجد قبا کے دامن میں دارالعلوم طیبۃ العلما کا آغاز کیا گیا اور کارواں آگے بڑھتا رہا۔ چند ماہ بعد تعاون کے نام پر کچھ بہی خواہ حضرات دارالعلوم سے ایسا جڑے کہ دارالعلوم کو یرغمال بنالیا اور مفتی صاحب قبلہ کی سارے اختیارات ضبط کرنے کا ارادہ کرنے لگے، تو مفتی صاحب قبلہ نے قبل از وقت دارالعلوم طیبۃ العلما کے نام کے سارے کاغذات ان کے حوالے کرکے دارالعلوم طیبۃ العلما کی جگہ جامعہ طیبۃ الرضا کا اعلان فرمادیا اور مسجد قبا کے دامن سے ہٹ کر مسجد قبا کے روبرو واقع مکان میں جامعہ کو منتقل کردیا۔ دوسال کے بعد اس عمارت سے جامعہ کو شاہوٹل حکیم پیٹ کے عقب میں واقع عمارت میں منتقل کردیا گیا۔ جامعہ بحسن وخوبی اس عمارت میں چلتا رہا اور سنیت کے فروغ میں اہم

رول ادا کرتا رہا۔ کئی اہم جلسے اور سمینار بھی منعقد کرتے رہے۔ اسی دوران اہل حدیث نام سے ایک نیا فتنہ سر اٹھانے لگا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں رطب ویابس بکے جانے لگے، تو مفتی صاحب قبلہ نے مجلس فیضان سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ قائم فرمایا اور تقریباً تمام مساجد میں ہفتہ واری درس فقہ دیئے لگے اور حدیث وفقہ سیمینار، حدیث وفقہ کانفرنس کے نام سے کئی اجلاس منعقد ہوئے اور علمائے اہل سنت بورڈ ٹولی چوکی قائم فرمایا۔ جس سے کافی فائدے ہوئے۔ لیکن احباب کی مفاد پرستیوں نے رخنہ پہ رخنہ ڈالنا شروع کیا، تو بورڈ تتر بتر ہوگیا اور اس کا نام ونشان مٹ گیا۔

13/ جنوری 2000ء میں فیضان رضا نوری پیدا ہوئے اور 2001ء میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا دوسری زچگی کے موقع پر کعبہ ہاسٹل فرسٹ لانسرز میں انتقال ہوگیا۔ تجہیز وتکفین کے بعد خود مفتی صاحب قبلہ نے نماز جناہ پڑھائی۔ تقریباً رات کے گیارہ بجے حکیم پیٹ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ اور تدفین میں ان گنت علما شریک تھے۔ شہباز دکن حضرت مولانا مجیب علی رضوی القادری صاحب نے خصوصی دعا فرمائی اور کچھ ایام کے بعد آپ وطن روانہ ہوگئے۔ وطن سے واپسی کے بعد پھر اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے اور جامعہ طیبۃ الرضا کے فروغ میں لگ گئے۔

جامعہ کامیابی کی منزلیں طے کرنے لگا اور شہر حیدرآباد کے معیاری اداروں میں شمار کیا جانے لگا کہ آپ دوسری شادی کے لئے وطن تشریف لے گئے اور دوسرا نکاح ہوا اور بعد نکاح آپ پھر حیدرآباد تشریف لائے اور دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اس دوران جامع مسجد بلال بن رباح ٹولی چوکی کے صدر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد صدارت کی خواہش کی تکمیل میں ایک دبنگ شخص مفتی صاحب کا دشمن ہوگیا اور بزور وظلم اس نے صدارت پر قبضہ جمالیا، تو جامع مسجد کی ذمہ داریوں سے مفتی صاحب کو معزول ہونا پڑا۔ آپ معزول ہوگئے اور جامعہ طیبۃ الرضا پر منحصر ہوگئے۔ لیکن اس غنڈہ عنصر نے وہابیت کا سہارا لے کر ستانا شروع کردیا۔ کبھی جامعہ میں آکر دھمکانا، تو کبھی جامعہ کے طلبا پر حملہ کرنا، کبھی گالیاں دینا، تو کبھی غنڈہ عناصر کے ذریعہ فقرے کسوانا معمول بنالیا، تو مفتی صاحب قبلہ نے نقل مکانی کا ارادہ فرمایا اور جامعہ کو حکیم پیٹ سے گولکنڈہ چھوٹا بازار میں واقع ایک عمارت میں منتقل کردیا۔

الحمد للہ۔ چھوٹا بازار گولکنڈہ میں جامعہ طیبۃ الرضا عروج پر آیا اور پورے شہر میں اپنی تعلیمی خوبیوں کی وجہ سے اتنا مشہور ہوا کہ طلبا کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ گولکنڈہ اور اس کے ارد گرد اہلسنت وجماعت کی دھاک بیٹھ گئی۔ جب تک ادارہ گولکنڈہ میں رہا، کسی وہابی کو یہاں مدرسہ کھولنے یا مسجد تعمیر کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

2002ء میں جامعہ کے لئے سلیمان نگر چنچل میٹ میں ایک قدرے کشادہ زمین کی خریدی کی گئی اور 2004ء میں تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ 2008ء میں ایک عمارت دادِ نظارہ دینے لگی۔ تو جامعہ کو گولکنڈہ کے کرایہ کی عمارت سے سلیمان نگر چنچل میٹ میں تعمیر کردہ ذاتی کشادہ عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ عمارت کے افتتاح کے لئے مفتی صاحب نے اپنے استاد گرامی قدر محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ کو مدعو کیا۔ آپ تشریف لائے اور عمارت کا افتتاح فرمایا اور جامعہ کے طلبا کو چند اسباق بھی پڑھائے۔

جامعہ کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ ہائے دستار بندی، طیبۃ الرضا کانفرنس میں اب تک رفیق ملت حضرت علامہ الحاج محمد نور الدین احمد نوری مدظلہ العالی بنگال، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ دو بار اور عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، حضرت علامہ شمس الہدیٰ خاں صاحب استاد اشرفیہ، کوہ علم وفن حضرت علامہ مفتی ایوب مظہر صاحب قبلہ علیہ الرحمہ بائسی، حضرت مولانا مفتی محمد بدر عالم صاحب رضوی، حضرت علامہ توصیف رضا خاں صاحب قبلہ بریلی شریف، حضرت علامہ مولانا نعیم الدین صاحب عزیزی مبارکپور، حضرت علامہ عبد الرحمٰن خاں عزیزی ساؤتھ افریقہ، حضرت علامہ شمیم الزماں کا قادری کلکتہ، حضرت علامہ جلال الدین نوری مغربی بنگال، حضرت علامہ مفتی محمد محفل اشرف کا برکاتی مغربی بنگال، حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی بمبئی، شہباز دکن حضرت علامہ قاری مجیب علی رضوی، حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب قبلہ ناگپور، حضرت علامہ مولانا سید شاہ کاظم پاشاہ قادری حیدرآباد، حضرت علامہ سید شاہ مرتضیٰ پاشاہ صاحب قبلہ حیدرآباد، حضرت علامہ سید شاہ نجیب حیدر قادری مارہرہ شریف، حضرت علامہ مولانا کمال پاشاہ صاحب ورنگل، حضرت علامہ سید شاہ ہلال الدین نوید بابا قاضی پیٹ، حضرت علامہ حسیب الحسن صاحب صدیقی، حضرت علامہ قاری محمد مبشر احمد صاحب رضوی

حیدر آباد، حضرت علامہ حسان فاروقی نگران سنی دعوت اسلامی حیدر آباد، ڈاکٹر حضرت مولانا اخلاق شرفی ڈائرکٹر دے قرآنک مشن حیدر آباد، حضرت علامہ رفیق عالم مصباحی مچھلی پٹنم شریک ہو چکے ہیں۔ جن کے خطاب نایاب سے اہل سنت و جماعت کا کام انجام پایا اور جامعہ طیبۃ الرضا کے بارے میں اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور اس کی ترقی کے لئے دعا فرمایا۔

الحمدللہ۔ جامعہ طیبۃ الرضا چٹنل میٹ جہاں علمائے کرام کے استقبال میں پیش پیش رہتا ہے، وہیں علمائے کرام کی مقدس تحریروں کو منظر عام پر لانے میں بھی پہل کرتا ہے۔ اسی تناظر میں 2010ء میں ایک ماہنامہ کا اجرا کیا گیا جو 'نوری دربار' کے نام سے موسوم کیا گیا اور جس سے اہل سنت و جماعت کے فروغ میں کافی مدد ملی اور ملتی رہے گی انشاء اللہ۔ مولانا نثار احمد نثار جو ساتھ رہ کر شاعری سے قلمکاری تک کا سفر طے کرنے لگے، نائب مدیر کی حیثیت سے دست و بازو بنے رہے۔

ان تمام کاموں اور مصروفیات کی بھیڑ سے کچھ فرصت سمیٹ کر حضرت مفتی صاحب قبلہ تحریر سے بھی وابستہ رہے۔ ہندوستان کے تقریباً رسالوں میں چھپتے رہے اور کتابی شکل میں آپ کی چند تحریریں مقبول انام ہوگئیں۔ اس سے مراد حضرت کی کتاب ''کس دن کیا کرنا چاہئے''، ''کس مہینے میں کیا کریں''، ''کیا مسواک کرنا ضروری ہے''، ''کیا قدم بوسی اور دست بوسی حرام ہے''، ''پھر بدعت کا الزام کیوں'' اور حضرت مفتی صاحب قبلہ کی نعتیہ شاعری پر مشتمل دیوان ''نغمات فناء القادری''، ''سوغات فناء القادری'' اشاعت پذیر ہوا اور منقبتیہ شاعری پر مشتمل ''ثنائے نور''، ''ثنائے ابرار''، ''فیضان نور'' اور غزلیہ اشعار پر مشتمل ''اوراق گل'' نامی کتاب شائع ہوئی اور جامعہ ہذا کے مدرس حضرت مولانا محمد ارشاد عالم شمس مصباحی کی تحریر کردہ کتاب'' ماں کا احترام'' اور'' شب قدر میں کیا کریں'' منظر عام پر لائی گئی۔ 2013ء میں، مولانا نورالدین اکاڈمی تشکیل دی گئی، جس اکاڈمی کے تحت حضرت مفتی صاحب قبلہ کے والد گرامی حضرت علامہ الحاج محمد نورالدین احمد نوری مدظلہ العالی اور دیگر بزرگان دین کی حیات اور کارناموں کو منظر عام پر لانا طے پایا۔

جامعہ طیبۃ الرضا کے شعبۂ حفظ و قرأت سے سینکڑوں طلبا فارغ التحصیل ہوئے اور شعبہ عالمیت سے کئی طلبا عالم بن کر نکلے اور شعبہ امامت و خطابات سے کئی طلبا امام و خطیب کی

سند حاصل کئے اور شعبہ فکر وفن سے کئی طلبا ادیب وقلمکار اور شاعر بن کر فارغ ہوئے۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔ انشاء اللہ جاری رہے گا۔

جامعہ طیبۃ الرضا تعلیمی فروغ میں اپنا سکہ جما ہی رہا تھا کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے اپنی جائے ولادت قاضی گاؤں میں خواتین اسلام کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک ادارہ قائم فرمانے کا عزم کرلیا اور 2007ء میں زمین فراہم کرکے تعمیر کا آغاز فرمادیا۔ تقریباً ایک کروڑ روپئے کی لاگت سے ''جامعہ حضرت مولانا نورالدین للبنات ٹیلرنگ اینڈ نرسنگ سنٹر'' کی وسیع وعریض عمارت وجود میں آئی اور مغربی بنگال کے افق پر تعلیمی انقلاب کا چاند طلوع ہوا۔ جس کی روشنی دھیرے دھیرے افق عالم پر پھیلنے والی ہے اور خلق کثیر استفادہ کرنے والی ہے۔ جامعہ طیبۃ الرضا چتل میٹ اور جامعہ حضرت مولانا نورالدین للبنات جامعہ نگر قاضی گاؤں مغربی بنگال اور مولانا نورالدین اکاڈمی حضرت مفتی صاحب کے کارناموں میں تین عظیم الشان کارنامے ہیں۔ جس کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے اور رہتی دنیا تک لوگ اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ جہاں ایک بہترین مدرس ومعلم ہیں، وہیں ایک بہترین ناظم ومہتمم بھی ہیں۔ جہاں ایک بہترین عالم وقاری ومفتی ہیں، وہیں ایک بہترین خطیب دواعظ ومقرر بھی ہیں۔ جہاں ایک شاعر ہیں، وہیں ایک بہترین ادیب وقلمکار بھی ہیں یعنی اس دنیائے علم وادب کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ اتنی خوبیاں انسان کو غرور پسند بنادیتی ہیں۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ اتنی خوبیوں کے باوجود بھی آپ ایک سادہ لوح سادگی پسند اور نہایت خلیق و طلیق اور سدابہار شخص ہیں۔ اخلاص وللّٰہیت، محنت وجستجو، تقویٰ وطہارت اخلاق ومکارم کے پیکر ہیں۔ بڑے شفیق ورفیق شخصیت کے حامل ہیں۔ فیاض وسخی طبیعت کے مالک ہیں۔

اولاد وامجاد: آپ کی پہلی زوجہ مرحومہ سے ایک بیٹا محمد فیضان رضا نوری اور دوسری زوجہ محترمہ سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا محمد ارمغان نفیس پیدا ہوئے۔

زیارت حرمین شریفین: الحمد للہ برسوں کی تمنا ثمر بار ہوئی اور آپ ۷ دسمبر ۲۰۱۴ء کو سفر عمرہ میں نکل گئے۔ مکۃ المکرمہ میں آٹھ روز رہکر پانچ عمرے کئے اور آٹھ روز مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوکر مقدس مقامات کے دیدار سے شرف یاب ہوئے۔ حرمین شریفین کی برکتوں کو سمیٹ

کر ۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء کو وطن واپس ہوئے۔

خلافت و اجازت: آپ احمد آباد کے اراکین کمیٹی کی دعوت پر ایک جلسہ میں شریک تھے تقریر کے بعد آپ مدنی مسکن مرزاپور تشریف لے گئے، تو وہاں حضرت شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ اشرفیہ کی خلافت واجازت سے نوازا۔ یوں ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء مطابق ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ بروز یکشنبہ کی تاریخ آپ کی حیات کے لئے ایک یادگار تاریخ بن گئی۔

۹ فروری ۲۰۱۵ء مطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ بروز پیر کو جامعہ طیبۃ الرضا کے دار الحفظ میں بعد نماز عصر حضور تاج السنہ علامہ توصیف رضا خان صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے اساتذہ کرام اور طلبائے جامعہ کے علاوہ قاری مبشر احمد رضوی، حافظ احمد حسن رضوی و دیگر شرکا کی موجودگی میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ اور دیگر تمام سلاسل کی خلافت واجازت سے نوازا۔ جس کا اعلان عام اسی دن بعد نماز عشا جامع مسجد زبیدہ بیگم آصف نگر حیدرآباد میں منعقدہ ''جلسۂ تحفظ عقائد'' میں فرمادیا۔ آپ کے ساتھ قاری محمد مبشر احمد رضوی القادری اور حافظ احمد حسن رضوی کو بھی خلافت واجازت سے سرفراز کیا گیا۔

خانقاہ توصیفیہ فنائیہ: یکم اگست ۲۰۱۵ء کو حضور تاج السنہ مدظلہ العالی کے ہاتھوں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کا مختصر نام خانقاہ توصیفیہ فنائیہ رکھا گیا۔

محبّ العلما کا خطاب: اسی سنگ بنیاد کے موقع پر نصاب بزم کی مشاورت سے حضور تاج السنہ مدظلہ العالی نے آپ کو محبّ العلما کے خطاب سے نوازا اور شرکائے اجلاس کے سامنے اعلان فرمایا۔

☆ ☆ ☆

مکتوب گرامی
حضرت علامہ محمد ابوالحسن علی رضوی

گرامی وقار! حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر صاحب زید مجدہٗ!
سلام مسنون و دعائے خیر مشحون۔
مزاج وہاج!

'کاملانِ پورنیہ' جلد اول میری نظر میں اور اپنی حیات بے معنی کا ایک مختصر خاکہ حسب الحکم حاضر کر رہا ہوں۔ اس کی تصحیح و تبییض کا وقت میرے پاس یوں نہیں ہے کہ اچانک میرے خسر صاحب کی علالت کی خبر آئی ہے اور میں وطن کے لئے پا بہ رکاب ہوں۔ مدرسے کے صدر المدرسین جناب حافظ اختر صاحب کو اس امر کی ذمہ داری سونپ کر جا رہا ہوں۔ خدا کرے، بروقت آپ کو مل جائے۔ آپ کو تبدیل و تنسیخ کا جواز و اختیار ہے۔ کاملانِ پورنیہ پر اطمینان خاطر کے بعد انشاء المولیٰ تعالیٰ کچھ لکھوں گا۔ دوسری جلد بھی آ جانے دیجئے۔ جناب مولانا ناصر صاحب اور محبّ محترم مولانا مجیب الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔
آپ کے مکان میں اہلیہ اور بچوں کو دعوات وافرہ۔

فقیر ابوالحسن علی رضوی غفرلہ

حضرت علامہ ابوالحسن علی رضوی صاحب قبلہ

بقلم خود:

نام: محمد ابوالحسن علی رضوی قادری ابن عبدالعلی رشیدی مرحوم۔
سکونت: پورب ٹولہ، تاراباڑی، لوٹیاڑی۔ تاریخ پیدائش اسنادات کی بنیاد پر ۱۲؍مارچ ۱۹۶۵ء بمقام بہتا سعدی پور یعنی اپنی ننیہال میں۔ میرا گھرانا میرے دادا کے زمانے سے رشیدی ہے۔ میرے دادا منشی ثمیر الدین مرحوم چمنی بازار شریف کے اساسی ممبر رہے ہیں۔ حضرت مولانا سکندر علی صاحب بنی باڑی سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ میرے والد مرحوم جناب عبدالعلی صاحب بھی تاحیات چمنی بازار شریف کے ممبر رہے۔ خانقاہ و مدرسہ کے میٹنگوں میں ضیغم العلما حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب علیہ الرحمہ انہیں ضرور بلاتے۔ بلکہ جون پور شریف خانقاہ کی تعمیر کے وقت میرے والد مرحوم حضرت مولانا کے ساتھ کافی دنوں تک جون پور شریف رہے ہیں۔
ابتدائی تعلیم: اپنے ہی دیوان خانے میں منشی محبوب صاحب سے ابتدا تا ناظرہ قرآن، ابتدائی اردو وحساب، پانچویں کلاس تک ہندی وانگریزی دکھن ٹولہ تاراباڑی پرائمری اسکول میں۔ ابتدائی فارسی میں منشی محی الدین صاحب مرحوم سے بہتا سعدی پور میں۔ ساتویں کلاس ہندی انگریزی بائسی میڈل اسکول میں۔
مدرسہ کی تعلیم کا باضابطہ آغاز: فیاض المسلمین بائسی میں ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء آمد نامہ سے بہار دانش تک منشی صدیق صاحب اور منشی ظہیر صاحب سے فارسی پڑھی۔ فارسی کی پہلی، چہل سبق، گلزار دبستاں، خوشحال صبیا، کریمہ وغیرہ تھوڑی تھوڑی بہتا میں پڑھ چکا تھا، جلدی نکل گئیں۔ پھر پندنامہ، نسخہ تعلیم، رقعات عزیزی، گلستاں، بوستاں، زمینی سکندر نامہ دو سالوں میں پڑھا اور ۱۹۷۶ء میں جس سال حضرت علامہ مفتی حسن منظر صاحب قدیری دارالعلوم محی الاسلام بجرڈیہہ آئے۔ اسی سال میں بھی ان کے خوشہ چینوں میں داخل ہوا۔ اس وقت میرے اساتذہ حضرت مولانا طاہر حسین صاحب بہتا سعدی پور، حضرت مولانا شاہد رضا حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب وغیرہ۔

۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء کے کچھ مہینے دار العلوم محی الاسلام بجرڈیہہ حضرت مفتی صاحب کے زیر سایہ رہ کر ثالثہ تک پڑھا۔ آواز اچھی تھی، خوش گلو نعت خواں تھا، حضرت مفتی صاحب، مولانا رحمت حسین کلیمی کے ساتھ جلسوں میں جاتا اور نعتیں پڑھتا۔ جلسوں میں اس وقت حضرت مفتی حسن منظر قدیری، مفتی ایوب مظہر صاحب، مولانا رحمت حسین کلیمی کے ساتھ جلسوں میں جاتا اور نعتیں پڑھتا۔ جلسوں میں اس وقت حضرت مفتی حسن منظر قدیری، مفتی ایوب مظہر صاحب، مولانا رحمت حسین کلیمی، مولانا عبدالعزیز صاحب، علامہ خواجہ مقبول صاحب سنگھیا، مفتی مطیع الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالعلی صاحب کوچ گڑھ، مولانا محمد محی الدین دلکش صاحب ملکی وغیرہم کی طوطی بولتی تھی۔ لوگ مجھے بھی دعوت کرتے، نذرانے دیتے۔ انہیں دنوں مولانا رحمت حسین صاحب کے ساتھ نیو جلپائی گوڑی مال بازار وغیرہ کے جلسوں میں گیا۔ گلاب باغ میں جلسہ ہوا۔ پورنیہ خزانچی مسجد میں فاتحہ پڑھی۔

حضور غوث پاک، امام احمد رضا و سرکار مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت میری گھٹی میں ہے۔ میری ابتدائی کچے رسم الخط میں کتابوں کے صفحات پر اب بھی یا غوث المدد، یا امام احمد رضا المدد، یا مفتی اعظم المدد لکھا ہوا ہے۔ جس سے میرے ذہنی میلان کا پتہ چلتا ہے۔ حالاں کہ مجھ سمیت میرا پورا گھرانا چمنی بازار شریف کے حاضر باشوں میں ہے اور مجھے حضرت مولانا شاہ غلام یٰسین صاحب و مولانا شاہ عبدالقادر صاحب علیہما الرحمہ کی خدمت کرنے، ان کی خدمت میں رہنے، ان کی بابرکت مجلسوں میں بیٹھنے، ان کو سننے کا بیسوں بار شرف حاصل ہے۔ لیکن میرا قلبی میلان بچپن سے ہی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی طرف رہا۔ حضرت مفتی حسن منظر صاحب قدیری کی لکھی ہوئی نعتیں لڑکپن میں بہت پڑھتا تھا۔ وہ مشق کراتے، تقریریں کراتے۔ انجمن ہوتی، انگلش پڑھاتے۔ ریاضی لکھاتے۔ غرض یہ کہ ان کی بارگاہ میں کاسۂ لیسی کے تین سال میری بنیادی نشو و نما کے سال ہیں۔

جب ۱۹۷۸ء کے اواخر میں بریلی شریف آیا، تو مجھے دوسروں کی طرح ح ذ ر ڑ س ش کی اصلاح نہیں لینی پڑی، بلکہ چند مہینوں میں وہاں کے لب و لہجے اماں اور یار کے سابقے لاحقے سے واقف ہو چلا تھا اور ایک سال کے بعد تو لوگ کہنے لگے تھے۔ تم بہاری نہیں لگتے۔

جب کہ میں اصلاً ونسلاً پکا بہاری ہوں۔ وہ بھی پورنوی تارا باڑوی۔ حضور ملک العلما بہاری، علامہ مفتی محمد یوسف بہاری، امام علم وفن بہاری، خطیب ایشیاء وافریقہ بہاری، مناظر اہلسنّت بہاری، ضیغم العلما بہاری، ادیب شہیر بہاری، شاہ صاحب بہاری، ڈاکٹر غلام جابر بہاری، فرق صرف اتنا ہے۔ یہ سب کام کے بہاری اور میں نام کا بہاری۔

۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۷ء بریلی شریف رہا۔ پہلے محلّہ جیا پور میں، پھر محلّہ ہزاری پور میں، عنایت گنج میں۔ مولانا مجیب الرحمٰن مدرس حنفیہ کھگڑا صاحب میرے بچپن کے دوستوں میں ہیں۔ موصوف کے ساتھ ہی آیا اور ۱۹۷۸ء کے اواخر یا ۱۹۷۹ء کے آغاز میں حاصل زندگی وہ لمحات آئے، جب تاجدار اہلسنّت سرکار سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ ہوگیا۔ اولاً منظر اسلام میں داخل ہوا، جماعت ثانیہ میں داخلہ ہوا۔ مولانا عیسیٰ قادری رضوی منظر اسلام میں میرے ہمدرس ہیں۔ علامہ بہاؤ المصطفیٰ صاحب شہزادۂ صدر الشریعہ، مولانا سید عارف صاحب نانپاروی، مولانا صالح صاحب، مولانا مناظر صاحب سنبھلی، مولانا عبدالخالق صاحب، مولانا بلال احمد صاحب نوری امام النحو اس وقت اساتذہ تھے۔ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین صدر العلما گل گلزار باغ رضا، گل سرسبز چمن مفتی اعظم، سیدی وسندی، ماویٰ وملجا، علامہ الشاہ الحاج مفتی تحسین رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان تھے، ریحان ملت حضرت ریحانی میاں صاحب خانقاہ کے سجادہ نشین اور منظر اسلام کے مہتمم ہوا کرتے تھے۔

میں نے مذکورہ بالا تمام اساتذہ سے کوئی نہ کوئی کتاب پڑھی ہے، بالخصوص رابعہ میں دو سال رہ کر شرح جامی علامہ بلال احمد صاحب نوری سے پڑھنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ دورۂ حدیث تک کی مختلف درسی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ بعض مصلحتوں کی بنیاد پر جب حضور صدر العلما صدارت سے مستعفی ہوگئے۔ مرزائی مسجد میں جامعہ نوریہ قائم ہوا۔ حضور تاج الشریعہ...... تھے، حضرت مولانا منان رضا خاں صاحب مہتمم، حضور صدر العلما علیہ الرحمہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث منتخب ہوئے۔ میں ان کے ساتھ ہی جامعہ نوریہ آگیا۔ شامل درس کتابیں تو مدرسے میں پڑھیں۔ بقیہ فنون کی کئی کتابیں پانچ سال تک حضور صدر العلما نے اپنی بیٹھک میں پڑھائیں۔ عصر تا مغرب پانچ سال تک ان کے فیوض وکرم

کی جو بارش ہوئی، وہ میری حیات کی انمول پونجی ہیں اور میرا وجدان کہتا ہے کہ ان کے ہزارہا شاگردوں میں یہ اعزاز تنہا مجھے حاصل ہے۔

جامعہ نوریہ اور منظر اسلام دونوں ہی ادارہ سے مجھے سند فراغت حاصل ہے۔ جامعہ نوریہ سے فارغین کا پہلا گروہ ہمارا ہی تھا۔ میں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل اور معلم کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ الہ آباد بورڈ سے عالم ہوں، فاضل دینیات کا فارم بھرا، امتحان نہیں دے سکا۔ ان دنوں میں بریلی شریف کے اکثر محلوں میں تقریریں کیں۔ عرس حامدی میں مقابلۂ تقریر ہوا کرتا، یوپی اور دہلوی ریاستوں کے مدارس اہلسنّت سے طلبا اس میں شریک ہوتے۔ مجھے امام احمد رضا میڈل سے نوازا گیا۔ رامپور، آگرہ، متھرا وغیرہ اور اطراف کے مواضعات وقصبات میں بھی تقریروں کے لئے جاتا رہا ہوں۔ مفتی لطف اللہ صاحب شاگرد صدر الشریعہ جو اس وقت بھی متھرا کی جامع مسجد اور عیدگاہ کے امام ہیں، بہت شفقت فرماتے۔

ایک بار اپنے ساتھ مارہرہ مطہرہ کے ایک جلسے میں لے گئے۔ حضور نجیب میاں اور علامہ حسنین میاں صاحب اور دیگر شہزادگان اسٹیج پر موجود تھے۔ میں نے ایک گھنٹہ تک یہ کہہ کر تقریر کی کہ میں سبق سنا رہا ہوں۔ حضور نجیب میاں صاحب اور حضور نظمی میاں صاحب نے بعد خطاب انعام عطا فرمایا۔ وظیفہ تعلیم فرمایا اور یہ کہتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی کہ 'تمہیں اپنا سبق اچھا یاد ہے'۔ یہ جملہ میری پوری حیات کے تمام نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

میں جامعہ نوریہ میں طلبہ یونین کا صدر رہا۔ 'حضور تاج الشریعہ اور حج اکبر' پر میرا ایک مضمون انہیں دنوں سنی دنیا میں طبع ہوا۔ حضور مفتی اعظم کے کاشانۂ مبارکہ میں جمعرات کو محفل میلاد ہوا کرتی۔ حضرت اس میں بنفس نفیس تشریف رکھتے۔ میں ان مجالس میں اکثر شریک ہوتا رہا۔ میں وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا، جمعرات کی وہی مجلس پاک ہے۔ مولانا سلطان رضا بہیڑی کوئی نعت پڑھ رہے ہیں، ہم لوگ کھڑے ہیں۔ چارپائی پر تاجدار اہلسنّت تشریف فرماہیں۔ کھڑے رہنے والوں میں مفتی بلال احمد صاحب پورنوی بھی ہیں۔ حضرت سرکار مفتی اعظم کی ان پر نظر پڑی۔ حضرت نے انہیں اشارے سے بلایا اور اپنے قریب چارپائی پر بٹھا

لیا۔ مجھے سرکار مفتی اعظم کی دسیوں بار دست بوسی وقدم بوسی کا شرف حاصل رہا ہے۔

میں نے سرکار مفتی اعظم کو میلاد کی محفل میں، عرس حامدی میں، وضو کرتے ہوئے، نماز پڑھتے ہوئے نہ صرف یہ کہ دیکھا ہے، بلکہ اس جماعت میں شریک رہا ہوں۔ جس میں وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضور ازہری میاں کے ساتھ ایک پورا رمضان ڈاکخانے والی مسجد میں پانچوں نمازیں اور تراویح پڑھی ہیں ان کے ساتھ ٹرین اور ہوائی جہاز میں سفر بھی کیا ہے۔ ان کی خدمت میں رہا ہوں۔ حضور صدر العلما کی اقتدا میں برسوں کانکر ٹولے کی چھوٹی سی مسجد نورانی میں نمازیں پڑھیں ہیں۔ مؤذن نہ ہوتا، حضرت خود اذان پڑھتے۔ کبھی میں اذان پڑھتا۔ اب تو وہ بڑی مسجد ہو چکی ہے۔ اس وقت پرانے شہر میں کئی مذہبی تنظیمیں تھیں۔ اصلاح المسلمین، خدام رسول، شان اسلام، خدمت خلق وغیرہ۔ میں انجمن خدمت خلق کا صدر رہا ہوں۔ اس کے پچاسوں ممبران تھے۔

۱۹۸۷ء میں سند فراغت ملی۔ اسی سال جامعہ نوریہ میں معین المدرس رہا اور اسی سال جولائی کے دوسرے ہفتے میں مولانا مجیب الرحمٰن صاحب کی دعوت پر بریلی شریف کو الوداع کہنے کا ارادہ کرلیا۔ حضور صدر العلما بنفس نفیس الوداعی تقریب میں شریک ہوئے اور کامیابی کی دعا فرمائی۔ ان کی دعاؤں کی چھاؤں میں بریلی شریف یعنی ماں کی گود غریب الوطنوں کو وطن اصلی کا مزہ دینے والی مقدس چوکھٹیں چھوٹ گئیں۔ بریلی سے آگرہ، حیدرآباد ہوتے ہوئے جولائی کے آخری ہفتے میں نظام آباد کے قریب کاماریڈی آیا۔ مدینہ مسجد کاماریڈی میں مولانا مجیب الرحمٰن صاحب امام وخطیب تھے۔

انہیں کے توسط سے کاماریڈی کے مضافات میں ایک قصبہ تنگم پیٹھ میں عید الضحیٰ کی نماز پڑھانے کی غرض سے آیا۔ وہ ۳ر اگست ۱۹۸۷ء جمعۃ المبارکہ کا دن تھا۔ اب پچیسواں سال ہے، یہیں ہوں۔ پہلے مدرسۂ محمدیہ، پھر جامعہ غوثیہ رضویہ کے نام سے ادارہ قائم کیا۔ ۱۹۹۰ء تک تعمیری کام کرایا۔ حضور تاج الشریعہ نے مدرسہ کا افتتاح فرمایا۔ اب تک یہاں سے سینکڑوں علما وحفاظ فارغ ہو کر ملک کے مختلف گوشوں میں خوشبوئے زلف یار پھیلا رہے ہیں۔ جن دنوں میں یہاں آیا۔ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو لوگ جانتے بھی نہیں

تھے۔ جامعہ نظامیہ ہی کو جانتے تھے، اسی کو مانتے تھے۔ با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام کا ماحول تھا۔ اطراف کے کئی اضلاع میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ مساجد پر وہابی دیوبندی قابض تھے۔ بے دینی، بدمذہبی اور گمراہ پیروں کی بھانت بھانت کی بولیاں۔

اس ماحول میں سرکار مفتی اعظم کے فیض روحانی اور حضور صدر العلما کی مخصوص دعاؤں نے سہارا دیا۔ ثابت قدم رہنے کی توفیق ملی۔ کئی بار تاج الشریعہ کو اضلاع کا دورہ کرایا۔ ہزار ہا لوگوں کو داخل سلسلہ کرایا۔ حضور امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں، حضور صدر العلما محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو برسوں سالانہ جلسوں کے نام پر بلایا۔ لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ اضلاع کریم نگر، نظام آباد، ورنگل، حیدرآباد میں بیسوں مدارس اہلسنّت قائم ہوئے۔ کہیں رضوی چمن ہوا، کہیں رضائے مصطفیٰ، کہیں انوار رضا، کہیں گلشن رضا اور اب بحمدہٖ تعالیٰ یہاں کی سرزمین پر ہر شخصیت کی کھیتی لہلہا رہی ہے۔ ہر طرف سنی مدارس، سنی تنظیمیں، سنی تحریکیں اور اب پچھلے چند سالوں سے میرے ایک رفیق کار مولانا حافظ احمد حسن رضوی کی ادارت میں مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ماہنامہ 'بطحا' بپابندی اوقات اور آب وتاب کے ساتھ نکال کر ملک کے کونے کونے سے خراج وصول کر رہا ہے۔

فقیر قادری ابوالحسن علی رضوی

☆ ☆ ☆

حضرت مفتی محمد منظور عالم رضوی صاحب

از قلم: مولانا محمد شعبان صاحب رضوی
استاذ: دارالعلوم غوثیہ نیوریہ پیلی بھیت

[نوٹ: حضرت مفتی محمد منظور عالم رضوی صاحب ہمارے وطن بائسی کے رہنے والے ہیں۔ ان کی بستی کا نام 'ہرن توڑ' ہے۔ جو بائسی سے ذرا پچھّم اتر ہے۔ ان کے والد گرامی بھی بزرگ عالم دین ہیں۔ نام حضرت مولانا غلام محمد یٰسین صاحب ہے۔ ان کے ایک بھائی بھی بڑے قابل اور فاضل شخص ہیں۔ نام حضرت مولانا محمد حماد رضا صاحب ہے۔ میری ان تینوں سے یاد اللہ ہے۔ یہ تحریر ان کی کتاب 'مخزن معلومات' سے ماخوذ ہے۔ شمس پورنوی]

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ کلی کلی تھی یہاں محو خواب ناز میں

صوبۂ بہار میں ضلع پورنیہ کو 'مدینۃ الاولیا' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس زمین کی کوکھ سے نہ جانے کتنی نادر روزگار شخصیات نے جنم لیا ہے۔ جنھوں نے اپنے وجود سے اس شہر علم و فن کو عظیم سے عظیم تر بنایا۔ اسی کی ایک کڑی ماہر علم وفن حضرت مولانا مفتی منظور عالم رضوی بھی ہیں۔ جو شہسوار درس و تدریس امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے فیض یافتہ ہیں۔ موصوف نے فقط چند سال خواجۂ ملت کی بارگاہ میں رہ کر تمام کتب متداولہ کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۸۱ء میں سند فراغت حاصل کر لی۔

بعدہ ۱۹۸۲ء میں دنیائے سنیت کی عظیم درسگاہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی بحیثیت مدرس درس وتدریس کی خدمت پر مامور ہو گئے۔ حضرت وہاں دو سال تک اپنے گوہر علم سے تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔ کچھ نامساعد حالات کی بنا پر گہوارۂ علم وفن سرزمین سنبھل تشریف لے گئے۔ وہاں اہل سنت کی عظیم درسگاہ مرکزی مدرسہ اجمل العلوم و مدرسہ حامدیہ اشرفیہ سراج العلوم میں متواتر چار سال رہ کر دور دراز سے آئے ہوئے وابستگان علوم وفنون کو اپنے علم وحکمت سے فیض یاب کرتے رہے۔ پھر وہاں حوادث زمانہ کے پیچ وخم کی بنا پر دارالعلوم

غوثیہ نیوریہ پہلی بھیت تشریف لائے اور حضرت یہاں رہ کر ہم جیسے ذرہائے ناچیز کو اپنے علمی فیوض وکمالات سے مستفید کرتے رہے۔ یہ حضرت ہی کا فیض وکرم ہے کہ ہم جیسوں کو گوہر آبدار بنایا اور مسلسل تین سال تک سیکڑوں نونہالان علم وفن کو اپنے مخصوص طرز تعلیم سے نوازتے رہے اور بالخصوص اہل نیوریہ پر حضرت کا احسان عظیم ہے کہ بہت سوں کو العلماء ورثۃ الانبیا کا مصداق بنا دیا اور اپنا علمی سکہ دارالعلوم غوثیہ کی چہار دیواری پر نصب کر دیا اور یہیں پر اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'تعریفات' کی تصنیف فرمائی۔ جو حضرت کی جیتی جاگتی یادگار ہے اور عوام وخواص سے داد وتحسین حاصل کر چکی ہے۔

پھر حضرت یہاں سے عالی جناب سیٹھ محمد مظہر الدین رضوی صاحب کی دعوت پر گرسہائے گنج کی مشہور درسگاہ الجامعۃ الرضویہ میں تشریف لے گئے اور وہاں صرف ایک سال رہ کر علمی خدمات انجام دیں۔ بعدہ مفتی سنبھل حضرت مولانا مفتی محمد اختصاص الدین صاحب اجملی کی دعوت واسرار پر دوبارہ مدرسہ اجمل العلوم سنبھل بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے اور وہاں مسلسل نو سال تک دور دراز سے آئے ہوئے ہزاروں طالبان علوم کو علم وحکمت سے آراستہ کرتے رہے۔ صدر مدرسی کی ذمہ داری بھی نہایت پابندی ومستعدی کے ساتھ پوری کرتے رہے۔

حضرت نے اپنی حیات مستعار کے ایک ایک لمحہ کو خدا کی عطا کردہ عظیم نعمت ودولت تصور کرتے ہوئے کسی حالت میں بے کار نہیں جانے دیا اور اپنی ذات کو ہمیشہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور مطالعۂ کتب میں مشغول رکھا اور یہیں پر حضرت نے جہد مسلسل وسعی پیہم کے بعد مختلف لائبریریوں کی سیر کر کے 'مخزن معلومات' کتاب کی تصنیف وتالیف کا آغاز کیا اور وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ جسے آپ کتابی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

پھر قصبہ نیوریہ کے کچھ مخلصین کے مسلسل اصرار پر سنبھل سے دوبارہ دارالعلوم غوثیہ میں بحیثیت پرنسپل تشریف لائے۔ اہل نیوریہ نے آپ کی تشریف آوری پر فرحت وشادمانی کا جشن منایا اور آپ کے آتے ہی دارالعلوم غوثیہ کے علمی ماحول میں نکھار پیدا ہو گیا اور آپ نے اپنی خداداد صلاحیت سے تعلیم وتہذیب وتمدن کا ایسا ماحول پیدا کیا۔ جو عہد ماضی میں نہ تھا۔ بلا شبہ حضرت علم وفضل کی گوناگوں خوبیوں اور اخلاق وکردار کی بلندیوں پر فائز ہیں۔ بالخصوص

درسی کتب پر تو بے پناہ عبور رکھتے ہیں۔ جب کتاب کے کسی مقام پر تقریر کرتے ہیں، تو یوں لگتا ہے کہ مصنف کے مقاصد ان کے ان کے بیان کے تابع ہیں۔ تقریر کے دوران ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی سطریں ان کے الفاظ میں ڈھلتی جارہی ہیں۔ ان کی تدریس میں یہ خاصیت ہے کہ جس فن کو پڑھاتے ہیں، طلبہ میں اس فن کا صحیح شعور پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ استاذ گر استاذ ہیں۔ جن خوش نصیبوں نے ان سے تعلیم حاصل کی ہے، ان میں اکثر ہندوستان کے دینی مدارس میں اونچے عہدے پر فائز ہو کر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ مولی تعالی تادیر حضرت کا سایۂ کرم ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور انہیں دارین کی لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[ماخوذ از: مخزن معلومات، مطبوعہ دہلی، ۲۰۰۱، ص: ۶ تا ۸]

☆☆☆

شیر بنگال-ایک خاموش تحریک
حضرت مفتی محمد علاء الدین صاحب مصباحی

از: مفتی محمد رفیق الاسلام رضوی، ڈمٹھی، اسلام پور، دیناج پور

جائے ولادت: اسلام پور جو شمالی دیناج پور کا سب ڈویژن ہے، ایک چھوٹا لیکن پُر بہار شہر ہے۔ اس کے جنوب میں پانچ سو کلومیٹر کے فاصلہ پر بنگال کی راجدھانی جو کبھی پورے ہندوستان کی راجدھانی ہوا کرتی تھی شہر نشاط 'کلکتہ' موجودہ 'کولکاتا' آباد ہے اور شمال میں ستر کلومیٹر کے فاصلہ پر سلی گوڑی آباد ہے، جو اپنی صنعت و تجارت کے لیے کافی شہرت رکھتا ہے اور چائے پتی کے باغات نے تو اس کی شہرت میں چار چاند لگا دیا ہے۔ اسی سلی گوڑی سے متصل ہندوستان کی مشہور تفریح گاہ 'دارجلنگ' آباد ہے، جو سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہے۔ سلی گوڑی سے جانب جنوب دس کلومیٹر کے فاصلہ پر وہاں کا نیشنل ایئر پورٹ ہے، جو باگ ڈوگرا میں واقع ہے۔ اسلام پور کے جائے وقوع کی یہ ایک تحدید ہے۔

اسی شہر اسلام پور سے ٹھیک مشرق کی جانب دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک مشہور و معروف قریہ 'کالو بستی ڈمٹھی' ہے، جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنیاد پر موضوع بحث بنا رہتا ہے۔ علمی و سیاسی اعتبار سے بڑا زرخیز ہے، البتہ کچھ سالوں سے اس کی صالح سیاست پر گندی سیاست کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، جو ایک بڑا المیہ ہے۔

اس قریہ کو بڑے بڑے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی میزبانی کا شرف حاصل ہے۔ خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلما سید ظفر الدین بہاری، قطب عالم سیدنا مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا بریلوی، امین شریعت مفتی رفاقت حسین مظفر پوری، اشرف الاولیا سید مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، وارث علوم اعلیٰ حضرت، قاضی القضاۃ، تاج الشریعہ، مفتی اختر رضا قادری ازہری بریلوی، شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں اشرفی الجیلانی کچھوچھوی جیسے نابغۂ روزگار شخصیات قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔ ان حضرات نے اس علاقہ میں دینی و علمی فروغ کے لیے جو مساعی جمیلہ فرمائی تھیں، اس کی دھمک علاقہ میں آج بھی محسوس ہو رہی ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ ان حضرات کے دم قدم سے ہی اس علاقہ میں دینی و علمی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کی تاریخ میں اس علاقہ میں اکا دکا علما کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں بطور خاص بدر ملت مفتی بدر الدین رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت ممتاز

نظر آتی ہے۔اس علاقہ کی علمی تاریخ کے حوالے سے پھر کبھی گفتگو کریں گے۔
پیدائش: اسی کالوبستی ڈمٹھی میں ۲۵ رمئی ۱۹۶۰ء کو عالی جناب منشی محمد بدرالدین صاحب کے دیندار گھرانے میں استاذ العلما مفتی علاء الدین صاحب مصباحی کا تولد ہوا۔
ابتدائی تعلیم: فارسی کی پہلی سے لیکر اخلاق محسنی اور یوسف زلیخا تک کی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے مدرسہ اسلامیہ، میں حاصل کی۔ پھر عربی کی ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسہ حنفیہ، بیل پوکھر بہار، میں مارچ ۱۹۷۳ء میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۵ء تک میزان ومنشعب سے لیکر شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کی۔
الجامعۃ الاشرفیہ میں داخلہ: اعلیٰ تعلیم کے لیئے ہندوستان کی شہرت یافتہ علمی ودینی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی کا آپ نے قصد کیا اور اپریل ۱۹۷۶ء میں درجۂ خامسہ میں آپ کا داخلہ ہوا اور آپ مسلسل چار سالوں تک انتہائی شوق ولگن اور جد وجہد کے ساتھ اس وقت کے مایۂ ناز علمائے کرام سے کسب علم وفیض کرتے رہے۔ ۱۷راپریل ۱۹۸۰ء میں اس وقت کے جید علمائے کرام کے ہاتھوں آپ کو دستار فضیلت وسند سے نوازا گیا۔ لیکن ابھی بھی آپ کی علمی تشنگی بجھی نہیں اور معقولات میں مزید کمال حاصل کرنے کے لیئے آپ نے جامعہ کے تخصص کے شعبہ میں داخلہ لیا۔ اس طرح آپ کو ڈیڑھ دو سال کا اور وقت طلب علم کے لیئے میسر ہوا۔
تدریسی خدمات: بعد فراغت آپ نے تدریسی خدمات کی طرف رخ کیا اور سب سے پہلے مدرسہ علیمیہ انوار العلوم دامودر پور ضلع مظفر پور بہار میں شیخ الحدیث کے باوزن منصب پر آپ کی تقرری ہوئی اور ساتھ ہی کارِ افتا بھی آپ کے حوالے ہوا۔ مدرسہ شمس العلوم رکساہا غازی پور میں بھی آپ نے درس وافتا کی خدمت انجام دی۔ پھر ۱۹۸۴ء میں آپ جامعہ رضویہ کیمری ضلع رام پور یوپی تشریف لے گئے اور صدر المدرسین کے عہدہ کو زینت بخشا۔ ۱۹۸۶ء کے اخیر میں آپ دار العلوم فیض الغربا آرا بہار تشریف لے گئے۔ یہاں بھی آپ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے اور اس دار العلوم میں آپ نے تقریباً نو سال کا ایک لمبا عرصہ گذارا۔ اس عرصے میں آپ نے اس علاقہ میں درس وتدریس کے علاوہ دوسری دینی خدمات بھی سرانجام دیا۔ نتیجہ میں وہ پورا علاقہ آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہوگیا۔
آپ کی خدمات کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ انھیں دنوں اتر دیناج پور قریہ 'گنجریا' کے ایک عظیم سپوت، عالم ربانی حضرت علامہ مولانا احمد نواز رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم گلشن بغداد رام پور یوپی کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث تھے کا ۱۶رجون ۱۹۹۵ء میں اچانک وصال ہوگیا۔ آپ کا اس دور کے جید علما میں شمار ہوتا تھا۔ بلکہ شہر رامپور میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے وصال

ہوجانے سے گلشن بغداد میں شیخ الحدیث کا عہدہ خالی ہوگیا۔ دارالعلوم کے اراکین کو کسی لائق وفائق عالم ومفتی کی تلاش تھی، جو اس منصب کو بحسن وخوبی سنبھال سکے۔ تلاش بسیار کے بعد اراکین کی نگاہیں شیر بنگال مفتی علاء الدین صاحب قبلہ مصباحی کی ذات بابرکت پر ٹکیں۔ اراکین گلشن بغداد کے اصرار شدید پر آپ کو دارالعلوم فیض الغرباء کو خیرآباد کہنا پڑا۔ اس طرح آپ ۱۹۹۶ء میں دارالعلوم گلشن بغداد رامپور تشریف لائے اور شیخ الحدیث کے اہم منصب پر فائز ہوکر اپنی تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

آپ کی تدریسی خدمات کا دورانیہ اب تک ۳۳ رسال ہو چکا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اب تک نہ جانے کتنے فرزندان اسلام نے آپ کی بارگاہ علم وادب میں زانوئے ادب تہہ کیا ہوگا۔ آپ کے اساتذہ اور تلامذہ کے حوالے سے تفصیلی تحریر پھر کبھی۔

ماہر استاذ: تیس پینتیس سال کا تدریسی دورانیہ ہی آپ کے ایک ماہر استاذ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ آپ کا انداز تدریس اور مادۂ افہام وتفہیم لائق تقلید ہے، مزاج شناسی میں آپ کو ملکہ حاصل ہے۔ بات ایسے دلنشین انداز میں کرتے ہیں کہ فوراً ذہن ودماغ میں سما جاتی ہے اور ہر مزاج وطبیعت کے طلبہ آپ کے درس سے مطمئن ہوجاتے ہیں۔ درسگاہ میں عام طور پر آپ کے جمال پر جلال غالب رہتا ہے۔ البتہ کمزور طلبہ کی آپ دل شکنی نہیں کرتے، بلکہ محبت وشفقت سے سمجھا کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

مولانا ذاکر حسین صاحب قبلہ جو خود بھی بڑے نیک، منکسر المزاج اور اچھے خطیب ومدرس ہیں۔ حضرت کے وفادار اور چہیتے شاگردوں میں ہیں۔ آپ بیان فرماتے ہیں:

'کہ حضرت کی تدریسی خدمات کا ابتدائی زمانہ یہی کوئی پندرہ بیس سال بڑے کروفر اور جاہ وجلال کا تھا۔ حضرت کی ایک آواز پر پورے ہاسٹل میں سناٹا چھا جاتا تھا۔ کیا مجال کہ کوئی بچہ چوں بھی کرسکے'۔ حضرت کا یہ درسگاہی پہلو ہے۔ اس کے برخلاف خارجی اوقات میں طلبہ پر آپ بے حد مشفق ومہربان ہیں۔ طلبہ سے وقتاً فوقتاً ان کی نجی زندگی کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنا کہ خرچ کے لیئے تمہارے پاس روپے ہیں یا نہیں؟۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ تمہارے گھر میں سب لوگ اچھے ہیں کہ نہیں؟ خاص کر جب حضرت سفر میں ہوتے ہیں اور آپ کے ساتھ طلبہ بھی ہوتے ہیں، تو اس وقت آپ کی شفقت ومہربانی اور عاجزی وانکساری حیرت انگیز طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

باکمال خطیب:۔ دعوت وتبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ وعظ وخطابت ہے۔ دنیائے اسلام میں

بڑے بڑے واعظین وخطبا جلوہ گر ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے ایک ایک وعظ و بیان سے قوم کی کایا پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ بے شک بہت سے بیان جادوئی ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو فورا چھو لیتے ہیں، سچ ہے۔ 'ان من البیان لسحرا'۔ حضرت ایک اچھے واعظ اور سلجھے ہوئے خطیب ہیں۔ بات دلائل و براہین کے ساتھ کرنے کا مزاج رکھتے ہیں۔ بیشتر اصلاح معاشرہ پر خطاب ہوتا ہے، وعد پر وعید کو ترجیح دیتے ہیں، جوش میں ہوش کھو دینے والا معاملہ نہیں ہے، بلکہ ہر بات ناپ تول کر کرتے ہیں، محض دھونس جمانے کے لیئے بے سر و پیر کی باتیں کرنا، جیسا آج کل کے خطبا کرتے ہیں، آپ کا شیوہ نہیں ہے۔

علما ساز: ۱۹۸۰ء سے پہلے جو علاقہ علمی قحط سالی کا شکار تھا علما خال خال نظر آتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سرسبز و شاداب ہو گیا۔ ہر طرف علمی ہریالی چھا گئی۔ گروہ در گروہ علما نظر آنے لگے، علمی محفلیں سجنے لگیں، بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہونے لگا۔ پورے علاقۂ اسلام پور میں ڈمٹھوی علما کی شہرت ہونے لگی، ڈمٹھی سے مشرق و مغرب، جنوب و شمال کے ساکنین کا مرکز توجہ بن گیا، سارے دینی معاملات یہیں سے حل ہونے لگے، چاہے وہ رمضان و عید کے چاند کا مسئلہ ہو یا عقائد اہل سنت کا، سب کا مُداوا یہیں ہونے لگا، اب حال یہ ہے کہ گھر گھر مولوی، حافظ، قاری موجود۔ علما کی اتنی کثرت کہ دور دراز کے لوگ مثال میں ڈمٹھی کو پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ملتے ہیں 'کہ اگر علما دیکھنا ہو تو ڈمٹھی چلے جاؤ' یقیناً یہ بات ڈمٹھی کے لیئے باعث عزت و عظمت ہے۔ اس تناظر میں اسے مدینۃ العلما نہ سہی مگر قریۃ العلما کہا جانا بالکل برمحل اور بجا و درست ہے۔ کیوں کہ اس میں نوے فیصد حضرت کی کوششوں کا ثمرہ ہے، اور الحمد للہ! آپ کے تلامذہ میں ایک سے بڑھ کر ایک قابل ولائق وفائق علما پائے جاتے ہیں، جو بجائے خود مفتی، مصنف، ادیب، خطیب، مدرس اور مبلغ ہیں۔ ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔

بج رہا ہے علم کا جو ساز دوستو یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو
علم نے اضطراب بخشا ہے کتنی پر سکون تھی لاعلمی

بیعت وارادت: شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاج دار اہل سنت، قطب عالم حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کی ذات بابرکات سے کون واقف نہیں، آپ کثیر الکرامت بزرگ ہیں، آپ کا تقویٰ و پرہیز گاری ضرب المثل ہے، سچ فرمایا ہے میرے مرشد گرامی وقار تاج الشریعہ، قاضی القضاۃ، حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری نے:

متقی بن کر دکھائے اس زمانہ میں کوئی ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر
وقت کے بڑے بڑے علما وفقہا آپ کے قدم بوسی میں فخر محسوس کرتے، کیوں نہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے خاص انعامات واکرامات سے نوازا ہے اور ولایت کے خاص منصب پر فائز فرمایا ہے۔ بقول تاج الشریعہ:

مفتی اعظم یک از مردمان مصطفیٰ اس رضائے مصطفیٰ سے دشمنی اچھی نہیں

حضور مفتی اعظم سے بیعت وارادت بڑے نصیبے کی بات ہے۔ شیر بنگال کو حضور مفتی اعظم سے شرف بیعت حاصل ہے اور آپ اپنے پیرومرشد سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور اپنی محفلوں میں کثرت سے حضور مفتی اعظم کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

اجازت وخلافت: وارث علوم اعلیٰ حضرت، جانشین حضور مفتی اعظم ہند، قاضی القضاۃ، تاج الشریعہ، حضرت علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہے۔ تاج الشریعہ نے آپ کو اس کی سند بھی عطا فرمائی ہے، جو آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ کی خلافت کا واقعہ بھی بڑا دل چسپ ہے۔ ہوا یہ: آپ کا یوں تو بریلی شریف آنا جانا لگا رہتا ہے۔ چوں کہ آپ رام پور میں رہتے ہیں اور رام پور سے بریلی شریف کا فاصلہ بذریعہ بس ڈیڑھ دو گھنٹہ کا ہے۔ حضور تاج الشریعہ سے آپ کی گفت وشنید پہلے سے تھی۔ ایک دفعہ آپ پھر بریلی شریف تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ مفتی محمد قاضی شہید عالم صاحب قبلہ استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف اور فخر القراء حضرت قاری امیر الدین صاحب استاذ دارالعلوم گلشن بغداد بھی تھے، حضور تاج الشریعہ سے ملاقات ہوئی اور اسی مجلس میں تاج الشریعہ نے آپ کو ار بجکر ۱۰ ر منٹ پر اجازت وخلافت سے نوازا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ مفتی قاضی شہید عالم صاحب اس واقعہ کے چشم دید شاہد ہیں، تفصیلات ان سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

خاک پائے شیر بنگال
محمد رفیق الاسلام مصباحی
جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم ڈی جے ھلی بنگلور
۲۳ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۳ رمئی ۲۰۱۵ء
E-mail:rafiqmisbahi@gmail.com

حضرت مولانا محمد سلیمان اشرفی علیہ الرحمہ

از قلم: مولانا محمد آفاق احمد اشرفی

پیدائش: ان کی پیدائش ضلع کٹیہار کے ایک مشہور گاؤں 'بلیہار پور' میں ایک ملازمت پیشہ اور کاشتکار جناب ملک محمد عقیل الدین پٹواری کے گھر ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی تعلیم مدرسہ حمایت الاسلام سنگھیا، پورنیہ، دار العلوم لطیفی کٹیہار اور فراغت بحر العلوم لطیفی کٹیہار سے ہوئی۔

درس وتدریس: بعد فراغت حضرت ملک العلما کی صدارت میں ۱۹۶۴ء تک 'بحر العلوم' ہی میں متوسطات ومطولات مثلاً صحیح البہاری، شرح عقائد نسفی، شرح تہذیب، کافیہ وغیرہ کا درس دیتے رہے۔ حضرت ملک العلما کے سرچشمہ علوم وفنون ظاہری اور رموز واسرار باطنی سے فیضیابی کی بنا پر اندازِ درس وتدریس میں ظفر ونصرت، رشد وہدایت، شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کی جھلک بدرجہ اتم نظر آتی تھی۔ آپ کی جامع شخصیت اور ذاتی صلاحیت کے معترف آج بھی آپ کے رفقائے درس اور شاگردان ہیں۔ چنانچہ آپ کے ہمعصر اور رفیق درس حضرت مولانا عبد الشکور صاحب، سابق صدر المدرسین مدرسہ بدر العلوم چوکی، کٹیہار خود راقم الحروف سے حضرت ملک العلما کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے:

'مگر آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد سلیمان رضوی صاحب کی شان، ہی کچھ اور تھی'۔

اسی طرح آپ کے ایک شاگرد رشید حضرت علامہ مفتی محمد عارف رضا صاحب ہیڈ مولوی اسلامیہ ہائی اسکول سمری بختیار پور، سہرسہ نے جو تحریری طور پر اپنے تاثرات پیش فرمائے، وہ اس مضمون میں رقم کر رہا ہوں۔

'استاذی وملاذی حضرت علامہ محمد سلیمان رضوی علیہ الرحمہ حضرت ملک العلما فاضل بہاری علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں سے اور مرید طریقت غالباً ماذون ومجاز بھی تھے۔ استاذی ملاذی کا درسگاہ میں رعب وداب اور آپ کی جامع تقاریر سے آج بھی میرے قلب وجگر روشن ہیں۔ آپ کے انداز تعلیم وتربیت کی چھاپ بحر العلوم کے تمام طلبہ پر ایسی تھی کہ طلبا چھٹی کے اوقات میں بھی حضرت ملک العلما کی طرح آپ کی رہائش گاہ کے قریب سے نہیں گذرتے تھے۔

میں نے بحر العلوم میں حضرت علامہ محمد سلیمان رضوی علیہ الرحمہ سے شرح تہذیب، شرح عقائد نسفی اور صحیح البہاری پڑھی تھی۔ لیکن جب میں بحر العلوم سے دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف پڑھنے کے لئے گیا۔ ماہرین علوم وفنون اساتذہ کرام کی نگرانی میں پڑھائی شروع ہوئی۔ چند مہینوں تک وہاں اساتذہ وطلبہ کے درمیان میری گمنامی کی زندگی گذری، لیکن اتفاق سے ایک دن حضرت مفتی محمد اسلم صاحب رضوی مظفر پوری کی درسگاہ میں 'نورالانوار' کی عبارت خوانی کی باری آئی۔ چنانچہ میں نے نحوی وصرفی قواعد کی روشنی میں اس قدر جم کر عبارت پڑھی تھی کہ مفتی صاحب قبلہ نے خوش ہوکر دریافت فرمایا تھا: کہاں سے پڑھ کر آئے ہو؟۔ میں نے کہا تھا کہ پورنیہ ضلع کے ایک مدرسہ بحر العلوم کٹیہار سے۔ پھر آپ نے فرمایا: اتنی اچھی صرف ونحو؟۔ میں نے کہا تھا کہ ہاں! یہ میرے استاذ حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب رضوی کی دین ہے'۔

علاوہ ازیں حضرت کو فنون اصول وفقہ اور کلام ومعانی میں بھی بے پناہ صلاحیت تھی۔ چنانچہ شرح عقائد میں بھی آپ نے اس قدر انوکھا انداز تعلیم اختیار فرما کر اس فن میں مہارت پیدا فرمادی، کہ دوسرے کے پاس دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ آپ ۱۹۶۴ء کے بعد ضلع پورنیہ کے ایک مشہور قصبہ 'لگرون اماری' تشریف لائے، جہاں دور دور تک علم دین کی روشنی اور اسلامی بود باش کا نام ونشان اور حصول علم دین کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ لیکن آپ نے اپنی حکمت عملی اور منبع علم وحکم حضرت ملک العلما کی ہدایات کی روشنی میں ایک مکتب کو بالتدریج فروغ دے کر بنام 'مدرسہ اسلامیہ لگرون' علم دین کا ایک قلعہ اور اس کی حفاظت وآبیاری کے لئے علماء وحفاظ اور دانشوروں کا ایک قافلہ تیار کردیا، جو آج بھی زبان حال وقال سے آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کررہا ہے۔

صبر وتحمل: صبر وتحمل، عاجزی وانکساری، حق گوئی وبیبا کی احکام شریعت واصول طریقت کی پابندی آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے پوری زندگی چاہے، خانگی امور کی پریشانیاں ہوں یا مدرسہ کے فروغ اور تعلیم وتنظیم کے استحکام کی خاطر پیش آنے والی صعوبتوں اور وقتاً فوقتاً مخالفین وحاسدین کی جانب سے پیدا کی جانے والی رکاوٹوں اور دقتوں کا ہمیشہ خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ لیکن قلبی الجھنوں کا اپنوں اور بیگانوں کو کبھی احساس تک نہ ہونے دیا اور

تمام مصائب کو جھیلنے کے لئے تن تنہا پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے۔

آپ نے پوری زندگی سادہ، لیکن شاہانہ بارعب گذاری۔ چنانچہ حق گوئی اور بیبا کی میں کسی کا پاس ولحاظ نہ فرمایا۔ آئین جوانمرداں حق گوئی و بیبا کی کے بمصداق نہ تو کبھی کسی کی امارت سے مرعوب ہوئے اور نہ کسی کے منصب و اختیارات سے خائف ہوئے۔ آپ کی وضع قطع، نشست و برخواست، رفتار و گفتار عالمانہ، صوفیانہ اور حکیمانہ تھا۔ آپ کی ہر ادا سے شریعت وطریقت کی جھلک نظر آتی تھی۔

بیعت وارادت: آپ کو چونکہ حضور ملک العلما کے شاگرد رشید ہونے کے ساتھ ساتھ مرید سعید بھی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے آپ کو اپنے شیخ کی ذات میں ایسا گم اور فنا کر دیا تھا کہ تاحیات تمام معاملات ومعمولات متعلقین کی ہدایات وتنبیہات میں اپنے شیخ ہی کے اقوال وافعال کو بطور سند پیش فرماتے اور ان پر عمل کرتے رہے۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر ایک سے ہر ایک معاملہ اور مسئلہ میں یہی فرماتے نظر آتے کہ حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا: حضور ملک العلما کا یہ معمول تھا۔ گویا کہ ان کو ملک العلما کے اقوال وافعال کے سوا کچھ یاد ہی نہیں تھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تصوف وطریقت کی اصطلاح میں آپ فنافی الشیخ کے اعلیٰ مقام پر فائز رہ کر عالمانہ وصوفیانہ انداز میں شریعت وطریقت کا گوہر آبدار لٹاتے۔ لہٰذا انہی خصوصیات کی بنا پر آپ کو 'پرتوِ ملک العلما' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

وصال: ۲۲ ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳ ر جنوری قبل طلوع فجر بوقت سحری آپ کی روح قفس عنصری سے مختصر علالت کے بعد پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ ☆ ☆

حضرت علامہ محمد نور عالم رشیدی

بقلم خود:

نام: محمد نور عالم رشیدی نعیمی

ولدیت: منشی محمد طیب عالم وحیدی مرحوم مغفور ابن محمد عبدالغفور ابن منشی محمد قدرت اللہ مرحوم

ولادت: ۵/ اگست ۱۹۶۴ء

جائے ولادت: منشی ٹولہ، تاراباڑی، بائسی، پورنیہ، بہار

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے ہی گھر والد ماجد منشی محمد طیب عالم وحیدی سے، پھر اپنے ہی گاؤں کے مدرسہ میں حضرت علامہ محمد شریف عالم رشیدی سے، جو حضرت مفتی محمد افضل حسین رضوی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید اور دارالعلوم منظر الاسلام بریلی شریف سے فارغ تھے اور نویں سجادہ نشین شہود الحق حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ تب پھر اپنے والد گرامی کی تربیت و نگرانی میں آ گیا اور ایک سال مدرسہ رضوان العلوم پھریا، بائسی میں گزارا۔ متوسطات دارالعلوم مصطفائیہ چمنی بازار سیٹی پورنیہ میں ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۰ء چار سال زیر سایۂ کرم ضیغم ملت زعیم العلما حضرت علامہ شاہ ابو صالح غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی علیہ الرحمہ رہ کر تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۱ء میں شارح کتب درسیہ حضرت مفتی محمد شبیر پورنوی کے ہمراہ رہا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ حکیم مفتی سید شاہ محمد نعیم الدین علیہ الرحمہ کے گلشن نعیمی جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی میں چار برس یعنی ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۵ء تک منتہی درجات کی تعلیم پائی۔ تکمیل تعلیم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے قائم کردہ از ہر ہند منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۹۸۶ء میں ہوئی اور دستار فضیلت و سند سے سرفراز کیا گیا۔ الہ آباد بورڈ موجودہ نام اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنؤ سے فاضل دینیات اور فاضل معقولات کے امتحانات دے کر وہاں کی سندیں بھی حاصل کیں۔

اساتذۂ کرام: جن کی بارگاہِ علم و ادب میں مَیں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور جن کی نگاہِ فیض و برکت سے اس قابل ہوا۔

☆ والد ماجد منشی محمد طیب عالم وحیدی علیہ الرحمہ

☆ حضرت علامہ محمد شریف عالم رشیدی تاراباڑی علیہ الرحمہ

☆ شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی علیہ الرحمہ

☆ عالم ربانی حضرت علامہ محمد عرفان علی رشیدی علیہ الرحمہ
☆ پیر طریقت حضرت علامہ مفتی محمد عبید الرحمن رشیدی مدظلہ العالی
☆ شارح کتب درسیہ حضرت مفتی محمد شبیر نعیمی پورنوی مدظلہ
☆ عالم ربانی حضرت مفتی محمد طریق اللہ شاہدی رشیدی بھاگل پوری علیہ الرحمہ
☆ عالم اجل حضرت علامہ محمد مبین الدین رضوی امروہوی علیہ الرحمہ
☆ استاذ الاساتذہ حضرت مفتی محمد ایوب خان نعیمی بھاگل پوری علیہ الرحمہ

آغاز درس: ۱۹۸۶ء سے ہی درس نظامیہ میں، ۱۹۹۲ء سے تا حال [۲۰۱۵ء] دار العلوم سراج العلوم حامدیہ اشرفیہ جامع مسجد روڈ، سنبھل، یوپی، بحیثیت سدر المدرسین۔ فی الوقت اس ادارہ میں درس نظامیہ کی تعلیم از ابتدا تا انتہا کا معقول انتظام ہے اور ۱۹/ باصلاحیت اساتذہ وعملہ خدمت دین واشاعت علم میں مصروف ومنہمک ہیں۔

عقد مسنون: ۱۹۸۴ء میں اپنے چچا محترم جناب محمد رفیق عالم رشیدی کی بڑی صاحبزادی افسری بیگم سے ہوا۔ جو بفضلہ تعالیٰ بے حد نیک اور صوم وصلوٰۃ کی پابند ہیں۔

اولاد: لڑکے دو ہیں [۱] مولانا ارشد القادری رشیدی نعیمی، جو جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت روہیل کھنڈ یونیورسیٹی بریلی میں زیر تعلیم ہیں [۲] محمد راشد القادری انگلش میڈیم اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ لڑکیاں چار ہیں [۱] نور جہاں خاتون سلہا کا نکاح مسنون عزیزم مولانا محمد طارق انور ابن جناب محمد توحید عالم ساکن ڈمراہ سے کیا گیا ہے۔ ماشاء اللہ تین بچوں ایک بیٹی اور دو بیٹوں کے ساتھ شاد وآباد ہے [۲] عدلہ خاتون بھی ماشاء اللہ ایک عالم دین مولانا مطلوب احمد ابن مولانا مولانا محمد اویس علیہ الرحمہ مرچان ٹولہ سے منسوب ہے [۳] شائستہ پروین [۴] رابعہ خاتون۔

بیعت: ۱۹۸۶ء میں بدست اقدس ضیغم ملت زعیم العلما شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی مختار عام خانقاہ رشیدیہ جون پور شریف قدس سرہ العزیز بسلسلۂ قادریہ احمدیہ۔

حج وزیارت: ۲۰۱۲ء میں، یہ احقر مع والدہ ماجدہ واہلیہ محترمہ و برادر اصغر مولانا سردار احمد نعیمی بتوفیق الٰہی وبعنایت رسالت پناہی حج وزیارت حرمین شریفین سے شرفیاب ومشرف ہوا۔

مشغلہ: درس وتدریس، تقریر وخطابت، قوم وملت کی تعمیر وتشکیل، اصلاح معاشرہ اور اہل سنت وجماعت کی ترقی وحفاظت کے لئے پل پل ساعی وکوشاں اور مسلک اعلیٰ حضرت کا سخت پابند اور طلبہ ومتعلقین کو اسی کی تعلیم وتلقین۔

حضرت علامہ محمد شائق علی رشیدی

بقلم خود:

نام: محمد شائق علی

ولدیت: منشی محمد عبد الخالق مرحوم

ولادت: ٦ / دسمبر ١٩٦٧ء

جائے ولادت: منشی ٹولہ تاراباڑی، تحصیل بائسی، ضلع پورنیہ، یہ بستی تاراباڑی شہر پورنیہ سے پچیس کیلومیٹر پورب واتر کی جانب واقع ہے۔

ابتدائی تعلیم: قاعدہ، قرآن شریف اور اردو میں حضرت علامہ محمد شریف صاحب شاہدی علیہ الرحمہ سے پڑھی۔ جو بستی تاراباڑی ہی کے باشندہ تھے۔ نہایت نیک، بزرگ صفت، متقی و پرہیز گار عالم و فاضل تھے۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے فارغ اور بڑے سرکار شہود الحق حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش سابق سجادہ نشین خانقاہ رشریف سے بیعت تھے۔

درگاہ بندگی میں: اپنی بستی کی ابتدائی تعلیم کے بعد میرے والد گرامی نے میرا داخلہ درگاہ بندگی کے جوار کرم میں قائم دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں کرادیا۔ یہاں میں نے کئی سال رہ کر جن اساتذۂ کرام سے از اعدادیہ تا ثانیہ تعلیم حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: [۱] ضیغم اہل سنت شریعت وطریقت اور تصوف وسلوک میں علمائے عصر کے سرخیل حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی علیمی رشیدی قادری قدس سرہ الباری [۲] تاج العلما حضرت علامہ محمد تاج الدین شاہدی رشیدی تاراباڑوی علیہ الرحمہ [۳] دقیقہ سنج عالم اجل حضرت علامہ محمد مقبول حسین رضوی سنگھیاوی [۴] ناظم ملت حضرت علامہ محمد عبد الرشید رشیدی [۴] حضرت علامہ محمد قمر الزماں علیہ الرحمہ [۶] شیخ القرأت والتجوید حضرت مولانا قاری محمد عبد الصمد رضوی۔

تعلیمی اسفار: ١٩٨١ء میں چند ساتھیوں کے کہنے سننے پر تعلیم کے لئے مراد آباد کا سفر کیا۔ جامعہ قدیریہ میں داخلہ لیا۔ تعلیمی نظام سے غیر مطمئن ہو کر پیلی بھیت چلا گیا۔ وہاں دار العلوم غوثیہ رضویہ حسین پور نیوریہ میں درجۂ ثالثہ میں داخلہ ہوا۔ ١٩٨٢ء میں محقق عصر جامع معقول و منقول حضرت مفتی محمد عبید الرحمن صاحب رشیدی کے ایما پر مدرسہ ضیاء العلوم ادری ضلع مئو

میں داخلہ لیا۔ پھر ۱۹۸۳ء میں مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور چلا گیا اور جماعت خامسہ میں پڑھنے لگا۔ ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ شدید ملیر بخار میں مبتلا ہو گیا۔ تاحد امکان علاج کرایا۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ بقول شخصے: مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔ کوئی کہتا کہ سحر ہے۔ کوئی کہتا کہ آسیب ہے اور کوئی نظر بد کا فلسفہ بتا رہا تھا۔

الغرض احباب اور اساتذۂ کرام کے مشورے سے حضرت مخدوم سمناں کچھوچھہ شریف حاضر ہو گیا اور چلہ کشی کرنے لگا۔ رب کریم نے کرم فرمایا اور حضرت مخدوم پاک کے صدقے شفا عطا فرمائی۔ جیسے جیسے مرض کم اور صحت یاب ہونے لگا، تو فرصت نکال کر میں درگاہ مخدوم میں قائم علمی ادارہ جامع اشرف کے درس میں شریک ہونے لگا۔ اس وقت وہاں میرے وطن کے بزرگ صفت مشہور عالم اجل حضرت مفتی محمد عبد الجلیل اشرفی علیہ الرحمہ بر تدریس و صدارت تھے۔ جب میں مکمل صحت و شفایاب ہو گیا، تو حضرت مفتی صاحب قبلہ مذکور کے مشورے سے جامع اشرف میں مستقل داخلہ لے لیا اور مسلسل دو سال وہیں تعلیم حاصل کی۔ یہاں میرے اساتذہ میں حضرت علامہ محمد قمر عالم اشرفی صاحب قبلہ کا نام نامی بھی قابل ذکر ہے۔ یہ ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کا سال تھا۔

۱۹۸۶ء میں دار العلوم سنیہ حنفیہ مالیگاؤں مہاراشٹر پہنچا۔ اس وقت یہاں میرے ہی ہم وطن شارح کتب درسیہ حضرت علامہ مفتی محمد شبیر پورنوی صاحب قبلہ مفتی و صدر مدرس تھے۔ ۱۹۸۷ء میں اسی ادارے سے دستار و سند فضیلت سے نوازا گیا، الحمد للہ تعلیمی سفر ختم ہوا۔

آغاز تدریس: فراغت کے بعد گھر گیا اور شعبان و رمضان مبارک کے مبارک مہینے والدہ ماجدہ کی خدمت با برکت میں گزارا۔ بعد رمضان شوال میں لوٹنا ہی چاہ رہا تھا کہ اسی اثنا میں مخلص و متحرک باصلاحیت عالم دین حضرت علامہ محمد مجاہد الاسلام رضوی صاحب قبلہ، جو کانکی سے پورب سبرام پور کے رہنے والے ہیں، سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ان دنوں دار العلوم رضویہ فیروز آباد میں استاذ اور صدر المدرسین تھے۔ ان کی مخلصانہ فرمائش پر ان کے ہمراہ میں فیروز آباد آ گیا اور دار العلوم رضویہ میں پڑھانے لگا۔ شرح جامی، شرح تہذیب، ہدایت الحکمت، منشورات اور فیض الادب وغیرہ کتب میرے زیر درس رہیں اور ساتھ ہی حسینی محلہ کی بڑی مسجد کی امامت و خطابت پر بھی مجھے مامور و منتخب کیا گیا۔

چوں کہ تدریس کا پہلا سال تھا۔ چنانچہ جم کر محنت اور مطالعہ کر کے درس دینا شروع کیا۔ طلبہ میں بھی ذوق مطالعہ و تکرار بیدار کیا۔ نتیجہ میں طلبہ کے ساتھ صدر امدرسین مطمئن اور مسرور ہونے لگے۔ ادھر محراب و منبر کی ذمہ داری نے تقریر و خطابت میں ایک خاص رنگ پیدا کر دیا۔ کچھ ہی دنوں یہ اثر پھیلا اور فیروز آباد کے اطراف میں پھیل گیا۔ ٹونڈلہ، اعماد پور، آگرہ، شکوہ آباد، سکندر آباد اور سکندر اراؤ وغیرہ میں کثرت سے پروگرام ہونے لگے۔ الحمد تعلیم و تدریس، امامت و وعظ کے ساتھ ساتھ اطراف و اکناف میں عام تقریر و خطابت کے ذریعہ دین و ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی الحمد للہ خوب خوب ترویج و اشاعت موقع ملا۔

شہرت و مقبولیت بھی کیا چیز ہے۔ جو بہت جلد حاسد و ناقد پیدا کر دیتی ہے۔ چوڑیوں کے شہر فیروز آباد میں مجھ اس کا شکار بننا پڑا اور یہ کوئی اور نہیں، ہماری ہی علما برادری کے بعض افراد تھے۔ جنہوں نے خلوص و محنت کا صلہ بغض و حسد سے دیا۔ تاہم میں بد دل نہیں ہوا اور میں نے اینٹ کا جواب پتھر تو کیا، اینٹ سے بھی نہیں دیا اور خدا کی توفیق سے صوفیائے کرام کی سیرت و کردار پر عمل کرتے ہوئے صبر و تحمل کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔

ہمارے کرم فرما گرامی وقار حضرت علامہ محمد نور عالم رشیدی میرے ہم قریہ ہیں۔ ہم استاذ، ہم مرشد اور ہم مشرب بھی۔ آپ دار العلوم حامدیہ اشرفیہ جامع مسجد روڈ سنبھل میں صدر المدرسین تھے اور اب بھی ہیں۔ ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ ہم دونوں ایک ہی ادارے میں رہی اور دینی خدمات انجام دیں۔ ان کی اس خواہش کی تکمیل کا وقت موعود آچکا تھا۔ یہاں یہ حالات تھے، جن کا ذکر میں اوپر کیا اور وہاں دار العلوم حامدیہ اشرفیہ سنبھل میں ایک استاذ کی خالی اور ضرورت تھی۔ غالباً ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔ حضرت علامہ محمد نور عالم صاحب فیروز آباد تشریف لائے اور مجھے بڑی عزت و محبت سے سنبھل لے گئے۔ اراکین مدرسہ سے گفت و شنید ہوئی اور اس خالی اسامی کی جگہ پر اس خاکسار کا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۸۹ء سے تادم تحریر [۲۰۱۶ء] قریب ستائیس برس سے الحمد للہ یہیں علوم دینیہ اور طلبۂ علوم دینیہ کی خدمت پر مامور ہوں۔ سبحان اللہ! دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے۔

فیروز آباد میں چوں کہ درس و تدریس، امامت و وعظ کے ساتھ عوامی پروگرام بھی میری دینی خدمت اور مصروفیات کا حصہ تھا۔ اشاعت دین، ترویج مسلک اعلیٰ حضرت اور اصلاح عوام مسلمین کا یہ ذریعہ یہاں بھی جاری و ساری رہا۔ چوں کہ یہاں مسجد کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس لئے یہ سلسلہ زور و شور سے آگے بڑھا اور پھر اتر پردیش تمام اضلاع کے علاوہ

دوسرے صوبوں میں بھی جانے اور دین حق کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔درج ذیل صوبوں میں مجھے اس خدمت کا موقع ملا ہے۔یوپی کے علاوہ، بہار، بنگال اڑیسہ راجستھان، آندھرا پردیش اور جموں کشمیر وغیرہ۔

عقد مسنون: ۱۹۹۵ء میں نکاح کی سنت ادا ہوئی اور نصف ایمان مکمل ہوا۔بحمد اللہ اب ایک بیٹی ہے۔جو گھر آنگن کی خوشبو اور روشنی ہے۔تین بیٹے ہیں۔جو تینوں زیر تعلیم ہیں۔نام یہ ہے۔[۱] محمد مغیث ارشد [۲] محمد مرشد ارشد [۳] محمد ادیب ارشد۔اللہ تعالیٰ ان سب کو صحت وعافیت سے اور خوش وخرم رکھے اور اپنے باپ داد کی دینی روایات کا وارث وامین بنائے۔

شرف بیعت: یہ میری قسمت کی ارجمندی ہے کہ جس خاندان اور کنبہ میں میں نے آنکھیں کھولیں، وہ دینی تہذیب، اسلامی اقدار، مشرقی تمدن اور خاندانی شرافت میں مثالی رہا ہے۔ اس خاندان کا نام اس وقت اور بلند وبالا ہو گیا، جب ضیغم اہل سنت زعیم العلما مرشد برحق صدر العلما استاذ الفضلا شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی قدس سرہ جیسا فرد فرید رجل رشید مرد حق آگاہ اس خاندان میں پیدا ہو کر اپنے ذاتی اوصاف و کمالات کی بنیاد پر خانقاہ عالیہ رشیدیہ جون پور شریف جیسی خانقاہ بلند پایہ گاہ کا مختار عام اور کارگزار سجادہ نشین بنا اور اپنے پیران کرام اور ان کی بارگاہوں کی ایسی خدمت کی، جو تاریخ ساز مثال ٹھہری۔یہ میرے حقیقی عم محترم ہیں۔استاذ ومربی ہیں اور پیر ومرشد بھی ہیں۔الحمد للہ آج میں جو کچھ بھی ہوں، یہ انہی کی نگاہ ناز کا فیضان اور صدقہ ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے شبستان خاکی پر رحمت ونور کی بارش برسائے اور اپنے فضل وکرم اور انہی کے طفیل ان کے اسوۂ حسنہ، جو اسوۂ رسول کا کامل نمونہ تھا، پر تا حیات چلنے کی نہ صرف مجھے، میرے خاندان، آل اولاد اور رشتہ دار ومتعلقین کو بھی چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وعلمائے شریعۃ واولیائے امتہ اجمعین۔

☆ ☆ ☆

حضرت مفتی محمد رفیق الاسلام صاحب رضوی

بقلم خود

نام ونسب: محمد رفیق الاسلام بن محمد حصیر الدین بن مرحوم ڈاکٹر محمد معلم الدین
ولادت: باعتبار سند ۲ر فروری ۱۹۸۳ء مقام کالوبستی پانچ ڈمٹھی تھانہ اسلام پور،
ضلع اتر دیناج پور (مغربی بنگال)
ناظرہ قرآن مقدس: دادا مرحوم ڈاکٹر محمد معلم الدین، والدہ محترمہ، محلّہ کا مکتب
ابتدائی تعلیم: دار العلوم غوثیہ، مکیری ٹولہ، تھاوے ضلع گوپال گنج (بہار)
دار العلوم گلشن بغداد، رام پور (یوپی)
الجامعۃ الاشرفیہ میں داخلہ: ۱۲ر شوال ۱۴۲۲ھ/ ۲ر دسمبر ۲۰۰۱ء
دستار قرأت حفص: یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ/ ۸ر جولائی ۲۰۰۵ء
عالمیت: ۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۶/ ۱۷ر ستمبر ۲۰۰۵ء
دستار فضیلت: یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ/ ۱۷ر جون ۱۷/ ۲۰۰۷ء
دستار تخصص فی الفقہ: یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ/ ۲۶ر مئی ۲۰۰۹ء
بموقع عرس حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ
تعلیمی لیاقت: منشی، منشی کامل، مولوی، عالم، فاضل ادب، فاضل طب (عربی، فارسی، مدرسہ بورڈ لکھنؤ (یوپی)
تدریس: (۱) الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور بحیثیت معین المدرسین دوران تخصص فی الفقہ از ۱۵ر شوال ۱۴۲۹ھ/ ۱۶ر اکتوبر ۲۰۰۸ تا ۷ر شعبان ۱۴۳۰ھ/ ۳۰ر جولائی ۲۰۰۹ء
(۲) الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز کھجرانہ اندور ایم پی، از ۱۰ر شوال ۱۴۳۰ھ/ ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۹ء
(۳) جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم ڈی جے ھلی بنگلور ۴۵ (کرناٹک)
از ۲۲ر شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ/ ۱۹ر اگست ۲۰۱۴ء تا حال
اجازت درس: اجازت قرآن وحدیث وفقہ، سراج الفقہا محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، صدر شعبۂ افتا و ناظم مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی۔

اجازت حدیث: استاذ الاساتذہ حضرت علامہ عبد الشکور صاحب قبلہ مصباحی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب، صدر المدرسین و صدر مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

بیعت و ارادت: تاج الشریعہ قاضی القضاۃ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری بریلوی جانشین حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

اجازت و خلافت: مقتدائے اہلسنت، مفتی اعظم نیپال حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری مفتی جیش محمد صاحب قبلہ قادری برکاتی رضوی شیر نیپال دامت برکاتہم القدسیہ

مشاغل: فتویٰ نویسی، تدریس، تصنیف، تالیف، تبلیغ، مضمون نگاری، خطابت۔

تصنیف و تحریر: (۱) سرکار کی آمد مرحبا! (۲) جان ایمان (۳) ایصال ثواب قرآن وحدیث کی روشنی میں المعروف آخرت کا سہارا (۴) کپڑے موڑ کر نماز پڑھنے کا حکم؟ (۵) تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑا ہو جانا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ (۶) جامع الدعا (۷) امام احمد رضا کا فقہی کمال، فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے (۸) مدارس اسلامیہ کی تعلیمی زبوں حالی، اسباب و علاج۔ اس کے علاوہ رسائل و جرائد و اخبارات میں متعدد مضامین (۹) دو سو سے زائد فتاویٰ کا مجموعہ۔

☆ ☆ ☆

(۳)

لالہ زار پورنیہ
'منظوم تذکرہ مشائخ علمائے پورنیہ'

نتیجہ فکر

شاعر نامدار مولینا محمد مبارک رضوی

بن شیخ زین الدین رضوی، کھپرا، بائسی، پورنیہ

حسب فرمائش وشائع کردہ

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی

بن الحاج قاضی عین الدین رشیدی قاضی ٹولہ ہری پور، بائسی، پورنیہ

مقیم میرا روڈ، ممبئی

توڑ ڈالے گا سبھی ہونٹوں پہ پتھر کا جمود
'کاملان پورنیہ' کا ہر ورق ہر ایک باب

'لالہ زارِ پورنیہ' منظوم' قصائد و مناقب اور منظوم قطعات کا یہ حسین گلدستہ جو نذر قارئین کرنے جارہا ہوں دراصل یہ تمام قصائد و مناقب اور منظوم قطعات فخر صحافت رئیس التحریر محقق عصر مورخ دور حاضر ماہر رضویات امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی اطال اللہ تعالیٰ عمرہٗ کی فرمائش اور تاکید در تاکید کا نتیجہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو صحت وعافیت امن وسلامتی بخشے۔

ان کے بارہا اصرار پر ناچیز کو اس راہ پر گامزن ہونا پڑا۔ حالاں کہ اپنا بہترین مشغلہ نعت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ غزلیں، دوہے، قطعات، مدح' تہنیت' سہرا وغیرہ بھی لکھتا ہوں۔ مگر جو چیز 'لالہ زار پورنیہ' میں ہے، ان تمام کو سلک نظم میں پرونے کے لیے مواد 'کاملان پورنیہ' جلد اول کے محقق و مصنف ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب سے لئے گئے ہیں۔ انھیں نثریاتی مفاہیم کو نظموں کی شکلیں دی گئیں ہیں۔

'کاملان پورنیہ' کی تاریخی حیثیت کا اول مورخ بھی ڈاکٹر صاحب ہی ہیں۔ انھوں نے تاریخ پورنیہ اور پورنیہ کے اسلاف پر مواد فراہم کر کے دور حاضر کی نسل آدم پر عموماً اور خصوصاً اہل پورنیہ، کشن گنج اور کٹیہار پر احسان عظیم کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اندر جو اپنائیت کا جذباتی طوفان قائم ہے، اللہ تعالیٰ قوم کے اندر ہر فرد کو یہ جذبہ عطا فرمائے۔ آمین۔ 'کاملان پورنیہ' میں ایک جہان نو آباد ہے۔ جو قارئین کو اس کے مطالعے سے بخوبی اندازہ ہوا ہوگا۔ ہم ڈاکٹر صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہی اس طرف میرے ذہن کو مبذول کیا اور بار بار تاکید لفظی کے ساتھ اصرار کرنا کہ آپ کو یہ سب کچھ منظوم ہی لکھنا ہے۔ یہ سب کچھ موبائل فون کے ذریعہ ہوتا رہا۔

مگر میری حیرت واستعجاب اس وقت بڑھ گئی اور خوشی کی انتہا نہ رہی، جب ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جتنے منظومات، قصائد اور مناقب ہیں، بلا تاخیر ممبئی ارسال فرمائیں۔ 'کاملان پورنیہ' کی دوسری جلد شائع ہونے کو تیار ہے۔ یہ تمام فکری کاوش آپ کی 'کاملان پورنیہ' جلد دوم کے ضمیمہ میں شائع کروانا ہے۔ یہ خبر سن کر مجھے وجد آ گیا اور میں گھنٹوں رقص کرتا رہا۔ میں ڈاکٹر صاحب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے تمام ذخائر کو ڈاکٹر صاحب کے ہی حوالے سے نذر قارئین کر رہا ہوں۔

ع: گر مقبول افتد زہے عز و شرف

آپ کی دھرتی کا بیٹا
محمد مبارک رضوی پورنوی

☆☆☆

قصیدۂ مصطفائیہ جمالیہ

راز دار وحدت ہیں مصطفیٰ جمال الحق مظہر رسالت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
مرکز عقیدت ہیں مصطفیٰ جمال الحق مرشد طریقت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پر تو رسالت ہیں مصطفیٰ جمال الحق صاحب کرامت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
نازش ولایت ہیں مصطفیٰ جمال الحق خادم شریعت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی عظمت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی رفعت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی دولت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی نعمت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی عزت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی حرمت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی ہیبت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی شوکت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی طاقت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی ہمت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی طلعت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی نکہت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ کی قوت ہیں مصطفیٰ جمال الحق پورنیہ کی حجت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
پورنیہ میں آتے ہی پورنیہ چمک اٹھا پورنیہ کی قسمت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
فکر کی بلندی سے ماورا جو ہستی ہے ہاں وہی یہ حضرت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
معرفت کے دریا سے چند بوند دیدیجیے تشنہ لب بکثرت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
بد نصیب لوگوں کی قسمتیں بدلتے ہیں صاحب بصیرت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
آپ ہی نکالیں گے قعرِ عصیاں سے ہم اسیر آفت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
روشنی میرے گھر تک آپ کی پہنچ جائے آپ مہر طلعت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
آپ کے مریدوں میں سب نواب شامل تھے چشمۂ محبت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
بولے یہ رشید آکے لاش لینے آئے ہیں یہ ہمارے حضرت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
رو کے سب نوابوں نے لاش روک لی کہہ کے یہ ہماری دولت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
اس طرح پورنیہ کا بھاگ جگمگا اٹھا اس میں اب بھی حضرت ہیں مصطفیٰ جمال الحق
عمر بھر مبارک پر آپ کا رہے سایہ آپ ابر رحمت ہیں مصطفیٰ جمال الحق

شاہ عظمت اللہ چشتی باز بیریا والے

اٹھاؤ رخ سے گھونگھٹ شاہ عظمت بیریا والے
دکھا دو مجھکو اپنی پیاری صورت بیریا والے

بہت اونچی ہے شان وشوکت بیریا والے
رہوں کب تک محروم زیارت بیریا والے

شکستہ پر پرندہ ہوں مجھے قوت عطا کردو
اڑوں اونچائیوں پر میں بھی حضرت بیریا والے

حسین پھول ہو تم فاطمہ زہرا کے گلشن کا
علی مرتضیٰ کی تم ہو نکہت بیریا والے

قسم اللہ کی تو سید سادات ہے پیارے
پرے ہے کہکشاں سے تیری عظمت بیریا والے

تمہارا آستانہ فیض کا بہتا سمندر ہے
یہی کہتے ہیں سب اہل عقیدت بیریا والے

معین الدین، رکن الدین اور محمود اشرف بھی
ہے سب پھولوں میں تیری رنگ ونکہت بیریا والے

تمہارے نسل سے آباد گاؤں ہے چمن جیسا
ابھی ابھی ہے رہیگا تا قیامت بیریا والے

خدا کے واسطے چشم کرم کردو مبارک پر
نہ دیکھے جیتے جی یہ غم کی صورت بیریا والے

قطعات

بائسی کی سرزمیں ہے اولیا کی سرزمیں
مرد حق درویش و عالم پارسا کی سرزمیں
عظمت اللہ شاہ کی ہے ذات ایک روشن دلیل
اے مبارک کہہ رہی ہے بیریا کی سرزمیں

☆

مرد حق آگاہ پیران طریقت ضوفشاں
آج بھی تشریف فرما شاہ عظمت ہیں یہاں
سیکڑوں اللہ والوں کے یہاں پر ہیں مزار
سرزمین بائسی ہے اب بھی مثلِ کہکشاں

☆

خاندانی شاہ عظمت کا ہے مسکن بیریا
ایک ولی کی ذات سے ہے اب بھی گلشن بیریا
فیض لینے آتے ہیں لاکھوں ہزاروں عرس میں
ہر طرف پھیلا چمکا ہے اپنا دامن بیریا

☆

بول بالا شاہ عظمت آپ کا
تا ہمالا شاہ عظمت آپ کا
کل بھی تھا اور آج بھی ہے ہر طرف یہ اجالا

عمدۃ الواصلین قدوۃ الکاملین
حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی تکیہ شریف رحمان پور کٹھیار

ایک ہستی صد چراغ انجمن شاہ حفیظ
ہیں سراپا زینت بزم سخن شاہ حفیظ

آپ کی عظمت کوئی نافہم سمجھے کس طرح
آپ ہیں معمار حق باطل شکن شاہ حفیظ

آپ نے فرمادیا اسلام کا ناشر ہوں میں
میں نے بھی لکھا وہی ہے من وعن شاہ حفیظ

آپ کی ہر سانس سے آتی تھی تقویٰ کی مہک
آپ کا تن کا گلاب و یاسمن شاہ حفیظ

دن کو ہے سورج تو شب کو چاند سا روشن وجود
فیض پائیں کیوں نہ پھر اہل سنن شاہ حفیظ

بن ہی جائیگا وہ ایک دن لقمہ نار جحیم
آپ سے رکھے گا جو دل میں جلن شاہ حفیظ

کام آئیگی ہمارے حشر کے میدان میں
آپ کے دامن کی پروائی پون شاہ حفیظ

زندگی میں ایک سنہرا دور آئیگا ضرور
خواب میں جب آپ سے ہوگا ملن شاہ حفیظ

مجھ پہ بھی ہو جائے کچھ ایسی کرم کی بارشیں
میں بھی خوش ہو کے کہوں مولائے من شاہ حفیظ

یہ مبارک کا فقط حسن عقیدت ہے حضور
ورنہ کیا ہے ناز فن ناز سخن شاہ حفیظ

قصیدۂ یوسفی

جلالۃ العلم قطب العارفین شاہ محمد یوسف علیمی رشیدی ہری پوری علیہ الرحمہ

ازقلم: شاعر نامدار مولینا محمد مبارک رضوی، کھپرا، بائسی، پورنیہ

قلم چل لکھ کوئی پیارا قصیدہ شاہ یوسف کا
قصیدوں میں قصیدہ ہو نرالا شاہ یوسف کا

خدا نے مرتبہ اونچا کیا تھا شاہ یوسف کا
جہاں میں تھا عجب ہی بول بالا شاہ یوسف کا

ہوا میں اڑ رہا تھا ہر پرندہ شاہ یوسف کا
فضا کو کرتا تھا مسحور طوطا شاہ یوسف کا

انوکھی رات گزری، دن نرالا شاہ یوسف کا
منور تھا جہاں میں لمحہ لمحہ شاہ یوسف کا

ہر اک جلسے میں ہوتا تھا بلاوا شاہ یوسف کا
زمانہ غور سے سنتا تھا خطبہ شاہ یوسف کا

ابھی بھی ذکر کرتا ہے زمانہ شاہ یوسف کا
لکھانا شاہ یوسف کا پڑھانا شاہ یوسف کا

زمانے سے جدا تھا ہر طریقہ شاہ یوسف کا
کوئی دیکھے تو انداز سلیقہ شاہ یوسف کا

نبی کے نقش پا پہ جھک کے چلنا شاہ یوسف کا
قدم کو چوم کے بے خود تھا رستہ شاہ یوسف کا

ہر اک کو دین کا پیغام دینا شاہ یوسف کا
یہی تھا عمر بھر کا اک اثاثہ شاہ یوسف کا

خدا نے علم ظاہر سے کیا آراستہ ایسا
چمکتا تھا انگوٹھی میں نگینہ شاہ یوسف کا

جہاں بھی علم و فن کی مجلسیں آراستہ ہوتیں
عجب انداز سے ہوتا تھا چرچہ شاہ یوسف کا

مخالف آندھیوں میں ایک بادل کی طرح جم کر
گرجنا شاہ یوسف کا برسنا شاہ یوسف کا

بنانا مسجدوں کا مدرسوں کا گاؤں گاؤں میں
یہی تھا مشغلہ دن رات پیارا شاہ یوسف کا

امام وقت بن کر وہ امامت بھی کیے برسوں
صراط حق پہ ہر اک کو چلانا شاہ یوسف کا

زمانے میں مچی تھی دھوم وعظوں کی نصیحت کی
فضا میں گونجتا تھا ہر سو نعرہ شاہ یوسف کا

وہ قطب العصر کے ہی نام سے پہچانے جاتے تھے
بہت مشہور تھا دنیا میں تقویٰ شاہ یوسف کا

وہ اپنے خون سے سینچے ہیں بائسی کی دھرتی کو
یوں بائسی علاقے پر تھا قبضہ شاہ یوسف کا

جھپٹنا باز اشہب کی طرح آقا کے دشمن پر
جمانا باطلوں پر اپنا سکہ شاہ یوسف کا

جہاں میں قاضی القضاۃ کا دے کر لقب ان کو
ہمیشہ ذکر کرتا تھا زمانہ شاہ یوسف کا

علاقے کی ہر اک بستی کو اونچائی عطا کر دی
پرے ہے کہکشاں سے ہر علاقہ شاہ یوسف کا

خیال وفکر کا بے لاگ وہ گہرا سمندر تھے
جہانِ علم وفن میں تھا اجالا شاہ یوسف کا

پورنیہ کی زمیں پر سب سے وہ پہلا مورخ ہیں
پورنیہ پر لکھا پڑھئے صحیفہ شاہ یوسف کا

ہمیشہ نام لیتے تھے جو ہم عصروں میں شامل تھے
کرامت اور تصدق پھر تمنا شاہ یوسف کا

تفضل تھے سکندر شاہ تھے مشتاق تھے ان کے
تھے خود بھی ہمنشیں صدر الشریعہ شاہ یوسف کا

جہاں میں علم وفن کی روشنی کچھ اس طرح بانٹی
کہ پہنچا علم در سینہ بہ سینہ شاہ یوسف کا

پڑھا کرتا تھا ہر دم بیل گاڑی ہانکنے والا
گلستاں بوستاں یوسف زلیخا شاہ یوسف کا

طلسم نجدیت کو توڑ دینا علم وحکمت سے
یہ اندازِ جداگانہ تھا کس کا شاہ یوسف کا

لگا کر حضرتِ آسی نے ان کو اپنے سینے سے
کہ سینہ معرفت سے بھر دیا تھا شاہ یوسف کا

شرف بیعت کا بخشا عارف باللہ آسی نے
بھلا کیوں کر نہ ہوتا اونچا رتبہ شاہ یوسف کا

بھلائے گا زمانہ کس طرح سے ان کو دنیا میں
کہ میں نے پھر سے نقشہ کھینچ ڈالا شاہ یوسف کا

چھپی ہے 'کاملانِ پورنیہ' میں انکی جو سیرت
یہی کافی ہے منوانے کو لوہا شاہ یوسف کا

جلالِ علم وفن سے آج ان کو یاد کرتے ہیں
زمانے کی زباں پر ہے یہ نغمہ شاہ یوسف کا

عقیدت مند لوگوں کی عقیدت جھوم جھوم اٹھی
کیا ہے میں نے کچھ ایسا خلاصہ شاہ یوسف کا

مبارک نے کٹا کر اپنی انگلی نام عاشق میں
لکھایا لکھ کے یہ پیارا قصیدہ شاہ یوسف کا

۱۱ر اگست ۲۰۱۱ء

امیرِ علم وفن

جلالۃ العلم قطب العارفین شاہ محمد یوسف علیمی رشیدیؔ ہری پوری علیہ الرحمہ

اپنے ہم عصروں میں ممتاز سخن / حضرت یوسف امیر علم و فن
پرتو عطار و شبلی تھے وہی / بن کے شمع انجمن در انجمن
معرفت کے نور سے دلِ تھا بھرا / علم سے معمور تھا ان کا بدن
پیر و مرشد حضرت آسی ہوئے / عارف باللہ مجذوبِ زمن
پھونکتا ہے عہد نو میں گرمیاں / ان کی خدمت کا نشیلا بانکپن
حضرت یوسف کے چرچے چار سو / حضرت یوسف ہیں موضوعِ سخن
ان کو اپنے وقت کے خضر و مسیح / کہہ رہے تھے پیار سے اہلِ وطن
دینِ حق کا دے گئے سب کو پیام / نکتہ سنج و نکتہ داں شیریں سخن
نام یوسف لیجئے ہر دم کہ ہے / دافع کرب و الم رنج و محن
سرگزشتِ حضرتِ یوسف لکھوں / دے الٰہی مجھکو ایسے علم و فن
پھولتا پھلتا رہے گا حشر تک / میرے دل میں ان کی یادوں کا چمن
ذرہ ذرہ بائسی کا ہوگیا / رشک صد لعل و گہر دُرِّ عدن
میں اکیلا ہوں جہانِ عشق میں / مجھکو تو اپنا بنا میرا تو بن
میرے گھر میں بھی کبھی آجائیے / میرا گھر بن جائے پھولوں کا چمن
قوت باطن عطا کردو مجھے / دور ہوجائے مرے دل کی تھکن
آفتاب علم ہوتا ہے غروب / حشر تک روئے گا اب چرخِ کہن
چھولیا دستِ اجل نے روح کو / سو گئے وہ اوڑھ کر اجلا کفن
جب کئے ان کو سپردِ خاک سب / رو رہے تھے مہر و مہ تارے گگن
فاتحِ ارض پورنیہ کو سلام / تہنیت جاں باز شیرِ ذوالمنن
السلام اے ماہ علم دیں سلام / السلام اے تاجدارِ فکر و فن
لکھ مبارک ان کی تاریخِ وصال / سالِ ہجری تیرہ سو چونسٹھ کا سن

یوسف تجھے سلام

جلالۃ العلم قطب العارفین شاہ محمد یوسف علیمی رشیدی ہری پوری علیہ الرحمہ

کہتے ہیں جابر اور مبارک دونوں ترے غلام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
کھمبا ٹاٹی چھت چھپر کل نیچے اوپر بانس — پھوس کے گھر میں حق ھُو حق ھُو بولے تیری سانس
اک پل تجھ کو نیند نہ آئے دشمن ہے آرام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
محفل محفل پیارے نبی کے گائے سندر گیت — ہار نہ مانی دشمن سے تو آئے میداں جیت
گھر سے لیکر بازاروں تک مچ گیا کہرام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
قریہ قریہ گاؤں گاؤں گشت لگائے خوب — عشق نبی کا پھول دلوں میں سب کے کھلائے خوب
وعظ و نصیحت کی محفل میں تو نے کمایا نام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
جنگل جنگل صحرا صحرا دریا دریا گھومے — نام نبی کا لے کے مست و بے خود ہو کر جھومے
اپنے ہونٹوں سے لگا کر تو نے رشیدی جام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
علم و عمل کی شان جلالی رب نے تجھ کو بخشی — زہد و ورع کی شان جمالی رب نے تجھ کو بخشی
تجھ کو دنیا ہی میں بخشا قدرت نے انعام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
سادہ سلونا کپڑا تیرا بستر تری چٹائی — حال فقیرانہ ہے تیرا ہیبت شاہی پائی
عالم و صوفی بن کے تو نے کیا ہے دینی کام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام
کہتے ہیں جابر اور مبارک دونوں ترے غلام — یوسف تجھے سلام میرے یوسف تجھے سلام

☆ ☆ ☆

چراغ پورنیہ حضرت شاہ سکندر علی علمی رشیدی بنی باڑی

بارسوئی کی قسمت سکندر علی — بنی باڑی کی عظمت سکندر علی
عہد رفتہ کی دولت سکندر علی — دور حاضر کی نعمت سکندر علی
گلستان رشیدی تو ہے اک چمن — اس چمن کی ہیں نکہت سکندر علی
آسئی مست نے کردیا ان کو مست — پی گئے جام الفت سکندر علی
خانقاہ رشیدی کے پروردہ تھے — حامیٔ اہلسنت سکندر علی
شاہ شاہد علی کا یہ فیضان ہے — چمکے ہر سمت حضرت سکندر علی
دیکھ کر جس کو ہوتی تھی دنیا فدا — پھر دکھا دو وہ صورت سکندر علی
اہل باطل اٹھائیں تو سر کس طرح — سر کچل دیں گے حضرت سکندر علی
دب چکا بارِ غم میں مبارک تیرا — دور کردے مصیبت سکندر علی

شرف پورنیہ حضرت مولانا شاہ شرف الدین حفیظی گانگی، بہادر گنج

زندگی بھر کی کمائی شاہ شرف الدین کی — زہد و تقویٰ پارسائی شاہ شرف الدین کی
بے سہارا کردیا محشر میں جب میرا عمل — مجھ کو الفت کام آئی شاہ شرف الدین کی
تھی ضرورت کل بھی اس کی آج بھی ہے دوستو — ہر قدم پر رہنمائی شاہ شرف الدین کی
ان کے دیوانے پتے کی بات کرتے ہیں جناب — خاک تربت ہے دوائی شاہ شرف الدین کی
آپ مضبوطی سے دامن اولیا کا تھام لیں — ہے یہی سچی پڑھائی شاہ شرف الدین کی
گر تمہیں حاصل نہیں ہے آؤ اور حاصل کرو — پیاری نسبت میرے بھائی شاہ شرف الدین کی
آتش فرقت نے اپنے دل کو گرمایا بہت — دے مبارک اب دہائی شاہ شرف الدین کی

۲۳ اگست ۲۰۱۱

درلحن تو شیخ حضرت منشی مراد حسین یتیمؔ

حق شناس و حق نگر حق بین و حق گفتار وہ — تھے ادیب و ماہر و کامل بڑے فن کار وہ
ضوء نور مصطفٰے سے دل کو چمکائے سدا — نغمۂ حق عمر بھر محفل میں وہ گائے سدا
رہبر علم و ہنر کے تھے مثال آفتاب — فارسی میں شاعری کرتے تھے حضرت لاجواب
تھی انہیں مرغوب ہر شئی سے زبان فارسی — زندگی کا گوشہ گوشہ تھا مثال آرسی
ماہر علم و ادب تھے مرکز فکر و نظر — مطلع ذہن تصور پر چمکتا سا قمر
ناز کرتا تھا زمانہ ان کی ہستی پر بہت — سب کی آنکھیں لگ گئیں تھیں کھیواہتی پر بہت
شان و شوکت کا ایک اونچا ہمالہ تھے یتیم — ہاں شب ظلمات میں گویا اجالے تھے یتیم
یعنی اپنے وقت کے وہ سعدی شیراز تھے — منفرد تھے ان کے لہجے مختلف انداز تھے
ملکہ ان کو تھا زبان فارسی میں ہر طرح — جیسے چمکیں لاکھوں چہرے آرسی میں ہر طرح
رحمت و فضل الٰہی کے بھی وہ حامل رہے — وہ مکمل جس جگہ ٹھہرے وہیں کامل رہے
آج بھی آواز دیتا ہے زمانہ یا مراد — کرکے روحانی مدد کردیجئے دل شاد شاد
دولت علم و عمل سے دل مزین تھا ترا — آسماں جس میں سما جائے وہ دامن تھا ترا
حسن یکتائے ازل کے نور سے معمور تو — بانسی کی سرزمیں پر تھا چراغ طور تو
سعئ پیہم سے لکھی تو نے یہاں دسیوں کتاب — یعنی تو پیدا شدہ در کھیوا مثل آفتاب
یم بہ یم بحر عرب تک سیر کرتے ہی رہے — رہروان راہ حق سے خیر کرتے ہی رہے

نزہت نجم فلک تابندہ پیشانی تری
زینت بزم ادب خطبات حقانی تری
یاد گیسوئے نبی سے دل ترا تابندہ تر
لب درود مصطفٰے کی لذتوں سے خندہ تر
تذکرہ بزم ادب میں آج ہے زندہ ترا
ہورہا ہے اب سنہرا خواب شرمندہ ترا

یا الٰہی جنت الفردوس میں جائیں مراد
خلد کی ٹھنڈی ہوائیں رات دن کھائیں مراد
من ترا دادودہش دارم بصد نازم یتیم
بر مبارک نیز فیض تو رسد پیہم یتیم

۲۰؍جولائی ۲۰۱۱ء

☆ ☆ ☆

شیخ الاسلام ضیغم ملت
زعیم العلما شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی علیہ الرحمہ

حضرت یٰسین سے جو شخص وابستہ ہوا
خلد کا آساں اس کے واسطے راستہ ہوا
المدد یا شیخ یٰسیں رہنمائی کیجئے
غم مجھے ناگن کی صورت آگیا ڈستہ ہوا
ہو رہی ہے دو جہاں میں آج اس کی واہ واہ
ان کا دیوانہ جہاں میں کب کوئی خستہ ہوا
حضرت یٰسیں کا دامن ہے میرے ہاتھ میں
جنت الفردوس کا سودا بڑا سستہ ہوا
چھو نہیں سکتا مرے دل کو زمانہ کا الم
میرے سینے میں غم یٰسیں پیوستہ ہوا
یہ مبارک کی عقیدت کا مکمل ہے ثبوت
اس لئے تو منقبت کا شعر بر جستہ ہوا

☆ ☆ ☆

در صنعت توشیخ

شیخ الاسلام ضیغم ملت زعیم العلما شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی علیہ الرحمہ

قدم ثابت رہا ان کا شریعت پر طریقت پر
خدانے جو ان کو بیٹھا دیا تخت ولایت پر

طبیعت پر متانت تھی ذہانت پر فطانت تھی
علوم دینیہ کے سارے شعبوں پر مہارت تھی

بہت حساس ان کی زندگی گزری زمانے میں
ہزاروں بھٹکے لوگوں کو وہ لے آئے ٹھکانے میں

پورنیہ کے قطب سے جانے اور پہچانے جاتے تھے
زیارت کرنے جن کی سینکڑوں دیوانے جاتے تھے

ولایت بھی مسلم تھی کرامت بھی مسلّم تھی
امامت بھی مسلّم تھی خطابت بھی مسلّم تھی

رشیدی سلسلہ کے تھے بزرگوں میں شماران کا
زیارت گاہ خاص وعام ہے اب بھی فران کا

نظارا کرنے والے سینکڑوں آتے ہیں مرقد پر
مرادیں اپنے دل کی خوب سب پاتے ہیں مرقد پر

یہاں پر رحمت وفضل الٰہی کا بسیرا ہے
کہ جلووں نے انہیں چاروں طرف سے آ کے گھیرا ہے

ہوائے خلد بھینی خوشبوؤں کو ساتھ لاتی ہے
قسم اللہ کی تربت پر ان کی ڈال جاتی ہے

حدود مرقد انور میں سارے جھوم جاتے ہیں
بصد شوق ومحبت خاک تربت چوم جاتے ہیں

ضیائے نور علم مصطفےٰ کی شان باقی ہے
خدا والوں کی دنیا میں ابھی پہچان باقی ہے

رضائے حق رضائے مصطفےٰ ان کو ہوئی حاصل
کہ وہ تھے دانا و بینا فہیم وعابد وعادل

تصوف کا طریقت کا سراپا معرفت کا وہ
شہنشہ تھے قسم اللہ کی ان سلطنت کا وہ

علوم ظاہر وباطن سے وہ آراستہ ہو کر
چلے ہیں زندگی بھر مصطفےٰ کا راستہ ہو کر

لبوں پر مصطفےٰ کی عظمتوں کی شان کا نعرہ
لگاتے ہی رہے وہ عمر بھر ایمان کا نعرہ

لپک کر لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چوم لیتے تھے
سرور کیف کے عالم میں سارے جھوم لیتے تھے

ادائے دل ربائی سے جہاں والوں کو اپنا کر
خدا کی راہ میں لاتے رہے لاکھوں کو سمجھا کر

محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اہلسنت کو
کلیجے سے لگا لیتے تھے وہ آقا کی امت کو

ہوائے صبح شام ان پر ہمیشہ ناز کرتی تھی
فضائے رُت سہانی بادب آواز دیتی تھی

غزالی زمن تھے اور سعدیٔ زمانہ بھی
وہ اپنے وقت کے رازی بھی شبلیٔ زمانہ بھی

لبالب ان کا سینہ علم وعرفاں کا سمندر تھا — جسے کہتی تھی دنیا بے بہادر ، ایسا گوہر تھا
امیدیں ان سے وابستہ رہیں سارے زمانے کی — کیا کرتے تھے کوشش شمع دل کو جگمگانے کی
محمد مصطفیٰ خیر البشر کے جانشیں بن کر — چمکتے تھے زمانے بھر میں وہ ماہ مبیں بن کر
یہی تمغائے عشق مصطفےٰ تھا اک فقیرانہ — اگر چہ شان رکھتے تھے جہاں میں امیرانہ
امیر کارواں بن کر ہمیشہ چلتے رہتے تھے — غریبوں کی اماں بن کر ہمیشہ چلتے رہتے تھے
سعادت نیک بختی ان کی پیشانی سے ظاہر تھی — عجب ہے شان وشوکت نور ایمانی سے ظاہر تھی
یہ بستی تارا باڑی آپ کا مولود کانہ ہے — یہاں پر اپ کی اولاد ہے سارا گھرانا ہے
نشان منزل اہل طریقت اب بھی باقی ہے — زمین بائسی پر ان کی شہرت اب بھی باقی ہے
علاقے میں ہے ایسا بھی ان کی عظمت کا اثر باقی — نصیحت کا اثر باقی خطابت کا اثر باقی
لب دریائے کنکی پر بسے آباد گھر ان کے — یہیں اجداد تھے ان کے یہیں پر ہیں پسران کے
یہ علم دین کا سورج جو چمکا ہر طرف چمکا — گلاب ویاسمن کے جیسے ہر محفل میں جاگمگا
ہدایت کا دیا بن کر جہاں کو روشنی بخشی — ہزاروں مردہ لوگوں کے دل کو زندگی بخشی
ابھی بھی ان کی یادوں کی حسیں تر یادگاریں ہیں — جدھر دیکھو ادھر منظر بہ منظر یادگاریں
لہو آنکھوں سے ٹپکے ہے جو ان کی یاد آئے — خوشی کے صحن میں غم آکے بستر ڈال جائے
رفاقت کی سنہری یاد کر کے لوگ روتے ہیں — ہمیشہ ان کے زکر خیر سے دامن بھگوتے ہیں
حقیقت ہو بیاں ان کی کہاں تاب سخن مجھ میں — ادا مدحت کا حق کر دوں نہیں کچھ بھی تو فن مجھ مین
مبارک ہم انہیں کے فیض سے مسرور ہیں اب تک — زمانے سے ہیں پوشیدہ مگر معمور ہیں اب تک
ہمیشہ رحمتوں کی ہو حسیں برسات تربت پر — منور دن ہو تربت پر معطر رات تربت

۳ر جولائی ۲۰۱۱

☆ ☆ ☆

درفن صنعت شیخ

امام علم وفن مظہر اعلیٰ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی

امام علم وفن ہیں مظہر احمد رضا خواجہ — نبی کا معجزہ خواجہ بزرگوں کی دعا خواجہ
منم مستانہ میگوید زبان عشق سے پیہم — وہی ہیں کواجۂ عالم وہی ہیں خواجۂ عالم
اسیران علوم دینیہ ہیں درقفس ان کے — زباں پر تز کرے ہی تذکے ہیں ہر نفس ان کے
محبت سے بنائی آپ نے پہچان دنیا میں — دکھائی علم وحکمت کی نرالی شان دنیا میں
علاج فکروفن بس ایک انگلی کے اشارے پر — کیا کرتے ہیں کارنیک انگلی کے اشارے پر
لبوں پر مسکراہٹ کے حسیں موتی بکھرتے ہیں — گل نسریں کے جیسے دونوں لب کھل کر نکھرتے ہیں
مکمل حسن کی تصویر کا غماز ہے چہرہ — گل وبلبل کے نغموں کی حسیں آواز ہے چہرہ
وقار ایسا جدھر گزریں ادھر ذرہ سہم جائے — زمانہ دیکھ لے تو ہم سفر بن کر بہم جائے
فصیحان زمانہ ان کے پاؤں چوم لیتے ہیں — کبھی مستی میں دودو بات کرکے جھوم لیتے ہیں
نکاتی گفتگو کرتے ہیں بزم عام میں خواجہ — کبھی تلوار بن جاتے ہیں رزم عام میں خواجہ
مثالی شان رکھتے ہیں نرالی آن رکھتے ہیں — وہ سارے عالموں میں ایک الگ پہچان رکھتے ہیں
ظفریابی کا جھنڈا گاڑ دیتے ہیں وہ میداں میں — عدوئے مصطفیٰ کو پھاڑ دیتے ہیں وہ میداں میں
ہلالی آنکھ رکھتے ہیں جمالی ناک رکھتے ہیں — ہمیشہ اپنے سر پر وہ حرم کی خاک رکھتے ہیں
رسول پاک کی عظمت کے جھنڈے لے کے ہاتھوں میں — منافق کو بھگا دیتے ہیں ڈنڈے لے کے ہاتھوں میں
ابابیلوں کے لشکر کی طرح شاگرد ہیں ان کے — علی کے تیغ وخنجر کی طرح شاگرد ہیں ان کے
علوم عقلیہ کے آپ استاذ زمن ٹھہرے — علوم نقلیہ آپ استاز زمن ٹھہرے
لدنی علم سے سینہ خدا نے بھر دیا ان کا — نبی کی معرفت سے دل نگینہ کر دیا ان کا
افق پر چاند تارے جس طرح جگمگاتے — مرے خواجہ بایں صورت گلوں سے مسکراتے ہیں
حصول علم کی لذت سے ان کو آشنا کہیئے — امام علم وفن ہیں ان کو فن کا رہنما کہیئے
ضیائے علم سے دل کو منور کر چکے خواجہ — نہ جانے کتنے قطروں کو سمندر کر چکے خواجہ

رسائی ان کے علم پاک کی وہموں سے آگے ہے
تموّج بحر علم دیں کی یوں اٹھتی ہے سینے میں
خلوص و پیار کا وہ جذبۂ ایثار رکھتے ہیں
وفا و عشق کے گوہر لٹاتے ہیں زمانے میں
ارے ہاں ہاں فروغ دین ومذہب ان اک مقصد ہے
جوب ان کا کہیں اس دور حاضر میں نہیں کوئی
ہمارا یہ جو دعویٰ ہے یقیناً حق بجانب ہے
مکمل علم وفن کا جو ابھی گہرا سمندر ہیں
ظہور شمس کا مطلب ہے گھر گھر میں روشنی بانٹے
فلک پر چاند کی ضو سے ستارے جگمگاتے ہیں
فرائض علم دیں کے حسن وخوبی سے نبھاتے ہیں
ریاضی، فلسفہ، جغرافیہ، منطق کے ماہر ہیں
حسیں بھی کم نہیں ہیں دیکھنے میں وہ حسینوں سے
سحاب علم وفضل مصطفےٰ بن کر برستے ہیں
یہی تو منفرد پہچان ان کی ہے زمانے میں
نشان اوج سے آگے ہمیشہ پاؤں رکھتے ہیں
رہِ حق کے مسافر کا وہ رہبر مانے جاتے ہیں
ضرورت سے زیادہ خوبیاں وہ پاس رکھتے ہیں
وضاحت ان کی خوبی کی بیاں ہم کر نہیں سکتے
یہی دو حرف کی سوغات میرے پاس ہیں لے لو

زمانہ اس لئے تو ان کے پیچھے پیچھے بھاگے ہے
سمندر آگیا ہو جیسے چھوٹے سے سفینے میں
نگاہوں میں وہ آقا کا حسیں کردار رکھتے ہیں
ہزاروں کو وہ دیوانہ بناتے ہیں زمانے میں
مظفر کی حسیں صورت میں قندیل محمد ہے
بباطن ہو بھی سکتے ہیں بہ ظاہر میں نہیں کوئی
وہ آ کے آزمالے آزمانے کا جو طالب ہے
وہی خواجہ مظفر ہیں وہی خواجہ مظفر ہیں
تو خواجہ کا ہے مقصد علم دیں سے زندگی بانٹے
زمیں پر علم سے خواجہ ہمارے جگمگاتے ہیں
ہزاروں کو پڑھاتے ہیں انہیں عالم بناتے ہیں
خدائے پاک کی ان نعمتوں پر دل سے شاکر ہیں
سنی ہے میں نے کچھ ایسی ہی باتیں مہ جبینوں سے
وہ جس محفل میں جاتے ہیں گھٹا بن کر برستے ہیں
کسر باقی نہیں رکھتے وہ علم دیں سکھانے میں
وہ برگد کی طرح دامن میں اپنے چھاؤں رکھتے ہیں
بنام حضرت خواجہ مظفر جانے جاتے ہیں
نظر میں نور سینے میں دل حساس رکھتے ہیں
سمندر ہیں انہیں کوزے میں ہم تو بھر نہیں سکتے
مبارک شعر کے باغات میرے پاس ہیں لے لو

۲۳؍جولائی ۲۰۱۱ء

☆ ☆ ☆

منظر نامہ

نازشِ علم وفن حضرت علامہ مفتی حسن منظر قدیری گانگی بہادر گنج کشن گنج

کیا بتاؤں تمہیں کیا ہیں منظر علم وفن کے دریا ہیں منظر
وہ محدث، مفسر، محقق، وہ مفکر سراپا ہیں منظر
عالم وفاضل وقاری مفتی نازشِ بزمِ افتا ہیں منظر
عصرِ حاضر کے سعدی وحافظ فکرو فن کے خزانہ ہیں منظر
بابِ حکمت علی مرتضٰی ہیں ان کی حکمت کا سایہ ہیں منظر
ان کے سینے میں ہیں علم نازاں وارثِ شاہِ بطحا ہی منظر
گفتگو معنوی اور فنی آپ ہر فن میں یکتا ہیں منظر
روئے تاباں سے ظاہر ہے اب بھی یعنی بے مثل ہیراں ہیں منظر
سادگی ناز کرتی ہے ان پر منبعِ زہدو تقویٰ ہیں منظر
گلشنِ علم مہکا رہے ہیں وہ چمیلی وہ بیلا ہیں منظر
ان کو حاصل ہے نسبت قدیری غوثِ اعظم کے شیدا ہیں منظر
تہنیت تجھ کو اہلِ پورنیہ تیری دھرتی کا سونا ہیں منظر
ایسے ماں باپ پر رحمت کی رحمت جن کے یہ دُرِّ یکتاں ہیں منظر
وصف ان کا لکھے کیا مبارک رب ہی جانے کیا کیا ہیں منظر ۱۲؍جولائی ۲۰۱۱

☆ ☆ ☆

درفن صنعت توشیح

نازش علم وفن مفتی حسن منظر قدیری مدظلہ العالی

مہ و خورشید علم وفن ہیں منظر
فلک سے دور ہے پرواز ان کی
تبسم بر لب او روز وشب اند
یگانے کیا پرائے بھی ہیں مائل
حسیں ایسے نظارہ کرتے رہیئے
سلوک ایسا کہ دشمن بھی ہو نادم
نظر ان کی دقائق پر ہمیشہ
نور ہے ضیائے علم سے دل
نگار فکرو فن ہے ان کی ہستی
ظہور شوکت فن گفتگو سے
رسائی فکر کی ہے لامکاں تک
قلم ان کی اساس نعمت کہیئے
دل بیتاب میں ہے جلوۂ عشق
یہ دولت لازوالی ساتھ ان کے
رہیں ہر پل جہاں مین خوش وخرم
کہ ہے یہ سایہ حسن منظر مبارک

چراغ بزم جان وتن ہیں منظر
سنائی دیتی ہے آواز ان کی
ادائے دل ربائی پر غضب اند
ہیں ان کی عظمتوں کے سارے قائل
جگر کو پارہ پارہ کرتے رہیے
ہیں ایسے حامل اعلیٰ مکارم
نظر ان کی حقائق پر ہمیشہ
معطر مشک بوئے حلم سے دل
کہ استاذ زمن ہے ان کی ہستی
نمود فکر ان کی جستجو سے
نظر آتے ہیں وہ دیکھو جہاں تک
سخن ان کی دلی جذبات کہیئے
لئے پھرتے ہیں ہر سو تمغۂ عشق
ہے نعمت بے مثالی ساتھ ان کے
حسن منظر قدیری آپ پیہم
رہے تادم مرے سر پر مبارک ۱۳ر جولائی ۲۰۱۱

☆ ☆ ☆

مفکر اسلام حضرت مفتی ایوب مظہر صاحب علیہ الرحمہ

گفتگو میں تیری انداز مسیحائی ہے
جستجو میں تیری گہرائی ہے گہرائی ہے

غوطہ زن ہو کے بھی پایا نہ کوئی تہہ کا سراغ
تیرے ادراک کے دریا میں وہ گہرائی ہے

نبض بیمار پہ پڑتے ہی تراہاتھ طبیب
روح جاتی ہوئی شرما کے پلٹ آئی ہے

تیری گفتار کی لذت کے ثناخواں بلبل
تیرے کردار سے پھولوں نے مہک پائی ہے

اب تجھے کون بھلائے گا جہاں میں مظہر
زندگی تیری کتابوں میں نکھر آئی ہے

سینوں کے لئے دریا تھی تمہاری ہستی
خرمن نجد میں انگار نظر آئی ہے

رو رہے ہیں تیرے چاہنے والے اب تک
اور تجھے نیند قیامت کی ابھی آئی ہے

ان کے ہونٹوں سے جو الفاظ نکل کر آئے
اے مبارک وہی داناؤں کی بینائی ہے

مفکر اسلام حضرت مفتی ایوب مظہر علیہ الرحمہ

میری قسمت کو بلندی کا منارا چاہیئے
چہرۂ مظہر کا تابندہ نظارا چاہیئے

یہ زمیں کے ہیرے موتی ہیں بہت میرے لئے
آسماں دید و اسے جسے ستارا چاہیئے

حضرت ایوب مظہر تھے خطیب ایشیا
میری ملت کے جوانوں یہ نعرہ چاہئے

مجھ کو بحر عشق میں غوطہ لگانے دے ابھی
پھینک ساحل پہ اسے جس کو کنارا چاہئے

اے خدا دیدے مرے ہاتھوں کو مظہر کا قلم
مجھکو کاغذ کی زمیں پر ہی گزارا چاہئے

اس خطیب ناز کے جیسا مرے پروردگار
مسلک احمد رضا کو پھر ستارا چاہئے

جب چلے نجدی کی گردن پر مرا تیغ قلم
آپ کی چشم عنایت کا اشارہ چاہئے

خاک ہوں تو خاک ہی کا طالب مطلوب ہوں
آگ ہوں تو آگ کو شعلہ شرارا چاہئے

ہجر مظہر میں مبارک ٹوٹ کر بکھرا ہے دل
مجھکو اس کا ریزہ ریزہ پارہ پارہ چاہئے۔

در صنعت توشیح
ادیب وشاعر علامہ شاکر اصغر رضوی

عالم باکمال ہیں شاکر فاضل بے مثال ہیں شاکر
لوح دل پر جو ان کے کتبہ ہے عشق سرکار ہی تو لکھا ہے
لب پہ نعت رسول کا نغمہ گویا جنت کے پھول کا نغمہ
ان کا لہجہ بڑا انوکھا سا ان اک رتبہ بڑا نرا لہ سا
مصدر فیض ان کی ہستی ہے جائے مسکن مویہ بستی ہے
ہم نے دیکھا ہے ان کا سادہ پن ایک ہی جیسے گھر ہو یا آنگن
شان وشوکت عجیب رکھتے ہیں سب کو دل کے قریب رکھتے ہیں
ان عظمت بڑی نرالی ہے ان کی ہر بات بے مثالی ہے
کل کے جیسا ہے آج بھی ان کا منفرد ہے مزاج بھی ان کا
رضوی مسلک پہ گامزن ایسا جیسے دریا ہو موجزن ایسا
اعلیٰ حضرت کے ہیں وہ دیوانے شمع عشق نبی کے پروانے
صا بر ایسے کہ صبر ناز کرے رب انہیں کیوں نہ پاک باز کرے
غائبانہ رسول پر قرباں جیسے حضرت اویس قرنی ہاں
راز کی اور نیاز کی باتیں ہر گھڑی سوزوساز کی باتیں
روح پرور جمال ہے ان کا خوبصورت خیال ہے ان کا
ضو سے پر نور ان کا چہرہ ہے رنگ چوکھا ہے حسن گہرا ہے
وہ بہت بااصول ہیں اب بھی جانشین رسول ہیں اب بھی
یہ تعارف ہے مختصر ان کا ہو مبارک بلند سران کا ۳۰ر جولائی ۲۰۱۱

در صنعت توشیخ

منشی یاد علی مرحوم

منور زندگی تیری منور بندگی تیری   میں صدقے دیکھ کر نانا ادائے سادگی تیری
نگاہوں میں تھی تیری عظمت اسلام کی شوکت   خدا سے تھی محبت اور رسول پاک سے الفت
شرافت سے گذاری اس جہاں میں زندگی تو نے   نماز و روزہ میں ہرگز نہ کی کوئی کمی تو نے
یہ انداز سخاوت تھا نرالہ میرے نانا کا   اسی سے گھر میں تھا ہر دم اجالا میرے نانا کا
یگانہ کیا پرایا کیا لگایا سب کو سینے سے   غریبوں کو فقیروں کو نہ روکا کھانے پینے سے
ادائے سنت سرکار کر کے چل بسے نانا   عجیب انداز سے ایثار کر کے چل بسے نانا
دعا ہے تیری تربت کو خدا انوار سے بھر دے   تیری تربت کو جنت کے گل گلزار سے بھر دے
عطائے رحمت باری ہو یوں دن رات تربت پر   گلِ باغ تقدس کی حسیں برسات تربت پر
لدے رحمت کے پھولوں سے کفن میدان محشر تک   لحد بن جائے جنت کا چمن میدان محشر تک
یہی تحفۂ مبارک آج تیرے نام کرتا ہے   ملے تسکین تیری روح کو وہ کام کرتا ہے ۲۸ اگست ۲۰۱۱

☆ ☆ ☆

نظم

بائسی کی سرزمیں

لالہ وگل سے بھری ہے بائسی کی سرزمیں حسن میں نیلم پری ہے بائسی کی سرزمیں
اے مسافر بائسی میں آ گل شاداب دیکھ لہلہاتے کھیت مچھلی سے بھرے تالاب دیکھ
آ یہاں کی آ کے ہریالی کا منظر دیکھ لے گیہوں کی اور دھان کی بالی کا منظر دیکھ لے
لہلہاتے کھیت ہیں دل گیری منظر ہر طرف لائق صد دیدنی کشمیری منظر ہر طرف
دھان کے پودے ہواؤں میں لہکتے ہیں یہاں اور فضاؤں میں پرندے بھی چہکتے ہیں یہاں
یہ علاقہ کھیتی باڑی میں بہت مشہور ہیں بچہ بوڑھا ہل چلاتا ہے بہت مسرور ہے
صبح صادق ہوتے ہی بیدار ہوجاتے ہیں سب دوپہر کی دھوپ میں بیمار ہوجاتے ہیں سب
رات کو آرام دن کو کام کرتے ہیں سبھی اپنی اپنی کھیتیوں میں بیج بھرتے ہیں سبھی
صبح کو ہر دن یہی منظر سہانہ کھیت میں کچیا، پسنی لے کے دوڑے ہے زمانہ کھیت میں
مرد اپنے کھیت کا پٹوا کمانے میں مگن گھر کی عورت اپنے گھر روٹی بنانے میں مگن
کھیت میں سب جھومتے ہیں مست رندوں کی طرح زندگی اپنی بسر کرتے ہیں زندوں کی طرح
اور ڈینگیں مارتے مزدور بھی دیکھے گئے چلچلاتی دھوپ میں مجبور بھی دیکھے گئے
جب پسینے سے بدن ہوتا ہے ان کا تر بتر پیڑ کی چھاؤں میں ستاتے ہیں سارے بیٹھ کر
گھر سے بچے سر پہ پانی کا چلے گھیلا لئے بھات روٹی ستو تھالی بدھنا کا تھیلا لئے
دیکھ کر بچوں کے سر پر ناشتوں کی پوٹری پیڑ کی چھاؤں میں آکر بیٹھ جاتے ہیں سبھی
کوئی روٹی کوئی ستو کوئی پیتا بھات سے بھوک کے شعلے بجھاتے ہیں یہ کھا کر ناشتے
ناشتے کھا کر لب معشوق ہاں کھینی سے وہ پھر چلے کھیتیوں کی جانب اٹھ کے بے چینی سے وہ

دوپہر کی دھوپ سورج کی تپش گرمی سے وہ
لڑتے ہیں اور کام بھی کرتے ہیں ہٹ دھرمی سے وہ

مختصر سا یہ تعارف ہے ہمارے دیس کا
غالباً یہ حال ہوگا اپنے سارے دیس کا

آ مسافر آ ادھر بھی اب نظر کا پھیر دیکھ
دیکھنے کی چیز ہے اس کو بھی تھوڑی دیر دیکھ

بائسی کی سرزمیں خوش رنگ ہے تعمیر سے
خوبرو میں کم نہیں ہے وادۂ کشمیر سے

ہیں یہاں پر سیکڑوں باغات ندیاں بے شمار
رنگ و نکہت سے مزین خطہ خطہ لالہ زار

لہلہاتے باغ میں ہیں پھول بھی کچھ کم نہیں
اور سڑکوں پر اچھلتی دھول بھی کچھ کم نہیں

ریت بالو کا دو کیچڑ کی زمیں مشہور ہے
جس طرح لعل بدخشاں بھی کہیں مشہور ہیں

اس دیار پر فضا کے لوگ خوش اقبال ہیں
ہر طرح کے نعمتوں سے سارے مالا مال ہیں

مدرسے ہیں مسجدیں ہیں بستی بستی گاؤں گاؤں
بندگی میں زندگی کٹتی ہے سب کی چھاؤں چھاؤں

ہیں پڑھے لکھے ہزاروں لوگ مثل کہکشاں
رشک مہر وماہ ہے یہ خطۂ ہندوستاں

یہ شکستہ حالتیں ہیں پھر بھی کوئی غم نہیں
سب کے لب پر ایک نعرہ ہم کسی سے کم نہیں

بانس

لہلہاتے بانس کی جھاڑی میں ہیں اس کی خاک پر
روح پرور لاکھوں نظارے خس وخاشاک پر

کوئی بستی کوئی گاؤں بانس سے خالی نہیں
بانس جس گھر میں نہیں اس گھر میں خوشحالی نہیں

اس علاقے میں بہت ہی اہمیت ہے بانس کی
یعنی گھر گھر میں مزین اب بھی چھت ہے بانس کی

جھونپڑی، کٹیا، محل، بیٹھک یا گوروکا گہال
کارخانے بانس کے ہیں بانس کا ہے سب کمال

بانس ہی سے ہیں رہائش گاہ سب مثل چمن
بانس اک انمول شئی ہے کار آمد جان من

بانس ہل میں، بانس گاڑی، بانس چھپر میں ملے
بانس مجھ کو زندگی کے سارے محوریں ملے

بعد مردن ساتھ میت کے چلا جاتا ہے بانس
قبر میں انسان کے یوں کام آجاتا ہے بانس

سیلاب

ندیاں کنکی مہندی داس اور پروان میں — بائسی کی سرزمیں آباد ہے طوفان میں
یہ ندی بارہ مہینے جاری رہتی ہے یہاں — پار ہونے کے لئے کشتی بھی چلتی ہے یہاں
جھوم کر آتا ہے موسم جب یہاں برسات کا — رخ بدل دیتا ہے پانی وقت کے حالات کا
سال میں آتا ہے جب جب ماہ ساون جھوم کے — پانی آجاتا ہے دامن ہمالہ چوم کے
پانی جو کوہ ہمالہ پر بہت بیتاب تھا — بائسی میں آتے ہی وہ صورت سیلاب تھا
جب یہاں انسان کھیتیوں پر جماتے ہیں نظر — فصل کم پانی زیادہ ان کو آتے ہیں نظر
دیکھ کر کھیتی کی حالت روتے ہیں سارے کسان — غم کے آنسو سے خوشی کو دھوتے ہیں سارے کسان
اپنے سر پر ہاتھ رکھکر سوچتے رہتے ہیں وہ — اپنے اپنے دل میں یہ سیلاب سے کہتے ہیں وہ
کھیت اور کھلیان زیر آب منظر ہولناک — لے کے آتا ہے عجیب سیلاب منظر ہولناک
اس طرح سیلاب ہر نقشہ کو دیتا ہے بدل — تیرتے ہیں ایسے گاؤں جیسے پانی پر کنول
بائسی کی سرزمیں تجھ کو سدا پائندہ باد — ہے مبارک بھی تری دھرتی کا بیٹا زندہ باد

۲۲/جولائی ۲۰۱۱

☆ ☆ ☆

(۴)

اہل نظر کی قدردانی

'کاملان پورنیہ' جلد اول پر

علما و دانشوران کے

تاثرات و تبصرے

فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ، پورنیہ

عزیزم ڈاکٹر مولانا غلام جابر شمس پورنوی! سلام ورحمت!!

رات ہی کوئی ایک بجے آپ نے اپنی تازہ ترین تصنیف 'کاملان پورنیہ' کی پہلی جلد مطالعہ کے لئے دی ہے۔ ابھی میں محب گرامی حضرت مفتی حسن منظر قدیری صاحب مدظلہ کی تقدیم کے بعد اسی کتاب کو اخیر تک نہیں پڑھ پایا ہوں کہ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل 'حیات قطب پورنیہ' اور 'نگارستان جلالۃ العلم' کی کمپوز شدہ کاپیاں آپ نے پیش کر دی ہیں اور 'تقدیم' کا مطالبہ ہے۔ جب کہ آج ہی مجھے واپسی کا سفر کرنا ہے اور ملاقات کے لئے احباب کی آمد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

اب ایسے میں کب وہ پانچ سو صفحات پڑھوں اور کب تقدیم لکھوں؟۔ میں آپ کی طرح 'عکسِ مسعود' تو نہیں کہ قلم اٹھایا اور لکھتے چلے گئے۔ اب تو میرا عالم یہ کہ جتنا آپ روزانہ لکھ جاتے ہونگے، شاید مجھے روزانہ اتنا پڑھنا بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے صرف فہرست پر ایک نظر ڈال لی ہے اور اسی سے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ نے جس طرح اپنی صحرانوردی اور کوہ کنی سے ہیرے، جواہرات برآمد کر کے فارسی مقولہ: کوہ کندن وکاہ برآوردن' کو عملاً جھٹلا دیا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ آپ کے امثال پیدا فرمائے۔ آمین!

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

۱/۳/۲۰۱۱ء

نزیل بمبئی

پروفیسر شباہت حسین، علی گڈھ

محترم جابر شمس صاحب! السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کی درج ذیل پانچ تصنیفات مولانا آزاد لائبریری کے لئے موصول ہوئیں۔اس کرم فرمائی کے لئے شکریہ! حوالے کے لئے ذیل میں ان کتابوں کے اندراج نمبر لکھے جاتے ہیں:

(۱) تین تاریخی بحثیں اندراج نمبر ۱۵۵۶۸۸

(۲) بولتی تصویریں اندراج نمبر ۱۵۵۶۸۹

(۳) امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، اندراج نمبر ۱۵۵۶۹۰

(۴) کاملان پورنیہ اندراج نمبر ۱۵۵۶۹۱

(۵) خط جواب خط اندراج نمبر ۱۵۵۶۹۲

محولہ بالا پانچوں کتابیں ہماری لائبریری کے لئے ایک گراں قدر عطیہ ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری لائبریری کے قارئین ان کتابوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

بشرف ملاحظہ:

مخلص

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب

201Ghazala Galaxy

Near Purnal Shopping complex,

Naya Nagar

Mwra Road(e)

Mumbai401107

پروفیسر شباہت حسین، علی گڈھ

جناب شمس مصباحی صاحب! سلام مسنون

امید ہے، مزاج گرامی بخیر ہوگا،

آپ کی وہ علمی کاوشیں مولانا آزاد لائبریری کے لئے موصول ہوئیں۔ اس کرم کے لئے شکریہ! ذیل میں حوالے کے لئے دونوں کتابوں کے عنوانات کے ساتھ ان اندراج نمبر بھی لکھے جارہے ہیں۔

(۱) بولتی تصویریں اندارج نمبر ۱۵۴۴۳۶

(۲) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا، جلد اول، اندارج نمبر ۱۵۴۴۳۷

(۳) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا جلد دوم، اندراج نمبر ۱۵۴۴۳۸

محولہ بالا دونوں کتابیں ہماری لائبریری کیلئے گراں قدر عطیہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری لائبریری کے قارئین آپ کی تحریروں سے کافی استفادہ کریں گے۔

بشرف ملاحظہ:

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب

201 GhazalaGalaxy

NearKurnalShopping Complex

NayaNagar

MiraRoad(e)

Mumbai 40117

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی کٹیہاری، گھوسی

یہ اس وقت کی بات ہے، جب عالم اسلام کی مشہور درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں یہ فقیر منتہی درجہ کا طالب علم تھا اور 'کاملان پورنیہ' کے مؤلف محبّ مکرم علامہ غلام جابر شمس مصباحی بھی زیر تعلیم تھے۔ باہمی مشورے سے بائسی، پورنیہ میں 'ادارہ انکار حق' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا بنیادی مقصد اکابرین اہل سنت کی کتابوں کی اشاعت اور علاقہ سورجاپور کے 'علما و مشائخ' کے تذکرے کو منظر عام پر لانا تھا۔

اول الذکر کا آغاز تو فوراً ہو گیا۔ مگر ثانی الذکر کا کام باوجود کافی محنت و مشقت کے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ پھر یہ کام محبّ گرامی علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی زید مجدہٗ نے اپنے ذمہ لیا اور اسے جادۂ اعتدال پر لانے کے لئے بڑی جتن کی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ نکلا کہ 'کاملان پورنیہ' کی پہلی جلد منظر عام پر آگئی۔ ماضی قریب کے ایک بزرگ صفت شخص جلالۃ العلم حضرت علامہ محمد یوسف رشیدی ہری پوری علیہ الرحمہ نے اس علاقہ کے علما و مشائخ کے تذکرہ و سوانح کی خشت اول رکھی تھی۔ مگر اس عمارت کی تکمیل وہ اپنی محدود اور مصروف زندگی میں نہ فرما سکے۔

مگر اب ایسا لگتا ہے کہ اسی اساس و بنیاد پر عمارت کھڑی کرنے کا بیڑا امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر شمس مصباحی نے اٹھا لیا ہے۔ تذکرہ و سوانح کی جمع و ترتیب کا کام کتنا مشکل ہے۔ یہ کچھ وہی سمجھ سکتے ہیں، جو اس راہ کے شناور ہیں۔ علامہ موصوف نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس سلسلے کی پہلی کڑی 'کاملان پورنیہ' جلد اول کا ایک خوبصورت گلدستہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جو نہ صرف قابل تحسین اقدام ہے، بلکہ قابل قدر و قابل تقلید بھی، مولانا موصوف نے پورے علاقہ کا کفارہ ادا کرنے کی سعی کی ہے۔ جس کے لئے وہ بجا طور پر تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں۔

وہ زمانہ طالب علمی سے اپنے عزم وارادے کے پکے ثابت ہوئے ہیں۔اس پختگی عزم نے انھیں اس اصل راہ کا مسافر بنا دیا۔ہمیں امید ہے کہ ان کی تحقیقاتی سیریز'کلیات مکاتیب رضا، خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا، حیاتِ رضا کی نئی جہتیں، تین تاریخی بحثیں، خط جواب خط، جہانِ ملک العلما، وغیرہ کی طرح یہ کتاب بھی علمی حلقوں میں پسندیدگی سے پڑھی جائے گی۔مولیٰ تعالیٰ علامہ موصوف کے عزم وارادے کو مزید استحکام بخشے، ان سے دینی کام لے اور اخلاص کی بھرپور دولت عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

دعا گو آل مصطفیٰ مصباحی

خادم دارالافتا جامعہ امجدیہ گھوسی

حضرت علامہ قاری محمد عبدالرشید برکاتی خطیب وامام مینارہ مسجد بمبئی

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم وآله واصحابه الکریم الطیبین والطاهرین .

حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر صاحب زید مجدہٗ وفضلہ کی تازہ ترین تحقیقی تصنیف 'کاملان پورنیہ' جلد اول سے کچھ مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ کتاب کیا ہے؟۔ایک جہانِ حیرت، جس میں ڈاکٹر صاحب نے پورنیہ کے اصاغر واکابر علما کی سیرت وکردار اور علم وفضل وغیرہ کا احاطہ فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب علمی میدان کے عظیم شہسوار ہیں۔ان کی تصانیف اس پر شاہد عدل ہیں۔ موجودہ تصنیف جو عکوس نوادرات کیساتھ ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد کتنی ضخیم ہوگی، وقت بتائے گا۔

کاش کہ ڈاکٹر صاحب اس کو صوبائی سطح پر انجام دیتے، تو پورے صوبہ کے علمائے اہل سنت کی تاریخ محفوظ ہو جاتی اور ہمارے قلمکار اگر ان کی پیروی میں اپنے اپنے اسلاف اور صوبہ جات کے علما کی تاریخ مرتب کر ڈالتے، تو آنے والی نسلوں کے لئے ایک عظیم علمی تاریخی سرمایۂ افتخار جمع ہو جاتا۔ اگر چہ اس سلسلے میں جزوی طور پر کچھ کام ہوئے ہیں۔ مگر وسیع ترکام کی ضرورت تھی۔ خدا کرے، ہمارے ڈاکٹر صاحب اپنے قلم کی توجہ پورے علمائے ہند کی طرف توجہ فرما کر اس عظیم کارنامہ کا تاج زریں بھی اپنے سر پر سجالے۔

عبدالرشید احمد برکاتی

مینارہ مسجد ممبئی ۳

۲۳۔۱۱۔۱۴۳۴

۲۳۔۹۔۱۱ء

حضرت مفتی محمد اشفاق احمد رضوی، صدر شعبۂ فقہ حنفی جامعہ سعدیہ کاسرکوڈ کیرالا

شمسِ پورنیہ حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب، سلام ورحمت

اس حقیر پراز تقصیر نے جب ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی شمارہ جولائی ۲۰۱۱ء میں 'کاملان پورنیہ' جلد اول پر تبصرہ پڑھا اور پھر محبّ گرامی مولانا خواجہ ساجد رضا رحمان پوری سے بذریعہ فون اس کا تذکرہ سنا، تو شوق مطالعہ اس قدر فزوں تر ہو گیا کہ:

من دل دیوانہ دارم سیر صحرامی کنم
قیس وقتم جستجوئے کوئے لیلی می کنم

خود آپ سے بھی رابطہ کیا کہ کسی صورت سے بہت جلد فردوس نظر بنا سکوں۔ مگر 'کل شئی مرھون باوقاتہ، اور ع: 'اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے'۔ کے مطابق ناکام رہا۔ تا آں کہ جب ستمبر ۲۰۱۱ء میں وطن عزیز 'دلشاد پور' کٹیہار سے جامعہ سعدیہ عربیہ کیرلا کے لئے راونہ ہوا، تو راستے میں خواجہ نگر سالماری سے اس کا ایک نسخہ حاصل کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا۔ تین دن کے لیے زاد سفر کا انتظام ہو گیا۔ راستے بھر ورق گردانی کرتا رہا۔

'مسندِ گل، داستانِ گل، پاسبانِ گل، اور 'نو بہاران گل' جیسے عناوین کو دیکھ کر' کاملان پورنیہ' کو 'گلدستۂ پورنیہ' کہنے کو جی چاہتا رہا۔ کتاب کو ایسے ایسے نادرزمن 'یگانۂ زورگار اور گلہائے رنگا رنگ سے سجایا گیا ہے، جن کی خوشبوؤں سے نہ صرف ارض پورنیہ کا خطہ خطہ مشک بار ولالہ زار بنا ہوا ہے، بلکہ ان حضرات سے اکتساب فیض کرنے والوں کے ذریعے سے آج پورے ہندوستان کا مشام جان معطر نظر آرہا ہے۔ اسے کوئی مبالغہ نہ سمجھے، بلکہ حقیقت یہی ہے۔

'کاملان پورنیہ' یقیناً ایک تاریخی دستاویز ہے۔ ایسی جامع کتاب کی اشد ضرورت تھی، جس کو آپ کے تیشۂ تحقیق نے کوہ کنی کر کے پورا کر دیا۔ 'من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ' کے مطابق بجا طور پر آپ پورنیہ کے ارباب حل وعقد کی

طرف سے شکریے کے مستحق ہیں۔

اس کتاب کے تعلق سے اگر یہ کہنا بجا نہیں کہ تاریخ علمائے پورنیہ کے سلسلہ میں اس کو خشت اول کی حیثیت حاصل ہے، تو پھر یہ کہنا بھی بجا نہ ہوگا کہ مستقبل کا کوئی قلم کار اس کے بغیر علمائے پورنیہ پر خامہ فرسائی کر کے داد تحقیق وصول کر لے گا۔ گلشن کتاب کی سیر کرتا گیا۔ بوقلموں گلہائے نرم و نازک کی خوشبوؤں سے شادکام ہوتا گیا اور آپ کی تلاش و جستجو، بادیہ پیمائی اور کوہ کنی کو 'صد آفریں' کہتا گیا۔

کل ۴۵ فضلائے روزگار و عباقرۂ نامدار کے احوال وکوائف سے یہ کتاب مرصع ہے۔ اپنے دادا حضرت مولانا کرامت حسین تمنّا اور مولانا تصدق حسین مشتاق علیہما الرحمہ الرضوان کے احوال کے تعلق سے جب آپ کے قلم زرنگار کی جولانی دیکھی، تو عالم تصور میں آپ کے کعبۂ تحقیق کو دیوانہ وار بوسہ دینے میں مصروف ہوگیا۔ آپ نے ان حضرات کے تعلق سے ایسے بھی حقائق سپرد قرطاس فرمائے ہیں، جن سے ہم 'اہل خانہ' کے کان نا آشنا تھے۔ مثلاً حضرت تمنّا کا 'تاج الشعرا' کے لقب سے ملقب ہونا اور حضرت مشتاق کو 'عرفی ہند' کہا جانا۔

اہل پورنیہ کے ہر گھر میں یہ کتاب ہونی چاہیے۔ تاکہ اسلاف کے کارناموں کو دیکھ کر اخلاف کو بھی کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ملے۔ کتاب کی نثری عبارت کے تعلق سے کچھ کہنا سورج کو چراغ دیکھانا ہوگا۔ عبارت میں ایسی طلاقت وسلاست اور روانی و شگفتگی ہے کہ پڑھتے جائیے، جی نہ اکتائے۔ قاری و سامع کو قابو رکھنے کا ہنر کوئی آپ سے سیکھے۔

مولا تعالیٰ حضرت والا کی عمر دراز فرمائے۔ تادیر چمن علم و فن و تصنیف و تالیف کا بلبل صد ہزار رنگ بن کر چہکنے کی توفیق بخشے۔ آمین، بجاہِ سید المرسلین۔

خاک پائے تمنّا و مشتاق

محمد اشفاق احمد مصباحی دلشاد پوری

جامعہ سعدیہ عربیہ، کاسرکوڈ، کیرالا

☆☆☆

صحافیِ عصر مولانا محمد طفیل صاحب، مدیر ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور

آسمانِ ادب وصحافت پر اپنی پوری توانائی کے ساتھ روشنی بکھیرنے والے سورج کا نام 'ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی' ہے۔ علمائے اہل سنت کے ممتاز قلم کار اور آپ کا ایک مخصوص لب ولہجہ اور منفرد اسلوب نگارش ہے۔ جو معاصرین اہل قلم سے آپ کو منفرد وممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ امیر القلم حضرت ڈاکٹر جابر شمس صاحب کی تحریر میں بلا کی کشش اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ اسلوب اتنا انوکھا، دل کش اور دل میں اتر جانے والا ہوتا ہے کہ بس دیکھا کیجئے اور پڑھا کیجئے۔ اسی مخصوص لب ولہجہ اور جداگانہ اسلوب میں 'تذکرہ کاملان پورنیہ' لکھی گئی ہے۔ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ضلع پورنیہ، بہار کی ممتاز اور یگانہ روزگار ہستیوں سے ہمیں روشناس کراتی ہے اوران کی دینی، علمی، ادبی اور قلمی خدمات سے آگاہ کرتی ہے۔

تذکرہ نویسی ایک فن ہے، ایک قدیم روایت ہے۔ اس کے اصول وآداب مقرر ہیں۔ ماہر رضویات ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے بڑی خوبصورتی اور دیدہ ریزی کے ساتھ فنِ تذکرہ نویسی کے اصول وآداب کو ملحوظ رکھا ہے۔ کتاب ہر طرح کی ظاہری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اس کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا محققانہ ومؤرخانہ انداز اور 'رسیلا' اور ادیبانہ اسلوب' ہے، جو قارئین کو مسحور کر دیتی ہے۔ جلد اول کے بعد جلد ثانی کی اشاعت لائق ستائش اقدام ہیں۔ ہماری غفلت کے باعث بہت سی نام وار ہستیاں گوشۂ گمنامی میں چھپ گئیں۔ آج کی نئی نسل ان کے ناموں اور کاموں سے واقف نہیں۔

حضرت ڈاکٹر غلام جابر صاحب کا یہ کارنامہ بلا شبہ ہمارے لئے نمونۂ عمل ہے۔ اللہ تعالی آپ کی خدمت دین متین اور پرورش لوح قلم کی مزید توفیق دے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ التسلیم۔

محمد طفیل

۲۴،۱۲،۱۲

علامہ توفیق احسن برکاتی مدیر ماہنامہ 'سنی دعوتِ اسلامی'، بمبئی

تاریخ نگاری تذکرہ نویسی انتہائی جاں گسل کام ہے، جس کے لئے محنت وجاں فشانی کے ساتھ سیاحی اور جاں بازی کی ضرورت پڑتی ہے۔ خاص کر جب اس تاریخ وتذکرہ سے ہماری اسلامی تہذیب وثقافت اور مذہبی تمدن کے اثرات وابستہ ہوں اور مردانِ حق آگاہ کے انمٹ نقوش کسی سرزمین پر ثبت ہوں، تو نقد ونظر کی ضرورت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔

پورنیہ، جو ہندوستان کا ایک خوش حال خطہ رہا ہے۔ ہندوستانی تاریخ میں، جس کی تہذیب، معاشرت، کلچر، سیاسی قوت، اقتصادی پکڑ کا واضح نقشہ موجود ہے۔ جو کبھی راجاؤں، مہاراجاؤں کی سرزمین رہی ہے اور ساتویں صدی ہجری سے چودہویں صدی ہجری تک اس سرزمین نے بے شمار گل ولالہ اگائے ہیں اور ایسے روحانی سپوت ہندوستان کو عطا کئے ہیں، جن کی ذاتیں کارنامے، بڑے ہمہ جہت ہیں اور جن کے نقوش قدم یقیناً مشعل راہ ہیں۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے، جو خود پورنیہ سے تعلق رکھتے ہیں 'کاملانِ پورنیہ' نام سے یہ کتاب انہی اعاظمِ زمانہ کے حالات ووکوائف پر مشتمل پیش کی ہے اور ۴۹۶ صفحات کا اچھا خاصہ مواد جمع کر کے ترتیب دیا ہے اور اسے مسند گل، داستان گل، پاسبان گل، دھرتی وہ گل لالہ کی، باغ بانِ عہد نو، نو بہارانِ گل، عکس نوادرات کے تحت سات ابواب پر منقسم کیا ہے۔ منظوم ومنثور تاریخ پورنیہ سے لے کر عہد کہن اور عہد نو میں پیش آمدہ حالات وواقعات ایک مستند، محقق دستاویز بنا دیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ مفتی حسن منظر قدیری نے تحریر فرمایا ہے اور 'ثنائے گل' کے عنوان سے معروف قلم کار ومحقق پرواز اصلاحی اعظمی نے قدیم پورنیہ کی تاریخی حیثیت پر مؤرخانہ انداز سے روشنی ڈالی ہے اور عہد قدیم سے لے کر عہد جدید کا منظر نامہ اجمالاً روبرو کیا ہے۔ پروفیسر طارق جمیلی نے 'مسند گل' کے عنوان سے 'منظوم پورنیہ نامہ' تیرہ صفحات میں لکھا ہے اور محل وقوع سے لے کر، باشیوں کے رکھ رکھاؤ، انداز معاشرت، موسم سرد وگرم، صبح شام کی

رنگینی، محفل ادب، علم وفن کی جلوہ سامانی، رواداری و یگانگت اور امن و یک جہتی کا بڑا خوبصورت جلوہ دکھایا ہے اور خوب خوب قادر الکلامی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ یہ مجھے بہت پسند آیا۔ ص:۶۹ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے اور ۴۵۰ پہ سفر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

محقق موصوف نے 'عہد کہن کے مہر و ماہ' میں ۱۳۰ اعاظم دہر کے تعارف و کارنامے اور اثرات سے متعارف کرایا ہے۔ 'عہد نو کے روشن ستاروں' میں دس رجال و شخصیات کو جگہ دی گئی ہے۔ 'باغبان عہد نو' میں آٹھ افراد کا تذکرہ موجود ہے اور 'نو بہاران گل' میں کل چھ ماہرین علم و ادب کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔ اس طرح کل ۱۵۴ر رجالِ زمانہ کو امیر القلم حضرت ڈاکٹر شمس مصباحی نے قلمی کیمرے میں قید کیا ہے اور اپنے تاریخی شعور، آفاقی وجدان، گہری فکر اور دردمند اظہار و لَے کا روشن ثبوت پیش کیا ہے۔ بقول مفتی حسن منظر قدیری:

'کاملان پورنیہ' ایک دستاویزی معلوماتی شکل میں قارئین کی نظروں کے سامنے ہے۔ ایک گلدستۂ جمال، ایک صحیفۂ کمال ہے۔ ورق ورق میں اسلاف کے علوم و فنون کی درخشندگی، ان کے کارناموں کی تابندگی، سطر سطر میں ان کے کمالات زندگی، ریاضت و بندگی اور سیرت و کردار کی جلوہ گری ہے'۔

اخیر کتاب میں ۴۴ صفحات میں 'عکس نوادرات' کے تحت صاحبانِ تذکرہ کی تحریرات، کتابوں کے سرورق، خطوط، فتاوی وغیرہا کے عکوس دیئے گئے ہیں، جو کتاب کے استناد میں اضافہ کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کتاب ماضی کے گم شدہ متاع کی عمدہ بازیافت ہے۔ اسلاف کے کارناموں سے نئی نسل کو متعارف کرانے کی عظیم ذمہ داری کی ادا کی گئی ہے۔ جس کے لئے حضرت ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

کتاب مجلد چھپی ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے۔ کاغذ قیمتی استعمال کیا گیا ہے۔ البتہ پروف پر اور توجہ دی گئی ہوتی، تو سونے پر سہاگہ ہوتا۔ ویسے جو کچھ ہے، بہت بہتر ہے۔ ص:۴۲۲ پر ایک جگہ 'شیخ الحدیث' دیکھا، تو بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔ تذکرے میں شامل اشعار میں بھی بے شمار خامیاں ہیں۔ اسے برکات رضا فاؤنڈیشن میرا روڈ نے شائع کیا ہے۔

[ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی'، بمبئی، جولائی ۲۰۱۱ء ص:۴۲]

☆☆☆

خطیب ہند حضرت مولانا محمد عبد المقتدر خان رضوی صاحب
صاحبزادہ علامہ ضیا جالوی، جالے، دربھنگہ

محقق عصر امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی مدظلہ، اہل سنت وجماعت کی بلند بانگ شخصیت ہیں۔ درسیات کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر دونوں میں نہایت ملکہ ومہارت رکھتے ہیں۔ ملک کے بیشتر معیاری اخبار ورسائل وجرائد میں آپ کے محققانہ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت پر آپ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ تقریباً پینتیس کتابوں کے محقق و مصنف ہیں۔ ان میں سے قریب پچیس کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ بقیہ ہنوز منتظر طباعت ہیں۔ ان کی بیشتر کتابیں ہند و پاک سے بیک وقت شائع ہوتی اور ارباب فکر ونظر سے داد تحسین وصول کرتی ہیں۔

ان کے مقالات اردو کے علاوہ ہندی کے اخبار وجرائد میں بھی شائع ہوا کرتے ہیں۔ ان کی دو کتابیں طنز ومزاح پر مشتمل، مگر انتہائی فکر انگیز 'پروازِ خیال' اور 'بولتی تصویریں' ایسی ہیں کہ قارئین بار بار پڑھتے ہیں۔ مگر سیری نہیں ہوتی۔ ہر بار ایک نیا لطف ملتا ہے۔ درجنوں کتابی اڈیشن کے علاوہ اخبارات نے بھی قسط وار کی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ریڈیو اسٹیشن انگلینڈ سے بھی نشر ہوئی ہیں۔ ان کے مضامین ومقالات بہت ہی تحقیقی اور دلائل وحوالجات سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحقیقی اسلوب کے علاوہ بیانیہ نثر اور انشا پردازی پر بھی انہیں عبور و کمال حاصل ہے۔ شوخی وظرافت بھی ان کی تحریروں کی ایک خاص پہنچان ہے۔ ان کے درد اور خلوص سے ہر شخص متاثر ہو جاتا ہے۔ میں نے ان سے ذاتی ملاقاتیں بھی کی ہیں۔ وہی خلوص و خاکساری، جو ان کی تحریر وتقریر کا امتیاز ہے، وہی ان کی نجی زندگی میں بھی محسوس ہوتا ہے۔ حقیقت میں ڈاکٹر صاحب ایک درویش صفت اور صوفی منش آدمی ہیں۔

اس وقت ان کی ایک تازہ تصنیف و تحقیق 'کاملانِ پورنیہ' میرے سامنے ہے۔ جو ڈاکٹر صاحب قبلہ کی بلیغ کاوش فکر کا خوبصورت نتیجہ ہے۔ جس میں پورنیہ کی وجہ تسمیہ، محل وقوع اور رقبہ، آبادی، مسلم تناسب، آب و ہوا اور پیداوار، صنعت و تجارت، علم و فن کی پرورش پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور پھر ۵۴ ربزرگوں کے حالات و کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ اخیر میں 'عکس نوادرات' بھی دیکھنے کو ملیں گے۔ ۴۹۶ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب پڑھیے، تو بس پڑھتے چلے جائیے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ پورنیہ، بہار کی خاک نے ایسی ہستیوں کو جنم دیا ہے، جن کے فیض و کرم کا بادل اس وقت پورے عالم اسلام پر برس رہا ہے۔ پورنیہ محققین، مؤرخین، مشائخ، علما، صوفیا، ادبا، شعرا کا شروع ہی سے مرکز رہا ہے۔ فارسی زبان و ادب میں تو اس کا کوئی ثانی ہی نہیں۔ بقول ڈاکٹر صاحب:

> 'اس کو ثانی شیراز، دوسرا اصفہان کہا جا سکتا ہے۔ یہاں ایک فارسی کا صاحب دیوان شاعر ایسا گزرا، جس سے متاثر ہو کر رابندر ناتھ ٹیگور نے 'گیتا نجلی' لکھی۔ حضرت مولانا تصدق حسین مشتاق دلشاد پوری کا کہنا تھا کہ فارسی کی ساری کتابیں گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، بہار دانش، انوار سہیلی، انشائے خلیفہ، انشائے تمیز، دیوان ہلالی، دیوان حافظ وغیرہ سب آج جلا دو، کل تک سب لکھ دوں گا'۔
>
> [کاملانِ پورنیہ' طبع بمبئی، ص: ۷۵]

اس کتاب میں ساتویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے صوفیا، علما، مشائخ اور ادبا و شعرا کے احوال و کوائف ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ مگر بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ اس میں پورنیہ کی تاریخ، پورنیہ کے مشائخ کا تذکرہ، پورنیہ کے شعرا، پورنیہ کی مسجدیں، پورنیہ کی درسگاہیں، پورنیہ کی خانقاہیں، پورنیہ کے عصری ادارے، پورنیہ کی ادبی خدمات، پورنیہ کی فقہی خدمات، پورنیہ کی سیاسی خدمات، پورنیہ کے کتبے اور آثار قدیمہ پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے جگہ جگہ کا سفر کر کے، علما و دانشوران سے رابطہ کر

کے اور اپنا سرمایہ خرچ کر کے 'کاملانِ پورنیہ' کو جس خوبی اور کمال فن کے ساتھ ترتیب دیا ہے، یہ انہی کا حق وحصہ اور جگر وگردہ ہے۔

کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ ورق ورق پر بزرگوں کی عظمت، ان کا تقدس، ان کا جمال وکمال، ان کی عبادت وریاضت، ان کے کشف وکرامت اور ان کا کارنامہ دیکھتے جایئے اور اپنی معلومات میں حیرت انگیز اضافہ کرتے جایئے اور اپنے قلوب واذہان کو منور ومجلی کرتے جایئے۔ بلاشبہ 'کاملانِ پورنیہ' امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب دامت برکاتہم کا نہایت قابل قدر کارنامہ ہے اور سنی لٹریچر میں گراں قدر ومفید اضافہ بھی۔ مجھے امید ہے کہ نہ صرف اہل پورنیہ، بلکہ تمام علمی دنیا اس کا پرجوش استقبال کرے گی اور اسے پڑھ کر بد عقیدہ، خوش عقیدہ اور خوش عقیدہ مسرور وشاداں ہوں گے۔ اس عظیم وجلیل کتاب کی تصنیف وتحقیق پر میں ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ زور قلم اور زیادہ۔

عبد المقتدر خان جالوی
بانی ومہتمم دار العلوم ضیائے مصطفیٰ،
جالے، دربھنگہ، بہار

☆☆☆

پی ڈی ایف بنانے والے محمد توفیق احمد کشیری عرفانی
و محمد ناظر رضا پاکھولوری صاحب تشکیلِ اہتمام

ہم آسماں سے لائے ہیں ان زمینوں کو

از: حضرت مفتی حسن منظر قدیری، گانگی، کشن گنج

ضلع پورنیہ، اپنی حدود و وسعت کے اعتبار سے ایک وسیع و عریض صحرا سے کم نہ تھا۔ مگر انقلاب وقت اور گردش لیل و نہار نے اسے تنگ داماں بنادیا اور اس کا جغرافیائی نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ کبھی اس کا مشرقی حصہ منقطع ہوا اور مغربی بنگال کے تنگ لباس کا پیوند بنا۔ تب اس کی تنگ دامانی دور ہوئی۔ کبھی اس کے مغربی حصہ کو تراشا گیا اور سہرسا و مدھے پورہ کی جغرافیائی چادر کی زینت بنا اور کشادگی پیدا ہوئی۔ جنوبی حصہ، ضلع بننے کے لئے بے تاب تھا۔ تو اسے علاحدہ کر کے ضلع کٹیہار کی تصویر سازی ہوئی۔ اس طرح وقت کی گردش ہوتی رہی اور سیاسی انقلاب آتا رہا اور ضلع پورنیہ کی تصویریں بدلتی رہیں اور جغرافیائی نقشہ بدلتا رہا۔ یعنی: ع: ہر اک دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے۔ اس کے بعد ضلع پورنیہ کے دو بازو کشن وار ریہ کی صورت میں باقی رہ گئے تھے۔ آخر وہ بھی قدیم ضلع پورنیہ سے کٹ کر خود دو اضلاع بن گئے۔

آسمانِ علم و فضل پر رہنے والے 'کاملانِ پورنیہ' جن کا تعلق قدیم پورنیہ سے تھا اور موجودہ پورنیہ سے بھی ہے۔ خاکِ پورنیہ کی قسمت نہ پوچھیے۔ یہ خاک بڑی زرخیز اور مردم خیز ہے۔ یہ دھرتی بڑی سبزہ زار اور لالہ زار ہے۔ اس خاک کے سینے سے ہزاروں اہل کمال نمودار ہوئے۔ جن کی زندگی برستا بادل اور یہ بادل جدھر سے گزرے، انسانی آبادی کو شعور انسانیت کے لحاظ سے سرسبز و شاداب کرتے گئے۔ یہ علم و فن کے شہریار بھی ہیں اور ولایت کے تاجدار بھی۔ زہد و تقوی والے بھی ہیں اور سیرت و کردار والے بھی۔ ان کا وجود، سراپا فیض اور ان کی حیات، سرچشمۂ رشد و ہدایت۔

دین و مذہب کے اساطین اور روحانیت کے سلاطین، دین کے داعی اور قلوب انسانی پر حکمراں، جہاں بیٹھے، علم و آگہی کی انجمن بن گئے اور جس جگہ قیام فرمایا، آبادی کی تقدیر سنور گئی۔ انہیں دیکھنے والے خوش بخت کہلائے اور ان سے وابستگی، دنیا و آخرت کی ارجمندی کی ضمانت بن گئی۔ زمانہ انہیں بھول چکا تھا اور وقت نے انہیں فراموش کر دیا تھا۔ مگر 'ہم آسماں سے لائے ہیں ان

ماضی پس منظر ہے۔ جو نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور مستقبل بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ ماضی کے وجود میں ثبات و قرار ہے اور مستقبل میں بھی ثبوت و قرار کا وصف ہے۔ اس لئے حقیقی زمانہ یہ دو ہی ہیں اور حال، تو یہ حقیقی زمانہ نہیں۔ بلکہ یہ عرفاً زمانہ ہے۔ کیوں کہ اس میں ثبات و قرار نہیں۔ یہ گزرتا لمحہ، اس پرسکون جھرنا کی طرح ہے، جو دامن کوہسار سے نکل کرنا معلوم منزل کی طرف رواں ہے۔ نہ سکون ہے، نہ قرار ہے۔ ماضی لا محدود سلسلوں سے عبارت ہے اور مستقبل بھی لا متناہی سلسلے کا نام۔

اور دونوں کے درمیان زمانہ حال ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے، تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ماضی و مستقبل کے درمیان حال ایک میزان تبدیل ہے۔ ایک متحرک ترازو ہے۔ جو مسلسل گردش کر رہی ہے۔ مستقبل کے خزانوں سے لمحوں کو لیتی ہے اور ماضی کے دامن میں ڈال دیتی ہے۔ پھر وہ ماضی کے دفینے میں چلے جاتے ہیں، جو ہمارے دست گرفت سے دور، بہت دور ہیں۔ کیوں کہ جو لمحت گزر گئے، ان پر شب و روز، ماہ و سال اور صدیوں کی گرد جمی ہے اور غبار وقت نے ان پر تہیں جما دی ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ عہد ماضی کے ان باکمالوں پر وقت دھول اور زمانہ کا غبار اٹا ہوا ہے۔ یہ اہل کمال، جو خاکِ پورنیہ سے نمودار ہوئے تھے، ان کی داستانِ علم و فضل ساتویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس طویل مسافت سے صرف نظر کرتے ہوئے، صرف دشت ماضی کی اس مسافت کا تصور، جو ایک صدی کے دامن میں سمٹا ہوا ہے، اس طویل مدت میں اہل کمال ماضی کے دفینے اور وقت کے تہہ خانوں میں محو خواب رہے۔ نہ تو ان کا چرچا ہوا اور نہ ان پر کوئی تذکرہ لکھا گیا۔ کوئی صاحب لوح و قلم نہیں، جو 'کاملانِ پورنیہ' کے چہرۂ علم و فضل کو نکھار سکے اور ان پر وقت کا پڑا ہوا غبار دور کر سکے۔ تا کہ اہل پورنیہ ان کے علم و فضل کی جلوہ گری، زہد و تقوی اور سیرت و کردار کی پاکیزگی سے روشناس ہوں۔

نہ جانے کس کی دعائے سحر گاہی اور آہ و فغانِ نیم شبی کا اثر تھا کہ اداسی کا پتھر نم ہوا۔ حالات نے کروٹ بدلی۔ جمود کی چٹان ٹوٹی اور تعطل کی فضا کافور ہوئی اور پردۂ غیب ایک جوان اپنی متاع گم شدہ کی جستجو میں نکلتا ہے۔ جس کی اہم منزل پورنیہ کی سرزمین ہے۔ جذبہ میں خلوص کی پاکیزگی ہے۔ عزم میں کوہ کنی ہے اور قلم میں سیمابی کیفیت۔ وہ قدم بڑھاتا ہے اور دشت ماضی کی جانب نکلتا ہے۔ نگاہوں کے سامنے ماضی کے اندھیرے ہیں۔ ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے پناہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔ ماضی کے دفینے ڈھونڈتا ہے۔ تہہ خانوں کو کھنگالتا ہے اور اپنی متاع گم

شدہ لے کر لوٹتا ہے:

منزلیں دور تھیں مگر فاصلے کم سے کم رہ گئے

یہ متاعِ گم شدہ 'کاملانِ پورنیہ' تاریخ و تحقیق کا سدا بہار رنگ برنگ گلدستہ ہے۔ جس میں 'پاسبانِ گل' کی شکل میں 'عہد کہن کے مہر و ماہ' 'لالہ و گل' کی صورت میں 'عہد نو' کی رنگینی و شگفتگی، 'باغبانِ عہد نو' کے روپ میں 'عندلیبانِ چمن کی نوا سنجی' اور 'نو بہارانِ گل' کے پیکر میں پھولوں بھری شاخوں کی نزاکت و نکہت اپنے ساتھ لیتا ہے۔ جو ایک گلدستۂ تاریخ ہے۔ صحیفۂ تحقیق ہے اور مرقع سیرت و کردار بھی ہے۔

وہ نوجوان، جو ہمارے خزینۂ لوح و قلم کا ایک آبدار موتی ہے، وہ آشنائے گل بھی ہے اور ہمرازِ گل بھی ہے، بلند بیں و بلند خیال بھی۔ جہاں وہ ایک عظیم مؤرخ کا فریضہ انجام دیتا ہے، وہیں سیرت نگاری کا حق بھی ادا کرتا ہے، وہ عزیز گرامی مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی ہیں۔ یہ انہیں کی بے پناہ جد و جہد اور مسلسل کاوش کا ثمرہ ہے۔ دراصل ان کے دل دماغ میں برسوں سے یہ خیال پنپ رہا تھا کہ پورنیہ کی دھرتی لالہ و گل، نسرین و نسترن سے بھری ہوئی ہے۔ خاکِ پورنیہ جہاں ہری بھری فصل اگاتی ہے، وہیں اس کا آسمان چاند و سورج بھی پیدا کرتا ہے۔ نجم و کہکشاں بھی جنم دیتا ہے۔ اس کی مٹی لعل و گہر بھی پیدا کرتی ہے۔ اس کے باوجود پورنیہ ایک صحرا کی طرح خاموش کیوں ہے۔ اس پر جمود و تعطل کا غبار کیوں ہے۔ اس کا ماضی اندھیرے میں ڈوبا ہے اور گہرا سکوت ہے۔

یہی سب اسباب تھے کہ عزیز گرامی نے یادِ رفتگاں نہیں، بلکہ کمالاتِ رفتگاں کو دنیائے علم و شعور کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اب اربابِ علم و فن کے سامنے پورنیہ کا گراں قدر ماضی ہے اور حال کی تابندگی بھی ہے۔ عہد کہن کے مہر و ماہ بھی ہیں اور عہد نو کے جواہر پارے بھی۔ ان کی علمی عظمت پر نظر ڈالیں اور ولایت کی جلوہ گری بھی دیکھیں۔

وقت کا سیاح جب دیارِ ہند کی سیاحت پر نکلتا ہے، تو سیدھے راجدھانی پہنچتا ہے۔ کیوں کہ راجدھانی میں سیکڑوں ایسے مقامات ہیں، جو نہ صرف قابل دید، بلکہ لائق توجہ بھی ہے۔ ہر مقام شاہانِ پیشیں کی عظمتوں کی داستان سناتا ہے۔ وہ لال قلعہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اسے لال قلعہ کے در و دیوار پر عظمت رفتہ کا جلال نظر آتا ہے۔ قطب مینار کی بلندی اسے بلند بینی کا درس دیتی ہے اور جامع مسجد اسلامی شان و شوکت کی جہاں ایک مقدس نشانی دیکھائی دیتی ہے، وہیں رب ذوالجلال کی کبریائی کا احساس بھی دلاتی ہے اور آگرہ جاتا ہے، تو اس کے حصار میں تاج محل نظر آتا ہے۔ اس کے پیکر میں دلکشی و دل فریبی اور اس کے لبوں پر حسن فن کی دل آویز تبسم محسوس کرتا

ہے۔ یہ ایک سیاح کی نگاہوں کی بات ہے۔

لیکن ضلع پورنیہ کا دل میں بے پناہ درد رکھنے والا سیاح لال قلعہ کی پرسکون عمارت کا جلال، قطب مینار کی بلندی، جامع مسجد کا تقدس بھرا معصوم پیکر اور تاج محل کے دل فریب حسن کا مطالعہ نہیں کرتا ہے۔ وہ تو پورنیہ کے عہد ماضی کے زریں نقش و نگار ڈھونڈتا ہے۔ اس کا دفینہ تلاش کرتا ہے اور اسی جنون شوق میں ماضی کی سیاحت کے لئے نکل جاتا ہے۔ وہ رحمان پور کی دھرتی پر وارد ہوتا ہے اور شاہ محمد حفیظ الدین کی حیات مبارکہ کے جواہر پاروں کو تلاش کرتا ہے۔ بنی باڑی کی خاک چھاننے کے بعد چمنی بازار شریف پہنچتا ہے۔ جس کی آغوش میں علما و اولیا محو خواب ہیں۔ ان کی حیات و خدمات کا مطالعہ کرتا ہے۔ پھر وہ اپنی سیاحت کا رخ موڑتا ہے اور دشوار گزار راہوں سے تارا باڑی کا رخ کرتا ہے۔ یہ بستی علم و فضل کی بستی ہے۔ جہاں معتبر ہستیاں محو خواب ہیں۔ صوفی تفضّل حسین، ابو الوفا شاہ عبد القادر اور مولانا تاج الدین علیہم الرحمہ والرضوان، اگرچہ ان کے مزارات دریا شکست کی نذر ہو گئے، تاہم ان کے فضل و علم، تقویٰ و طہارت اور دینی خدمات زندہ ہیں۔

پھر یہ سیاح اپنے خیالوں میں حضرت شاہ شرف الدین کی بارگاہ اقدس میں حاضری دیتا ہے۔ خانقاہ کی نظارگی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مزار اقدس پر نذرانۂ محبت و عقیدت پیش کرتا ہے۔ صاحب مزار کی مقدس حیات کی گہرائی میں جھانکتا ہے۔ جو اسے حاصل ہوتا ہے، قلم بند کرتا ہے اور جلالۃ العلم قطب پورنیہ مولانا شاہ محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ، تو خیر اسی کے گاؤں کے ایک علمی سورج تھے۔

'کاملانِ پورنیہ' ایک معلوماتی دستاویز کی شکل میں قارئین کی نظروں کے سامنے ہے۔ ایک گلدستۂ جمال، ایک صحیفۂ کمال ہے۔ ورق ورق میں اسلاف کے علوم و فنون کی درخشندگی، ان کے کارناموں کی تابندگی، سطر سطر میں ان کے کمالات زندگی، ریاضت و بندگی اور سیرت و کردار کی جلوہ گری ہے۔ اس تاریخی گلدستہ کا مسودہ میرے سامنے ہے۔ جو طباعت سے آراستہ ہونے کے لئے بے تاب ہے۔ مجھ سے اس کی 'تقدیم' لکھنے کی فرمائش ہے۔ عجلت میں تکمیل فرمائش کے لئے چند سطور حاضر ہیں۔

اس کی تقریر اس کی یہ تحریر ایسے سیاح کی زبانی ہے
جس نے ہر نقش کے تجسس میں گاؤں گاؤں کی خاک چھانی ہے

کاملان پورنیہ: آئینۂ صد خوش رنگ

از: پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ، داناپور، پٹنہ

طالب و لعل گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کان است کہ بود

مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی علوم مشرقیہ کے جید فاضل، باخبر و معتبر صاحب قلم اور حساس و بیدار دانشور کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اسلامیات، خصوصاً امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی مجتہدانہ اور مجددانہ کارناموں کے قدر شناس اور رضویات کے ماہر محقق اور آپ کئی گراں مایہ کتابوں کے مصنف و مولف ہیں۔ انہوں نے اپنے وطن مالوف پورنیہ (بہار) اور اس علاقۂ مردم خیز کی ان مذہبی، علمی و ادبی شخصیتوں کی طرف بھی توجہ مبذول کی ہے، جنہیں مرورِ ایام نے عام نگاہوں سے اوجھل کر رکھا ہے۔

'کاملان پورنیہ' ڈاکٹر موصوف کا وہ فاضلانہ تحقیقی کارنامہ ہے، جسے اہل نظر ہمیشہ وقعت و احترام کی نظروں سے دیکھیں گے۔ اس کتاب ارجمند کو مصنف محترم نے گویا معنون کیا ہے، ان مایہ ناز ہستیوں کے نام:

۱ خلفائے راشدین (اول تا رابع)

۲ ائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل)

۳ ائمۂ طریقت (شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی شیخ معین الدین چشتی شیخ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہم)

۴ طلوع الاسلام فی الہند (شمال تا جنوب ۹ مراکز معروف)

۵ بہار میں ابر اسلام کی اولین باد بہاری۔ (شیخ محمد تاج فقیہہ منیری، شیخ محمد یحیٰ منیری، شیخ محمد شرف الدین منیری، شاہ محمد امین احمد ثبات فردوسی)

اس بے حد دلچسپ اور اہم تذکرے کے لئے انہوں نے چھ پڑاؤ قائم کئے ہیں:

پہلا پڑاؤ: اسلام کے ان نا معلوم اولین مبلغین و صوفیا کے نام،

جنہوں نے صحن پورنیہ میں چراغِ اسلام جلایا۔

دوسرا پڑاؤ: شیخ شاہ یانی (۴۹۹ھ/۵۲۵ھ)

شیخ نظام شاہ چندن (۴۹۳ھ/۵۱۹ھ)

شیخ جلال الدین شیرازی (۵۴۳ھ/۶۲۵ھ)

شیخ جلال الدین یمنی و شیخ جلال الدین بخاری،

جنہوں نے خانقاہیں قائم کیے۔

تیسرا پڑاؤ: سہروردی مشائخ وصوفیا،

شیخ محمد تقی الدین سہروردی مہوی (م ۷۰۰ھ)

شیخ محمد سلیمان سہروردی مہوی (م ۷۵۲ھ)

مخدوم حسین غریب ڈھکڑ پوش سہروردی مہوی (م ۸۰۲ھ)

جنہوں نے پورنیہ کے ایک گوشوں کو اسلام کی روشنی سے بھر دیا۔

چوتھا پڑاؤ: آئینۂ ہند شیخ محمد سراج الدین عثمان رفی سراج (۷۵۸ھ)

آپ خاک پورنیہ ہی کے سپوت تھے۔

پانچواں پڑاؤ: مخدوم شیخ محمد علاء الحق پنڈوی (۸۰۰ھ)

پورنیہ کے طالع آزما بلند اقبال فرزند

چھٹا پڑاؤ: درگاہ بندگی چمنی بازار شیخ جمال الحق مصطفٰی بندگی (۱۱۶۰ھ)

درگاہ میرزاد پور شریف

شیخ شاہ محمد فیض اللہ چشتی

تکیہ مرزاد پور

پھر 'نکتہ ارتکاز' کے تحت ہندوستان کے چھ آفتاب و ماہتاب شخصیتوں کا ذکر ہے، جن کا تعلق دہلی، مارہرہ، بدایوں، غازی پور، بریلی اور کچھوچھہ شریف سے۔ ہے۔

'سید ھارخ' اور 'الٹارخ' کے عنوان سے پورنیہ کے ان حضرات کا ذکر ہے، جنھوں نے اہالیانِ پورنیہ کو 'مثبت' اور 'منفی' راہ دکھائی۔

یہ کتاب ایک ادیب وانشاپرداز عالم دین کی دلآویز جنبشِ قلم کا ثمر شریں ہیں، جس میں ایک فنکار صاحب علم کی حیثیت سے انھوں نے اپنی عالمانہ، فاضلانہ، مؤرخانہ اور ادیبانہ خامہ فرسائی کے جوہر دکھائے ہیں۔ حسن ترتیب کی داد دیجئے۔

کتاب کے تقدیم نگار مفتی حسن منظر قدیری کے نام کا سابقہ 'راز اشنائے گل' رکھا ہے۔ اپنی تحریر بطور پیش لفظ کا عنوان رکھا ہے 'دل سی پارہ کی صدا سنیے، کہ ہوں گرمیٔ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج' اور اپنے نام سے قبل لکھا ہے: 'نا آشنائے گل'۔

پھر اس کتاب سے متعلق اس وقیع تحریر بعنوان 'ثنائے گل' کے مصنف جناب عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی اعظمی کے 'نووارد شہر' کا اضافہ فرمایا ہے۔ 'کاملان پورنیہ منظوم' پر اظہار خیال کرنے والے شعرا میں مفتی محمد ہاشم یوسفی کے لئے 'صحن چمن کے گل تر' اور نظم کو 'قمریان گل' کا نام دیا ہے۔ پروفیسر طارق جمیلی کی نظم 'پورنیہ نامہ' کو 'سند گل' کے عنوان سے شامل کیا ہے کہ موصوف مصنف کی نظر میں 'شیدائے گل' ہیں۔

اب صفحہ ۶۷ سے گویا کتاب شروع ہوتی ہے۔

پہلا باب 'داستان گل' سرزمین پورنیہ کے 'عہد کہن' کا جائزہ ہے اور اس عہد میں جو قابل لحاظ شخصیتیں گزری ہیں، ان کا تذکرہ 'پاسبان گل' کے عنوان سے کیا ہے، مثلاً شیخ محمد جلال الدین تبریزی، شیخ تقی الدین سہروردی، شیخ سلیمان سہروردی، مخدوم شیخ حسین غریب دھکڑ پوش، شاہ نصیر اللہ، شاہ حسین تیغ برہنہ وغیرھم۔

اس کے بعد 'عہد نو کے روشن ستارے' پر مبنی ایک دوسرا باب 'دھرتی لالہ گل کی' شروع ہوتا ہے، جس میں شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی، منشی مراد حسین یتیم کھپڑاوی، مولانا کرامت حسین تمنا، مولانا تصدیق حسین مشتاق، مفتی محمد یوسف علیمی رشیدی جیسی بے نظیر عالم، فاضل، شاعر، فقیہ اور صاحب طریقت شخصیتوں کے بہت ہی تفصیلی حالات بڑی جامعیت کے ساتھ درج کئے ہیں اور ان کے علمی وادبی کارناموں کا ذکر بھی بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ ساتھ ہی ان بزرگوں کے اکثر متوسلین کا ذکر بھی کیا ہے، جس سے ان کی سیرت کے خوش نما و مؤثر پہلو اجاگر ہوئے ہیں۔

قطب پورنیہ حضرت مفتی محمد یوسف رشیدی، مولانا شاہ سکندر علی علیمی رشیدی کا ذکر خیر بھی مفصل ومدلل ہے۔ حضرت شاہ شرف الدین حفیظی کو 'بحر ولایت کے گوہر آبدار' لکھتے ہوئے ان

کے سوانح کو 'ہندوستان کے علمی افق کا ستارۂ امتیاز' قرار دیئے ہوئے ان کے حالات زندگی اور علمی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ بعد ازاں مولانا ابوالوفا شاہ عبدالقادر رشیدی شاہدی کو بھی 'علم اور ولایت کا ایک روشن ستارہ' ثابت کرنے میں دلائل وشواہد سے بھرپور کام لیا ہے۔ استاذ الاساتذہ شاہ محمد نصیر الدین اشرفی کی خدمات وکمالات کا ذکر بھی کافی وشافی ہے۔ اس بے حد کامیاب فصل کے بعد 'باغبان عہد نو' کے عنوان سے ایک نیا باب وارد ہوتا ہے، جسے 'عندلیبان چمن کی چہکار' سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ باب دراصل مصنف موصوف کا ایک علمی سروے ہے، جس کے تحت انہوں نے معاصر علمائے دیار پورنیہ کے احوال اوران کی علمی ودینی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

یقیناً یہ ایک کامیاب اور حوصلہ افزا کوشش ہے۔ ان میں کچھ وہ بھی ہیں، جنہوں نے زندگی مستعار کے دن نہایت صبر وشکر کے ساتھ گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنا نام ونشان چھوڑ گئے اور کچھ وہ ہیں، جو پورے انہماک سے ترویج علم تبلیغ دین متین میں لگے ہوئے ہیں۔ مثلاً استاذ الاساتذہ مفتی عبدالجلیل اشرفی، شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی پر مرحومین، زندہ وتابندہ صاحبان قلم ہیں، مفتی حسن منظر قدیری، جنھیں مصنف کتاب ہذا نے 'ایک شہر ستان علم وفن' سے یاد کیا ہے۔ فقیہ عصر مفتی محمد ہاشم یوسفی رشیدی، خواجہ مقبول حسین قادری، مفتی معین الدین رضوی وغیرھم۔

فی الوقت پورنیہ میں علم وادب اور درس وافتا کی رونق، جن نفوس قدسیہ کے دم سے باقی ہے، ان کے ذکر خیر کے لئے آخری باب ''نوبہارانِ گل'' قائم کیا ہے، جن میں 'شاخہائے نوبہار کی نکہت ونزہت' کی دلکش ترجمان ہے۔ مثلاً مولانا عبدالحکیم اشرفی مرحوم جو ابھی حال میں ہم سے جدا ہو گئے۔ مفتی محمد مختار عالم رضوی، مولانا محمد حفظ الرحمٰن رضوی مضطرب، مولانا محمد محسن اشرفی، مولانا عبدالباری تابش عالم اشرفی رضوی وغیرھم۔

ان حضرات کی علمی وادبی سرگرمیوں، نیز دینی وملی خدمات کا بیان شرح وبسط کے ساتھ ہے۔ 'کاملان پورنیہ' کے آخری باب ''عکس نوادرات' میں سلف صالحین کے چند اہم مکتوبات، تصنیفات، نقشہ جات، رسائل واشتہارات اور خلافت ناموں کے کچھ عکس 'میراث قدیم' کے عنوان کے جمع کر دیئے گئے ہیں، جو بہر طور مفید وکارآمد ہیں۔

ڈاکٹر غلام جابر شمس کی یہ ضخیم کتاب 'کاملانِ پورنیہ' بلاشبہ ایک اہم اور قیمتی تحقیقی کار نامہ ہے۔ بالخصوص حال کی علمی وادبی کساد بازاری میں کہ نئی نسل نے خود کو اپنے ماضی سے یک گونہ دور کرلیا ہے۔ معاشرے کی موجودہ آسائش اور رنگینیاں، مادی حصولیابی اور آسودگی، نیز زندگی کی بے جا مصروفیتیں انہیں وقت اور حالات کے دینی وملی کارناموں کی طرف سے بے نیاز کرتی جارہی ہیں۔

اس متوحش اور اندوہناک صورت حال میں 'کاملان پورنیہ' نئی نسل کے لئے ایک ایسا ارمغان مفید وصحت بخش ہے، جو یقیناً زندگی کی حرارت، اپنے وجود کا احساس اور کچھ کرنے کا عزم عطا کرتا ہے۔ پانچ سو صفحات کی یہ دلچسپ اور ندرت بداماں کتاب ایک متاع ارجمند ہے، جس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہمیشہ قدومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

چوں آبروے لالہ گل زآب فیض تست
اے ابر لطف بر من خاکی ببار ہم

[کاملان پورنیہ، جلد اول کا مطبوعہ مقدمہ]

☆ ☆ ☆

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

سابق صدر شعبۂ اردو و ڈین فیکلٹی آف ہیومینیٹز بہار یونیورسیٹی، مظفر پور

زیر تبصرہ کتاب اردو کے معروف قلم کار اور مصنف ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی گراں قدر علمی، تحقیقی پیش کش ہے۔ موصوف کی شخصیت اردو کے علمی و مذہبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ کوئی بیس سال سے وہ مسلسل اور بے تکان لکھتے آرہے ہیں۔ ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی تعداد دو درجن سے زیادہ ہے۔ اسی سے ان کے زور قلم اور تحقیقی تموج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ رضویات ان کا خاص میدان ضرور ہے۔ لیکن علوم وفنون کے دوسرے شعبہ جات بھی ان کی قلمرو سے باہر نہیں۔ اس لئے موضوعات کا تنوع اور بوقلمونی پوری آب وتاب کے ساتھ ان کے یہاں موجود ہے۔ موضوع کوئی بھی ہو، ڈاکٹر غلام جابر شمس کا عالمانہ اور دانشورانہ اسلوب ہر جگہ اپنی انفرادیت کا احساس دلاتا ہے اور اپنی انہیں خوبیوں کی بدولت وہ اپنے ہم عصروں اور ہم سفروں میں یگانہ وممتاز ہیں۔

پورنیہ، صوبہ بہار کا بہت ہی پر بہار خطہ ہے۔ علمی وادبی، مذہبی وسماجی اور تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے یہ ہمیشہ مایہ دار رہا ہے۔ لیکن بہار کے دوسرے اضلاع اور علاقوں کے اہل علم وقلم کی طرف سے یہ کبھی قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ بعض اہل قلم حضرات کی طرف سے پورنیہ کی علمی تہذیبی اہمیت کے تعلق سے اخبارات ورسائل میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ لیکن کبھی کبھی کی لہر کو دریا نہیں کہتے، کے مصداق ایسا ٹھوس علمی و تحقیقی کام، جو اصحاب علم وفن کے لئے بھی مرکز توجہ بنے، اب تک منظر عام پر نہیں آیا۔ اس تناظر میں زیر نظر کتاب کی اشاعت کچھ ایسی ہے، جیسا کہ فیض کے ان اشعار سے مترشح ہے کہ:

جیسے صحراؤں میں ہلکے سے چلے باد نسیم
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے

مرتب کتاب کا احساس صدفی صد مبنی بر حقیقت ہے کہ:

'پورنیہ جو کبھی خوشحال تھا۔ کوئی ہندوستانی مورخ اسے فراموش نہ

کرسکا۔ مگرانہوں نے سیاسی، معاشی، عسکری حوالوں سے لکھا۔ مبلغین، مصلحین، مشائخ، صوفیہ، علما کا ذکر ضمناً کہیں کہیں آیا ہو، تو آیا ہو۔ ان کی تاریخ نویسی کا یہ مدعا تھا بھی نہیں ' کاملانِ پورنیہ' خاص اسی مدعا کے لئے لکھی گئی ہے اور یہ عین اتفاق ہے کہ صدیوں کے بعد اس نہج کا یہ پہلا کام ہوا ہے'۔

(زیرتبصرہ کتاب، طبع بمبئی ص: ۳۶)

یعنی اس کتاب میں صوفیائے عظام، علمائے کرام و دیگر اخیار امت کے احوال و آثار کو ایک مرتب اور منظّم صورت میں منظر عام پر لانے کی پہلی باقاعدہ اور مخلصانہ کاوش ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی حسن نیت داد طلب ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں ایسے ایسے ' کاملانِ پورنیہ'، بلکہ کاملانِ زمانہ کے روح پرور تذکرے ملتے ہیں، جن کے فیضان نظر اور مکتب کی کرامت کا سارا زمانہ معترف ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزی ثم پورنوی، حضرت مولانا فضل اللہ شہید پورنوی، جلالت العلم قطب العصر حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی، سلسلہ رشیدیہ کے روح رواں حضرت مولانا شاہ غلام یٰسین رشیدی وغیرھم جیسے سینکڑوں اکابر واخیار، جو تھوڑی دیر کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے، پیش نظر کتاب مستطاب میں پوری آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہیں اور اسطرح لسان العصر اکبرالہٰ آبادی مرحوم کے اس فکر وخیال کی تائید ہوتی ہے کہ:

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

اس کتاب میں ان بزرگان کرام اور علمائے ربانین کا تذکرہ بہت تفصیل سے آ گیا ہے۔ جن کو دیکھنے کے لئے مہر وماہ کی آنکھیں ترستی ہیں۔ بے شک ڈاکٹر غلام جابر شمس قابل مبارک باد ہیں۔

[ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور شمارہ ستمبر ۲۰۱۱ء]

☆☆☆

'کاملان پورنیہ' میری نظر میں

علامہ محمد ابوالحسن رضوی پورنوی، سکندر آباد

'ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ایم اے، پی ایچ ڈی گولڈ میڈلسٹ

کاملان پورنیہ کیا ہے؟۔

پہلی بار اپنی متاع گم گشتہ کی بازیافت۔

موسم خزاں میں اپنی فصل بہار سے آشنائی۔

گنج ہائے گراں مایہ کی دریافت۔

پورنیہ کے طول و عرض میں زیر خاک دبے لعل و جواہر کی تلاش۔

چھوٹی چھوٹی بستیوں کے آنگن میں علم وعمل کے چمکتے موتیوں اور دل ونگاہ کو سیراب کرنے والے دلفریب بہتے چشموں کی جستجو۔

اپنے تابناک ماضی کے چہرے پر اٹے گرد وغبار کی صفائی۔

اپنے زمانے کی مخالف ہواؤں کا رخ موڑ دینے والے سرفروشوں کا تعارف۔

موج حوادث کو ٹھوکروں پر اٹھا دینے والے خرقہ پوشوں کی داستانِ رزم و بزم۔

ہندوستان کے مشرق ومغرب، شمال وجنوب کے شہروں، قصبوں، قریوں میں علم وعمل کی خیرات بانٹنے والے سخی داتاؤں کی فراخ دلی کا آئینۂ جلوہ نما۔

موجیں مارتے سمندر سے کشتئ امت کو پار لگانے والے فراموش کردہ کفن بردوش ناخداؤں کی لذتِ طوفان سے آشنائی کی منظر کشی۔

پورنیہ کی سات سو سالہ پروقار علمی تاریخ کی نقاب کشائی۔

گمرہی میں دبے ہیرے موتیوں کو گھی سمجھنے والے کوتاہ بینوں کے لئے سرمۂ چشم۔

مع لمان ومہربان پورنیہ سے علم کی خیرات پانے والے احسان فراموشوں کی پیٹھ پر تازیانۂ عبرت،

پورنیہ کے تاجداران کے کلاہان افتخار کے ان تابندہ نقوش کی نشاندہی۔

جن کی چکا چوند سے ایک عالم منور تھا، ان نامور مردانِ خدا کی سرگزشت۔

جن پر صاحبان لوح وقلم نے پتہ نہیں کیوں؟۔ ایک نگاہ غلط ڈالنے کی بھی زحمت نہیں کی،

ان جیالوں کو ایک نوجوان فرزانے کا تحفۂ آئینۂ آشفتہ سری، جو آسودۂ خاک ہو کر بھی اپنی تب وتاب کا لوہا منوار ہے ہیں۔

پورنیہ میں آرام فرما اقطاب وابدال، ائمۂ واوتاد، سالکین ومجاذیب، عارفین وکاملین، صوفیا وعلما، اہل دل واہل عظمت، سخن ورو سخن پر وراوبا، کہنہ مشق شعر، نامور مصنفین ومورخین کی حیات وخدمات پر مطالعہ کے سیکڑوں دروازے کھولنے کی اچھوتی کوشش۔

بقول استاذ گرامی علامہ مفتی حسن مظفر قدیری ادام المولی فیوضاتہم۔

'عزیز گرامی نے یادِ رفتگاں نہیں، بلکہ کمالاتِ رفتگاں کو دنیائے علم وشعور کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔اب ارباب علم وفن کے سامنے پورنیہ کا گراں قدر ماضی ہے اور حال کی تابندگی بھی ہے۔عہد کہن کے مہر وماہ بھی ہیں اور عہد نو کے جواہر پارے بھی۔ان کی علمی عظمت پر نظر ڈالیں اور ولایت کی جلوہ گری دیکھیں'۔[ص:۲۸]

پورنیہ کو مجہول خطہ سمجھنے والوں اوران کی غیرت پر دور بیٹھے افسوس کرنے والوں کے لئے جناب مصنف کا ایک خوبصورت اقتباس غور سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔شاید آنکھیں کھل جائیں:

'غربت کے توے پر اچھی روٹی سینک نہیں سکتے۔افلاس کے ساز پر زمزمہ خوانی کر نہیں سکتے۔صحت مند جسم میں تن مند دماغ پلتا ہے۔آسودگی کے ٹکسال سے خوبصورت فکر ڈھلتی ہے۔فنون دقیقہ ہوں یا فنون لطیفہ، یہ خوشحالی کی چوکھٹ سے نمو پذیر ہوتے ہیں۔مفلس معاشرہ مفکر پیدا نہیں کرسکتا۔وہ تو آپ نے سنی ہی ہوگا کہ ننگا نہائے کیا، نچوڑے کیا؟۔پورنیہ جو کبھی بڑا خوشحال تھا۔خوش خصال، خود کفیل تھا۔تاریخ میں آیا ہے۔'مغلیہ بیت المال' میں سب سے زیادہ خراج اسی پورنیہ سے آتا تھا۔

اس لئے کہ پورنیہ کبھی اہل علم وفن کی آخری منزل ہوتی تھی۔خود اس زمین لالہ زار نے باکمالوں کے باکمال پیدا کئے۔نغز گفتار کو شعرا کو جنم دیا۔صوفیائے کرام کے وجود مسعود نے تو اس لالہ زار کو رشک چمن بنا دیا تھا۔اس زمین شوخ رنگ نے بڑے بڑے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے، یہ

کارنامے غفلت کے ملبے میں دب کر رہ گئے۔ یہ سوئے اتفاق ہے۔ اس لئے
بونوں کو ناک اونچی کرنے اور کالر جھاڑنے کا موقعہ مل گیا اور عالم یہ ہوگیا:
آدھوں کی طرف سے کبھی پونوں کی طرف سے
آوازے کسے جاتے ہیں بونوں کی طرف سے'۔[ص:۳۵]

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کون ہیں؟۔

جناب ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی میرے قریبی عزیز ہیں۔ انہوں نے 'کاملان پورنیہ' کی جستجو میں جنون کی حد تک محنت کی۔ حضرت مولانا محمد فضل اللہ پورنوی کی 'گنج ارشدی' ہو یا قطب زبان علامہ شاہ محمد یوسف رشیدی کی تاریخ پورنیہ، پنڈوہ شریف، چمنی بازار شریف، با زبیریا شریف، رحمٰن پور شریف، مرزاد پور شریف ہو یا علاقے کے دور دراز علمی مقامات، دو چار دن، دو چار ہفتے، چند مہینے نہیں، بلکہ چار سال تک ان تاریخی گوہر پاروں کو ڈھونڈتے رہے اور پھر 'کاملان پورنیہ' جلد اول کی صورت میں پیش کر کے ہمیں اپنے ماضی سے روشناس کرایا۔ اگلی نسلیں جناب ڈاکٹر صاحب کی اس مسیحائی کی مرہونِ منت رہیں گی۔

خاموش تالاب میں اس وزنی پتھر کے گر جانے سے ٹھہرے ہوئے پانی میں جو اضطراب پیدا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں چاروں سمت کے سوکھے کنارے ابل پڑے ہیں۔ صدیوں کے بعد ان کناروں کو معلوم ہوسکا ہے کہ ہم ایک وسیع تالاب کے کنارے ہیں۔ تو اب ان کناروں کی لذت سے آشنا کرانے والے امیر القلم علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی اس لائق ہیں کہ ان کا شکریہ ادا کیا جائے۔ انھیں سراہا جائے۔ ان کی ہمت بندھائی جائے۔ ان کا احسان مانا جائے۔ ان کی دینی و دنیوی حیات کی دعا کی جائے۔ انھوں نے پسماندگانِ کاملان پورنیہ کا قرض اتارا ہے۔ پورنیہ کے بحرِ ظلمات سے انمول موتیاں نکال کر مفت بانٹا ہے۔ ان کی سخاوتوں کا دریا یوں ہی موجزن رہے اور منصوبے کے مطابق 'کاملان پورنیہ' کی دوسری جلد، حیات قطب پورنیہ، نگارستانِ جلالۃ العلم، تذکرۂ شعرائے پورنیہ، خانقاہ رشیدیہ جونپور کا پورنوی تناظر، سب منظر عام پر آجائیں۔ (آمین)

'کاملان پورنیہ' کا اسلوب نگارش نہایت سادہ و پر مغز ہے۔ بات سے بات پیدا کر دینا جناب ڈاکٹر صاحب کا خاص رنگ ہے۔ عمدہ تراکیب اور محاوروں کا برمحل استعمال انہیں خوب آتا ہے۔ تاریخ ادب اردو پر وہ کافی گہری نظر رکھتے ہیں۔ 'کاملان پورنیہ' اور ان

کی دیگر تصانیف اس پر شاہد عدل ہیں۔ وہ فکر رضا سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ جس کا اظہار کرتے ہوئے 'کاملان پورنیہ' کے ایک پیراگراف میں حاسدین و معاندین رضا کو انہوں نے اپنے خاص اسلوب میں یوں گھر تک پہنچا دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

'امام احمد رضا کا فکر و فن، کیف کم کے لحاظ سے انتہائی عظیم الجثہ ضخیم اللحم ہے۔ اس ہیکل الوجود محیر العقول موضوع پر جتنا کام ہوا ہے، وہ بہت کم ہے، ابھی نہ معلوم کتنے گوہر تابدار اس بحر مواج کی تہوں میں پنہاں و پوشیدہ ہیں۔ لہٰذا اس موضوع پر اور بھی گرنٹ، اسپرٹ، تیز رفتاری کے ساتھ جم کر ہونا چاہیے'۔ [ص: ۴۰]

چند سطروں کے بعد حالات کی ستم ظریفی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

'جب عالمی اہمیت کا موضوع رضویات پر کام کرنے میں بھی نہ کوئی کفالت کرتا ہے، نہ کوئی سر پرستی کرتا ہے۔ وہ احباب بخوبی جانتے ہیں، جو مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ جہاں بیٹھ کر کام کرتا ہوں، وہ جگہ دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے ہیں کہ میں کس عالم کس مپرسی میں یہ خدمت کر رہا ہوں۔ جب کہ رضویات ہی میری ایمانی غذا ہے اور ذہنی سکون کا باعث بھی، تو پورنیہ جیسے خشک خطہ، بے جان موضوع پر مجھے کون کیا دے دے گا'۔ [ص: ۴۲]

بات صدفی صد درست ہے۔ ان پر سوز مردان کار کی طرف اہل ثروت کم توجہ کرتے ہیں۔ جب کہ سرخیوں میں رہنے کے لئے لوگ لاکھوں اڑاتے ہیں۔ یہ ایک المیہ ہے۔ جب کہ ہمیں اپنی تابندہ تاریخ کی حفاظت وصیانت کے لئے ان کے پاس جمع مواد کی طباعت اور ان کا جوحوصلہ بڑھا کر انہیں تیز کام کرنے کا اولیں فرصت میں انتظام کرنا چاہیے۔

'کاملان پورنیہ' میں انہوں نے بہت سی نادر معلومات جمع کر دی ہیں۔ پورنیہ کی آبادی، یہاں کے راجا مہاراجے، یہاں کی قومیں، یہاں کے آثار ونشانات، یہاں کی خاص پیداوار، یہاں کا علمی ماحول، ان کی اس تحقیق کی ادبی حلقے کو نوٹس لینا چاہیے کہ اردو کی پہلی کتاب 'کربل کتھا' نہیں، بلکہ شاہ کفایت اللہ پورنوی کی 'بدیا دھر' ہے۔ 'کربلا کتھا ۱۷۳۲ ۱۷۳۲ء کی اور یہ بھی کہ رابندرناتھ ٹیگور 'گیتا نجلی' پر 'بدیا دھر' کی گہری چھاپ ہے۔ اردو ادب کے مورخین و ناقدین کی دلی دلچسپی کا خاصا سامان بھی موجود ہے۔

'کاملان پورنیہ' میں مندرج کچھ بزرگوں کا تعلق میری بستی سے بھی ہے۔ مثلاً حضرت مولانا صوفی تفضّل حسین صاحب، حضرت مولانا شاہ غلام یٰسین صاحب، حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب، ان میں سے مؤخر الذکر دو بزرگوں سے میرے خاندانی قریبی تعلقات رہے ہیں۔ہم نے اپنا پورا لڑکپن ان کی دعاؤں کے حصار میں گزارا ہے۔ حضرت مولانا شاہ سکندر علی صاحب اکثر ہمارے گھر آتے رہے ہیں۔ دوسرے بزرگوں کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ان دونوں یگانہ روزگار شخصیات پر 'کاملان پورنیہ' میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بہت کم ہے۔

ان کی پاکیزہ حیات کے بہت سے گوشے ہیں، مثلاً ان کی سادگی، خودداری، علمی وجاہت، جاں سوزی، شب زندہ داری، روحانی رعب، خوش اخلاقی، سخاوت، نرم گفتاری، شفقت ومحبت، خورد نوازی، حق گوئی، مذکورہ بالا عنوانات کی دسیوں شہادتیں فراہم کی جاسکتی ہیں۔ سر دست یہ چند سطور قلم برداشتہ حاضر ہیں۔ یہ کتاب پر کوئی روایتی تبصرہ نہیں۔ میرے قلبی تاثرات ہیں۔ بعض بعض نکات کے مطالعہ کے بعد میرے ذہن نے جو اثر قبول کیا، قلم نے کاغذ پر اتار دیا۔ بالاستیعاب مطالعہ کے بعد توفیق ملی، تو مزید معروضات حاضر کروں گا۔

خیر اندیش فقیر القادری
ابوالحسن علی رضوی غفرلہ
خادم جامعہ غوثیہ
لنگم پٹھ ضلع نظام آباد
۲۳۔نومبر ۲۰۱۱

☆☆☆

مولانا محمد ابرار رضا مصباحی
نائب مدیر ماہنامہ ُجام نور' دہلی

تذکرہ نویسی ایک دلچسپ موضوع ہے۔ یہ دین وملت کے نامور اور قابل افتخار شخصیات کی گوشہائے حیات اور ان کی دینی و مذہبی خدمات و اثرات کو بڑی مثبت فکر، نصیحت آموز، دل نشین اور موثر اسلوب میں پیش کرتا ہے اور یہی اس موضوع لطیف کا طرۂ امتیاز بھی ہے۔ فن تذکرہ کا نگاری کا یہ احسان ہے کہ اس نے ہمارے اسلاف کی معلومات و خدمات کو اپنے وسیع دامن میں محفوظ کر کے انہیں حادثات زمانہ اور گوشۂ گمنامی کی نذر ہونے سے بچالیا اور قابل اعتبار سرمایہ فراہم کیا۔ جو نسل نو کے مستقبل کے خطوط کی تعیین اور تعمیر و توسیع میں رہنمائی کرتا ہے۔ تاہم بعض حقائق ناشناس تذکرہ نگاروں نے اپنی ناموری اور خودستائی کے لئے جھوٹ کا سہارا لے کر اس فن کی وقعت و نفاست کو پامال کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ جو ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ُکاملانِ پورنیہ' جلد اول تذکرہ وحالات پر مشتمل ایک قابل قدر مجموعہ اور ذخیرہ ہے۔ اس کے مرتب و جامع ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ہیں۔ جو اپنی خوش اسلوب نگاری اور عمدہ تصنیفی و تالیفی اور تخلیقی و تحقیقی خدمات کی وجہ سے علمی و قلمی منظرنامے پر آ گئے ہیں اور کئی اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کر کے علما و دانشوروں کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب ُکاملانِ پورنیہ'، جس کی ضخامت درمیانی ہے اور اس کے سرورق کی سادگی و دیدہ زیبی، طباعت کی آراستگی قابل تحسین و آفرین ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ پورنیہ جیسے تاریخی و مردم خیز خطے کی حقیقت کی عکاسی کی اچھی کوشش کی ہے۔ مرتب محترم نے ُکاملانِ پورنیہ' میں پورنیہ سے تعلق رکھنے والے مختلف سلاسل کے قدیم وجدید کل ۵۴ رعلما ومشائخ اور صوفیا وصلحا اور ان کے احوال وآثار، افعال وکردار، اقوال و ارشادات اور تعلیمات و خدمات کو اجمال و تفصیل کے ساتھ جمع و مرتب کیا ہے۔ جن کی داستانیں تقریباً ساتویں صدی ہجری سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک پھیلی ہوئی

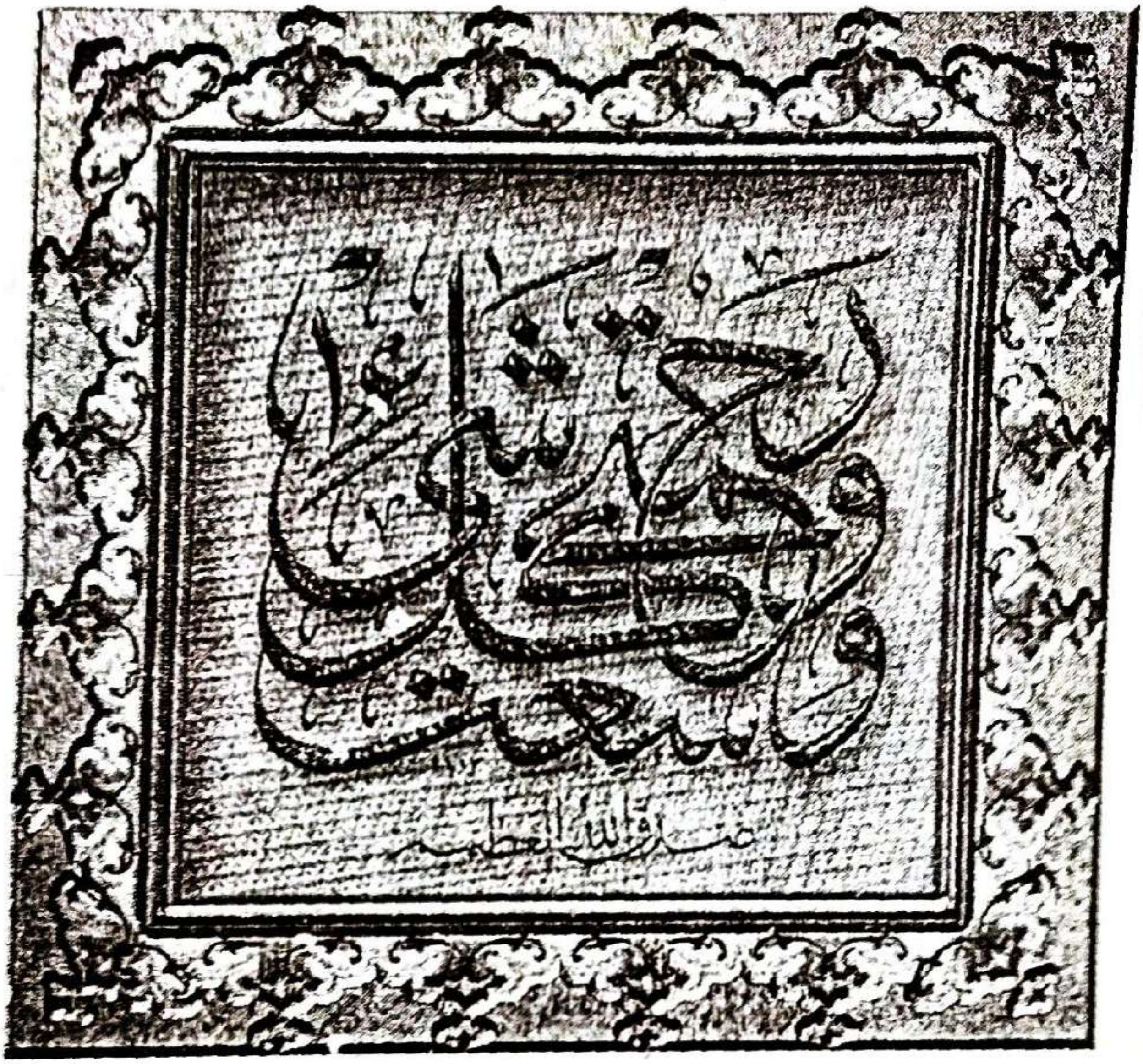
ہیں۔ان حضرات قدسیہ نے غیر منقسم پورنیہ کے معروف وغیر معروف علاقے اور پسماندہ دیہات وقریات میں اپنے علم وعمل اور حکمت وبصیرت سے شمع اسلام فروزاں کر کے پرچم حق بلند کیا۔ان عظیم ہستیوں کی دینی ہمدردیاں اور ملی ومذہبی قربانیاں آج بھی نظر آرہی ہیں۔

کتاب کی زبان وبیان سادہ سلیس ہے اور ساتھ ہی اس میں برجستگی اور جدت طرازی بھی نمایاں ہے۔عناوین ومضامین کو مسند گل، پاسبان گل، نو بہارانِ گل وغیرہ کے دل کش اور اچھوتے ناموں سے قائم کر کے اپنی علمی، فکری جولانیت اور اردو زبان وادب سے واقفیت کا ثبوت دیا ہے اور کتاب کی اہمیت وافایت اور وقعت کو دوبالا کر دیا ہے۔جس کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔یہ کتاب کل ۴۹۶ رصفحات پر مشتمل ہے۔لیکن اصل موضوع سے پیشتر مختلف علمی وتحقیقی تحریر اور نگارشات کے ذریعہ پورنیہ کی جغرافیائی حالت، دینی وعلمی عظمت، ادبی وفکری حیثیت، تہذیبی وثقافتی سرگرمیوں کے ساتھ دیگر تاریخی وبنیادی معلومات دی گئی ہیں۔

چنانچہ صفحات کی تزئین کاری اور موضوعات کی فہرست سازی کے بعد مفتی حسن منظر قدیری کے قلم سے چھ صفحات پر محیط ایک بصیرت افروز مقدمہ ہے۔جس میں پورنیہ کے حدود ووسعت کی حقیقت کو تاریخی اعتبار سے واضح کرنے کے ساتھ اس کے ماضی کی آب بیتیوں کو بھی بڑے مثبت وموئثر لب ولہجہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔علاوہ ازیں دیگر نکات و فوائد کی طرف اشارہ کر کے کتاب کی افادیت کو بڑھادیا ہے۔

اس کے بعد خود صاحب کتاب کی پورنیہ کے تئیں تڑپتے جذبات واحساسات اور پاکیزہ خیالات وعزائم پر مبنی بارہ صفحات پر پھیلی ایک طویل قابل قدر داستان ہے۔جو 'دل سی پارہ کی صدا سنیے' کے عنوان سے ہے۔اس میں انہوں نے سرزمین قدیم پورنیہ کی اہمیت و حیثیت اور مناظر قدرت کو بڑے لطف اندوز اور حسین پیرایہ میں بیان کیا ہے۔اہل پورنیہ کو پورنیہ شناسی پر زور پر دیتے ہوئے کچھ کر گزرنے کی دعوت عام بھی دی ہے۔واقعتاً ان کی یہ تحریر قارئین کتاب بالخصوص اہالیانِ پورنیہ کے قلوب واذہان کو متاثر کرتی ہے۔

[ماہنامہ 'جام نور' دہلی شمارہ فروری ۲۰۱۲ء]


ورحمتي وسعت كل شيء

[سیمانچل سے متعلق چند منتخب مضامین]

سیمانچل کے مدارسِ اہلِ سنت

ایک سرسری، چشم کشا جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

تمہید: نزولِ وحی کا آغاز ہی لفظ 'اقرأ' سے ہوا ہے۔ جس کا مصدری معنی پڑھنا ہے۔ 'مدرسہ' پڑھنے، پڑھانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اسلام کی پہلی درسگاہ 'دارِ ارقم' کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں نبی کریم اسلام کی اولین دعوت و تعلیم دیتے۔ بعد ہجرت مدینہ منورہ میں 'صفہ' ایک ایسی ابھرا ہوا مقام تھا۔ جہاں دور دراز سے آئے مقیم صحابہ کتاب و حکمت کی تعلیم لیتے رہے۔ پھر مسجد نبوی ایک اہم و عظیم درسگاہ کی صورت میں سامنے آئی۔ اس درسگاہ نے پوری دنیا کو علم و ثقافت، تہذیب و تمدن، امن و امان اور اخوت و محبت کی روشنی سے بھر دیا۔ حکومت اسلامیہ اور خلافت راشدہ کے زمانے میں حکمران و عمال اور دعاۃ و مبلغین جہاں کہیں تشریف لے گئے۔ تعلیم و تدریس کی سوغات ساتھ لے گئے۔ تجار و سیاح نے بھی اس میں اہم کردار ادا کیا۔ صدرِ اسلام ہی میں حجاز سے ہند تک یہ سلسلہ دراز ہو چکا تھا۔

آمدِ اسلام: ہندوستان میں اسلام دعاۃ و مبلغین اور تجار و سیاح کے ذریعہ پھیلا۔ خشکی کم، بحری راستوں سے یہ حضرات یہاں وارد ہوئے۔ سواحلی علاقے اس گراں مایہ دولت سے سب سے پہلے مالا مال ہوئے۔ کراچی، پچھ، دیو دمن، سورت، سیمور، تھانے، کنداپور، کالی کٹ، کولم، مدراس ہوتے ہوئے خلیج بنگال تک ان کی ورود گاہیں تھیں۔ پھر جب حملۂ تا تار و چنگیز و ہلاکو کے بعد صوفیا و مشائخ اور ساتھ ہی مسلم فاتحین اس طرف متوجہ ہوئے، تو سواحلی خطوں سے یہ سلسلہ اندرونِ ہند تک پھیل گیا اور جگہ جگہ عبادت گاہیں اور درسگاہیں وجود میں آئیں۔ خانقاہیں، بارگاہیں، درگاہیں، تکیے، حجرے، زاویے، فقراء کے جھونپڑے، یہ سب علم و ہنر کی اشاعت میں سرگرم تھے۔ مسلم دورِ حکومت

میں خود حضرت دہلی میں نو سو سے زائد مدرسے تھے۔ ملک بھر کا جائزہ لیں، تو یہ تعداد لاکھوں میں پہنچے گی۔ بہار اور اس کا مسلم اکثریتی خطہ سیما نچل بھی اسی ہندوستان کا حصہ تھا اور ہے۔ جہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے۔ سیما نچل کے مدارس سے پہلے سیما نچل کا مختصر تعارف ہو جائے۔ تاکہ موضوع کے سمیٹنے میں آسانی ہو۔

تعارف: سیما نچل ست جگ سے آباد ہے۔ جو انسانی آبادی کا سب سے پہلا دور ہے۔ سیما نچل دراصل قدیم پورنیہ ہی ہے۔ پورنیہ کبھی ملک پورنیہ، سرکار پورنیہ اور بادشاہِ ہند شاہجہاں کی زبان میں 'جنت آباد' اور جنت البلاد تھا اور ریاض السلاطین کے لفظ میں 'بہتر از مصر بود' تھا۔ جس کے اب چار پانچ اضلاع بن گئے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں پورنیہ کا دکھنی حصہ کٹ کر کٹیہار بنا۔ جس کا قدیم نام نواب سیف علی خان کے نام پر 'سیف گنج' بھی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں بیک وقت دو اضلاع اور بنے۔ ایک ارریہ، جو پورنیہ کا ذرا پچھمی اور اتری حصہ ہے۔ دوسرا کشن گنج، جو پورنیہ کا اتری اور پوربی خطہ ہے۔ ۱۹۵۶ء سے اوپر جائیے، تو ضلع اتر دیناج پور بھی اسی پورنیہ کا اٹوٹ انگ تھا۔ اس سے اور اوپر اٹھیئے، تو ۱۸۱۳ء میں ضلع مالدہ کے بیشتر حصے پورنیہ ہی میں شامل تھے۔ اِدھر پورنیہ سے ذرا پچھّم مدھے پورہ کے کچھ رقبے بھی پورنیہ میں شامل تھے۔

رقبہ: ۱۷۷۰ء میں اس کا رقبہ ۶۴۶۲ مربع میل تھا۔ بوکانن کی رپورٹ کے مطابق ۶۳۴۰/مربع میل تھا۔ ۱۸۰۸ء کے نقشے میں شمال سے جنوب تک ۱۱۵/میل اور پچھّم سے پورب ۹۸/میل تھا۔ ۱۹۱۱ء کی گزیٹیر رپورٹ کے مطابق ۴۹۹۴/مربع میل تھا۔ ۱۹۵۶ء میں ۷۵۹/مربع میل الگ کر کے کچھ حصے مغربی بنگال کے ضلع مالدہ میں اور ضلع اتر دیناج پور بنایا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں ضلع کٹیہار بننے کے بعد ۱۹۸۱ء میں ۳۱۰۲/میل بچا رہا۔ ۱۹۹۲ء میں بیک وقت دو اضلاع کشن گنج اور ارریہ بننے کے بعد بھی ایک ایک ہزار مربع میل سے بھی زائد زائد پر مشتمل ہے۔

گورنمنٹ سروے: حکومت کی نظر میں آج کے یہ چار اضلاع [کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج اور ارریہ] پر مشتمل سیما نچل کہلاتا ہے۔ لیکن میری نظر میں سیما نچل اس پورے خطے کو محیط ہے۔ جس کے رقبے اور حدود اوپر بیان کیے گئے۔ اس خطے کی دو سمتوں میں دو ملک موجود ہیں۔ اتر میں نیپال اور پورب میں بنگلہ دیش۔ یہ ہندوستان کا شمال مشرقی گوشہ ہے۔ ہمالیہ کی ترائی اور دو ملکوں کی ترمہانی پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ سیما نچل کہلاتا ہے۔ چوں کہ یہ سیما و سرحد پر واقع

ہے۔ چوحدی کچھ یوں ہے۔ پچھم میں مدھے پورہ، سہرسہ اور مونگیر ہے۔ دکھن میں بھاگل پور اور مرشد آباد ہے۔ پورب میں ناگرندی ہے۔ جو ہند اور بنگلہ دیش کو تقسیم کرتی ہے اور اتر میں ملک نیپال، جو ابھی اسی مہینے [۲۰ر ستمبر 2015ء] میں بادشاہت چھوڑ کر جمہوریت کا اعلان کیا ہے، کی سرحد کشن گنج اور ارریہ کی اتری سرحد سے متصل ہے۔

طول وعرض: پورنیہ طول البلد ۸۷ر درجہ سے ۸۸ر ۳۲ر دقیقہ ہے اور عرض البلد ۲۰ر درجہ ۱۵ر دقیقہ سے ۲۰ر درجہ ۳۵ر دقیقہ تک ہے۔

اعداد وشمار: ۱۷۷۰ء میں سیمانچل کی آبادی ۱۰،۶۱،۴۰۰ر تھی۔ ڈاکٹر بوکانن کی گزیٹیر ۱۸۰۱ء کے مطابق ۱۴،۵۰،۰۰۰ر تھی۔ ۱۸۷۱ء سے ہر دس برس پر مردم شماری کا گوشوارہ درج ذیل ہے: ۱۸۷۱ء میں ۱۷،۱۴،۴۹۵ر، ۱۸۸۱ء میں ۱۸،۴۹،۰۷۳ر، ۱۸۹۱ء میں ۱۹،۴۴،۶۵۸ر، ۱۹۰۱ء میں ۱۸،۷۴،۷۹۴ر، ۱۹۱۱ء میں ۱۹،۸۹،۶۳۷ر، ۱۹۲۱ء میں ۲۰،۲۴،۶۰۸ر، ۱۹۳۱ء میں ۲۱،۵۶،۵۴۳ر، ۱۹۴۱ء میں ۲۳،۹۰،۱۰۵ر، ۱۹۵۱ء میں ۲۵،۲۵،۲۳۶ر، ۱۹۶۱ء میں ۳۰،۸۷،۴۲۸ر، ۱۹۷۱ء میں ۳۹،۱۴،۸۶۳ر، ۱۹۸۱ء میں ۳۵،۹۵،۷۰۷ر تھی اور اب ان ۳۵ر برسوں میں یہ تعداد اور آگے بڑھی ہے۔

ذریعۂ معاش: یہاں ذریعۂ معاش بطور عام زراعت پر منحصر ہے۔ تجارت وملازمت اور صنعت وحرفت بھی ہے۔ زیور سازی، خیمہ دوزی، کاغذ سازی، جوتا سازی، کپڑے کی صنعت، ڈھول اور مشعل سازی، بسکٹ سازی، بیل گاڑی اور اس کے پہیے، آٹا کی چکی اور مشین، شکر سازی اور تانبے، پیتل اور مٹی کے برتن اور کھلونے وغیرہ۔ یہ پہلے کی باتیں ہیں اور اب ان شعبوں میں اضافہ ہوا ہے۔

ندیاں: یہاں کئی ندیاں ہیں۔ جن کا سرا اوپری ہمالیہ کے کوہستانی ونشیبی علاقے ہیں اور آخری سرا خلیج بنگال ہے۔ مہانندا، کنکئی، ڈونک، پتانو، بلاساں، پچھی، کوسی، پروان، چینگا، سورا وغیرہ۔ یہ آبی وسیلابی علاقہ ہے۔ بارش خوب ہوتی ہے۔ سیلاب بہت آتے ہیں۔ ان ندیوں سے فائدے تو ہیں، لیکن نقصانات بھی بہت ہیں۔ سیلابی تباہ کاریوں کا ایک سرسری جائزہ یہ ہے: ۱۷۸۸ء، ۱۷۹۱ء، ۱۸۷۴ء، ۱۸۹۱ء، ۱۹۰۶ء، ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء، ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۹ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء، ۱۹۸۷ء، ۲۰۰۸ء ان برسوں میں ایسے تباہ کن سیلاب آئے کہ اپنے اپنے وقت کی حکومتیں بھی ناکام رہیں۔

حکمرانی: طوفانِ نوح کے وقت یہاں راجہ بیراٹھ کی حکمرانی تھی۔ دور قدیم سے یہاں گپت،

پال، سین ،انگا و پنڈاڑی وغیرہ خاندانوں کی حکومتیں رہیں۔ پھر مسلم حکمرانی کا پرچم لہرایا۔ نوابان وفوجداران پورنیہ نے پورنیہ کو بہر طور سینچا اور سنوارا۔ ۱۷۷۰ء میں انگریز قابض ہوا۔ ۱۹۴۷ء سے آزاد ملک کا ایک آزاد حصہ ہے۔

اسلام کی آمد: روم، عراق، ایران، بابل، نینوا، مصر، چین اور ہند کی طرح اس خطہ کا شمار انسانوں کی اولین آبادی اور تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ تاریخ میں آیا ہے کہ یہاں حضرت حام بن نوح کی اولاد میں سے آبادتھی۔ جوموحد تھی۔ موحد کا مطلب صاحب ایمان اور صاحب اسلام ہے۔ آرین قوم کی آمد کے بعد یہاں بت پرستی اور شرک شعاری شروع ہوئی۔ تب پھر نبی آخرالزماں کے پیروکاروں سے اسلامی دعوت عام ہوئی۔ یہ تاجرین و مبلغین اور فقرا وصوفیا کے دم قدم کی برکت تھی۔ ۱۸۰۹-۱۰ء میں ایک انگریز جائزہ نگار نے ایک رپورٹ کی تیار کی تھی۔ جس کا نام 'اومالی' تھا۔ اس نے اپنے جائزے میں یہاں تین ساٹھ مسلم خانقاہوں ،درگاہوں ،بارگاہوں کا ذکر کیا ہے۔ انہی خانقاہوں اور درگاہوں کے حجرے، برآمدے اور سائبان دراصل تعلیم گاہیں اور تربیت گاہیں اور دعوت وتبلیغ کے مراکز بھی تھے۔

مسلم تناسب: ریاست بہار کا ہر اکیسواں مسلمان سیمانچل میں ہے۔ یعنی بہار کی اکیس فی صد مسلم آبادی سیمانچل میں بستی ہے اور ہندوستان کی تمام ریاستوں میں مسلم تناسب کے اعتبار سے سیمانچل پانچویں نمبر پر ہے۔ دیناج پور سمیت سیمانچل میں پانچ پارلیامانی سیٹیں ہیں اور سیمانچل کے ان چار اضلاع میں کل چوبیس اسمبلی سیٹیں ہیں۔ شہر کی تعداد ۹ رہے اور گاؤں، دیہات کی تعداد ۲۸۴۹ ربلکہ اب زیادہ ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق پورنیہ میں کوئی سات لاکھ، کٹیہار میں ساڑھے سات لاکھ، کشن گنج میں ساڑھے سات لاکھ سے زائد اور اررریہ میں ساڑھے چھ لاکھ سے زائد مسلمان تھے۔ مجموعی تعداد قریب تیس لاکھ کہہ سکتے ہیں۔ اب ان چوتیس پینتیس سالوں میں یہ شرح اور آگے بڑھی ہے۔ اس وقت سیمانچل میں مسلمانوں کی تعداد چالیس لاکھ سے اوپر ہی ہوگی اور اگر دیناج پور کو شامل مانا جائے، تو یہ آکڑا پچاس لاکھ کے آس پاس ہوگا۔ یہاں سیکڑوں مسجدیں اور ہزاروں مکاتب ومدارس ہیں۔

نظام تعلیم: پرانے زمانے میں آج کی طرح کسا ہوا ایجوکیشنل سسٹم نہیں تھا۔ اسلام کی عظیم درسگاہ 'جامع ازہر' مصر، مسجد کے ایک حجرے سے شروع ہوئی۔ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کی ابتدا بھی چرچ اور کلیسا کے کمروں ہی سے ہوئی۔ یہ زیادہ سے زیادہ سوڈیڑھ سالوں کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔

حکومت اسلامیہ مختلف ادوار میں مساجد اور ان کے حجرے اور ان کے برآمدے ہی اور دعاۃ و مصلحین ،علما و مشائخین اور فقا و محدثین کی قیام گاہیں ،خانقاہیں ،زاویے ،حوزے اور حجرے ،ہی مسلم امہ کی تعلیمی وتربیتی کفالت کرتے تھے۔ مدرسۂ قرزیون ،مدرسۂ بیہق ،مدرسۂ نیشاپور ،ماوراء النہر کے متعدد قصبے ،عراق اور مصر دینی تعلیم گاہوں کے طور پر نمایاں ہو کر ابھرے اور پورے عالم اسلام کی ناک کہلائے۔

ہندوستان میں ملا محمد نظام الدین سہالوی کے مرتبہ نصاب تعلیم سے پہلے وہی طریقہ رائج تھا۔ مسلم دور حکومت میں بادشاہوں کی طرف سے جاگیریں ،معافیاں اور وظیفے الاٹ منٹ ہوتے تھے اور صوفیا و مشائخ اور فقرا و درویشانِ خدا اللہ کے بندوں اور ان کے نونہالوں کی یکسو ہو کر تعلیم وتربیت کا فریضہ خدا واسطے انجام دیتے تھے۔ یہی طریقۂ تعلیم سیمانچل میں بھی نافذ تھا۔ ۱۷۷۰ء میں سیمانچل پر غاصب انگریز کا منحوس سایہ پڑا ،تو صوفیائے کرام کی یہی درسگاہ نما خانقاہیں اور علمائے عظام کی خانقاہ نما درسگاہیں ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ کھٹکنے لگیں۔ بغض وحسد اور تعصب کے نتیجے میں ایک قانونی بل پاس کر کے ان تمام سہولیات ومراعات کو سبوتاژ کر دیا۔ تب اہل اسلام ،علما واشرافیہ نے کچھ خانگی مکاتب ،اجتماعی مدرسے قائم کئے اور مسجدوں اور ان کے فاضل حجروں کو بطور تعلیم گاہ استعمال کرنے لگے۔ کچھ افراد ایسے بھی تھے ،جن کا وجود ہی درسگاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ چوں کہ اس دور میں تعلیم اور تدریس عبادت کا درجہ رکھتی تھی۔ جب سے نیا نظام رائج ہوا ہے ،یہ مقدس فریضہ معاش اور تجارت کا پیشہ ورانہ اور تاجرانہ فن کی صورت اختیار کر لیا ہے۔

اومالی نے اپنی رپورٹ میں جن خانقاہوں کا ذکر کیا ہے ،سیمانچل میں دراصل وہی درسگاہیں بھی تھیں۔ یہ قریب پانچویں صدی ہجری کے اوسط و اواخر کا زمانہ ہے۔ قدیم صوفیا کی خدمات کا یہ سلسلہ بڑا دراز ہے۔ صاحب تصرف واختیار عالم وعارف حضرت سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ لنگوٹ بند خراسانی موضع جلکی شریف ،بارسوئی میں اپنا دربار آراستہ کیا اور علاقہ در علاقہ کتاب وسنت کا نور بکھیر کر رکھ دیا۔ مہسو شریف علاقہ رائے گنج کے مخادیم حضرت شیخ محمد تقی الدین ،شیخ سلیمان حسین غریب دھکڑ پوش جیسی کرامات آثار شخصیات نے کفر والحاد کا جگر چاک کر کے انوار اسلام بھر دیا۔ میزان ومنشعب اور ہدایت النحو کے مصنف ،شیخ المشائخ حضرت محمد نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے عزیز از جان 'اخی' اور 'آئینۂ ہند' شیخ محمد سراج الدین سعد اللہ پوری کی ذات قدسی صفات ہی ایک اہم درسگاہ کی حامل تھی۔ جنہوں نے علم شریعت اور علم

طریقت ہر د و اعتبار سے پورے خطے میں آگ لگا دی تھی ۔ مخدوم محمد علاء الحق والدین والملۃ پنڈوہ شریف میں بیٹھ کر وہ دھونی رمائی کہ ہند تو ہند، ایران میں سمنان کے تاجدار مخدوم سید محمد اشرف جہانگیر تک کھینچ کر آ گئے، ان کے حوزے میں بیٹھے اور اپنا ظاہر و باطن سنوار کر اٹھے ۔

ان کے فرزندار جمند مخدوم نور قطب عالم کی تعلیم و ہدایت نے ، تاریخ و فن تعمیر کی انمول وانوکھی 'مسجد ادینہ' کو ایک یونیورسیٹی بنا ڈالی تھی ۔ ان کے ایما وارشاد پر جمال الاولیا شیخ جمال الحق مصطفیٰ بندگی نے چمنی بازار شریف میں قدم رکھا ۔ ان کے علم وارشاد اور تعلیم و ہدایت نے ایک جہان کو منور کر دیا ۔ حتیٰ کہ پورنیہ کے نوابان وفوجداران انہی کے اشارۂ ابرو کے اسیر تھے ۔ فیض المشائخ حضرت شیخ محمد فیض اللہ چشتی پنڈوہ پاک ہی سے علمی رسد اور روحانی کمک لے کر اٹھے اور ہنود کی آبادی چاہتل ونرائن پور بجانب شرق کانکی پہنچ کر وہ رنگ جمایا کہ گروہ کے گروہ اور گاؤں کے گاؤں توحید ورسالت کے رنگ میں رنگ گئے ۔ ان کی سرگرمیوں کا مرکز تکیہ میرزاد پور تھا ۔ حضرت شیخ محمد عظمت اللہ چشتی بازاڑاتے علاقہ بائسی آئے اور باعث خیر و برکت ثابت ہوئے ۔ یہ تمام فراد وادارے تعلیم وتربیت اور درس و ہدایت کی مختلف شکلیں تھیں ۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی تک کا یہ ایک اجمالی جائزہ ہے ۔

بیسویں صدی : 'مدرسۂ اسلامیہ' ڈمرھا ان ایام کا ایک معروف ادارہ تھا ۔ ۱۹۰۱ء میں برہانِ پورنیہ حضرت شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی [ف: ۱۳۳۳ھ] نے محمدیہ اسٹیٹ ، پورنیہ میں 'مدرسہ اسامقت رحمت' شروع کیا ۔ ۲، ۱۹۰۱ء میں ہی رحمان پور میں 'مدرسہ لطیفیہ' کی بنیاد ڈالی ۔ ان کے ایک شاگرد ومرید وخلیفہ حضرت شاہ محمد شرف الدین لطیفی [ف: ۱۳۶۹ھ] نے اول توچکلہ چندر گاؤں، بائسی میں 'مدرسہ شرفیہ' قائم کیا اور ثانیاً اپنے علاقے گانگی ہاٹ بہادر گنج میں خانقاہ وعبادت گاہ و درسگاہ 'انوار العلوم' کی بنیاد ڈالی ۔ انہی کے ایک دوسرے شاگرد ومرید وخلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد امین الدین لطیفی نے گوشائیں پور، علاقہ رائے گنج میں خانقاہ ومسجد ومدرسہ قائم فرمایا ۔ ۱۹۰۶ء میں کشن گنج میں 'انجمن اسلامیہ' قائم ہوئی ۔ جسے لیاقت حسین نے قائم کی ۔ پورنیہ کی یہ قدیم انجمن ہے ۔ جو بعد میں تعلیمی روپ اختیار کیا اور بہار بورڈ کے وجود میں آنے پر اس سے ملحق ہوا ۔

امام الاساتذہ حضرت علامہ محمد ہدایت اللہ رام پوری ثم جون پور [ف: ۱۳۲۶ھ] کے تلمیذ رشید اور بحر العشاق والعرفا حضرت شاہ محمد عبد العلیم سرکار آسی سکندر پوری ثم غازی

پوری [ف: ۱۳۳۵ھ] کے مرید اخص جلالۃ العلم قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف علیمی رشیدی [ف: ۱۳۶۲ھ] نے ۱۹۴۲ء میں قطب الاولیا حضرت شیخ جمال الحق مصطفیٰ بندگی کے پر انوار جوار چمنی بازار شریف میں 'دار العلوم مصطفائیہ' کی بنا ڈالی۔ اس ادارے کو بانی دار العلوم کے علمی جانشین شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی نے بام عروج تک پہنچایا۔ شہر پورنیہ کے لال گنج ملکی محلہ میں حضرت علامہ محمد مسلم رضوی علیہ الرحمہ نے 'مدرسۂ عثمانیہ' کی بنیاد رکھی۔ مجاہد جلیل حضرت علامہ محمد عبد الجلیل اشرفی علیہ الرحمہ نے اپنے گاؤں سبوتر بلاک کے نگر میں 'مدرسہ حمایت الاسلام قائم فرمایا۔ حضرت سید شاہ محمد حمید الدین تکیہ عشق متن گھاٹ پٹنہ اور ملک العلما حضرت شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی [ف: ۱۳۸۲ھ] نے مل کر کٹیہار میں 'جامعہ بحر العلوم' کی تاسیس فرمائی۔ پھر اسی شہر میں بحر العلوم حضرت مفتی سید محمد افضل حسین کے شاگرد حضرت مفتی غلام رسول صاحب قبلہ نے 'جامعہ روح العلوم' کے نام سے ادارہ قائم کیا۔

کشن گنج جامع مسجد کے ماتحت 'مدرسہ غوثیہ تعلیم القرآن' چوڑی پٹی کا شمار بھی پرانے اداروں میں ہے۔ اسلام پور کے علاقے چنامنا میں 'مدرسۂ عارفیہ' نصیر ملت حضرت شاہ محمد نصیر الدین اشرفی کے دم قدم سے کسی جامعہ سے کم نہ تھا۔ ۱۹۷۳ء میں تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند کے ایما سے باسی میں 'تنظیم المسلمین' قائم ہوئی۔ جس نے جلد ہی تعلیمی ادارے کا روپ دھارن کر لیا۔ قریب اسی دور میں حضرت علامہ محمد معین الدین رضوی نے کشن گنج کے جڑواں شہر کھگڑا میں 'دار العلوم حنفیہ' کی داغ بیل ڈالی۔ ادھر ۱۹۸۰ء کے بعد مشہور مویشی ہاٹ ملک پور میں حضرت مفتی غلام محمد یٰسین صاحب رضوی اور حضرت علامہ امام اختر رضوی نے 'الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم' قائم کیا۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے درمیان ایک پراسرار شخصیت حضرت بابا محمد احسان اللہ صاحب نے کنہیاباڑی جنتاہاٹ، نند کشن گنج میں 'دار العلوم اہل سنت' کی تاسیس فرما کر اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ پیر طریقت حضرت سید شاہ محمد مجتبیٰ اشرف کے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد جلال الدین اشرف پنڈوہ شریف میں ایک کامیاب ادارہ بنام 'دار العلوم مخدوم اشرف مشن' چلا رہے ہیں۔

انہی ایام میں صوفی باصفا حضرت مولانا محمد محسن رضا صاحب کی بلیغ کاوشوں سے شہر پورنیہ میں 'دار العلوم محمدیہ عربک کالج' کی بنیاد پڑی۔ حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی نے شیام پور، رائے گنج میں 'دار العلوم نوریہ' قائم کیا۔ ادھر ہی بنگلہ دیش کی سرحد پر بھاٹول میں

حضرت علامہ محمد مسعود عالم رضوی صاحب 'دار العلوم امام احمد رضا' چلا رہے ہیں۔ چور اسی علاقہ بہادر گنج ضلع کشن گنج میں قائم 'الجامعۃ الاشرفیہ' کا شمار اہم تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ اسی حلقے میں 'نوری یتیم خانہ' اور دار العلوم مفتی اعظم' بھی تعلیمی کوششوں میں مصروف ہے۔ ٹھاکر گنج کے علاقے میں حضرت مفتی محمد عظیم الدین رضوی نے کئی ادارے قائم کیے۔ اب 'الجامعۃ الغوثیہ' بھوگ ڈابر کے سر پرست ہیں۔ رسیا، اسلام پور کا 'دار العلوم فدائیہ سمر قندیہ' بھی ایک نمائندہ ادارہ ہے۔ کھگڑا اور کشن گنج میں حضرت مفتی محمد شبیر پورنوی کا مدرسہ چشتیہ، حضرت علامہ ابو علی خورشید لطیفی کا مدرسہ لطیفیہ اور قدم رسول میں دار العلوم امجدیہ بھی ہے۔ حضرت مفتی محمد شبیر صاحب اور حضرت علامہ ابو علی خورشید صاحب اپنے وسائل کے اعتبار سے زیادہ بہتر کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد صدیق عالم رضوی مال ٹولی انگلینڈ میں رہتے ہیں اور اپنے وطن روٹا ہاٹ میں دار العلوم غوثیہ چلاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے روٹا بازار میں شاندار 'رضا جامع مسجد' تعمیر کرائی ہے۔

حضرت بابا احسان اللہ صاحب کے 'دار العلوم اہل سنت' کنہیا باڑی جنتا ہاٹ، کشن گنج، درد مند عالم وصوفی حضرت مولانا محمد محسن رضا صاحب کے 'دار العلوم محمدیہ عربک کالج' شہر پورنیہ اور حضرت علامہ سید محمد جلال الدین اشرف کچھوچھوی کے 'مخدوم اشرف مشن' پنڈوہ شریف میں فضیلت 'دورۂ حدیث' تک کی تعلیم کا ہمیں علم ہے۔ دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف، الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم ملک پور ہاٹ اور تنظیم المسلمین بائسی میں اپنے وقت میں کبھی درجۂ خامسہ، سادسہ مشکوٰۃ، ہدایہ تک کی بھی تعلیم ہوئی ہے۔ اب ان اداروں سمیت بقیہ تمام مذکورہ اداروں میں کہیں اولیٰ، ثانیہ اور کہیں ثالثہ، رابعہ تک کی تعلیم وتدریس کا بندوبست ہے۔ وقت اور حالات کے عصری وجبری تقاضوں کے پیش نظر درس نظامیہ کے جملہ اداروں کا ایک وفاقی نظام بنانے کی ضرورت ہے۔ جو نصاب، نظام تعلیم اور نظام امتحانات کے امور ومسائل پر کامل غور وخوض کر کے ایک بہتر نظام تعلیم برپا کر سکیں۔ اپنے دین وایمان، شریعت وسنت، عقیدہ ومسلک اور امتیاز و تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور ساتھ ہی بد عقیدوں کے بڑھتے منہ زور تعلیمی ہتھکنڈوں کو بے نقاب بھی کر سکیں۔ میں نے یہ تجویز اہل سیمانچل کو کئی سال پہلے دی تھی اور اب بھی دے رہا ہوں کہ غبارِ افق اور نوشتۂ دیوار ہمیں فوری اقدام کی دعوت دے رہا ہے۔

تعلیم نسواں: عصر جدید کے جبری تقاضے کے تحت سیمانچل کے باشعور علمائے کرام نے اب

تعلیم نسواں کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ بر وقت اس پیش کش کا سہرا حضرت مفتی محمد زبیر عالم صدیقی رضوی کے سر جاتا ہے۔ دار العلوم محمدیہ عربک کالج پورنیہ کی تعمیر و ترقی میں بھی مفتی صاحب کی حصہ داری ہے۔ غالباً ابھی ۲۰۰۰ء کے بعد انہوں نے 'دار العلوم ابوھریرہ للبنات' کی بنیاد وہیں شہر پورنیہ میں رکھی۔ شہر و مضافات میں اس ادارہ نے اچھا اثر چھوڑا۔ اسے دیکھ کر ہماری بستی ہری پور کے حضرت مولانا محمد اسماعیل اشرفی نے فقیر ٹولی، تحصیل امور میں 'جامعۃ الزہرا' قائم کیا۔ مولانا حافظ محمد مشتاق جیلانی نے بائسی سے ذرا اتر دکھن ملک ٹولہ ہاٹ میں مدرسۂ نسواں قائم کیا۔ وہیں ذرا پورب طرف کھوٹیا گاؤں میں بھی ایک مدرسۂ نسواں قائم ہوا ہے۔

اُدھر شیام پور، رائے گنج کے علاقے میں مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی نے ایک مناظرہ کی کامیابی کے نتیجے میں ایک وسیع قطعۂ اراضی حاصل کیا اور اپنے مرشد پاک کے نام پر 'دار العلوم نوریہ' قائم فرمایا۔ اس خطے میں ان کا یہ ایک اہم اقدام تھا۔ اب اسی ادارے کا ذیلی ادارہ مدرسۂ نسواں بھی قائم کیا ہے۔ جو ان اطراف و جوانب کے لئے بے حد ضروری تھا۔ ۲۰۱۱ء میں دردمند عالم حضرت علامہ محمد عبد المنان صاحب نے ہرناد پور، بلیا بلون، سالماری میں 'جامعہ احسن البنات' کی تاسیس فرمائی۔ جس میں اس وقت سو سے زائد بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ ٹیوسا، مضافات کشن گنج میں بھی ۲۰۱۱ء میں 'جامعہ فاطمۃ الزہرا' قائم ہوا ہے۔ ۲۰۱۳ء میں باصلاحیت دردمند عالم حضرت مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی صاحب نے علاقہ راسا کھواو گوال پوکھر، ناظر پور، پران نگر، دیناج پور میں 'جامعہ عائشہ' کی بنیاد رکھی۔ ملک کے معروف خطیب حضرت علامہ محمد شہریار عالم صاحب رضوی شہر پورنیہ سے متصل دار العلوم کلیمیہ چلاتے ہیں۔ ابھی ۲۰۱۴ء میں انہوں نے مدرسۂ نسواں قائم کیا ہے۔ کھگڑا سے پورب چکلیہ ہاٹ میں حضرت مفتی احمد حسن صاحب رضوی نے ۲۰۱۵ء میں مدرسۂ نسواں قائم کیا ہے۔ اسی ۲۰۱۵ء کے شروع میں حضرت علامہ محمد مجاہد الاسلام صاحب رضوی نے اپنے گاؤں سبرام پور علاقہ کانکی، دیناج پور میں اپنی ذاتی وسیع زمین پر مدرسۂ نسواں کی شاندار تعمیر کرائی اور اسی سال تعلیم بھی شروع کرادی۔ سو سے زائد بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اس کی اٹھان کسی برکت خیز طوفان کا پتا دیتی ہے۔ یہ تمام کے تمام مساجد، مراکز، مکاتب اور مدارس اہل سنت کے ہیں۔ بلفظ دیگر بریلوی مسلک کے ہیں کہ وہاں قریب اسی فی صد آبادی اسی کی ہے۔

چار حرف: یہاں جی چاہتا ہے کہ چار حرف حضرت علامہ محمد منظر الاسلام ازہری صاحب کے نام

نذر کروں۔ سیمانچل کے چاروں، پانچوں اضلاع میں سب سے زیادہ سنگین و بدترین حالت ضلع ارریہ کی ہے۔ علامہ ازہری موصوف اسی ضلع ارریہ کے متولد و متوطن ہیں۔ ذی علم اور ذی استعداد ہیں۔ صاحب صلاحیت اور باشعور ہیں۔ کئی زبانوں پر عبور و ممارست بھی رکھتے ہیں۔ جو جوان عالم و فاضل اور اسکالر ہیں۔ امریکہ کے آفاق کو اپنے علم و عمل اور فکر و نظر سے روشن و روشناس کر رہے ہیں۔ ان کو میں ہمدردانہ و پرخلوص مشورہ دوں گا کہ وہ امریکہ رہتے ہوئے ہی اپنے وطن کی حالت زار کا جائزہ لیں اور ایک مضبوط قانونی ایجوکیشن ٹرسٹ بنا کر وہاں ایک تعلیمی انقلاب برپا کریں۔ جیسا کہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رضوی مالٹولی انگلینڈ رہتے ہوئے روٹا بازار میں تعلیمی و تعمیری کام کر اور کروا رہے ہیں اور دوسرے کئی حضرات بھی یوروپ و امریکہ میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے اپنے ملک، صوبے اور خطے میں کام کر رہے ہیں۔

دوسرا رخ: تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ پورے سیمانچل میں اہل تشیع تو ہیں، لیکن ان کا کوئی ادارہ نہیں ہے۔ دیوبندی مسلک کا غالباً ایک پرانا 'مدرسۂ اسلامیہ' بلاک امور سے پچھم بہراہاٹ میں ہے۔ دوسرا مدرسۂ صدیقیہ پورنیہ اور بائسی کے بیچ ڈگرواچوک میں ہے۔ تیسرا بڑا ادارہ 'دار العلوم لطیفی' شہر کٹیہار میں ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۲ء میں قائم ہوا۔ ان اداروں نے دیوبندی مسلک کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ دار العلوم لطیفی کے بانی مولانا عابد حسین چندی پوری او ان کے بیٹے مولانا محمد عبد الجبار چندی پوری، مولانا محمد منور الدین بستی التا، کشن گنج اور مولانا محمد امام الدین کھتاٹولی، علاقہ روٹا ہاٹ کی سانٹھ گانٹھ نے اس ادارے کو پروان چڑھایا۔ مؤخر الذکر یہ تینوں دار العلوم دیوبند کے فارغ تھے۔ اسی ادارے کے بطن سے دوسرے افراد اور ادارے پیدا ہوئے۔ مولانا منور الدین کی موت پراسرار حالت میں پورنیہ کے اسپتال میں ہوئی۔ مولانا امام الدین اور ان کے اعوان و انصار کے ذریعہ کشن گنج کے بلاک بہادر گنج میں 'دار العلوم بہادر گنج' ۱۹۹۲ء کے بعد قائم ہوا۔ اس سے پہلے زیرو مائل میں ۱۹۸۰ء میں 'تبلیغی جماعت' کا دوسرا بڑا اجتماع ہوا۔ جس کے نتیجے میں وہاں 'دار العلوم زیرو مائل' قائم ہوا۔ سیمانچل میں تبلیغی اجتماع کی شروعات ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔ جس کا اہتمام 'انسان اسکول' کشن گنج کے بانی ڈاکٹر سید حسن نے کیا تھا۔

دیوبندی مسلک کے اور بھی ادارے ہیں۔ مدرسۂ حسینیہ کشن گنج، وہیں ذرا پورب طرف مدرسۂ حسینیہ فرنگ گورا، ایک ادارہ حال ہی میں بلاک امور میں قائم ہوا ہے۔ عرصہ دس پندرہ

سال کے اندر خالص سنیوں کے علاقے ڈنگڑھا گھاٹ سے دکھن مادھے پور میں اس مسلک کا ایک اہم ادارہ قائم ہوا ہے۔ جو اس خطے کیا، کسی بھی خطے کے لئے فال حسن نہیں ہے۔

سیمانچل میں مسلمانوں کی دو برادریاں ہیں۔ ایک سرجاپوری اور دوسری کو وہاں کی مقامی زبان میں 'کلھیا، جبلیار اور کھوٹٹھا' کہا جاتا ہے۔ ضلع اتر دیناج پور پورا، ضلع کشن گنج کی قریب نوے فی صد، ضلع پورنیہ کی پونے فی صد، ضلع کٹیہار کا بھی آدھے زائد فی صد اور ضلع اررریہ کی نصف فی صد آبادی سرجاپوری پر مشتمل ہے۔ ارریہ، پورنیہ اور کٹیہار کے مغربی مغربی کنارے کنارے پر وہی کلھیا برادری آباد ہے۔ دہلی کی 'تقویت الایمانی تحریک' کے اثر سے زیادہ یہی برادری متاثر ہوئی۔ سرجاپوریوں میں یہ اثرات بعد میں آئے۔ اس کی وجہ مذہبی سے زیادہ سیاسی رہی ہے۔ جنگ آزادی کے وقت کانگریسی علمائے دیوبند، جو تقویت الایمانی تحریک کے سرگرم طرفدار و پرچارک تھے، اکابر دیوبند قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے بعد اس کا پرچم دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث محمود الحسن دیوبندی اور پھر حسین احمد مدنی اٹھائے ہوئے تھے۔

یہ خوب واضح رہے کہ 'جمعیۃ علمائے ہند' کے بانی و سربراہ اول اول سنی علما ہی تھے۔ قیام الملۃ والدین حضرت علامہ شاہ محمد عبد الباری فرنگی محلی اور ان کے احباب و رفقا جمعیۃ کے بانی و صدر و سربراہ تھے۔ اس کے اصولی منشور کی اصلاح و نظر ثانی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے کی تھی۔ بڑی چالاکی سے یہ سربراہی محمود الحسن دیوبندی نے اپنے ہاتھ میں لی۔ حسین احمد مدنی انہی کے دست راست تھے۔ چنانچہ اس کا راست فائدہ مدنی ہی نے اٹھایا اور آج تک اس کے اخلاف اٹھا رہے ہیں۔ حسین احمد مدنی جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے کانگریس کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اسی سرگرمی کے سلسلے میں حسین احمد کئی بار سیمانچل بھی پہنچے۔ جن جن علاقوں میں ان کی آمد اور قیام ہوا، وہاں کے لوگوں پر مسلک دیوبند کے اثرات زیادہ مرتب ہوئے۔ کلھیا و جبلیار برادری کے لوگ اس کی زد میں زیادہ آئے۔

غیر مقلدیت و وہابیت ۱۹۹۰ء سے پہلے سیمانچل میں نہیں تھی۔ کہیں اِکا دُکا فرد با کچلا ہو، تو ہو۔ ۱۹۹۰ء کے بعد ہی کشن گنج کے جڑا شہر کھگڑا کے مدخل پر این ایچ ۳۱ کے لب پر ایک بہت ہی بڑا پلاٹ اچانک خرید لیا گیا اور اس پر 'جامعۃ التوحید' کھولا گیا۔ سیمانچل میں وہابیت کا یہ پہلا ادارہ تھا۔ جو طوفان کی رفتار آگے بڑھا۔ اب اس کی کئی ذیلی شاخیں ہیں۔ مدرسے بھی اور اسکول بھی۔ اس کی بنا اور سربراہی کا سہرا غیر مقلد عالم محمد عبد المتین سلفی کے سر ہے۔ اب اس

منحوس شجر کے ناپاک سایے اور جگہوں کی طرف بھی پھیل رہے ہیں۔ ڈنگڑھا گھاٹ اور دالکولہ کے درمیان بجر گاؤں کے پاس شاہ راہ عام سے جانب مغرب لگ کر دوسرا ادارہ بنا۔ اب پھر وہیں جانب مشرق شاندار اسکول تعمیر ہو رہا ہے۔ جو ٹھگڑا کے بعد وہابیت کا دوسرا پڑاؤ ہے۔

حکومت ہند کی چشم پوشی کے نتیجے میں کچھ بنگلہ دیشی گھس پیٹھ ہو کر رائے گنج، دالکولہ، سرجاپور، کانکی اور دیناج پور کے کچھ گاؤں میں آئے۔ ان میں ہندو اور مسلم دونوں ہیں۔ مسلم تمام غیر مقلد ہیں۔ وہاں کی مقامی زبان میں ان کو 'بھٹیا' یا 'بدیا' بولا جاتا ہے۔ یہ قوم بڑی جری، نڈر اور جنگ جو ہے۔ خانہ بدوش، رفیوجی، نو وارد ہونے کے باوجود تعلیم، تجارت اور معیشت میں مضبوط ہے۔ رشوت لینے دینے اور زمین ہڑپنے اور غصب کرنے میں یہ قوم صف شکن بہادر کی حیثیت رکھتی ہے۔ عبدالمتین سلفی کا تعلق اسی قوم سے تھا۔ اس پورے پٹے کے پرانے زمیندار اور شریف لوگ اس قوم سے پریشان اور تباہ حال ہے۔ یہ صرف زمین و جائداد کا ہی مسئلہ نہیں، دین و ایمان کا بھی زبردست خطرہ ہے۔ وہابی اور دیوبندی ایک ہی تصویر کے دو رخ اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ بلکہ عقائد کے اعتبار سے دیوبندی لوگ اور گئے گزرے ہیں۔

تعلیم اور تبلیغ، رفاہی اور فلاحی اسکیم، سیاست اور صحافت، ان بدعقیدوں کے اہم ہتھکنڈے اور عظیم حربے ہیں۔ اپنے گندے عقائد کی پردہ پوشی کے لئے یہ کسی بھی حد تک آگے جا سکتے ہیں۔ کشن گنج پارلیامانی سیٹ کے ایم پی، سیاسی دیوبندی عالم مولانا اسرار الحق قاسمی اپنی پہلی ٹرم کی جیت کے بعد ایل آر پی چوک بہادر گنج میں اپنے جشن کی ریلی سے خطاب میں کہا تھا کہ میرا ہدف اور ٹارگیٹ تعلیم اور روزگار ہے اور یہاں ہم تعلیمی تحریک چھیڑیں گے اور اس کو دوسرا دیوبند بنائیں گے۔ بخوبی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا ڈانڈا کہاں سے کہاں تک ملا ہوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ڈور اور ڈانڈا حسین احمد مدنی سے جڑا ہوا ہے۔ اب یہ کہنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ سیاسی علمائے دیوبند سیاست کے پردے میں اپنے غلیظ و گندے مسلک کی اشاعت کرتے ہیں۔

موضوع سے ہٹ کے ایک پیراگراف اور بھی یہ کہ سیمانچل میں گورنمنٹ کے اسکولز اور کالجز جیسے بھی تھے۔ لیکن تھے اور ہیں۔ اب سارے ہائی اسکولز کو پروموٹ کر کے پلس ٹو کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ خالص درس نظامیہ کے طرز پر اسکولی نظام تعلیم کے لئے ۱۹۷۰ء کے آس پاس ڈاکٹر سید محمد حسن نے کشن گنج میں 'انسان اسکول' کھولا۔ بلاشبہ یہ اسکول عصری تعلیم کی بڑھوتری

میں ایک خاص رول ادا کیا۔ وہاں سے پڑھے ہوئے نوجوانوں نے اس کی کاپی بھی کی۔ مثلاً بائسی میں سی سی آئی، ملت اکیڈمی، موڈرن پبلک اسکول اور اب کے جی این اسکول اسی کی فوٹو کاپی ہیں۔ سن ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ جناب اشفاق عبدالکریم نے 'الکریم ٹرسٹ' کے تحت عصری تعلیمی تحریک کا آغاز کیا۔ اب اس کے پاس کئی ہائی اسکولز، کالجز، حتی کہ میڈیکل کالج بھی ہے۔ یہ ادارے کئی ایکڑوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ٹھیک اسی قسم کا تعلیمی کام ڈاکٹر امام الدین نے شہر پورنیہ میں کیا ہے۔ یہ ساری کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ لیکن یہ تینوں افراد غیر سیمانچلی اور غیر اہل سنت ہیں۔ یہ بھی تعلیم کے نام پر باطل عقائد کی تبلیغ واشاعت میں کوشاں ہیں۔ کیا یہ سنی سیمانچل کے سنی مسلمانوں کے لئے نیک شگون ہے؟۔

ماسٹر اکمل یزدانی پناس، جامعہ ملیہ دہلی سے بی اے کر کے آئے۔ سونتھا ہائی اسکول میں ٹیچر اور پھر ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ دہلی ہی میں 'فضائل اعمال' کے مؤلف دیوبندی عالم شیخ محمد زکریا سے مرید ہوئے اور اس کا تبلیغی نظام بھی ساتھ لائے۔ ساری زندگی 'تبلیغی جماعت' کے نظام تبلیغ سے سرگرمی کے ساتھ منسلک رہے۔ جب ریٹائرڈ ہوئے، تو دہلی مرکز سے جماعتی مال و میٹریل حاصل کر کے اس پورے خطے کے امیر جماعت بن گئے۔ روٹا ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر محمد سعید اکمل یزدانی کے جوڑی دار ہیں۔ اب یہ تمام علاقے کے پیر مغاں ہیں اور وہاں اہل سنت کا ناطقہ بند اور قافیہ تنگ کر رہے ہیں۔

اس پیراگراف کی نگارش کا مقصد یہ ہے کہ غیروں کے یہاں ہر ایک محنت کر رہا ہے۔ مزدور و کسان بھی، کارخانے اور فیکٹری کے مالکان اور کاریگر بھی، علما و مبلغین بھی، طلبہ و جوان بھی، ماسٹران و دانشوران بھی، صحافی و سیاست دان بھی، شیر خوار بھی اور شیخ فانی بھی، حتی کہ بنات حوا، خواتین بھی۔ ہر ایک اپنی بساط، اپنی اوقات کے لحاظ سے اپنے اپنے حلقے اور طبقے میں کام کر رہا ہے۔ یک سوئی اور یک جہتی، نظم وضبط اور شورائی و جماعتی نظام کے تحت کر رہا ہے۔ اب اہل سنت اپنے کاموں کا جائزہ لیں اور ان کے کاموں سے، ان کی سرگرمیوں سے، ان کے سرگرم افراد سے تلنا اور موازنہ کریں۔ مانا کہ اہل سنت کے پاس ایمانِ خالص، عقائد حقہ اور عشق رسول کی دولت لازوال ہے اور لاریب یہی حق اور درست ہے۔ لیکن قوم وملت کے عام مسائل کا تصفیہ و تدارک بھی ہمارے دینی وملی فرائض میں شامل و داخل ہے۔ اس کے لئے ہم کتنی قربانی، کتنا ایثار واخلاص اور کتنا وقت اور مال صرف کر رہے ہیں؟۔ اس لئے آج ہی سے لمحہ بھر ضائع کئے بغیر جاگ جانے اور اٹھ کھڑے ہونے کی اشد ضرورت ہے اور جو جہاں جس شعبہ میں ہے۔ ہر فرد اپنے اپنے شعبے میں آج ہی سے اپنے دینی وملی فریضے کی انجام دہی شروع کر دیں۔ السعی منا والاتمام من اللہ۔

☆☆☆

پورنیہ میں صحافت کا آغاز وارتقا

از: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی

یہ اکیسویں صدی ہے۔ معلوم نہیں کیوں لوگ اسے دور جدید کہتے ہیں۔ عہد نو بولتے ہیں۔ میں تو اسے دور تاریک کہتا ہوں۔ عہد ظلمات بولتا ہوں۔ اس لئے کہتا ہوں کہ آج خون سستا ہے، چوک چوراہوں پر بہتا ہے۔ پانی مہنگا ہے، باٹلوں میں بکتا ہے۔ تن بدن اجلا ہے، دل ودماغ کالا ہے۔ یہ چہرے جو روشن ہیں، یہ ان کی چیرہ دستیوں کی سرخی ہے۔ پوشاک ضرور سفید ہے، پوشاک پوش کا اندر حد درجہ سیاہ ہے۔ ہر سو سیاہی برس رہی ہے۔ لوگ اسے روشنی سمجھ رہے ہیں، آہ! کتنے بھولے ہیں یہ لوگ۔

ایک آرکیٹیکٹ سو منزلہ عمارت کا نقشہ بناتا ہے۔ سمیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے۔ جغرافیہ داں ساری دنیا کا گلوب بناتا ہے۔ ہتھیلی پر رکھ لیتا ہے۔ آنکھ کے اشارے سے دنیا جہاں کے خطوں، علاقوں، پہاڑوں، دریاؤں، محلات وقصور کی نشاندہی کرتا ہے۔ آج کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ سارے جہاں کا ریکارڈ اس میں قید ہے۔ مذہب، سماج، سیاست، صحافت، تجارت، تعلیم، روزگار کھیل کود، عیش وطرب اور نہ جانے کیا کیا، آن واحد میں انگشت واحد ہلا کر دیکھ لیا جاتا ہے۔ ان سب پر سب کا یقین ہے۔ یہی بات غوث پاک کہہ دیں۔ کائنات رائی کے دانہ کی طرح دیکھ رہا ہوں یا خواجہ پاک اناساگر کوزہ میں بھر لیں تو لوگوں کا یقین متزلزل ہو جاتا ہے۔ نبی پاک کے علم غیب پر لوگ چیں بہ چیں ہو جاتے ہیں، ان کا ایمان مضمحل اور ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے۔ آہ! کتنے عقل مند ہیں یہ لوگ۔

عورت پہلے شمع محفل نہیں، شمع خانہ ہوتی تھی۔ آنچل اور گھونگھٹ کا اتنا لحاظ کہ کیا مجال، جو کوئی غیر اندرونِ حویلی جھانک سکے۔ مرد ہی مرد میداں، میر کارواں ہوتا تھا۔ معاش وروزگار میں لگا رہتا تھا۔ گھر بھر کھاتا، پیتا تھا۔ آسودہ حال رہتا تھا۔ کسان کھیت جوتتا تھا۔ ایک برس میں زمین ایک ہی فصل اگاتی تھی۔ پھر برسوں کسان وارے نیارے گزارتا تھا۔ آج آدمی بے دین ہو کر، عورت بے حجاب ہو کر

کماتی ہیں۔ زمین دودو، تین تین فصلیں دیتی ہیں۔ تاہم نہ سکون ہے، نہ سیری، نہ آسودگی۔ یہاں ایک مفہوم حدیث یاد آتا ہے۔ مسلمانوں کے آقا نے فرمایا تھا: مومن کی ایک آنت ہوتی ہے۔ کافر کی سات آنتیں ہوتی ہیں۔ مومن قلیل پہ قناعت کرتا ہے۔ سیر شکم ہوجاتا ہے۔ کافر جاموں جام، ڈھیروں ڈھیر کھاتا ہے، مگر شیر شکمی نصیب نہیں ہوتی۔ کیا یہ دور ترقی ہے؟ آہ! کتنے نادان ہیں یہ لوگ!

طائر بلند پرواز دن بھر ڈال ڈال اڑتا پھدکتا رہتا ہے۔ شام ڈھلے ہی اپنا آشیانہ لوٹ آتا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ یہی حال انسانوں کا بھی ہے، انسان بھی شہروں شہروں یا ملکوں ملکوں بھلے خاک اڑاتا پھرتا ہے، مگر اپنی مٹی کی یاد اسے آتی، ستاتی رہتی ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوا۔ پلا، بڑھا اور پڑھائی کیا۔ گجرات کے باپو کرم چند گاندھی افریقہ میں رہے، انگلینڈ میں پھرے، مگر پور بندر کی مائی اسے یاد آتی رہی۔ پتلی بائی کا بوسیدہ کمرہ اسے ستاتا رہا۔ گاندھی کی خودنوشت 'تلاش حق' ذرا پڑھیے تو سہی، واپس آ کر اکہرے بدن، سانولے رنگ کے گاندھی، کیسی جیتی جاگتی یادیں چھوڑ گئے۔

میرا خیال ہے، ماضی ہی مرکز نور ہے، منبع سرور ہے، مسحور من الکیفیۃ والراحۃ ہے۔ جو ماضی سے کٹا، وہ کٹی پتنگ ہے۔ جو پامال ہو کر رہے گی۔ نہ گھر کا، نہ گھاٹ کا، دھوبی کا کتا۔ اب ہو کر رہے گا اس کا بارہ باٹ، اس ابتر حالت سے خدا بچائے۔ میں انسان ہوں، مجھے اپنی مٹی سے پیار ہے۔ میں بھی مسلمان، وہ بھی اول مسلمان، آخر مسلمان، مجھے اپنے ماضی سے محبت ہے۔ میری مٹی اگر دھن راج ہے، تو میرا ماضی بھی بڑا دھن وال ہے۔ میں بھی اپنی مٹی کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔ اپنے ماضی سے روشنی کشید کرتا ہوں۔

مگر میں یہاں اپنی مٹی اور ماضی کی شیریں سنہری سریلی کہانی نہیں لکھوں گا۔ آج (۱۲/اپریل ۲۰۱۱ء) میں ضرور تحریر کروں گا۔ میری مٹی اور ماضی نے پورنیہ کی دھرتی یا چھاتی پر صحافت کے حوالہ سے کیا گل تریا کیسے کیسے شوخ رنگ پھول کھلائے ہیں۔ گرچہ میری معلومات یا مطالعہ بہت کم یا قلیل ہے۔ مگر کوشش یہی ہوگی کہ پورنیہ کے رخ گلفام پر اخبار ورسائل کی صورت میں کیسے کیسے سرخ وسیاہ تل اگتے رہے ہیں۔ تو اب لیجئے، پورنیہ کی صحافتی خدمات کا ایک سرسری جائزہ۔ تاکہ سند رہے اور تاریخ صحافت کا کوئی مورخ اسے بے سند ٹھہرانے کی جرأت نہ کر سکے۔ پورنیہ کی قدر ومنزلت، شان وشوکت کا کیا پوچھنا! ذرا دیکھئے شیخ سعدی اور ڈاکٹر اقبال یہ کیا فرما گئے ہیں۔ شیخ سعدی کا فرمان یہی ہے:

ع: عمر قبا گر حریر است وگر پرنیاں۔

اور ڈاکٹر اقبال کا ارشاد سنئے:

پورنیہ تو خون مسلمان کا امین ہے

مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں

تعصب زدہ لوگوں کی طرح یہ کاتب بھی تعصب زدگی کا شکار رہا ہو گا یا پورنیہ دشمنی میں مبتلا ہو کر دونوں جگہ 'پورنیہ' کے بجائے 'پرنیان اور 'ہسپانیہ' لکھ دیا ہو، یہ اپنا خیال، اپنی سوچ ہے۔ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی خیال کے پاؤں میں یا سوچ کے چونچ میں قفل چڑھائے۔

اخبار، رسائل، جرائد فوری اطلاع کے اہم ذرائع ہوتے ہیں اور مذہب، سماج، فکر و فلسفہ، سوسائٹی، معاشرہ، معاش، اقتصاد، تجارت، صنعت، حرفت، ثقافت، کلچر، سیاست، شعر و ادب کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ مسلم راج میں یہاں اعلم و فن، شعر و ادب، حرفت و ہنر کا تو خوب چرچا معلوم ہوتا ہے۔ مگر صحافت کا سراغ نہیں ملتا، البتہ برطانوی راج میں صحافت جیسے اہم شعبہ نے سر ابھار دیا ہے۔ پھر آزاد ہند میں اس شعبہ نے خوب بال و پر پھیلائے ہیں۔ خوب برگ و بار لائے ہیں۔ ۱۹۰۶ء سے پہلے اہل پورنیہ دوسرے شہروں کے اخبار اور رسائل منگا کر مطالعہ کرتے تھے، اور درج ذیل اخبار و جرائد پورنیہ آتے تھے، مثلاً فارسی رسالہ "جام جہاں نما" کلکتہ، زمانہ کان پور، سہیل، گیا، پیسہ اخبار لاہور، زمیندار اور مخزن لاہور وغیرہ۔

پورنیہ میں ہندی صحافت کا آغاز ۱۹۰۶ء سے ہوا۔ اردو صحافت کی شروعات ۱۹۲۴ء سے ہوئی ہے۔ انگریزی اور بنگلہ صحافت کی ابتداء ۱۹۲۵ء سے ہو چکی تھی۔ الاول فالاول کے تحت شروعات ہم یہاں ہندی جرائد سے کرتے ہیں۔ عہد بہ عہد چہار لسانی صحافت کا تاریخی نذر قارئین کرتے ہیں:

☆ رسک متر: ہندی زبان کا یہ مایہ ناز رسالہ تھا۔ یہ رسالہ ۱۹۰۶ء میں نکلا۔ شری کملانند سنگھ اس کے ایڈیٹر تھے۔ یہ سری نگر سے نکلتا تھا۔ یہ سری نگر کشمیر کا سری نگر نہیں، پورنیہ کا سری نگر ہے۔ اس زمانے میں پورنیہ میں چھاپہ خانہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ ماہنامہ بنارس سے چھپ کر آتا تھا۔

☆ ستے سنی: یہ بھی ہندی زبان کا مایہ ناز رسالہ تھا۔ ۱۹۲۰ء میں نکلا تھا۔ یہ رسالہ فارس گنج جواب جدید ضلع اررریہ میں ہے، سے نکلتا تھا۔ یہ بھاگل پور سے چھپ کر آتا تھا اور اور فارس گنج سے ایشو ہوتا تھا۔ شری تواڑی جی، شری انوپ، سلیتہ رتن طرار، شری اشرفی لال ورما ادارتی بورڈ کے ستون و شہتیر تھے۔

☆ کیورت کومدی: اس کی میعاد کیا تھی۔ سفر اشاعت کیا تھا، معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ یہ شری انوپ لال سمیلی کی ادارت میں نکلتا تھا اور بھاگل پور سے چھپ کر آتا تھا۔

☆ پورنیہ درپن: یہ جریدہ ہفتہ وار تھا، جو خاص پورنیہ سے جاری ہوا۔ یہ ایک سہ لسانی جریدہ تھا، جس کا اجرا ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ شری پی سی سین بار ایٹ لا کی جوش صحافت اور ہنر مند ادارت کا یہ جریدہ منہ بولتا ثبوت تھا۔ ہندی مضامین کی ترتیب شری اشرفی لال ورما دیتے تھے۔ شری پربھوت چندر بھٹہ

چارج اور شری برج موہن ٹھاکر ایڈوکیٹ اشرفی لال کے قلمی ساتھی تھے۔ بنگلہ حصہ کو ترتیب وایڈٹ شری پی سی سین باریٹ لا دیکھا کرتے تھے۔ یہ ایک معیاری جریدہ تھا، جو مختلف طبقوں میں ذوق وشوق سے پڑھا جاتا تھا۔ انگریز حکام وافسران بھی اسے دلچسپی سے اپنی میز پہ رکھتے تھے۔ انگریز مخالف مضامین کی پاداش میں یہ جریدہ ۱۹۳۰ء ضبط کرلیا گیا۔ یوں یہ ہفتہ وار سہ لسانی جریدہ پانچ سال کامیاب اشاعت بعد ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔

☆ فرینڈس نوٹ: یہ بھی ہفتہ وار جریدہ تھا، زبان انگریزی تھی۔ پورنیہ سے نکلتا تھا اور پورنیہ ہی سے اسپرٹ پرنٹنگ پریس سے چھپتا تھا۔ شری گوپال نرائن اس جریدہ کے مالک ومدیر تھے۔ اس کا عہد اشاعت معلوم نہ ہوسکا، ورنہ پورنیہ میں چھاپہ خانہ کی ابتدا معلوم ہوجاتی۔ البتہ قیاس ہے کہ یہ انگریز ہفتہ وار ۱۹۲۰ء سے قبل کا یا اس کے آس پاس ہے۔

☆ طلبہ، باراعیدگاہ: پورنیہ کا یہ مایۂ ناز رسالہ تھا، جو اردو زبان میں غالباً پہلا رسالہ تھا، اپریل ۱۹۳۴ء میں اس کا اولین شمارہ باراعیدگاہ، امور، پورنیہ سے نکلا تھا۔ مولانا ابراہیم صدیقی اس رسالہ کے مدیر تھے۔

☆ آفتاب، پورنیہ: یہ ایک اسبوعیہ یعنی ہفتہ روزہ جریدہ تھا، جو پورنیہ سے ۲۲رجون ۱۹۳۴ء کو نکلا تھا۔ مولوی طاہر ایڈوکیٹ، ایم ایل اے، مولوی عبدالمنان ایڈوکیٹ ایم اے بی ایل ادارۂ تحریر وادارت کے اہم اشخاص تھے۔ یہ ہفت روزہ دوبرس تک جاری رہا۔ ۱۹۳۶ء میں بند ہوگیا۔

☆ آئینہ، کشن گنج: اردو زبان کا یہ جریدہ بھی ہفت روزہ تھا، جو ۱۳را کتوبر ۱۹۳۶ء، ہی کو کشن گنج سے جاری ہوا۔ ایڈیٹر شیشہ باڑی کے حاجی عبدالغفار تھے۔ مالک ونگراں مولوی فضل الرحمن ایڈوکیٹ ایم ایل اے تھے۔ باراعیدگاہ والے مولوی ابراہیم صدیقی معاون مدیر تھے۔ ان دونوں کے بعد مولانا حکیم رکن الدین دانا سہسرامی، جو کشن گنج میں رہا کرتے تھے اور مولانا محمد اسماعیل ناسخ عظیم آبادی نے قلمدان ادارت سنبھالا۔ یہ ایک معیاری ہفتہ وار تھا، جو بڑے دنوں تک اہل پورنیہ کو آئینۂ پورنیہ دکھاتا رہا۔ جناب شمس یمن گرامی، محشر اعظمی، سلیمان مرحوم سلیماں، اکمل یزدانی، اس جریدہ کے اہم قلمکار تھے۔ اس کے معیار واعجاز کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ہفتہ وار کشن گنج سے نکل کر قریب پورے بہار، بنگال، آسام تک قارئین کا ایک خاصہ حلقہ بنا چکا تھا۔

مولانا ظفر علی خان جو اخبار زمیندار، لاہور کے ایڈیٹر تھے۔ پورنیہ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کے لئے کشن گنج آئے۔ یہ اپریل ۱۹۲۹ء تھا۔ جب ان کے سامنے ہفتہ روزہ 'آئینہ' آیا، تو ان کا ذہن آئینہ ہوگیا۔ کانفرنس کے دوران ہی دو نظمیں لکھیں۔ اہل آئینہ کے حوالے کیں کہ وہ آئینہ میں اشاعت پذیر ہوں۔ یہی نہیں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا، جس میں مولوی فضل الرحمن ایم ایل اے

کی قربانی وایثار اور صحافتی بصیرت کا ذکر کیا۔ مسلمانوں کے حقوق ومفادات کی بحالی کے لئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس اخبار کو جاری رکھنے میں ہر ممکن تعاون دیں۔ان کی یہ شفارشی واعترافی تحریر ۲۹؍اپریل ۱۹۳۹ء کو معرض وجود میں آئی۔

☆ ماہنامہ 'نہار' کشن گنج: 'نہار' کا اجراء ۱۹۳۷ء میں ہوا۔مولوی عبدالمنان مدیر مسئول تھے۔مولوی معین الدین بیگناوالے معاون مدیر تھے۔یہ ایک مذہبی رنگ کا رسالہ تھا، جو کوئی دوسالوں تک نکلتا رہا، پھر بند ہو گیا۔

☆ ماہنامہ 'جام' کشن گنج: اس کا اجرا مئی ۱۹۳۹ء میں عمل میں آیا۔'بزم ادب' کشن گنج کے سیکڑوں لوگ اس جام کے سرپرست تھے۔حکیم سید مظہر علی مظہر، جو کشن گنج میں طبابت کرتے تھے، مدیر تھے۔یہ 'جام' آیا تو بہت تام جھام سے، مگر بس اکلوتا شمارہ ہی یادگار چھوڑ کر یہ جام بانجھ ہو کر رہ گیا۔

☆ ماہنامہ 'طوفان' بارہ عیدگاہ: یہ طوفان کب آیا اور کب تھم گیا۔مدت، میعاد معلوم نہیں۔البتہ اس کے ایڈیٹر پورنیہ کے طنز ومزاح نگار مولانا اسماعیل رموزی تھے۔

☆ سہ ماہی 'الاحسان' کاشی واڑی: تحصیل بیسہ، جس کا دفتری کام روٹا میں ہوتا تھا، سے اشاعت پذیر ہوا۔ہفت روزہ 'انسان' کشن گنج کے مالک مولوی محمد احسان ایم ایل اے اس کے سرپرست تھے۔مولانا محمد یوسف، جو کشن گنج ہائی اسکول کے ہیڈ مولوی تھے، نگرانی کرتے تھے۔جب کہ ادارت مولوی محمد فضل الرحمن بی اے کرتے تھے۔اس کے اجرا واختتام کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

☆ ماہنامہ 'اوستا' کشن گنج: یہ ہندی زبان کا رسالہ تھا۔شری کرون جی س کے ایڈیٹر تھے۔چند شمارے کامیابی سے منظر عام پر آئے۔پھر رخصت پذیر ہوا۔اس کی بھی مدت اشاعت کا پتا نہیں چل سکا۔

☆ سہ روزہ 'عمل' کشن گنج: 'جہانگیر پریس' کشن گنج کے مالک ہی اس 'عمل' کے بھی مالک ومدیر تھے، محشر اعظمی، جو کشن گنج میں رہا کرتے تھے، یہ اور اکمل یزدانی بھی کبھی کبھی مدیر رہے۔پہلے یہ پرچہ ہفت روز گار نکالا گیا۔کچھ دنوں بعد سہ روزہ کر دیا گیا۔کچھ ایک برس تک اس کی کامیاب اشاعت رہی۔

☆ ہفت روزہ 'راشٹریہ سندیش' پورنیہ: ہندی زبان کا یہ ہفت روزہ ۱۹۳۷ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ایک مدت تک یہ پابندی سے جاری رہا۔۱۹۵۵ء تک یہ شائع ہوتا تھا۔اس کے بعد کا حال معلوم نہیں۔اس کی ایڈیٹنگ مشہور جرنلسٹ شری سدھا، جو اس وقت ایم ایل اے تھے، کر رہے تھے۔شری بھونالا تو منڈل مدیر مسئول تھے۔شری نریندر پرشاد نائب مدیر تھے۔اس ادارہ نے اپنا پریس بھی خریدا تھا۔فل اسکیپ سائز کے آٹھ صفحات کا یہ اسبوعیہ تھا۔

☆ پندرہ روزہ 'نئی دِشا' پورنیہ: یہ پرچہ ہندی زبان میں نکلتا تھا۔سوشلسٹوں کا یہ ترجمان تھا۔کئی ماہ تک

جاری رہا۔ پھر نہ معلوم کس دِشا میں جا کر اپنا دِشا بھول گیا۔

☆ ہفتہ وار 'انسان' کشن گنج: یہ ہفتہ روزہ اخبار بنام 'انسان' آزاد ہند، آزاد پورنیہ کا غالباً پہلا اخبار تھا، جو ۱۹۴۸ء میں نکلا اور ۱۹۵۵ء تک جاری رہا۔ پھر اس کے بعد کا حال معلوم نہیں۔ پدم پور اسٹیٹ، کشن گنج کے رئیس مولوی میاں محمد احسان مرحوم کی دلچسپی ومالی اعانت کا یہ عملی نمونہ تھا۔ ہزار خسارہ کے باوجود اس جریدہ نے اہلِ پورنیہ کی بڑی خدمت کی۔ اول وآخر مدیر اکمل یزدانی رہے۔ درمیان میں نامی عظیم آبادی نے بھی اس کی ادارت کی تھی۔ ہفت روزہ 'انسان' کا 'پورنیہ نمبر' اسی ادارے کی جگر کاوی کا نتیجہ تھا۔ اس کا اپنا پریس بھی تھا۔

☆ ماہنامہ 'صبح نو'، پورنیہ: ترقی پسند ادب کا یہ اردو ترجمان ۱۹۵۳ء میں نکلا۔ ۱۹۵۵ء تک جاری تھا۔ بعد کا حال معلوم نہیں۔ جناب وفا ملکپوری اس کے مدیر تھے۔ پہلے جہاں نگر پریس کشن گنج سے چھپتا تھا۔ بعد میں حمیدیہ برق پریس لہریا سرائے سے طبع ہو کر آتا تھا۔ قاضی جلال ہری پوری نے 'صبح نو' کے لئے ایک خاص نظم لکھی تھی۔

☆ ہفتہ وار 'دھرتی' پورنیہ: اس ہفت روزہ ہندی کی اشاعت ۱۹۵۴ء سے ہونے لگی۔ کب تک ہوتی رہی، معلوم نہیں۔ پروفیسر شری لکشمی نرائن ایم اے اور پروفیسر کلام حیدری اس کی ترتیب وایڈیٹنگ کی ذمہ داری نبھاتے تھے۔

☆ ماہنامہ 'ساحل'، کشن گنج: یہ غالباً ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں طبع ہونا شروع ہوا اور ۱۹۵۵ء کے بعد تک طبع ہوتا رہا۔ اکمل یزدانی، محشر اعظمی، دہر ناصری وغیرہ اس کے ادارت کرتے تھے۔

پچاس سال پہلے کا یہ ایک سرسری، مگر تحقیقی جائزہ ہے۔ بعد کا جائزہ سیمانچل کے ہونہار نوجوانوں کے لئے چھوڑتا ہوں۔ وہ نوجوانانِ سیمانچل، جو قوس وقزح کی رنگینی اور کہکشاں کے جمال پر کمند ڈالنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ یہ ایک ادبی اور صحافتی جائزہ ہے۔

خالص دینی ومذہبی اور تقدیسی ادب کا کوئی ترجمان نظر سے نہیں گزرا۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ سے کم نہیں۔ اتنے علما، اتنے مدارس، اتنے مراکز اور اتنی خانقاہیں اور درگاہیں، کسی کا کوئی آرگن نہیں۔ صد ہزار باعث حیرت ہے۔ ابھی حالیہ برسوں میں مفتی محمد زبیر صاحب صدیقی کے زیر اہتمام بنام اسلامی آواز پورنیہ شہر یعنی ماہنامہ کا پہلا یا دوسرا شمارہ نگاہ سے گزرا تھا۔ لیکن تکلف برطرف اس کی حالت لنگی ہی ہے، جیسے پالنے کا بچہ۔ حضرت مفتی زبیر صاحب باصلاحیت بھی ہیں اور باوسائل بھی۔ وہ چاہیں، تو یہ ماہنامہ پورے سیمانچل کا ترجمان بن سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

پورنیہ میں خشک سالی یا سیلاب کی تباہ کاریاں

از: ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

قدیم پورنیہ کو تاریخ میں 'ملک پورنیہ' سرکار پورنیہ، ریاست پورنیہ، کہا گیا ہے، کبھی یہ 'حضرت پورنیہ' اور 'پورنیہ شریف' بھی رہا ہے۔ مالدہ، مونگیر، سہرسہ، مدھے پورہ میں بھی اس کے کچھ رقبے کاٹ کر ملائے گئے ہیں۔ مختلف وقتوں میں اس کا الگ الگ حصہ بنایا گیا۔ الگ الگ جدید ضلع بنتا گیا۔ اتر دیناج پور، کٹیہار، کشن گنج اور ارریہ اضلاع جدیدہ کبھی پورنیہ ہی کے اٹوٹ رنگ تھے۔ کرن دیگھی، گوال پوکھر، کشن گنج کا کچھ حصہ اسلام پور، چوپڑا اور ٹھاکر گنج کا کچھ حصہ' یہ کوئی چھ تھانے تھے، جن کا مجموعی رقبہ ۵۹۷ مربع میل تھا۔ ۱۹۰۶ء تک یہ وسیع رقبہ قدیم پورنیہ ہی کے بازوئے مظبوط تھا۔ سنہ مذکورہ میں کاٹ کر مغربی بنگال میں ملا دیا گیا۔ ورنہ اُدھر نا گرندی کے ساحل تک پورنیہ ہی کا پرچم لہراتا تھا۔

قدیم پورنیہ کا ایک بڑا رقبہ سرجا پوری یا سیمانچل کہلاتا ہے۔ قدیم پورنیہ کو دوآبہ، سہ آبہ، چہار آبہ کہنا درست نہیں، اسے آپ دہ آبہ، سی آبہ، چہل آبہ کہیے یا پھر صد آبہ کہہ دیجئے۔ کیوں کہ یہ کچھ نشیبی بھی ہے۔ آبی و سیلابی خطرے بھی ہیں، کبھی یہ خطہ خشک سالی، قحط زدگی کی مار جھیلتا رہا ہے، تو کبھی بردوباراں، طوفان بے اماں، سیلاب بے درماں کا شکار ہوتا رہا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے جھروکوں سے زمینی، آسمانی، طوفانی اور سیلابی، تباہ کاریوں کا ایک سرسری جائزہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

مولانا محمد اسماعیل رموزی کامیاب طنزو مزاج نگار گزرے ہیں۔ یہ بارا عیدگاہ، تحصیل امور، پورنیہ سے کبھی ماہنامہ 'طوفان' نکالتے تھے۔ ان کی ایک طنزیہ یا مزاحیہ عبارت ضیافت طبع کے لئے یہاں پیش کی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یہاں سیلابی تباہ کاریاں کیسی قیامت کی ہوا کرتی ہیں۔ مولانا رموزی لکھتے ہیں:

'میں جتنا بھر مضمون نگار ہوں، وہ من آنم کہ من دانم۔ ہاں! کبھی جی

میں آیا، تو نوک قلم سے گھسیٹ مارا۔ انہیں گھسیٹیات عالیہ کی اشاعت کے لئے رسالہ 'طوفان' کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ 'طوفان' تھما، تو ارادہ ہوا کہ 'سیلاب' نکالا جائے، مگر قدرت نے سیلاب کا اتنا بڑا ضخیم ایڈیشن مبعوث فرمایا کہ امیدوں پر بانسوں پانی چڑھ گیا اور ساری تمنائیں تہ آب ہو کر رہ گئی۔ اب خیال ہے کہ 'سیلاب' کا منبع 'ہمالیہ' ہی نکالا جائے، اور موسم و موقع کے لحاظ سے اس کے بارش نمبر، ابر و باد نمبر، بجلی اور کڑک نمبر، کوسی پروجیکٹ نمبر، مہاندی، اور پنار نمبر، کنکئی اور پردان نمبر نکالے جائیں۔ قدرت کی اعانت ہوئی، تو پھر بہار غرقاب نمبر، آسام تہہ آب نمبر اور دربھنگہ برباد نمبر نکالنا کوئی بڑی بات نہیں ہے'۔

یہ تو نثر ہوئی، نظم کے بھی کچھ اشعار سے بچشم تصور نظارۂ بردو باراں، سیلاب و طوفاں کر ہی لیجئے۔ قاضی جلال ہری پوری کامیاب شاعر گزرے ہیں۔ اپنے نواسہ قاضی محمد شہیر کے نام ایک منظوم خط میں طوفانی و سیلابی تباہ کاریوں کی کچھ اس طرح منظر کشی کرتے ہیں:

ہے بہت ناگفتہ یہ گاؤں کا حال ہوگئے ہیں لوگ سارے پائمال
آج کل سیلاب ہے آیا ہوا ابر بھی ہے ہر طرف چھایا ہوا
چل رہی ہے آندھی جیسی ہوا گاہ پچھوا اور گہے باد صبا
اس کی زد میں آگئے صدہا مکاں گر گئے کچھ جھک گئے اف الاماں
سیکڑوں انسان بے گھر ہوگئے چرخ تیلی فام چھپر ہوگئے

مولانا محمد مبارک رضوی سیمانچل کے بہت کامیاب شاعر ہیں۔ وہ وہاں کے سیلاب کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

ندیاں کنکی مہندی داس اور پروان میں بائسی کی سرزمیں آباد ہے طوفان میں
یہ ندی بارہ مہینے جاری رہتی ہے یہاں پار ہونے کے لئے کشتی بھی چلتی ہے یہاں
جھوم کر آتا ہے موسم جب یہاں برسات کا رخ بدل دیتا ہے پانی وقت کے حالات کا
سال میں آتا ہے جب جب ماہ ساون جھوم کے پانی آجاتا ہے دامن ہمالہ چوم کے
پانی جو کوہ ہمالہ پر بہت بیتاب تھا بائسی میں آتے ہی وہ صورت سیلاب تھا

جب یہاں انسان کھیتوں پر جماتے ہیں نظر | فصل کم پانی زیادہ ان کو آتے ہیں نظر
دیکھ کر کھیتی کی حالت روتے ہیں سارے کسان | غم کے آنسو سے خوشی کو دھوتے ہیں سارے کسان
اپنے سر پر ہاتھ رکھکر سوچتے رہتے ہیں وہ | اپنے اپنے دل میں یہ سیلاب سے کہتے ہیں وہ
کھیت اور کھلیان زیر آب منظر ہولناک | لے کے آتا ہے عجیب سیلاب منظر ہولناک
اس طرح سیلاب ہر نقشہ کو دیتا ہے بدل | تیرتے ہیں ایسے گاؤں جیسے پانی پر کنول
بائسی کی سرزمیں تجھ کو سدا پائندہ باد | ہے مبارک بھی تری دھرتی کا بیٹا زندہ باد

قدیم پورنیہ کبھی ایک بڑا ضلع تھا۔ اہل پورنیہ شمال میں کوہ ہمالہ کی چوٹی کو نظروں سے دیکھ سکتے تھے۔ ادھر دار جنگ کی ضنک ہواؤں سے محظوظ ہوتے تھے۔ مغربی بنگال کی میٹھی مدھر بولیوں سے بھی لطف اندازہوتے تھے، جنوب مغرب میں کوسی اور گنگا کی لہروں، طغیانیوں سے بھی مزہ اٹھالیتے تھے۔ خود اس کی چھاتی پر درجنوں اور ندیاں اور رواں دواں تھیں اور ہیں، جن میں کچھ تو سالوں بھر بہتی رہتی ہیں اور کچھ بارش وسیلاب کے زمانے میں بھرتی ہیں۔ پھر خشک ہوجاتی ہیں۔ ان ندیوں سے فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ جہاز رانی، کشتی بانی، آب پاشی کی وجہ سے تجارت وزراعت کی پیداوار اور اپجاؤ میں یہ ندیاں نہایت معاون ہیں۔

مگر بارش اور سیلاب کے زمانے میں یہی ندیاں قہر ساماں بن جاتی ہیں۔ فصلیں، مویشیاں اور مکانات کبھی خراب ہوتے ہیں، کبھی ڈھہ جاتے ہیں اور کبھی بہہ جاتے ہیں۔ ندیاں جب زوروں پر آتی ہیں، تو بستیاں پانی کی سطح پر تیرتے دیکھائی دیتی ہیں۔ انسانی جان بچانا ہی مشکل ہوجاتا ہے، تو پھر ایسی صورت میں مویشی اور کھیتی کو کون پوچھتا ہے۔ جانی ومالی، معاشی وزراعتی وتجارتی ایسی بھاری تباہی ہوتی ہے کہ پھر انسان برسوں کمر سیدھی نہیں کر پاتا ہے۔

مہانندا، کنکئی، کوسی، پراون، پنار، ناگر، ڈونک، داس، سورا، پچھی، بوڑھی، گنگی جیسی دسیوں ندیاں ہیں، جن کے کٹاؤ، بہاؤ سے یہ خطہ ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے، حکومتی سطح پر ندیوں کو کنٹرول کرنے کا کئی بار پراجیکٹ بھی بنایا گیا، مگر وہ سارے پروجیکٹس ہر بار محض خراب وسراب ہی ثابت ہوئے۔

☆ ۱۷۷۰ء کی خشک سالی، قحط سالی اور آتش زدگی: ۱۷۷۰ء ہی میں پورنیہ میں مسلم دور حکومت کا پرچم سرنگوں ہوا اور اسی سال پورنیہ پر دور استعمار کا تسلط یا تغلب قائم ہوا۔ یوں تو یہ خطہ دور قدیم سے ارضی، سماوی، سیلابی آفات سے تباہ وبرباد ہوتا چلا آرہا ہے، لیکن ۱۷۷۰ء کی

خشک سالی اور آتش زدگی کا جواب نہیں۔ پورنیہ کا چرخ نیلی فام اہل پورنیہ سے روٹھ گیا۔ اس خطہ پر اس برس بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا۔ ندی، نالے، جھیل، جوہڑ، پوکھر، تالاب، حتیٰ کہ کنویں بھی سوکھے پڑے تھے۔ دوب، گھاس کی کیا اوقات جھیل، جھاڑیاں، درختوں، باغات کا سوکھ کر برا حال تھا۔ مویشیوں کی اموات سے ہر طرف تعفن پھیل چکا تھا۔ بھوک، پیاس، تپش، تمازت کی شدت سے انسانوں کی لاشیں اٹی پڑی تھیں۔

مسٹر ڈکرڈی انگریز سپروائزر اور ریاستی وزیر محمد رضا خان کی رپوٹ کے مطابق انسانوں کی اور جانوروں کی نعشوں کے سڑنے اور گلنے کی وجہ سے وبائی امراض تیزی سے پھیل گئے تھے۔ روزانہ سیکڑوں لاشیں بغیر کفن کے دفنائی جارہی تھیں۔ مفلسی، فلاکت نے ایسی مجبوری پیدا کردی تھی کہ کئی لوگ اپنے بچوں کو بیچنے کے لئے تیار ہوگئے تھے، مگر کوئی خریدار نہیں تھا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے، قہر بالائے قہر یہ گرا کہ آتش زدگی کے اچانک حادثے نے ہاہا کار مچادیا اور کیا آبادی، کیا ویرانہ، ہر ہر طرف چٹیل میدان ہی نظر آنے لگا۔ بچا کھچا غلہ اناج بھی جل کر خاکِ سیاہ ہوگیا۔ لوگ جنگلی جانوروں کے گوشت کھا کر گزارہ کرنے لگے۔ اس قحط سالی اور آتش زدگی کا تخمینہ دولاکھ لوگ لقمۂ اجل ہوگئے تھے۔

☆ ۱۷۸۳ء کی خشک سالی: ۱۷۷۰ء کی قیامت خیزی سے جو لوگ بچے رہے، دھیرے دھیرے ان کی زندگی معمول پہ آنے لگی۔ کسی حد تک حالات پر قابو پالیا گیا۔ مگر تیرہ برس کے بعد ۱۷۸۳ء میں پھر اسی طرح کی خشک سالی پیدا ہوگئی۔ ڈسٹرک گزیٹیر کے رپورٹر مسٹر ڈبلو ڈاگلاس نے اس قحط کا جائزہ لیا۔ ۲۳ ستمبر ۱۷۸۳ء کی رپورٹ میں لکھا کہ اس خشک سالی کی وجہ سے جو غذائی بحران پیدا ہوا، اس سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد موت کے گھاٹ اتر گئی۔ ضروریات زندگی کی چیزوں کی قیمت اتنی بڑھ گئی کہ لوگوں کی قوت خرید سے باہر ہوگئی۔ برطانوی حکومت نے انسدادی کاروائی تو کی، لیکن وہ بالکل نا کے برابر تھی۔

☆ ۱۷۸۸ء اور ۱۷۹۱ء کا سیلاب: ۱۷۸۳ء کی خشک سالی سے جو صورت حال پیدا ہوئی تھی، اب وہ صورت معتدل ہورہی تھی۔ پیداوار میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ مگر ۱۷۸۸ء میں موسم کا تیور یک لخت بدل گیا۔ پھر تین برس کے بعد موسم نے یہی تیور دیکھایا۔ بے موسم کی برسات نے جہاں تہاں سیلاب بے اماں لادیا۔ ندی نالے جھیل ابل گئے۔ آبادی زیر آب آگئی۔ جوٹ اور بھدوی دھیان کی فصل تباہ ہوگئی۔ یہ بارش وسیلاب ماہ مئی، جون ہی میں آگیا تھا۔ پھر جب اگھنی دھان کی روپنی کا وقت آیا، تو نہ بارش ہوئی، نہ سیلاب آیا۔ جس کی وجہ سے یہ اہم فصل، جو

وہاں کی اہم ترین فصل ہوئی تھی۔ ان کی کاشت نہ ہوسکی۔ اس بلائے ناگہانی میں اہل پورنیہ کو فاقہ کی نوبت نہیں آئی کہ حکومت وقت نے حفظ ماتقدم کے طور پر غدائی اجناس واخر ذخیرہ اکھٹا کر رکھا تھا، جو بر وقت کام آیا۔ ۱۸۷۶ء کو ایک لاکھ پچاس ہزار اور ۱۸۷۷ء کو پچہتر ہزار آٹھ روپے کا غلہ خرید کر حکومت نے اسٹور کر لیا تھا۔

۱۸۶۵ء کا جنگی ماحول، پھر ۱۸۶۶ء کا قحط، ۱۸۶۵ء میں اہل پورنیہ اور بھوٹانیوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ جس میں بھوٹان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ ابھی جنگ کے اثرات باقی ہی تھے کہ ۱۸۶۶ء میں پورنیہ پر خشک سالی کا منحوس سیاہ سایہ پڑ گیا۔ غلہ ختم ہو چکا تھا۔ فصلیں جل کر تباہ ہو گئیں تھیں، جنگ اور قحط سے پہلے اناج کا بھاؤ فی روپیہ چھبیس سیر تھا۔ اب وہی اناج ایک روپیہ میں نو سیر ہو گیا۔

☆ ۱۸۷۳ء کا قحط، پھر ۱۸۷۴ء کا سیلاب: سات برس بعد پورنیہ پر پھر قحط پڑا۔ ۱۸۷۳ء میں خشک سالی رہی۔ فصلیں یا تو اگائی نہیں گئیں یا اپجائی گئیں، تو بر بنائے خشک سالی جل کر راکھ ہو گئیں۔ ابھی یہ ہلاکت وفلاکت کا ماحول تھا ہی کہ ۱۸۷۴ء میں زبردست سیلاب آگیا اور تمام فصلیں زیر آب ہو کر بہہ گئیں۔ ایک غلے کی کمی، اس پر ایندھن اور جلاون کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا۔ ہر طرف مایوسی، کسمپرسی، محرومی کا بادل گھرا ہوا تھا۔ پورے خطے میں پانی ہی پانی گھس آیا تھا۔ مویشی چارہ کے بنا، انسان اناج کے بغیر دم توڑ رہے تھے۔ برطانوی راج نے جو امدادی وراحتی اسکیم چلائی، وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ثابت ہوئی۔ نتیجہ میں باشندگان پورنیہ مفلوک الحال ہو کر رہ گئے اور بلاک قصبہ بلاک دھمدھا اور بلرام پور زیادہ متاثر ہوا تھا۔

☆ ۱۸۹۱ء کا سیلاب، پھر ۱۸۹۲ء کی خشکی: لگتا ہے پورنیہ کی قسمت میں یا تو سیلاب لکھا ہوا تھا یا پھر خشک سالی کی بربادی لکھی تھی کہ یوں دونوں میں آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ سولہ سترہ برس کے بعد پھر سیلاب چڑھ آیا تھا۔ جوٹ اور اگھنی کی کھیتی سڑ گل کر ختم ہو گئی۔ ۱۸۹۱ء میں جو گھٹائیں جم کر برس کر تباہی مچادی تھیں، وہی گھٹائیں ۱۸۹۲ء میں بالکل تھم گئیں۔ نہ ایک قطرہ گرا، نہ ایک بوند ٹپکی۔ جس کی وجہ سے جوٹ، دھان، ربیع کی پیداوار بالکل نہ ہو سکی۔ اہل پورنیہ تباہ حال ہو کر رہ گئے۔ حکومت وقت نے ریلف کا کام ۳۰ر جنوری ۱۸۹۲ء کو شروع کیا، تو یہ راحتی کام ۱۷ر جون ۱۸۹۲ء تک چلتا رہا۔ پورنیہ ڈسٹرکٹ گزیٹر کی رپورٹ کے مطابق ان راحتی کاموں سے اہل پورنیہ کو کچھ نہ کچھ راحت وسکون نصیب ہوا۔

☆ ۱۸۹۷ء کی قحط سالی: ۱۸۹۷ء کو پورے سال بارش نہیں ہوئی۔ زمین قطرہ کو، انسان

دانہ کو ترس کر رہ گیا۔ بھوک، پیاس، قحط، وبا کی وجہ سے لوگ مر گھپ رہے تھے۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ کوئی کسی کا حامی و مددگار نہیں تھا۔ یہاں وہاں مویشی مرے پڑے تھے۔ انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ جو گرکس، کاگ، زاغ و زغن کی خوراک بن رہی تھیں۔ حکومتی راحت کاری بے سود ثابت ہو رہی تھی۔ اس سال اس قحط سے صرف پورنیہ نہیں متاثر ہوا تھا، بلکہ پورا ہندوستان اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

☆ ۱۹۰۶ء کا سیلاب: ۱۸۹۷ء کی خشک سالی کے آٹھ برس بعد ۱۹۰۶ء میں ایک مہیب سیلاب آ گیا۔ پورا پورنیہ پانی کی تہوں میں ڈوب کر رہ گیا۔ لوگ نان جو کو محتاج و بے بس ہو کر رہ گئے۔ ہر طرف وبائی امراض پھیل گئے۔ ہیضہ اس دور کی ایک بڑی بیماری تھی۔ ہزاروں لوگ اس کے شکار ہو گئے اور یہ سب ڈویژن (جواب ضلع بن گیا ہے) میں ہیضہ فنڈ فراہم کیا گیا۔ اس کے کارکنان نے بائیس ہزار کی رقم سے مصیبت زدوں کو مدد پہنچائی۔ رام لال مکھرجی منڈ نے بھی لوگوں کی خاصی امداد کی گئی تھی۔

☆ ۹، ۱۹۰۸ء کی قحط سالی: ان دو برسوں میں بارش بالکل نہیں ہوئی۔ پٹ سن، چاول، ربیع کی فصل بالکل ہی نہیں ہو سکی۔ کیوں کہ اس خطہ کا انحصار زیادہ تر زراعت ہی پر تھا۔ لہذا مہنگائی اور گرانی کا ہونا بدیہی بات تھی۔ عوام و خواص ان دو برسوں میں کافی دقتیں جھیلیں۔

☆ ۱۸، ۱۹۱۷ء کا سیلاب: یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم اول چھڑی ہوئی تھی۔ ادھر پورنیہ میں بھیانک سیلاب آیا ہوا تھا۔ مہانندا اور دیگر ندیاں اور فلو ہو گئی تھیں۔ پانی ہر طرف بھر چکا تھا۔ زراعتیں بہہ چکی تھیں۔ آمد و رفت کے راستے مخدوش ہو چکے تھے۔ فصلیں تباہ ہو چکی تھیں۔ تلاش معاش میں لوگ یہاں سے وہاں بھٹک رہے تھے۔ حتی کے غریب کنبہ کے لوگ گداگری پر اتار آئے تھے۔

☆ ۳۱، ۳۰، ۱۹۲۹ء کا متواتر سیلاب: ہر پانچ دس برس میں یہاں کوئی نہ کوئی ناگہانی آفت آتی رہی۔ ان پانچ دس برسوں میں لوگ جب ذرا ذرا لوگ معمول پر آنے لگتے، ماحول سازگار بنتا کہ پھر ایک نیا طوفانِ آفت آن کھڑا ہو جاتا۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک مسلسل تینوں برسوں میں ندیاں امنڈ گئیں۔ بارش اور سیلاب کے پانی سے گلی کوچے بھر گئے۔ لگاتار سیلابی تباہیوں نے اٹھنے کا موقع نہ دیا۔ اضمحلال و پریشانی کے عالم میں لوگ دور دراز کے مقامات کی طرف سفر کرنا شروع کر دیئے۔

☆ ۱۹۳۴ء کا زلزلہ: اب تک یا تو خشک سالی تھی یا سیلابی کیفیت۔ لیکن اب کے بار ایک نئی مصیبت دامن پسارے آ دھمکی تھی۔ یہ نئی مصیبت ۱۵/جنوری ۱۹۳۴ء کو بھیانک زلزلہ کی

شکل میں آئی تھی۔ زلزلہ ایسا تباہ کن اور روح فرسا تھا کہ پورنیہ باسی اسے فراموش نہ کر سکے۔ زلزلہ کی زد اور صدمے سے جا بہ جا زمین پھٹ گئی تھی۔ جگہ جگہ غار پیدا ہو گئی تھی۔ کنویں، چشمے پھٹ گئے تھے۔ درخت، دیوار، مکانات گر گئے تھے۔ گھاس پھوس کی جھوپڑپٹیاں نیست و نابود ہو گئی تھیں۔ سڑکیں تہس نہس ہو چکی تھیں، الغرض قیامت صغریٰ کا جگر شگاف منظر سامنے تھا۔ یہ ایک تاریخی زلزلہ تھا۔

☆ ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۹ء کا سیلاب: ادھر آزادی ہند زوروں پر تھی۔ ادھر پورنیہ میں زور آور مسلسل سیلاب کی طغیانی سے اہل پورنیہ ہچکولے کھا رہے تھے۔ متواتر ان چار برسوں میں قہر ساماں سیلاب آتا رہا۔ فصلیں برباد ہوتی رہیں۔ جانی و مالی نقصانات ہوتے رہے۔ اہل پورنیہ دانے دانے کو ترستے، تڑپتے رہے۔ کسان، مزدور، کاشتکار، زمیندار ہر ایک کو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

☆ ۱۹۴۸، ۴۹ء کا سیلاب: اب ملک تو آزاد ہو چکا تھا، مگر باشندگان پورنیہ کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے آزادی نہیں ملی تھی۔ ان دو برسوں میں گنگا ندی میں زبردست سیلاب آتا رہا۔ جنوب پورنیہ، جو اب ضلع کٹیہار ہے، بے حد متاثر ہوتا رہا۔ شمال پورنیہ سے وہاں غذائی اجناس فراہم کی جا رہی تھیں۔ منیہاری اور براری تھانے میں سب سے زیادہ تباہی مچی تھی۔ گنگا توابع کی بستیاں غرقاب ہو چکی تھیں۔ چاہ، چارے، کھیتیاں، مویشی بہہ گئے تھے۔ ایندھن کا بھی مسئلہ ہو گیا تھا۔

☆ ۱۹۵۳ء کا سیلاب: اب یہ آزاد ہندوستان کا مادر پدر آزاد سیلاب تھا، جو پورے شمالی بہار کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ دیگر اضلاع کے ساتھ پورنیہ بھی اس سیلاب کی گرفت میں تھا۔ ماسبق سیلابوں کی طرح اس سیلاب نے بھی اپنا گل کھلایا۔ انسان، جانور، مکانات، کھیتی باڑیاں سب تہہ و بالا ہو کر رہ گئیں، نتیجہ میں تباہی، بربادی، بیماریاں اہل پورنیہ کی مقدر بنیں۔

☆ ۱۹۵۶ء کا سیلاب: یہ بھی شتر بے مہار آزاد سیلاب تھا۔ ماہ جون میں ایسی اندھا دھند بارش ہوئی کہ کئی ندیاں چھلک گئیں۔ کنکئی، مہانندا، مینچھی، ڈونک، تپانو سب اچھل گئیں۔ کشن گنج سب ڈویژن (جواب مستقل ضلع ہے) کی قریب ہر بستی میں بے دردی سے پانی گھس گیا۔ اگست کے مہینے میں زبردست بارش ہوئی۔ کٹیہار [اب یہ بھی ضلع ہے] سب ڈویژن کے بیشتر گاؤں زیر آب آ گئے۔ ۱۴، ۱۵ ستمبر کو پھر زوردار مینہ برس گیا۔ کٹیہار شہر کے بہت سے علاقے تہہ آب آ گئے۔ منیہاری، اعظم نگر، [جو کٹیہار میں ہے] گوال پوکھر، کرن دیگھی (جواب مغرب بنگال میں) بارساوتی، براری،

کاڑھا تھانوں کی اکثر بستیاں سطح آب پر تیرنے لگیں۔ صدر سب ڈویژن پورنیہ کے علاقہ بائسی، امور، روٹا تھانوں کی بستیوں میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ وہاں کشن گنج [جو اب ضلع ہے] سب ڈویژن کے بہادر گنج، ٹیڑھا گاچھ، دیگھل بنک، ٹھاکر گنج کے سارے علاقوں پر سیلاب چڑھ گیا۔ تینوں سب ڈویژن کے کل چار سو اکتالیس بستیاں بے دست و پائی کا مجسمہ بن گئی تھیں۔ جانی، مالی، فصلی نقصانات بے حد و حساب تھے۔

جب بارش نہ ہونا تھی، جم کر ہوگئی۔ ماہ فروری میں بارش و سیلاب کا تانتا بندھ گیا اور جب بارش ہونا ضروری تھی، بالکل ہی نہ ہوئی۔ تب تو ربیع کی فصلیں ڈوب گئی تھیں۔ اب اگھنی دھان جو وہاں کی اہم فصل ہوتی ہے، بالکل بارش نہ ہونے کی وجہ سے بویائی نہیں کی گئی۔ یوں بے موسم سیلاب اور بے موقع خستگی نے کسانوں، زمینداروں کو نان جو کا محتاج بنا کر رکھ دیا۔ حکومت بہار نے بر وقت خبر گیری کی۔ پورے ضلع میں کل اڑھائی سو راحتی کرا کز قائم کیے گئے۔ جگہ جگہ غلہ اجناس کی سستی دکانیں بھی کھولی گئیں۔ نقد و جنس ہر طرح سے حکومت ہند نے عوام کو راحت رسانی کا کام کیا۔ یوں ان کی محتاجی قدرے آسودگی میں بدلنے لگی۔

☆ ۱۹۸۷ء کا قہر آلود سیلاب: یہ ایسا ہولناک سیلاب تھا۔ جو ماضی میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ اسے ثانی طوفان نوح سے تعبیر کرتے ہیں۔ ندیاں ساری خونخواری پر اتر آئی تھیں۔ بے قابو ہوائیں خون آشام بنی ہوئی تھیں۔ نیچے سیلاب کا پانی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اوپر سے موسلا دھار بارش اندھا دھند برس رہی تھی۔ ساتھ ہی تیز طوفان ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ کھیتیاں تہہ آب تو تھیں ہی، گاؤں گاؤں، بستی بستی پانی پانی ابل رہا تھا۔ جھونپڑے، گھاس پھونس کے مکانات گر گر کر بہے جا رہے تھے۔ پختہ دیواریں گر رہی تھیں۔ چھتیں زمیں بوس ہو رہی تھیں۔ بڑے بڑے تناور درخت بھی سالم نہیں تھے۔ ٹوٹ کر یا اکھڑ کے بہے چلے جا رہے تھے۔ بھیڑ بکری، کتے، بلی، بیل، بھینس، کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ مویشی، انسان سب ہر ایک یک لخت بہہ رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں بہی چلی جا رہی تھی۔ فون، بجلی غائب تو تھے ہی کچی سڑکوں کا تو کیا پوچھنا، پکی پختہ سڑکیں شاہراہیں کٹ پھٹ گئی تھیں۔ جہاں بڑے بڑے کھڈے پڑ گئے تھے۔ بانسوں بانس پانی بہہ رہا تھا۔ سیکڑوں پل اور پلیے ٹوٹ چکے تھے۔ ریلوے لائن کٹ چکی تھی۔ الغرض ثانی طوفان نوح برپا تھا۔ بچے کھچے لوگ بچی کھچی چھتوں، درختوں، ٹیلوں پر پناہ گزیں کی حیثیت سے بھوک، پیاس سے نڈھال آہ و فغاں میں معروف تھی۔

اس سیلاب کی ابتدا اوائل جولائی سے ہوگئی تھی۔ ۲ اور ۴ اگست کو اچانک پانی شہر اور دیہات

میں گھس آیا تھا۔ مجسٹریٹ دفتر، کچہری، بھٹہ بازار، لائن بازار، خزانچی، ہاٹ، باری ہاٹ، خشکی باغ، گلاب باغ، پورنیہ سیٹی، پورنیہ کچہری، سری نگر، بربھات کالونی، دھوبیہ ٹولہ سپاہی ٹولہ غرض تمام شہر واطراف شہر پانی بھر گیا تھا۔ یہ شہر پورنیہ کا حال تھا۔ تو گاؤں دیہاتوں کیسا برا حال رہا ہوگا۔

ادھر کوچادھامن، بیسا، امور، بائسی، روٹا، کدوا، بارسوئی، بیلیابلون، نرپت گنج، بلاسی، کرسا کانٹھا، کشن گنج، دھمدھا، ٹھاکر گنج، قصبہ، جلال گڈھ، ارریہ، چوکی، فاربس گنج، سکٹی، دیگھل بنک، پوٹھیہ، بن منکھی، پھوانی پور، غرض مغرب تا مشرق، شمال تا جنوب تمام سب ڈویژن، تمام تحصیلوں، تمام تھانوں، تمام کے تمام دیہاتوں اور بستیوں میں ہاہا کار مچا ہوا تھا۔ مسجدیں، مندریں، دفاتر، مدرسے اور اسکول وکالج سب تہس نہس ہو چکے تھے۔ حکومت ہند کی طرف سے بذریعہ ہیلی کوپٹر روٹیاں، بھنے ہوئے چنے بسکٹ کے پاکٹس گرائے جاتے تھے۔ جو کسی کو ملتا، کسی کو نہیں بھی ملتا۔ فاقوں کی بدحالی سے لوگ لقمۂ اجل بن رہے تھے۔ نقل وحمل کے لئے کوئی چارسواڑتالیس کشتیاں چلائی گئی تھیں۔ جو ضرورتوں کا پانچواں حصہ بھی نہیں تھا۔

راحت وریلف کے امور میں ریاستی سرکار تقریباً ناکام سی ہوگئی تھی۔ مرکزی سرکار بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دے پارہی تھی۔ بھوک، پیاس، بے بسی، بیماری، موت ہر سوناچ رہی تھی۔ اس سیلاب سے نہ صرف پورنیہ، بلکہ بہار کے ۲۳؍اضلاع متاثر ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ نقصان وتباہی کشن گنج، ارریہ، پورنیہ، کٹیہار، سہرسہ، مدھے پور۔ کھگڑیا، بیگوسرائے، مدھوبنی، دربھنگہ، سمستی پور، سیتامڑھی، چمپارن وغیرہ میں ہوئی تھی۔ تقریباً ڈھائی کروڑ لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ لاکھوں مکانات کا پتا نہیں لگا۔ لاکھوں انسان ڈوب کر یا بہہ کر مر گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ متاثرہ اضلاع خصوصاً پورنیہ معاشی اعتبار سے دسیوں سال پیچھے چلا گیا۔ کیوں کہ وسعت اور اثرات کے لحاظ سے یہ سیلاب سب سے زیادہ مہیب ومہلک ثابت ہوا تھا۔

☆ **۱۹۸۸ء کا زلزلہ:** اہل پورنیہ ابھی اس قیامت خیز ماحول سے باہر ہی آئے تھے کہ دوسری قیامت ٹوٹ پڑی، ۲۱؍اگست کی رات پورا پورنیہ محو خواب تھا۔ صبح چار بج کر چالیس منٹ پر زلزلہ کی دھمک سے زمین، میدان، مکان سب دہل اٹھے۔ نیند یا نیم خوابی کی حالت میں انسان بالکل دہشت زدہ تھے۔ زمین پھٹ گئی۔ چشمے ابلنے لگے۔ مکانات تہہ وبالا ہونے لگے۔ جھاڑ درخت سب اجڑ اکھڑ کر چٹیل میدان یا جلی ہوئی چٹان کا سماں پیش کرنے لگے۔ ہر چہار جانب کہرام مچ گیا۔ حاملہ عورتیں بے وقت دردزہ میں مبتلا ہوگئیں۔ جانور کھونٹا اکھاڑ کر بھاگنے لگے۔ نو بھارت ٹائمز مجریہ ۲۲؍اگست کے مطابق ۴۵؍افراد جاں بحق

ہوئے۔ جانی مالی نقصانات سب سے زیادہ ہلاکت و بربادی باکسی، کشن گنج، ارریہ، فاربس گنج، دھرہرا، دھمدھا، روپولی وغیرہ علاقوں میں ہوئی تھی۔ اس زلزلہ سے بہار کے دوسرے اضلاع بھی بری طرح متاثر ہوئے تھے، مگر اہلیانِ پورنیہ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

☆ ۲۰۰۹ء: اتنی ندیاں، اتنے سیلاب، خدا کی پناہ! ۲۰۰۹ء کا سیلاب بھی ۱۹۸۷ء کے سیلاب سے کم نہیں تھا۔ شہر پورنیہ اور مضافات پورنیہ آب وسیلاب میں یا تو ڈوب کر رہ گئے یا تو پانی کے تیز بہاؤ، زبردست طغیانی، سرکش لہروں، شریر دھاروں میں بہہ گئے۔ مکانات ڈھہ گئے۔ فصلیں تباہ ہو گئیں۔ مویشی جہاں تہاں بہہ کر مر کھپ گئے۔ آج ماڈرن ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ٹی وی پترکاروں نے رپورٹیں لکھیں۔ ٹی وی چینلوں نے وہاں کے تباہ کن مناظر کو دکھائے۔ ساری دنیا نے دیکھا اور پڑھا۔ دل میں دردِ انسانیت رکھنے والوں نے ریلیف وراحت کاری کا انتظام کیا۔ ہم نے یہاں ممبئی میں دیکھا۔ کئی تنظیموں نے پورنیہ اور بہار کے سیلاب زدوں کے لئے دل کھول کر حصہ لیا۔

☆ ۲۰۱۰ء کا طوفان بے اماں: یہ ۱۴/۱۳ اپریل کی تاریخ تھی۔ رات کا وقت تھا۔ دیہاتوں میں لوگ جلدی سو جاتے ہیں۔ وہاں گیارہ بجے کی رات بڑی رات سمجھی جاتی ہے۔ مویشیاں باروں میں اور انسان اپنے اپنے گھروں میں آسودہ خواب تھے۔ بارش اور طوفان ایک ساتھ اچانک ایسا حملہ کیا کہ لوگ سکتے میں آ گئے۔ نیند کی حالت میں لوگ بدحواس ہو کر اٹھے۔ مگر موقع نہیں تھا کہ کوئی کسی کو سہارا دے سکے، بارش کا زور اور طوفان کا جھکڑ ہی کچھ ایسا تھا، ہر شخص اپنے آپ میں ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ قیامت کی یہ لہر کوئی دو تین گھنٹے تک جاری رہی۔ ماں بچوں کی، جوان بیٹا بوڑھے باپ تک کی خبر نہ لے سکے۔ کیسا قیامت خیز منظر رہا ہوگا۔ جب طوفان تھما، تو ہمت جٹا کر کچھ لوگ باہر نکلے۔ تباہی، بربادی، ہلاکت کا منظر دیکھ کر ہر ایک کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

کچے مکانات زمین بوس ہو چکے تھے۔ پختہ دیواریں اور چھتیں یا تو کریک ہو چکی تھیں یا تو گر کر سجدہ ریز ہو چکی تھیں۔ جانور، آدمی سب کچھ تو ڈوب گئے تھے اور کچھ سسک سسک کر مر کھپ چکے تھے۔ درخت، جھاڑ، پیڑ، پودے اکھڑ گئے تھے۔ یا تو نصف، ثلث، ربع کٹ کٹا کر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ جتنا پانی سڑکوں، باروں، کھیتوں، تالابوں میں تھا، اتنا ہی پانی ہر گھر میں تھا کہ کسی گھر کا چھپر واچھت سلامت نہیں تھی۔ خود میرا گھر جو نیچے پکی دیوار، اوپر ساگ کی لکڑی اور ٹین کا مضبوط بنا ہوا تھا، دیوار تو تھی، مگر اوپر کا حصہ کیل کانٹے سے لیس اڑ کر کہاں چلا گیا۔ پتا ہی نہیں چلا۔ یہی حال ہزار ہا مکانوں کا تھا۔ آخر اپریل ہم 31
سب بھائی ممبئی سے پٹن گئے، تو دیکھ کر کلیجے دہل کر رہ گئے۔ اس طوفان میں پیسا ہلاک،

امور ہلاک، بائسی ہلاک، کدوا اور بارسوئی ہلاک کی بستیاں ہی زیادہ زد میں آئی تھیں۔ بوڑھوں نے بتایا کہ ایسا طوفان انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ جائزہ اس بات کی پرزور وکالت اور سفارش کرتا ہے کہ مرکزی و ریاستی حکومت اور خصوصاً وہاں کے سیاست دانوں اور دانشوروں کو ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر پورے بہار، خصوصاً سیما نچل کے کمر توڑ اور جان لیوا مسائل پر فوری توجہ دیں۔ تا کہ وہاں کی قوم آسودگی بھی محسوس کرے اور ترقی بھی کرے۔ یہ بات بطور خاص نوٹ کرنے کی ہے کہ دنیا کی ندیا تو کیا، سمندر تک قابو میں کر لئے گئے ہیں۔ تب پھر کیا وجہ ہے کہ سیما نچل کی ان ندیوں اور ان کی قہر سامانیوں کو کنٹرول نہیں کیا سکتا۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کو یہ نکتہ ضرور یاد رہے کہ ایسا نہ کر کے یہ مسئلہ ان کی حکومت وسیاست کے کھوکھلے پن کی کھلے عام چغلی کھاتا ہے۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ پچھلے دس بیس برسوں میں وہاں جو تعلیمی بیداری اور معاشی خوش حالی آئی ہے، کوئی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ یہ بدلاؤ کسی اور کی محنت و کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ خوشگوار تبدیلی دراصل ان افراد و اشخاص کی محنت و مزدوری اور کوشش و کاوش کا اثر ہے، جو وہاں کی تعلیمی پس ماندگی اور معاشی بدحالی کی مار کھاتے کھاتے ۱۹۷۰ء و ۱۹۸۰ء کے دہے میں تلاش روزگار کے لئے سیما نچل چھوڑ کر دوسرے شہروں کا سفر کیا اور آج وہ بہت حد تک خوش حال بھی ہیں اور وہ اپنے بچوں کے تئیں تعلیم کے معاملہ میں حساس بھی ہیں۔ اب وہاں کے حالات میں اتنی تنگی اور تلخی نہ رہی، جو پہلے تھی۔ اس لئے اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ حکمران و عوام اور دانشوران سب یک جٹ ہو کر سیما نچل کی ہمہ جہت تعمیر و ترقی کے لئے کام کریں۔

☆ ☆ ☆

بنگال و بہار کا چند روزہ علمی دورہ

۲۷/اگست تا ۸/ستمبر ۲۰۱۵ء

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی، بمبئی

۲۷/اگست ۲۰۱۵ء کو پانچ بج کر پندرہ منٹ پر ہم بمبئی سے چلے۔ دوسرے دن ۲۸/کی شام کو ہم سات بجے چالیس منٹ پر ہم ہوڑہ اسٹیشن پر تھے۔ یہ طویل فاصلہ دورنتو اکسپریس نے قریب ساڑھے چھبیس گھنٹے میں طے کرا دیا تھا۔ اسٹیشن پر جناب جمیل احمد رشیدی موجود تھے۔ وہ مجھے انجمن فیضانِ رشیدی کمرہٹی لے گئے۔ وہاں پیر طریقت حضرت صوفی سید امیر علی رشیدی صاحب، ڈاکٹر شکیل احمد رشیدی صاحب، جناب شہزادہ صاحب میری آمد کے منتظر تھے۔ پہنچ کر دعا و سلام اور سرسری سی ملاقات اور تعارف ہوا۔ تب نماز عشا پڑھی۔ کھانا کھایا۔ تب تک اور احباب بھی آچکے تھے۔ چائے پان کے بعد شانِ نزول پر گفتگو شروع ہوئی۔ کتاب 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' دیکھ کر سبھی حضرات محو حیرت تھے۔ بعض مقامات دیکھ کر اور بعض مقامات سن کر سب چمک اٹھے تھے اور حیات شیخ الاسلام حضرت شاہ غلام محمد یٰسین شاہدی رشیدی پورنوی قدس سرہ القوی کا ایک ایک ورق ان کے سامنے کھلا تھا اور اشک مسرت سے ان کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ یہ پرلطف مجلس نصف شب کو برخاست ہوئی۔

۲۹/کو میں دوپہر تک ہم سید صاحب کے کتابی ذخیرے میں ڈوبے رہے۔ پھر نماز ظہر پڑھی۔ کھانا کھایا اور قیلولہ کیا۔ نماز عصر کے بعد حضرت مفتی محمد مختار عالم رضوی صاحب کا ایک آدمی آیا۔ وہ ہمیں رضا جامع مسجد داسو بگان لے گئے۔ جہاں مراسم ملاقات کے بعد نماز مغرب پڑھی گئی۔ تب مفتی صاحب موصوف نے شاندار الفاظ میں نو وارد مہمان اور اس کی وسیع خدمات کا تعارف کرایا اور مسجد کمیٹی کے صدر و متولی نے اس مہمان کی گل پوشی کی۔ تب پھر خاکسار نے اعلیٰ حضرت اور شہر کلکتہ کے موضوع پر مختصر، مگر جامع تقریر کی۔ جس سے سامعین کی معلومات میں ایک نیا اور بھاری اضافہ ہوا۔

عشا بعد سید امیر علی صاحب کی صدارت میں وہیں ایک دوسرے محلے میں محفل میلاد کا

پروگرام تھا۔ ان کا فرستادہ آیا۔ تب خاکسار وہاں پہنچا۔ مقامی علما کی تقریروں کے بعد اس خاکسار نے خطاب کیا اور اپنی عادت کے مطابق عملی اور فکری پہلو پر زور دیا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

۳۰ رکو دس بجے دن حضرت مفتی محمد مختار عالم صاحب، حضرت علامہ محمد زین الدین صاحب علیمی، حضرت علامہ محمد سیف اللہ علیمی صاحب، اساتذہ وارا کین مدرسہ سلیمیہ فیض الاسلام نے ایک استقبالیہ پروگرام رکھا تھا۔ جس میں طلبۂ کرام کے ساتھ شہر کے خواص بھی موجود تھے۔ مفتی صاحب موصوف اور اساتذۂ مدرسہ نے اپنے طلبہ کو لے کر مدرسہ سے باہر آ کر چوک پر اپنے مہمان کا استقبال کیا اور معزز القاب کے ساتھ نعروں کی گونج میں مہمان کو جلسہ گاہ لے جایا گیا۔ ان کے نعروں کے الفاظ 'ماہر رضویات، مفکر اسلام، امیر القلم، مصنف تصانیف کثیرہ وتحقیقات نادرہ، جن کا یہ مہمان اہل نہیں، سن سن کر لگا کہ فیضانِ اعلیٰ حضرت کا گھنا بادل ٹوٹ کر برس رہا ہے۔

تب پھر مفتی صاحب موصوف اور علامہ علیمی صاحب نے مہمان موصوف اور اس کے گراں بہا علمی وادبی کارناموں کا ایسا تعارف کرایا اور گل پوشی کی۔ جس کا مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ وہاں کے علمائے کرام خاکسار کے بارے میں اپنے دل ودماغ میں کیسے کیسے بیش بہا تاثرات رکھتے ہیں۔ بعدہ مائک خاکسار کے سامنے آیا۔ موقع کچھ مخصوص تھا۔ اس لئے خاکسار نے سب کی نفسیات کے پیش نظر کچھ تو اعلیٰ حضرت کی ذہانت وفطانت اور اخاذ طبیعت پر، کچھ اعلیٰ حضرتیات پر اور کچھ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت واہمیت پر گفتگو کی۔ جس میں ہر طبقہ کی طلب وتشنگی کا سامان موجود تھا اور ان کے رقبۂ معلومات میں زیادتی کا باعث تھا۔ صلوٰۃ وسلام اور دعائے خاص پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

نماز ظہر اور ظہرانہ کے بعد چاہا تھا کہ بزرگوں کی سنت ادا، قیلولہ کریں۔ لیکن کلکتہ وہوڑہ کے احباب اور روز نامہ 'راشٹریہ سہارا' کلکتہ کے نمائندے، جو صبح کی استقبالیہ نشست ہی میں آنے والے، کسی وجہ سے لیٹ آئے۔ حضرت مفتی محمد مختار عالم صاحب کی خواہش وتاکید پر اٹھ بیٹھا اور بزم احباب میں حاضر ہوا۔ یہ بزم رضا اکیڈمی داسو بگان کے دفتر میں آراستہ ہوئی۔ علما واحباب سے کھلے دل سے اور کھلے ماحول میں بات چیت ہوئی۔ جس میں دینی ومسلکی اور قومی وجماعتی مسائل وموضوعات پر روشنی ڈالی گئی۔ جو سب کو پسند آئی اور حرارت عمل تیز ہوئی۔ پھر اخباری نمائندے نے انٹریو کی شکل میں کچھ سوالات کئے۔ جن کے جوابات دیئے گئے۔ تب یہ بزم برخاست ہوئی اور یہ احباب ورفقا رخصت ہوئے اور میں نے اخیر وقت کی

عصر اور اول وقت مغرب کی نماز پڑھی۔

پھر مفتی مختار عالم صاحب کا کمپیوٹر کھولا۔ کچھ میل ویل پڑھنا اور کرنا تھا، وہ کیا۔ پانچ سو صفحات پر مشتمل 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت'، تین سو صفحات پر محیط 'اجمیر معلّٰی میں اعلیٰ حضرت'، تین سو صفحے کی 'حیات قطبِ پورنیہ' چار سو صفحے کی 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' دو صفحے کی 'حیاتِ مظہر' اور پھر پانچ سو صفحے کی 'کاملانِ پورنیہ' جلد دوم دیکھ کر وہ خوش گوار حیرت و مسرت میں ڈوبے ہوئے تھے اور بے حد مبارک باد و بندھائی اور دعائیں دے رہے تھے۔ وہاں ان کو میں نے رائے دی کہ وہ 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' اپنے اشاعتی ادارے رضا اکیڈمی سے شائع کریں۔ انہوں نے 'ہاں' تو کہا اور فرمایا: یہ میری سعادت ہوگی کہ 'سفر نامۂ اعلیٰ حضرت' شائع کرسکوں۔ ان کے صاحب زادے محمد تنویر عالم صاحب کو کہہ کر میں نے اس کتاب کا مسودہ ان کے کمپیوٹر پر لوڈ کرادیا۔ عشا بعد اپنی قیام گاہ انجمن فیضانِ رشیدی واپس آیا۔ یہاں دو دن سے جو نوادرات چن رکھا تھا، ان کی فوٹو کاپی کرا کر منگوائی۔

رات تیاری کی اور صبح ۳۱ راگست کو بائسی روانہ ہوگیا۔ یہ کنچن چنگا ایکسپریس تھی، جس نے مجھے قریب چار بجے دالکولہ چھوڑ دیا۔ بائسی میں چھوٹا بھائی عزیزم غلام سرور سلمہ منتظر تھا۔ سر شام ہم اپنے ابا جان کے حضور حاضر ہو گئے۔ ار ستمبر کی صبح میں بلواٹولی بتھا میں تھا۔ اول تو پیر طریقت حضرت علامہ محمد عرفان علی رشیدی صاحب کی عیادت کی۔ جو عرصہ سے علیل اور نازک حالت میں تھے۔ ثانیاً بزرگ عالم حضرت علامہ محمد عبد الرشید مصطفوی رشیدی صاحب سے ملاقات کی۔ یہ طویل تفصیلی ملاقات تھی۔ اسی پچاسی سال کے اس بزرگ عالم کے ذہن میں ساٹھ ستر سال کی یاد داشتیں محفوظ ہیں۔ میں نے پوچھ پوچھ کر اور کرید کرید کر بہت کچھ سنا اور سمجھا۔ حضرت نے کرم فرمایا اور بطیّب خاطر سنایا اور سمجھایا۔

مرکزی موضوع 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' کا مسودہ تھا۔ اس کے مندرجات و مشمولات دیکھ دیکھ کر اور کہیں کہیں سن سن کر وہ بے حد شاد و سرشار ہو رہے تھے۔ کہیں ان کی پلکیں اشکِ مسرت سے وضو کرنے لگتی تھیں اور کہیں بہجت و سرور سے ان کا چہرہ کھل اٹھتا تھا اور پھر ان کی زبان بے محابا گویا ہو جاتی تھی۔ لگتا تھا کہ یادداشتوں کا آبشار چڑھائی سے ڈھلوان کی طرف سُلو مُوشَن سے اتر رہا ہے۔ اس روانی و بہاؤ کے موسم میں مَیں پیش نظر کتاب کے مشمولات اور اس کے مفہومات کی مطابقت کر رہا تھا۔ یہ عمل دو ڈھائی بجے تک جاری رہا۔ تب نماز ظہر ادا کی گئی اور ماحضر تناول کیا گیا۔

پھر حضرت سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ فلاں فلاں مقامات ذرا پھر سے پڑھ کر سنائیے۔ارشاد کے مطابق میں نے حکم کی تعمیل کی۔میں نے دیکھا۔طمانیت واظہار ممنونیت سے ان کا قلب مملو ومعمور تھا۔اچانک اپنی جگہ سے اٹھے۔اندر گئے۔جزدان میں بند ایک بیاض اٹھا لائے۔جو پیلے سے کاغذ کی تھی اور سیاہ روشنائی،قینچی کے قلم سے لکھی گئی تھی۔کہنے لگے۔پہلی بار یہ بیاض نہیں دِکھائی تھی۔پھر خود ہی کھول کر دِکھانے اور بتانے لگے۔اس میں سلسلۂ رشیدیہ میں بیعت لینے کا طریقہ،بیعت کے بعد وصیت ونصیحت کے کلمات،بہت سی مجرب دعائیں،اوراد ووظائف،حصار وبندش اور نقوش وتعویذات،کچھ احوال وواقعات،ان کے خلافت نامے کی نقل اور حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ کی ایک مختصر،مگر سائنٹفک تقریر کی نقل درج تھی۔

میں نے گزارش کی کچھ خاص چیزوں کا عکس مجھے لینے کی اجازت دیں۔فرمانے لگے۔رہنے دیجیے۔یہ میری خانقاہ کے معمول کے خلاف ہے۔یہاں چھاپنے کے بجائے چھپنے کی ریت پر عمل ہے۔پھر بھی میں بہت کچھ پہلے بھی دے چکا اور بتا چکا ہوں۔وہی کافی ہے۔بیعت کے بعد نصیحت ووصیت کے ذیل میں تمام وہی کلمات وارشادات تھے،جو سلسلۂ رضویہ میں ہیں۔شریعت کی پابندی،احکام وواجبات کی ادائے گی،عقائد کی پختگی اور بدمذہبوں سے کامل اجتناب کی سخت تاکید وہدایت،امت کی خیر خواہی اور خدمت خلق پر زور وغیرہ۔

اخیر گزارش میری یہ تھی کہ اس کتاب پر آپ کچھ تحریر فرمادیں اور اجازت دے دیں کہ یہ کتاب شائع کردی جائے۔کہنے لگے:اس کی کیا ضرورت ہے۔شوق سے شائع کریں۔میں نے کہا:ضرورت ہے۔آپ کی تحریر سند ہوگی اور آنے والی نسل کے لئے تبرک کا درجہ رکھے گی۔فرمایا:آپ لکھ لیں۔میں دستخط کردیتا ہوں۔میں نے کہا:نہیں،آپ لکھیں یا فرمائیں۔املا میں یا آپ کے صاحب زادے کرلیتے ہیں۔خیر پھر حضرت بخوشی تیار ہو گئے اور ان کے صاحب زادے نے ان کی تحریر لکھ کر ہمیں عنایت کردی۔جو کتاب مذکور میں شامل ہے۔اب شام ڈھلنے والی تھی۔عصر پڑھی۔اجازت اور دعا لے کر رخصت ہونے لگے۔تو اپنے صاحب زادے سے فرمایا:جاؤ۔ان کو بائسی چھوڑ آؤ۔بائسی میں مغرب ادا کی اور اپنے عزیز غلام سرور سلمہ کی گاڑی پر بیٹھ کر گھر پہنچ گئے۔رات ابا حضور کی صحبت اور گود میں گزاری۔

۲ر ستمبر کو جلکی شریف،بارسوئی،کٹیہار میں پروگرام بمبئی ہی سے طے کرلیا گیا تھا۔علی الصباح گھر سے نکلا۔نوسوا نو بجے ہم بارسوئی اسٹیشن پر تھے۔وہاں درگاہ کمیٹی کے چیئرمین عالی جناب مکھیا سید محمد عارف ایڈوکیٹ اپنی اسکارپیو لے کر میرے منتظر تھے۔تپاک سے ملے اور

جلکی شریف لے گئے۔ درگاہ شریف سے قریب ایک کیلومیٹر پہلے ہی دیکھا کہ مدرسہ ودرگاہ کے اساتذہ وخدام اور طلبہ دورویہ قطار بنا کر کھڑے تھے۔ گاڑی دیکھتے ہی نعرۂ تکبیر ورسالت کی صدا پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے وکیل صاحب سے پوچھا یہ کیا ہے؟۔ کہنے لگے: یہ آپ کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔ ان کے نعروں کے یہ الفاظ: شمس ملت، فخر سیما نچل، ماہر رضویات، مفکر اسلام، امیر القلم، سن سن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور بدن میں جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ یہ خوشی کا موقع تھا۔ مگر میں اپنی ناکارگی پر شرمندہ تھا اور دل ہی دل میں سجدۂ شکر الٰہی کے ساتھ توبہ وانابت بھی کر رہا تھا۔

خیر اسی پرکیف ماحول میں مدرسہ ودرگاہ حاضر ہوا۔ رسم ملاقات کے بعد پرتکلف ناشتہ ہوا۔ پھر ساڑھے دس بجے دن سے میٹنگ شروع ہوئی۔ جس میں علما وخواص نے شرکت کی اور جماعت اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت اور سیمانچل کے مسائل وموضوعات پر تبادلۂ خیال ہوا۔ کچھ قانونی اور کچھ فکری پہلو پر اس خاکسار نے روشنی ڈالی۔ جو سب کو بے پناہ پسند آئی۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر خاکسار کی باتیں سن رہے تھے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا عہد اور عزم مصمم کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ ظہر تک دراز رہا۔ پھر ظہر اور ظہرانہ کا اہتمام ہوا۔ تھکا ماندہ تھا۔ سوچا ذرا آرام کرلوں۔ مگر احباب اور علما کی آمد اور ان کی محبت وخلوص کے مدنظر سونا غیر مناسب اور غیر اخلاقی سمجھا اور 'خیالِ خاطر احباب چاہیے ہردم' پر عمل کرتا رہا۔ تا آں کہ عصر کی اذان ہوگئی۔ عصر پڑھ کر مدرسہ، درگاہ، اس کی اراضیات اور کوائف کا معائنہ کیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق بعد مغرب پروگرام شروع ہوگیا اور میں عالم باعمل، مخلص ومتحرک دینی کارکن حضرت مفتی ظہور احمد صاحب رضوی کے ہمراہ درگاہ شریف پہ حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔ واپس آ کر چائے پی اور پان کھایا۔ معمول جو ٹھہرا۔

اُدھر جلسے کی کارروائی بتدریج آگے بڑھ رہی تھی۔ تلاوت قرآن پاک اور حمد پاک ونعت شریف کے بعد ابتدائی تقریر ہو چکی تھی۔ تکیہ رحمان پور شریف کے حضرت علامہ خواجہ ساجد عالم صاحب کی تقریر گھن گھرج لہجے اور خوب سجے سجائے پرشکوہ ادیبانہ الفاظ کے ساتھ شروع ہو چکی تھی۔ تب ہمیں ذمہ داروں نے منبر پر چلنے کو کہا۔ حضرت خواجہ صاحب میرے تئیں جن جذبات و احساسات اور کلمات وتاثرات کا اظہار کر رہے تھے۔ گو یہ خاکسار ان کا مستحق نہیں۔ لیکن ان کے لبھا لینے والے لب ولہجے اور جذبۂ اظہار نے سامعین سے داد بھی وصول کی اور نعرہ بھی لگوا دیا۔

زمیندار، مخیر، مخلص، دردمند دانشور ڈاکٹر محمد احسن صاحب بانی رکن وصدر کھریال ہائی

اسکول کھریال پچھلے کئی برسوں سے میری تحریروں اور فکروں کا بغائر مطالعہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے میرے درد وفکر کی ترجمانی اپنے مخصوص اور درد بھرے انداز میں کی اور کہا کہ رضویات ہمارے حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب کا مخصوص موضوع ہے۔ جس کی سراہنا ملک و بیرون ملک ہو رہی ہے۔ لیکن سیمانچل کو مستقل موضوع بنا کر پہلی بار انہوں نے اہل سیمانچل کو دعوت فکر وعمل دی ہے۔ ان کے فکر انگیز مقالات و کتب نے اس خوابیدہ قوم کو جاگنے اور جگانے کا کام کیا ہے۔ اس لئے ان کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے، کم ہے اور نہ صرف شکریہ، بلکہ ان کے درد کو بانٹنے اور ان کی آواز کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ڈاکٹر موصوف کے بعد اب اسی گنہگار کی باری تھی۔ دن کی میٹنگ میں جن نکات و اشارات پر اجمالی گفتگو کی تھی، ان میں سے چند امور ومعاملات کو عنوان بنا کر تفصیل سے بیان کیا۔ رات گیارہ بجے یہ پروگرام ختم ہوا۔ نماز عشا پڑھی۔ دو روٹی کھائی۔ قرب وجوار سے آئے احباب رخصت ہوئے اور میں آرام کرنے لگا۔ حضرت مفتی ظہور احمد صاحب، مکھیا جی اور وہاں کے اساتذہ حضرت مولانا محمد شہنواز صاحب وغیرہ میرا پل پل خیال رکھ رہے تھے۔ ۳ر ستمبر صبح کے معمولات سے فارغ ہوا۔ نہا دھو کر صبح کی چائے لی۔ تب تک مکھیا جی کی گاڑی آ گئی اور انہوں نے بذات خود مجھے بارسوئی اسٹیشن پر یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا کہ آپ کی ہمیں ضرورت ہے۔ رابطہ رہے گا اور وہ کٹیہار کچہری روانہ ہو گئے۔

موضع جلکی کو 'شریف' بنانے والی خدارسیدہ بزرگ شخصیت کا نام نامی حضرت سید شاہ محمد حسین ہے اور لقب وخطاب 'تیغ برہنہ' اور 'لنگوٹ بند' ہے۔ قدس سرہ العزیز۔ گلشن فاطمۃ الزہرا کا یہ تروتازہ پھول خراسان سے براہ بنگال صدیوں پہلے یہاں آیا تھا اور اپنی لازوال خوش بوؤں سے بنگال و بہار کے اس سنگم کو مہکا دیا تھا۔ اس خوش بو کا خمار آج تک ماند پڑنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ کئی صدیاں بیت گئیں۔ متعدد نسلیں آئیں اور رخصت پذیر ہو گئیں۔ سب کی زبانوں پر جو نغمہ اور ترانہ چڑھا ہوا ہے، انہیں کی سیرت وشخصیت کا، علم وولایت کا، کشف وکرامات کا اور تصرف واختیار کا۔ ہندو مسلم ہر قوم کا معمر شخص ان کے محیر العقول، خرق عادات اور مافوق الفطرت واقعات وروایات میں آج بھی رطب اللسان نظر آتا ہے۔ روضہ کیا ہے۔ ریاض الجنۃ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے گنبد و مینار شب تاریک میں بھی بقعۂ انوار دکھائی دیتے ہیں اور تجلیات کی بارش تو ایسی کہ ہر فرد شرابور ہونے لگتا ہے۔ ایسی خوبصورت اور نور فشاں بارگاہ سیمانچل میں شاید کہیں اور ہو۔

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس طویل تاریخ کے ہر دور میں اہل دل، صاحب عرفان، اکابر اولیا و مشائخ کی حاضری اس دربار گوہر بار میں ہوتی رہی ہے۔ ابھی حالیہ برسوں میں قاضی القضاۃ فی الہند حضرت تاج الشریعہ شاہ محمد اختر رضا ازہری مدظلہ النورانی جب کبھی اس پر بہار خطے میں تشریف لائے، تو اس مزار فائض الانوار پر ضرور حاضری دی ہے۔ آنحضرت سید شاہ محمد حسین تیغ برہنہ لنگوٹ بند قدس سرہ العزیز پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔ جزئیات کی فراہمی میں لگا ہوں۔

بارسوئی اسٹیشن پر حضرت مولانا محمد تہذیب عالم صاحب رحمان پوری اور ان کے سالے محمد سلم سلمہ اور حضرت مولانا محمد شاہ جہاں صاحب استاذ مدرسہ شمسیہ سیہی پور سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ یہ احباب اچانک مجھے دیکھ کر گلے سے لگ گئے۔ میں نے انہیں کتابی تحفے پیش کئے۔ اتنے میں میری ٹرین آگئی اور میں دالکولہ سے آگے اور کشن گنج سے پہلے کانکی روانہ ہو گیا۔ پیر طریقت حضرت مفتی محمد طیب مصطفوی رشیدی صاحب سے ملاقات طے تھی۔ اس دن وہ جھانگر ٹولی نذد میرزاد پور شریف میں تھے۔ سوا آٹھ بجے میں کانکی اسٹیشن پہنچ گیا۔ ان کا آدمی وہاں موجود تھا۔ جو مجھے ان تک پہنچا دیا۔

وہاں میزبان نے پہلے ناشتہ کرایا۔ پھر چائے پان کے بعد آمد کی غرض پر گفتگو شروع ہوئی۔ اول تو مفتی صاحب موصوف نے 'شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات' میں شامل اپنا مضمون مولانا محمد واصل رشیدی سے پڑھوا کر سنا۔ مولانا محمد واصل رشیدی میرا خالہ زاد بھانجہ ہے۔ کانکی ہی سے ان کو ان کی بستی ضمیرا سے فون کر کے بلوالیا تھا۔ معروف شاعر اہل سنت حضرت علامہ محمد سجاد عالم رشیدی میرزاد پوری کو زحمت دی گئی تھی کہ تشریف لاکر وہ ان تاریخی کاموں کا جائزہ لیں۔ جب کہ وہاں کئی احباب اہل سنت پہلے سے موجود تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنا مضمون سننے کے بعد پوری کتاب کا جائزہ لیا اور اہم اہم مقامات و مواقع پر خود بھی پڑھے اور سنے۔ دیکھنے، سننے کے بعد وہ حد درجہ خوشی و مسرت کا اظہار کر رہے تھے اور مرتب کتاب کی عزت افزائی کر رہے تھے۔

تعارف وتبصرے اور اطمینانِ خاطر کے بعد میں نے ان سے گزارش کی کہ اب آپ کتاب پر اپنی رائے رقم کردیں۔ بخوشی قلم پکڑا اور دعائیہ کلمات تحریر کر دیئے۔ اسی اثنا میں حضرت مولانا محمد سجاد عالم صاحب اور مفتی صاحب سے میں نے کہا کہ آپ حضرات چاہیں، تو یہ کتاب شائع کردیں۔ یہ اس خطے کے لئے ایک انمول تحفہ ہوگا۔ اب تک جو بھی

حضرات رونما ہونے والی کتاب کی پیشگی رونمائی سے بھولے نہیں سمار ہے تھے، یہ سن کر سب سنجیدہ ہو گئے اور کہا کہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اس سعادت کو اٹھانے کی مکمل کوشش کی جائے گی۔ آپ کا ہم پر یہ بڑا احسان ہے۔ اب آگے اتنا تو ہم لوگ کر ہی سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی کوشش بارآور ہو اور عرسوں اور کانفرنسوں میں لفظوں کا خراج عقیدت پیش کرنے والے تحریری و کتابی خراجِ عقیدت پیش کرسکیں۔

اب یہاں دو پہر دو بج چکا تھا۔ مفتی صاحب، مولانا سجاد صاحب اور میز بان حضرات روک رہے تھے اور کھانا کھانے کو کہہ رہے تھے۔ لیکن میں معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے ابھی اور کام باقی ہیں اور وقت کم ہے۔ کھانا پھر کبھی کھالیا جائے گا۔ اجازت دیں اور مجھے کانکی یا آشورہ گڑھ پہنچا دیں۔ مجھے پچھلا ضرور جانا ہے۔ میرا بھانجہ محمد واصل رشیدی سلمہ بخوشی فوراً تیار ہو گئے۔ میں نے پوچھا۔ کہاں چھوڑیں گے۔ کہا: آپ جہاں کہیں گے۔ خیر وہ مجھے لے کر روانہ ہوئے۔

سبرام پور میں سر راہ، لب سڑک حضرت علامہ محمد مجاہد الاسلام رضوی کا عالی شان مدرسۂ نسواں نظر آیا۔ واصل بابو نے کہا: حضرت سے ملیں گے۔ میں نے کہا: دیکھو۔ ہیں، تو کھڑے کھڑے مل لیتے ہیں۔ دیکھا، تو مل گئے۔ اچانک دیکھ کر وہ چونک گئے اور گلے سے لپٹ گئے۔ فرمایا: کیسے؟۔ کیسے؟۔ میں نے کہا: ایسے، ایسے۔ فون نمبر دیجیے اور لیجیے۔ وقت نہیں کہ بات کرسکوں۔ ساری کسر فون پر ہی پوری کرلیں گے۔ علامہ موصوف کا نام ہی مجاہد ہے۔ مجاہدانہ کارنامہ بھی ہے۔ اسی ایک سال میں اپنی ذاتی زمین پر ہیکل الوجود مدرسۂ نسواں کی تعمیر کرائی اور تعلیم بھی شروع کرادی ہے۔ وسیع و عریض خوبصورت عمارت نظر آئی۔ طالبات کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ یہ آناً فاناً اٹھان کسی طوفان کا پتا دیتی ہے۔ اس علاقے میں سخت ضرورت بھی ہے کہ 'عجب بد مذہبوں کا چلن دیکھتے ہیں'۔

تین پونے تین بجے ہم پچھلا پہنچ گئے۔ پہنچتے ہی بلا تاخیر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی سے گزارش کی کہ یہ 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' ہے۔ جس کی آپ کو اطلاع دے جا چکی ہے۔ آگے پیچھے کے مضامین چھوڑ کر آپ صرف حضرت شیخ الاسلام کے مکتوبات مقدسہ اور آگے کے نوادرات ایک نظر دیکھ لیں۔ جب تک میں نماز و طعام سے فارغ ہوتا ہوں۔ قریب پانچ بجے تک وہ اس کے مطالعہ میں غرق رہے۔ عرض کیا: حضور! وقت کم ہے۔ اب آپ حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ وابستہ اپنی قیمتی یادوں، بیتے لمحوں کے چند اہم

واقعات اور اپنی رائے گرامی ہمیں نوٹ کرادیں، جو یادگار اور تاریخ کا حصہ بن کر رہے۔ فرمانے لگے۔تم نے غضب کردیا۔کب، کہاں اور کس صحرا میں کیا شگوفے کھلا دوگے۔کہنا مشکل ہے۔طبیعت میری خراب ہے۔ابھی تم جاؤ۔اپنی یادداشت اور رائے لکھ کر میل کر دوں گا۔اندازہ تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے۔کیوں کہ پہلے بھی ان کے پاس میرے کئی اور مسودے کئی ماہ وسال سے رکھے ہوئے ہیں۔مشکل یہ ہے کہ کبھی ان کی طبیعت خراب ہوتی ہے اور کبھی ان کا لیپ ٹاپ بیمار ہو جاتا ہے۔خدا انہیں اور ان کے لیپ ٹاپ کو سدا صحت مند رکھے اور ایفائے عہد ہو۔تب عصر بعد ان کے صاحب زادے نے مجھے سرجاپور چھوڑا اور میں عشا کے وقت اپنے آنگن میں قدم رکھا۔

۴؍ستمبر: آج کا دن اور زیادہ مصروفیت کا تھا۔بارش بھی ہو رہی تھی۔لیکن دوپہر بعد مطلع صاف ہو گیا۔آج میری خوش دامن صاحبہ اور ان کے بڑے لڑکے پیارے بابو سفرحج کے لئے رانہ ہو رہے تھے۔ملنے والے مرد وخواتین کا ازدہام تھا۔ان کی روانگی اور الوداعی تقریب میں شامل رہنا پڑا۔مغرب بعد وہ لوگ روانہ ہوئے اور میں گھر پہنچا۔سوچا کہ ۵؍ستمبر کو بمبئی روانہ ہو جاؤں۔مگر والد گرامی کے ایمانہ ہونے پر تین شبانہ یوم رکا رہا۔لیکن یہ دو دن بھی رائیگاں نہ گیا۔میرے چچا اور ماموں بھی حضرت مولانا محمد عبدالسلام رشیدی میری کتابیں پڑھ پڑھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور دل کھول کر بندھائی و آشیرواد دیتے ہیں۔وہ آتے رہے اور کتابیں دیکھتے اور تبصرے کرتے رہے۔مولانا محمد اظہار عالم بھی آئے اور کتابی موضوعات پر گفتگو کر کے گئے۔

جمعہ کو اٹھ کر میں اپنے محترم بھائی منشی محمد صادق صاحب کے پاس گیا اور ان کو جلالۃ العلم قطب العارفین حضرت شاہ محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ کی سوانح 'حیات قطب پورنیہ' شاعری میں 'دیوانِ رشیدی' اور ان کی تصانیف 'آداب دسترخوان' اور معجزۂ قدم رسول' اور دیگر کتابیں دِکھائیں اور عرض کیا کہ وہ ان کتابوں کی طباعت کا کام اپنے ذمہ لیں۔دیکھ کر خوش تو بہت ہوئے اور یہ بھی کہا کہ کچھ کتابوں کے مسودے مجھے دے دو۔میں کچھ اپنے طور پر کوشش کرتا ہوں۔تب میں آٹھ تاریخ کو اپنے والد ماجد کی اجازت سے بمبئی روانہ ہو گیا۔یہاں آ کر یہ روداد مرتب کر ڈالی۔

اس چند روزہ قیام میں وہاں کچھ بینر نظر آئے اور سیاسی ہلچل بھی نظر آئی۔پچھلے سات آٹھ سالوں سے چھینک رہا ہوں۔اپنی ذات اور جماعت کی تعمیر وتشکیل جدید اور تمام باشندگانِ سیماچل کی ہمہ جہت ترقی کیوں اور کیسے ہو۔زبان وقلم سے صدائے جرس

دردمندوں تک پہنچانے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب دو چار فی صد فرد بشر کروٹ لینے لگے ہیں ۔ابھی کچھ کسر باقی ہے۔جس دن دس سے بیس فی صد افراد جاگ اٹھیں گے،اس دن سے سیما چل کی مکمل بیداری کا بگل بجنے لگے گا۔ نہ میں سیاسی آدمی ہوں اور عملی و سرگرم سیاست کا کچھ ارادہ ہی رکھتا ہوں۔لیکن سیاسی دیواروں کے نوشتوں سے جو مفہوم ہو رہا ہے،اس کا ادراک ضرور رکھتا ہوں۔

ابھی دو مہینے پہلے مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد کے نڈر مسلم رہنما جناب اسد الدین اویسی کشن گنج گئے۔تقریر کی اور سیما نچل کی وِکاس کا نعرہ دیا۔جب ان سے صحافیوں نے پوچھا کہ کیا آپ یہاں اپنی پارٹی کے امیدوار اتار کر الیکشن لڑیں گے؟۔تو ان کا جواب تھا کہ نہیں۔ابھی ایسا کچھ ارادہ نہیں ہے۔لیکن جیسے ہی بہار اسمبلی الیکشن کا اعلان ہوا،تو یہ اویسی صاحب اور بریلی شریف کے مولانا توقیر رضا صاحب اتحاد ملت کونسل لے کر وہاں اچانک پہنچ گئے اور چناؤ کے میدان میں اتر گئے۔اسے میں بے بصیرت قدم گردانتا ہوں ۔اس لئے کہ بغیر منصوبہ بندی،ماحول سازی اور فضا بندی کے یہ قدم اٹھایا گیا ہے۔جو ترقی کے بجائے تنزلی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ہاں! یہ دونوں اگر لالو نتیش گٹھ بندھن میں شمولیت وشراکت کرتے ،تو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا۔چوں کہ لالو و نتیش کو بہار کی سیاست اور بہاریوں کی نفسیات کا تجربہ ہے۔

جہاں تک سیما نچل کی ترقی کا سوال ہے،تو اس کے لئے خود سیما نچل کے سیاست دانوں اور باشعور نوجوانوں کو آگے آنا ہوگا۔کیوں کہ اس درد کا درماں اور مرض لاعلاج کی دوا وہی کر سکتے ہیں۔ابن الوقتی اور موقع پرستی کی سیاست وہاں کیا۔کہیں بھی قوم کا بھلا نہیں کر سکتی۔سیما نچل کی سیاسی مسلم پارٹی خود اپنی ہونی چاہیے۔قانوناً جمہوری و سیکولر اور مستحکم ہونی چاہیے۔پھر پارلیمانی و اسمبلی الیکشن اپنے بل بوتے پر لڑے یا کسی سیکولر پارٹی سے ٹائی اپ کرے۔جس میں سیما نچل کے مصالح و مفادات اور ترقیات وتحفظات کو ترجیح دی جائے اور تمام تر شروط و قیود سیما نچل کی تعمیر و ترقی کے حق میں طے ہوں،نہ کہ افراد کے حق میں۔کیوں کہ افراد کی ترقی ملک و ملت کی ترقی نہیں۔

☆ ☆ ☆

انٹرویو

دورِ حاضر کے عظیم مفکر، فکر رضا کے حقیقی داعی، گولڈ میڈلسٹ، امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی سے ایڈیٹر ''وجدان'' کی ایک تحریری گفتگو

سوال: سیما نچل کا رقبہ اور حدود کیا ہیں؟۔

جواب: قدیم پورنیہ ہی کو سیمانچل کہا جاتا ہے۔ سیما کا معنی ہے حد اور سرحد، آنچل کا معنی ہے علاقہ اور ایریا، دونوں سے مل کر سیمانچل بنا ہے۔ چونکہ یہ علاقہ شمالی مشرقی بہار میں ہے۔ اتر نیپال اور پورب بنگلہ دیش ہے۔ اس ترمہانی پر واقع ہونے کی وجہ سے سیمانچل بولا جاتا ہے۔ سیمانچل چار اضلاع شامل ہیں، کٹیہار، پورینہ، ارریہ اور کشن گنج، زبان، تہذیب، لباس اور طرز معاشرت کے اعتبار سے اتر دیناج پور بھی اسی میں شامل مانا جائے، تو یہ پانچ اضلاع ہوئے، مدھے پورہ اور مالدہ کے بھی کچھ حصے کبھی پورنیہ ہی میں شامل تھے۔ ۱۹۵۶ء، ۱۸۱۳ء اور اس سے اوپر جائیے، تو یہ حدود اور رقبہ اور پھیلا ہوا ملے گا۔ تفصیل کے لئے میری کتب ومقالات کا مطالعہ کیا جائے، جو قدیم پورنیہ کے تعارف واحوال پر لکھے گئے ہیں۔ کٹیہار، کشن گنج، ارریہ، دیناج پور، گویا بچے ہیں اور پورنیہ باپ ہے، اگر ان اضلاع سے کٹ کر پھر کوئی ضلع بنتا ہے، تو وہ پورنیہ کا پوتا ہوگا۔

سوال: یہاں اسلام کب پہنچا اور کیسے پھیلا؟۔

جواب: پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں ہی یہ خطہ اسلام آشنا ہو چکا تھا۔ انگریزوں کی سروے رپورٹ اور گزیٹر وغیرہ سے اس کا پتا چلتا ہے۔ ہم نے اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حوالہ وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ مخدوم جہاں نیاں جہاں گشت اور مشہور سیاح ابن بطوطہ کے آمد اور ان کے حالات دیکھیں، ساتویں صدی ہجری میں یہاں صوفیاے کرام کی مسندیں آراستہ ہو چکی تھیں، خانقاہیں، دائرے اور زاویئے جگہ جگہ پائے جاتے تھے۔ ایک انگریز سروے نگار نے تین سو ساٹھ خانقاہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ سلسلہ

سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین کے مرید و خلیفہ شیخ احمد دمشقی براہ راست پورنیہ تشریف لائے اور شیخ احمد مہسوی کو مرید و خلیفہ نامزد کیا۔ ولایت و روحانیت اور دعوت و تبلیغ اسلام کا قلمدان ان سونپا، مہسو شریف، جورائے گنج سے آگے ٹھاکر باڑی کے پاس ہے۔ کبھی یہ بہت بڑا مرکز اسلام تھا، آج بھی وہاں کے مزارات مقدسہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ دوسرا بڑا مرکز روحانیت سعد اللہ پور ہے۔ جہاں آئینۂ ہند شیخ محمد سراج الدین اخی کا دربار عالیہ ہے۔ یہ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ پھر مخدوم علاء الحق پنڈوی کا آستانہ عالیہ ہے۔ جو آئینۂ ہند کے مرید و مجاز تھے۔ انہیں بزرگان دین کے دم قدم سے سیمانچل میں اسلام پھیلا اور انہیں کی دعوتی کاوشوں سے یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

سوال: سیمانچل میں تعلیمی پسماندگی اسباب و عوامل کیا ہیں؟۔

جواب: یہ سوال قدرے ٹھیک اور قدرے ناٹھیک ہے۔ موجودہ تناظر میں ٹھیک تو اس لئے کہ یہ دور تعلیمی انقلاب و انفجار کا ہے۔ مگر سیمانچل اس کی آہٹ سے ابھی کوسوں دور ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہاں کے علما، دانشور، دولت مند اور سیاسی سماجی کارکن کو اس آہٹ کا احساس نہیں یا احساس تو ہے، لیکن کچھ کر گزرنے کو تیار نہیں یا پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصری تقاضوں کا عدم احساس اور سہل پسندی بہت بڑا سبب ہے۔ سیمانچل میں عیسائی دو فیصد بھی نہیں، مگر ان کے ادارے دیکھئے، جن کے محتاج اہل سیمانچل ہیں۔ یہی صورت حال بد عقیدوں کی بھی ہے۔ خوش عقیدوں پر غفلت کی گہری نیند طاری ہے۔ اس غفلت و بے حسی کی نیند کب ٹوٹے گی۔ خدا جانے۔

اور یہ سوال قدرے ناٹھیک اس لئے ہے کہ تعلیم دینی ہو یا دنیاوی، اس کا معیار اور مقدار بلند بھی ہے اور امید افزا بھی۔ اس لئے کہ ہمارے جوانوں نے دینی و عصری دونوں سطح پر چاند پہ کمند ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ یہ صلاحیتیں انفرادی ہیں اور منتشر ہیں۔ جو خطہ سے باہر ہیں اور ملک و بیرون ملک میں کام کر رہی ہیں، چونکہ یہ یکجا نہیں ہیں۔ اس لئے اہل سیمانچل کو اس کا اندازہ نہیں ہے۔ اگر یہ یکجا ہو کر دور سے ہی سہی، مشترکہ پلیٹ فارم بنا کر کام شروع کریں، تو اس کے انقلابی نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

سوال: شعبہ تعلیم، جو دینی و دنیاوی شعبوں پر مشتمل ہے۔ علمائے کرام اور دانشوروں کی کاوشوں اور ان کے نتیجوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟۔

جواب: اس سوال کا جواب اوپر کے سوال کے جواب میں ہی موجود ہے۔ موجودہ تعلیمی تناظر

ہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمائے کرام کی خدمات اس لحاظ سے قابل اطمینان ہیں کہ وہ وسائل انہیں فراہم نہیں، جو کسی بڑے تعلیمی انقلاب کے لئے ضروری ہوتے ہیں یا وہ کہیں نہ کہیں وسائل میسر تو ہیں، مگر وہ روایتی پٹری سے اتر کر نئی پٹری پر چلنا نہیں چاہتے یا کچھ داخلی خارجی وجوہ کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر پا رہے ہیں۔ اغیار کے بالمقابل ہمارے یہاں نظم وضبط اور اشتراک عمل کی کمی ہے۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے مدارس اہل سنت سیمانچل کے ذمہ داروں کو کئی سال پہلے میں نے تجویز پیش کی تھی کہ پانچوں اضلاع کے نمایاں مدارس والے باہم مل کر ایک وفاق یا تنظیم المدارس بنائیں۔ تعلیم وتربیت کا، داخلہ وخارجہ کا اور امتحانات کا ایک ضابطہ بنائیں، درجہ بندی کے بعد کسی ایک ادارہ کو اخلاقی تعاون دے کر اونچا اٹھائیں۔ جہاں تکمیل تعلیم کی ساری سہولت موجود ہو، تو خطہ کا وقار بلند ہوگا اور مجروح ہونے سے بچ جائے گا۔ خدا کرے، اس تجویز پر عمل ہو جائے۔

عصری تعلیم کے میدان میں وہ دانشوران جو کانونٹ یا انسٹی ٹیوٹ چلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی تقریباً وہی مجبوری ہے۔ جو اوپر گزری۔ یہ بھی انتشار اور بکھراؤ کے شکار ہیں۔ انہیں چاہئے کہ تعلیمی سروے کریں، دورے کریں، کنونشن اور ورک شاپ کر کے ذہن ہموار کریں اور پھر دانشوروں اور دردمندوں کے باہم مشورے سے مشترکہ تعلیمی محاذ بنا کر کام کریں۔ تو خوش گوار اثرات پیدا ہوں گے۔ دونوں میدانوں میں انفرادی محنتیں خوب ہو رہی ہیں۔ قابل قدر بھی ہیں۔ مگر اجتماعی سوچ وفکر کے فوائد بہر حال دوررس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ جنکی طرف عملی پیش رفت کی شدید ضرورت ہے۔

سوال: سیمانچل کی معیشت اور ذرائع روزگار مسدود یا محدود کیوں ہیں؟۔

جواب: قدیم پورنیہ کبھی نہایت خوش حال تھا۔ معاش وروزگار کی ساری راہیں کشادہ تھیں، معافیاں، جاگیریں اور زمینداریاں تھیں، انگریزوں کی آمد (۱۷۷۰ء) اور قانون ضبطی نے تمام تر خوش حالی بدحالی میں بدل دی اور یہ بدحالی عرصہ دراز تک برقرار رہی، جب ملک آزاد ہوا، تو ملک کی آزادی نے بھی وہ خوش حالی اور گزشتہ شوکت واپس لانے میں ناکام رہی۔ تعلیم اور تجارت دونوں میدانوں میں تعلیم کی جگہ جہالت اور تجارت کی جگہ ملازمت ومزدوری کا سایہ دراز رہا۔ تعلیم وتجارت، صنعت وحرفت اور معاش وروزگار کے شعبہ میں ہمارے سیاست دانوں اور سماجی کارکنوں نے بھی وہ چستی نہ دکھائی یا وہ تدبیری قدم نہ اٹھایا۔ جو وہاں کے لئے درکار تھا اور یہی صورت حال بدستور تا حال برقرار ہے۔ ہاں! البتہ ذاتی محنت اور انفرادی کوششوں نے اپنا رنگ ضرور دکھایا اور اب حال یہ ہے کہ پہلے سے بہت حد تک پوزیشن جداگانہ ہے۔ آئندہ برسوں میں

اور بہتر ہونے کی توقع ہے اور اگر صوبائی و مرکزی حکومتوں کی توجہ متوجہ کرانے میں سیاسی سماجی کارکنان مخلصانہ محنت کریں، تو خطہ کی تقدیر بتدریج بدل سکتی ہے۔

سوال: یوپی اور آندھرا پردیش، کرناٹک اور کیرالہ کے مسلم لیڈران کبھی مسلم مسائل پر بھرپور آواز بلند کرتے ہیں۔ بہار و بنگال کے لیڈر ایسا کیوں نہیں کرتے، اس کی کیا وجہ ہے اور یہاں علمائے کرام سیاسی میدان میں اتر کر قوم و ملت کی رہنمائی کیوں نہیں کرتے؟۔

جواب: اس کا جواب میری کتاب ''سیمانچل! کل اور آج'' میں ہے اور سیمانچل کے پانچوں اضلاع میں بٹ بھی ہے۔ آپ حضرات چاہیں، تو وہ پوری عبارت اٹھا کر یہاں درج کر لیں۔

رہی بات علمائے کرام کی، تو سیاست کی گلیاری ایسی گندی اور گدلی ہو چکی ہے کہ محتاط و مستند علما اس میں قدم نہ رکھیں، تو بہتر ہے۔ البتہ یہ علما ایسے افراد کو آگے لائیں، جو ان کے منشا کے مطابق قوم و ملت کی خدمت کریں، یعنی وہ کنگ نہ بنیں، کنگ میکر بنیں، یہ مناسب صورت ہے، ورنہ سیاسی مزاج کے علما اس میدان میں کام کرتے رہے ہیں۔ مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آرہا ہے۔

ہاں اس خطہ میں ایک کام کی اشد ضرورت ہے۔ چونکہ اس خط میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس لئے یہاں مسلمانوں کا اپنا ایک سیاسی پلیٹ فارم ہونا چاہیۓ۔ بالکل اسی طرح جیسے حیدرآباد میں مجلس اتحاد المسلمین اور کیرالا میں سیاسی مسلم محاذ، اگر سیمانچل میں ایسا ہوتا ہے۔ تو مفاد پرست خودغرض سیاست دانوں کو نکیل پہنائی جاسکتی ہے۔ شرط ہے کہ مسلمانوں کا متحدہ محاذ ہو۔ اور سیاسی منشور قانوناً واضح ہو۔ یہ محاذ اپنا امیدوار، کینڈیڈیٹ کھڑا کرے، یا پھر ایسے امیدوار کو سپورٹ کرے، جو اس محاذ کے مطالبات کو پورا کرے، یہ مطالبات بھی قومی ملی اجتماعی ہوں نہ کہ ذاتی جیب بھرائی اور پیٹ پوجا کے لیے۔ ظاہر ہے جب قوم و ملت کی تعمیر و ترقی ہوگی۔ تو افراد ملت خود بہ خود آسودہ اور سیر چشم ہوں گے۔

سوال: اس خطہ میں آئے دن بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں ہوتی ہیں اور کثیر سرمایہ خرچ ہوتا ہے۔ اخراجات زیادہ اور نتائج کم یا صفر ہوتا ہے۔ کیا ان پروگراموں سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے اور اعراس بزرگان دین میں، جو غیر شرعی حرکتیں ہوتی ہیں، کیا یہ درست ہیں؟۔

جواب: جلسہ تو آج کل ہوتے نہیں، صرف کانفرنس ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اخراجات کے حساب سے فوائد نہیں، تو نہیں کہا جا سکتا، مگر وقت اور سرمایہ کی لاگت کے حساب سے فائدے کم ہوتے ہیں۔ اس بہانہ کچھ نہ کچھ اصلاح و سدھار کا امکان روشن ہو جاتا ہے۔ اگر کہیۓ کہ نہیں، وقت اور سرمایہ صرف برباد ہوتا ہے۔ تو یہ صد فی صد درست نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں

کہ قوم کا فائدہ ہو یا نہ ہو، خطبا، شعراء اور انتظامیہ اراکین کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ یہ انداز فکر بھی سو فی صد سچ نہیں۔ اس لئے کہ سارے خطبا، شعراء اور اراکین نہ پیشہ ور ہوتے ہیں، نہ مفاد پرست، ان میں کچھ نہ کچھ تو بہر حال مخلص ہوتے ہیں اور ان کی نیت اچھی ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہو کہ بے عمل، بدکردار اور پیشہ ور خطیبوں، شاعروں اور کارکنان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ وقت اور حالات کا تیور بتا رہا ہے کہ یہ کام بڑا جوکھم بھرا ہے۔ کھٹن کام ہے۔

رہی بات اعراس کی، تو اعراس اور جلسوں میں کوئی فرق نہیں، البتہ عرس کی تقریب ذرا زیادہ مقدس ہوتی ہے کہ وہ کسی ولی یا ولی صفت سے منسوب ہوتی ہے ورنہ بھیڑ بھاڑ، چیخ و پکار ، میلہ، ٹھیلہ، مرد و زن کا اختلاط اور مالیات میں خرد برد، دونوں میں کوئی فرق نہیں، کانفرنس ہو یا عرس، دونوں کا احترام و تقدس برقرار رہنا چاہئے اور غیر شرعی حرکتوں اور غیر ضروری استعمال مال سے بچنا چاہئے۔ کانفرنس اور عرس، یہ دونوں پروگرام اصلاح نفس، تذکیر قلب اور معاشرہ کی تشکیل جدید کے لئے مفید و موثر بنایا جائے، نہ کہ شہرت و ناموری اور شکم پروری کا ذریعہ سمجھا جائے۔ خدا سب کو توفیق خیر دے۔

سوال: سرجاپوری بولی، جو صدیوں سے بولی جا رہی ہے، اب تک بولی ہی کیوں رہی۔ کیا یہ بولی رسم الخط کا لباس پہن کر زبان کے درجہ میں نہیں آسکتی؟۔

جواب: سرجاپوری بولی بڑی شیریں و سلیس بولی ہے۔ لیکن یہ قابل افسوس امر ہے کہ اہل سرجاپور اس بولی کو لپی اور رسم الخط میں نہیں لاسکے۔ یہ سرجاپوریوں کی کمی ہے۔ نہ کہ غیر سرجاپوری کی۔ یہ چاہ لیں، تو یہ بولی زبان کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ کچھ ادیبوں نے اسے لپیانے کی شروع کی تھی۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں نہ چل سکا۔ آپ چاہیں تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع کر سکتے ہیں۔ پہلے اردو کا جملہ لکھیں، اس کے سامنے سرجاپوری جملہ لکھیں، پھر وہیں نیچے الفاظ و مفردات کی وضاحت کر دیں۔ جہاں کہیں رہیں، اپنی بولی کا آپس میں استعمال بھی کریں۔ جیسے گجراتی، کوکنی، دکن، مارواڑی، جین، میتھلی، مگدھی، بھوجپوری، بولتے ہیں۔ چونکہ یہ بولی اردو کے ہم شکل ہے۔ بہ نسبت اور بولیوں کے۔ اس لیے قوی امکان ہے کہ یہ بولی ترقی کرتے کرتے زبان کا درجہ حاصل کر لے۔

سوال: اردو زبان و ادب کے حوالہ سے اس خطہ کا کیا کردار رہا ہے، کتابوں اور مضامین کی صورت میں اس خطہ کے موضوع پر چند سالوں سے متواتر تحریریں سامنے آرہی ہیں۔ اس کا محرک کیا ہے؟۔

جواب: اردو، جب بولی کے درجہ میں تھی، تبھی سے وہ اِس خطہ میں مانوس و متعارف ہے۔

اردو کے دبستانوں میں عظیم آباد پٹنہ بھی ایک اہم دبستان رہا ہے۔ پورنیہ، پٹنہ، لکھنو، دہلی سے دور سہی، مگر اردو کے زلف ورخ سنوارنے میں سیمانچل کا کردار روشن رہا ہے۔ ''سیمانچل آج اور کل'' میں ہم نے اس کا جائزہ لیا ہے۔ چاہیئے تو وہ اقتباس آپ یہاں شامل کر سکتے ہیں۔ اردو ہماری زبان ہی نہیں، شان بھی ہے، کوئی کیوں دست بردار ہو سکتا ہے۔

۱۹۳۰ء کے بعد کی بات ہے۔ جلالۃ العلم قطب العارفین شاہ محمد یوسف رشیدی علیہ الرحمہ نے یہ کوشش کی تھی۔ تاریخ پورنیہ کے نام سے پہلا حصہ ۱۹۳۶ء میں شائع بھی ہوا تھا۔ تذکرۂ اولیا و اسلاف پر بھی مواد جمع کیا گیا تھا۔ مگر وہ چھپا نہیں۔ عرصہ دراز کے بعد اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور خاکسار نے اس کوشش کو آگے بڑھائی۔ جس کے خوشگوار نتائج سب کے سامنے ہیں۔ احباب اور اہل علاقہ چاہیں، اشتراک عمل کریں، تو یہ سلسلہ اور تابناک ہو سکتا ہے۔ اس کی طرف ہم نے اشارہ بھی کیا۔ صراحت بھی کی ہے۔ تجاویز دی ہیں۔ موضوعات و عنوانات بھی قائم کئے ہیں۔ دیکھئے۔ کاملان پورنیہ جلد اول، سفر خوشبو دیش کا (سفرنامہ پورنیہ) ''سیمانچل کل آور آج'' اور دیگر مضامین۔

دیکھئے! اکائی کا مجموعہ ہی دہائی یا سیکڑہ بنتا ہے، علاقائی ادب ہی ملکی و عالمی ادب کا حصہ ہوتا ہے، اس لیے علاقائی ادب پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے، میں نے دیکھا، سیمانچل کے شہروں اور بازاروں میں ادب، تاریخ اور مذہب پر وافر تعداد میں لٹریچر موجود ہے، اخبارو رسائل بھی ہیں، مگر اپنوں کی نمائندگی اگر صفر نہیں، تو صفر سے آگے بھی نہیں، یہی محرک بنا میری حرکت قلم کا، نتیجہ میں کئی اہم مقالے اور کتابیں سامنے آ گئیں، جن کی قدردانوں نے قدردانی کی اور ناقدروں نے ناقدری کی، میرا مزاج کام کا ہے، شکوہ کا نہیں، خدا توفیق دیتا ہے، کام ہوتا رہتا ہے، رضویات میری ایمانی غذا ہے، اس باب میں خاکسار کا علمی کام ہندو پاک کے علاوہ تمام علمی برادری میں حوالہ بن چکا ہے، اسی طرح سیمانچل سیریز کی تحریریں بھی حوالہ میں آ چکی ہیں، یہاں ایک زخم دل کی بات بھی سن لیجیے، سیمانچل سنی کانفرنس کا منصوبہ محض کانفرنس کا منصوبہ نہیں تھا، اس پلیٹ فارم سے ایسی چنگاری سلگتی اور کرن پھوٹتی، جو شعلہ جوالہ بنتی اور آفتاب بن کر سیمانچل کے آسمان پر ضوفشاں ہوتی، مگر کچھ نادانوں نے اور کچھ دسیسہ کاروں نے وہ منصوبہ ناکام کر دیا، جس کا قلق تو ہے اور بے حد ہے۔ لیکن یاد رکھیے! صحرا میں پھول کھلے گا، بن میں سورج اُگے گا، سکوتِ شب بولنے لگے گا، ہر حسد، جلن، تنقید، کردار کشی، منافقت، مخالفت کا جواب بس ایک ہی ہے، کام اور صرف کام۔ مگر صبر و تحمل کے ساتھ، حکمت و دانائی کے ساتھ۔ اسی کی دعوت انبیا کرام نے دی ہے اولیا عظام نے دی ہے اور چودھویں صدی کے ہجری کے انقلابی مصلح و مجدد اعلیٰ حضرت

قطب الارشاد امام احمد رضا نے دی ہے۔

سوال: ارادہ تھا کہ آپ کا انٹرویو ششماہی ''وجدان'' کے اول شمارہ میں شائع ہو لیکن بوجوہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اب نقش اول حاضر خدمت ہے۔ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے قارئین وجدان کو آپ کوئی پیغام دیں۔

جواب: میں کیا اور میری بساط کیا کہ کوئی پیغام دوں۔ ہاں! وجدان کے اجراء پر آپ حضرات کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ واقعی آپ حضرات نے صحرا میں پھول کھلایا ہے۔ خدا کرے تادیر یہ پھول کھلکھلاتا رہے۔ کٹھنائی اور مشکلات کا پہاڑ خونِ گرم کی تپش سے پاش پاش ہو۔ دیکھئے! دین وسنیت پر کاربند رہئے۔ جس کی درخشاں تعبیر برصغیر کے تناظر میں مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ فرائض وواجبات کی پابندی کیجئے۔ نماز باجماعت پڑھئے، قرآن کریم کی تلاوت ضرور کیجئے، وقت ملے تو اوراد و وظائف کی عادت بھی ڈالئے۔ اخلاق نبوی کا مظاہرہ کیجئے۔ حلال وحرام اور جائز و ناجائز میں بہر صورت تمیز رکھیئے۔ فقیرانہ صوفیانہ اوصاف اپنایئے۔ خدمت خلق کیجئے، تعلیم، تجارت، معیشت، سیاست، صحافت اور زبان وادب، ہر میدان میں آگے آیئے۔ اتحاد اتفاق اور اپنی تعداد وطاقت اور قوت وشوکت اور اپنی عملی سرگرمیوں سے باطل قوتوں پر چھا جایئے۔ پامال، ویران سنسان راہوں پر نہ چلئے، نئی راہیں نکالیئے، نئے امکانات روشن کیجئے۔ نئے میکدوں کی تلاش کیجئے، بادہ خوار ٹوٹ پڑیں گے۔ ہاں! خیال رکھیئے۔ شریف النفس ہو کر ہوس، ریا، نمود کی چادر تار تار کر دیجیے، عزت وکرامت اور کامیابی کی چادر خود بہ خود تن جائیگی۔ غیبت، حسد، جلن، بدظنی، بدگمانی سے پرہیز کیجئے، حسن عمل، حسن اخلاق اور حسن ظن کا جوہر پیدا کیجئے۔ یہ سعادت دارین کی ضمانت ہے۔

[مطبوعہ ششماہی 'وجدان' دیناج پور، دسمبر ۲۰۱۳ء تا مئی ۲۰۱۴ء، ص: ۳۶ تا ۳۹ زیر اہتمام انجمن فروغ علم وادب گنجریا بازار، اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور، بنگال۔]

☆☆☆

بسم الله الرحمٰن الرحیم نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

شمسِ ملت فخرِ سیمانچل

امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب مدظلہ العالی

کی پچیس سالہ دینی وقومی اور علمی وادبی گراں قدر کارناموں کے حسین موقع پر اعجاز واستقبال اور

اعتراف خدمات وہدیۂ سپاس

پیش کش:

ڈاکٹر محمد احسن صاحب بانی وصدر کھریال ہائی اسکول کھریال، ضلع کٹیہار، بہار

بمقام: کھریال ہائی اسکول کھریال، بتاریخ: ۱۹/ مارچ ۲۰۱۵ء

ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی گولڈ میڈلسٹ سیمانچل کے مدینۃ العلما علاقہ بائسی میں ۱۹۷۰ء کو پیدا ہوئے۔ دینی وعصری تعلیم کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ فی الوقت بمبئی میں سرکاری پیشۂ تدریس سے وابستہ ہیں، جو ان کا ذریعۂ معاش ہے۔ قدرت نے ان کے سینے میں جو دردمند دل رکھا ہے، وہ ہر وقت دین وشریعت اور قوم وملت کی تعلیم وترقی اور تعمیر وبقا کے لئے دھڑکتا رہتا ہے۔ ان کی زبان اور قلم سے خلوص وخاکساری کے جو پھول جھڑتے ہیں، اس کی خوشبو سے ہر باشعور انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔ ان کی پروازِ فکر، پرخلوص تحریر اور پردرد تقریر سے تمام اردو دنیا ان کے لئے دعا گو اور ان سے متاثر ہے۔ وہ ایسے مردِ قلندر صفت ہیں، جو حالات کا رونا نہیں روتے، بلکہ مشکل حالات کی راہ میں حائل ہونے والے کوہِ گراں کو پاش پاش کر کے فتح وکامرانی کا راستہ نکال ہی لیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ذاتی امتیازی اوصاف اور نمایاں کارناموں کی وجہ سے بڑوں کو شاد ومسرور کیا ہے اور چھوٹوں کو عملی سرگرمیوں کے لئے اکسایا اور ابھارا ہے۔ آج کی نئی نسل ان کی شخصیت وفکر کو نمونۂ عمل اور نقشِ راہِ حیات بنانے پر شاداں وفرحاں ہے۔

ڈاکٹر موصوف دراصل تحریر وقلم اور بلند فکر وشعور کی حامل شخصیت ہیں۔ اب تک ان کی

پچیس علمی و تحقیقی کتابیں ہندوستان و پاکستان سے شائع ہو چکی ہیں اور پچاسوں مقالات و مضامین اور انٹر یوز ہند و پاک کے رسائل و اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔ان کا انٹر یو،تقریر اور پیغام دہلی دور درشن ریڈیو اور ٹی وی چینلو پر نشر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ان کی خالص ادبی علمی اور طنز و مزاح پر مشتمل دو کتابیں 'پروازِ خیال' اور 'بولتی تصویریں' ریڈیو اسٹیشن انگلینڈ سے نشر ہوئی ہے۔ان کا علمی اور تحقیقی معیار بہت ہی بلند، ذہن ساز اور دل نشین ہے۔آپ کا طرز تحریر اور اسلوب نگارش انتہائی منفرد، ممتاز اور من موہک ہے۔ان کے انداز فکر اور اسلوب تحریر کی بطور عام نوجوان نسل پیروی کر رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے اکابر علما و مشائخ اور ادبا و دانشوران انہیں متعدد معزز الفاظ، القابات اور خطابات سے یاد کر رہے ہیں۔

ان کی پابند شرع زندگی اور عملی پہلو دیکھ کر کوئی انہیں صوفی منش اور مردِ درویش کہتا ہے۔تو کوئی اعلیٰ حضرت پر نہایت نمایاں تحقیقی کام اور اعلیٰ حضرت سے والہانہ وابستگی کی بنیاد پر انہیں اعلیٰ حضرت کا فرزند روحانی قرار دیتا ہے۔ان کی فکری پرواز کی بلندی کے سبب کوئی ان کو ڈاکٹر اقبال کا معنوی شاگرد کہنے پر مجبور ہے۔تاج الشریعہ حضرت ازہری میاں صاحب بریلی شریف، امین ملت حضرت امین میاں صاحب مارہرہ شریف، امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی پورنوی، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب گھوسی، حضرت سید شاہ تراب الحق صاحب رضوی کراچی، حضرت علامہ عبد الحکیم اشرف صاحب قادری لاہور اور محققین او ر دانشوروں میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کراچی، سید شاہ وجاہت رسول قادری کراچی، پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڈھ، سید محمد اشرف صاحب مارہرہ شریف، حضرت سید شاہ طلحہ برق رضوی داناپور پٹنہ، پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی مظفر پور وغیرہ پچاسوں اصحاب علم و دانش مردِ جانباز ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب قبلہ کو دل سے عزیز و محبوب رکھتے ہیں اور ان کے علمی و فکری کاموں پر خوشی و مسرت اور اطمینان و اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

گذشتہ کئی برسوں سے ان کی اہم و عظیم خدمات کی بنیاد پر ہند و پاک کے مختلف اداروں، خانقاہوں انجمنوں اور اکیڈمیوں کی طرف سے انہیں انعام و ایوارڈ اور سپاس و توصیف ناموں اور سند اعجاز و امتیاز اور سمان پتروں سے نوازا جا رہا ہے۔ان میں سب سے بڑا اعجاز تو بزرگوں کی جانب سے پانچ خلافت و اجازت نامے ہیں، جو بقول ان کے انہیں بے حد عزیز ہیں۔کیوں کہ یہ روحانی و باطنی سعادت اور اخروی نجات کا سبب ہیں۔دنیاوی

اعجاز واکرام میں ایک اہم اعجاز ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کی طرف سے سونے کا تمغہ یعنی گولڈ میڈل کا دیا جانا ہے اور کراچی یونیورسیٹی کے شعبۂ اردو کے پی ایچ ڈی اسکالرز کے تحقیقی مقالات کے لئے بطور بیرونِ ملک ممتحن نام زد کیا جانا ہے۔ان تمام خدمات واعجازات کے دیکھتے ہوئے سیما نچل کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج وغیرہ زیادہ حقدار ہے کہ ان کی گوناگوں خدمات کو سراہے اور ان کی با فیض شخصیت اور تعمیری وانقلابی سوچ سے کی دل و جان سے قدر کرے۔اس لئے کہ وہ اسی سیمانچل کے قابل فخر فرزند ہیں اور پہلی بار اس خطے کے مسائل وموضوعات پر قلم اٹھا کر ایک تاریخ ساز فریضہ انجام دیا ہے۔کاملانِ پورنیہ [دو جلدیں] سفر نامۂ پورنیہ، سیمانچل: آج اور کل، حیات قطب پورنیہ، شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی: حیات ومکتوبات، حیاتِ مظہر [مفتی محمد ایوب مظہر کی سوانح] وغیرہ کتابیں اور مضامین لکھ کر اور چھاپ کر اس علاقہ کا نام ملک وبیرون ملک روشن ومتعارف کرایا ہے۔کھریال ہائی اسکول کھریال اس حقیر تقریب اعجاز اور توصیف نامہ کے ذریعہ اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے مزید روشن مستقبل اور مفید وو قیع خدمات کی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہے۔

خلوص کار و نیاز کیش

ڈاکٹر محمد احسن و جملہ اسٹاف واراکین کھریال ہائی اسکول کھریال

☆ ☆ ☆

امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مدظلہ
کی قلمی خدمات کا ایک اجمالی اشاریہ

پیش کش: حضرت علامہ محمد افتخار عالم قمر بھاگل پوری

☆ مطبوعات:

۱ مسلکِ مختار، صفحات: ۳۲ / مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ، ۱۹۹۳ء
۲ آئینۂ امام احمد رضا، صفحات: ۱۵۰، مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۳ء
۳ فضائلِ رمضان وتلاوت، صفحات: ۳۲ / مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۴ء
۴ اجالا، (ہندی) صفحات: ۴۸ / مطبوعہ، ادارہ افکار حق، بائسی، پورنیہ ۱۹۹۴ء
۵ کلیاتِ مکاتیبِ رضا، (دو جلدیں) صفحات: ۸۰۰ / مطبوعہ ہند و پاک ۲۰۰۵ء
۶ پروازِ خیال، (فکر انگیز انشائیہ) صفحات: ۸۰ / مطبوعہ ہند و پاک، ۲۰۰۵ء و ۲۰۱۱ء
۷ حیاتِ رضا کی نئی جہتیں، (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۲۰۰ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۷ء
۸ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا، (تحقیق وترتیب) دو جلدیں، صفحات: ۱۲۲۴ / مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۷ء
۹ امام احمد رضا: خطوط کے آئینے میں، صفحات: ۴۷۰ / مطبوعہ بمبئی، ۲۰۰۸ء
۱۰ آئینۂ حیاتِ قادری، صفحات: ۴۸ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۸ء
۱۱ بولتی تصویریں، (وارداتِ قلب، انشائیہ) صفحات: ۱۴۰ / مطبوعہ، مرادآباد و بمبئی، ۲۰۰۹ء
۱۲ تین تاریخی بحثیں، (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۱۴۴ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۰۹ء
۱۳ مجموعۂ مقالاتِ جہانِ ملک العلما، (تحقیق وترتیب) صفحات: ۱۲۰۰ / مطبوعہ، بمبئی ۲۰۰۹ء
۱۴ انتخابِ کلامِ عاطف [شاعری: تریب وتقدیم] صفحات ۲۰۰، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۹ء
۱۵ کلیاتِ عاطف (شاعری: ترتیب وتقدیم) صفحات: ۶۷۴ / مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۰ء
۱۶ کاملانِ پورنیہ، سوانحی تذکرہ (تحقیق وتصنیف) صفحات: ۴۹۶ / مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۰ء
۱۷ لمعاتِ ولی، (ترتیب وتقدیم) صفحات: ۲۴۰، مطبوعہ، باسنی، ناگور شریف، ۲۰۱۰ء
۱۸ امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، (ترتیب وتقدیم) صفحات: ۱۹۲ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۱ء
۱۹ سفر خوشبو دیش کا، (سفرنامہ) تحقیق وتصنیف، صفحات: ۱۴۴ / مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۱ء

۲۰ فردوسِ شفاعت، (شاعری: ترتیب وتقدیم) صفحات: ۳۶۰ر مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۱ء
۲۱ تحقیقاتِ امام علم وفن، (دریافت وترتیب) صفحات: ۲۷۴ر مطبوعہ، بریلی شریف ۲۰۱۲ء
۲۲ فکرِ رضا کے نقشہائے رنگ رنگ، (مقالاتِ سیمینار) صفحات: ۳۰۴ر مطبوعہ، بمبئی ۲۰۱۲ء
۲۳ سیمانچل: آج اور کل، (تحقیق وتجزیہ) صفحات: ۳۲ر مطبوعہ، بائسی، پورنیہ، ۲۰۱۳ء
۲۴ اعلیٰ حضرت اور علمائے جبل پور، (تحقیق وترتیب) صفحات: ۲۰۰ر مطبوعہ، بمبئی، ۲۰۱۴ء
۲۵ اسفار امام احمد رضا: ایک تحقیقی وتاریخی جائزہ، صفحات: ۴۰ر مطبوعہ بمبئی، فروری ۲۰۱۵ء
۲۶ سفرنامہ اعلیٰ حضرت (تحقیق وترتیب) تخمینہ صفحات: ۵۰۰ر طبع بنگلور، دسمبر ۲۰۱۵ء
۲۷ شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات [شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی] صفحات: ۴۰۰، طبع، کلکتہ دسمبر ۲۰۱۵ء
۲۸ حیات حبابی [مفتی شعبان علی بلرام پوری] صفحات: ۱۱۲، مطبوعہ بمبئی، فروری ۲۰۱۶ء
۲۹ مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی وتحقیقی پس منظر، صفحات: ۸۰، مطبوعہ بمبئی، مئی ۲۰۱۶ء
۳۰ جہانِ منصور ملت، [خانوادۂ شیر بیشہ اہل سنت] صفحات: ۳۳۶، ستمبر ۲۰۱۶ء
۳۱ بمبئی میں وہابیت کا پہلا قدم، صفحات: ۱۲۸ طبع مسولی شریف بارہ بنکی، اکتوبر ۲۰۱۶ء

☆ زیرِ طبع وتکمیل:

۳۲ ندوۃ العلما: ایک تحقیقی مطالعہ [تحقیق وتجزیہ] صفحات: قریب ۵۰۰
۳۳ مسئلۂ اذان ثانی کا ایک تفصیلی وتحلیلی مطالعہ، صفحات: ۴۰۰ سے زائد
۳۴ اجمیر پاک میں اعلیٰ حضرت (تحقیق وتصنیف) تخمینہ صفحات: ۳۵۰ر
۳۵ تاج الفحول بدایونی اور اعلیٰ حضرت (تحقیق وترتیب) تخمینہ: ۲۵۰ر
۳۶ شاہ فاروق حسن صابری رام پوری: حیات ومکتوبات اور صحافتی خدمات کا تحقیقی جائزہ، تخمینہ صفحات: ۵۰۰
۳۷ رشکِ مہر وماہ (مشائخ مارہرہ وعلمائے بریلی کا جامع تعارف وتذکرہ) تخمینہ صفحات: ۴۰۰ر
۳۸ کاملانِ پورنیہ، جلد دوم، صفحات: ۵۰۰ر سے زائد
۳۹ حیات قطبِ پورنیہ، [شاہ محمد یوسف رشیدی] صفحات: ۲۵۰ر سے زائد
۴۰ دیوانِ رشیدی، [شاہ محمد یوسف رشیدی] صفحات سے زائد
۴۱ حیات مظہر، [مفتی محمد ایوب مظہر رضوی] صفحات: ۲۰۰ر سے زائد
۴۲ نذرِ فاروق (پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پوری کی حیات وعلمی وادبی کارنامے) تخمینہ صفحات: ۳۰۰
۴۳ سمائے سیمانچل کے سات ستارے، صفحات: ۲۰۰

۴۴ سیمانچل کے مسائل [فکری زاویئے] صفحات: ۸۰

۴۵ افکارِ مودودی کا ایک علمی جائزہ، صفحات: ۴۸

☆ ادارت وایڈیٹنگ: [۱] ماہ نامہ 'الثقافہ' اردو، مرکز الثقافہ السنیہ، کالیکٹ، کیرالا، [۲] ماہ نامہ 'ضیائے صابر' ملاڈ، بمبئی، [۳] سال نامہ 'مرکزِ رضا' ۱۹۹۸ء کیرالا و دہلی، ماہ نامہ 'سراجِ رضا' بمبئی

مقالات ومضامین: چالیس سے زائد مقالات ومضامین، جو فرمائش اور ذاتی داعیۂ دل پر لکھے گئے اور سمیناروں و کانفرنسوں میں پڑھے گئے، خصوصی شماروں، نمبروں، ہندو پاک کے مؤقر جرائد و رسائل اور کتابوں میں شائع ہوئے۔ وہ رسائل واخبارات، جن میں متواتر میری تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں، مثلاً: ماہ نامہ 'کنز الایمان' دہلی، ماہ نامہ 'ماہِ نور' دہلی، ماہ نامہ 'جامِ نور' دہلی، سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام، ماہ نامہ 'اشرفیہ' مبارک پور، سہ ماہی 'جامِ شہود' کلکتہ، سہ ماہی 'رفاقت' پٹنہ، سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ، ماہ نامہ 'سنی دعوتِ اسلامی' بمبئی، حج میگزین، بمبئی، ماہ نامہ 'بطحا' حیدر آباد، ماہ نامہ 'اعلیٰ حضرت' بریلی شریف، ماہ نامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، روز نامہ، اردو ٹائمز، انقلاب، راشٹریہ سہارا، بمبئی، راشٹریہ سہارا، دہلی، ماہ نامہ 'جہانِ رضا' لاہور، سال نامہ و ماہ نامہ 'معارفِ رضا' کراچی، مجلّہ 'المظہر' کراچی، وغیرہ وغیرہ۔

☆ مضامین ومقالاقات کا ایک اجمالی اشاریہ:

[۱] فکر رضا: نئے نئے علاقے فتح کر رہی ہے،

الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

ب: ماہنامہ 'جام شہود' کلکتہ، مارچ / اپریل ۱۹۹۹ء

[۲] عرس غریب نواز: ایک لمحۂ فکریہ،

الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

ب: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء

ج: سہ ماہی 'الکوثر' سہسرام، جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء،

[۳] صحن مرکز میں سربراہی ملاقات کا ایک منظر، ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، جولائی ۱۹۹۹ء

[۴] 'حدائق بخشش' ملیالم، ماہنامہ 'الثقافہ' کالی کٹ، کیرلا، شمارہ اگست ۱۹۹۹ء

[۵] حضرت شیخ شہاب الدین احمد کویا شالیاتی، الف: سالنامہ 'مرکز رضا' کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء

ب: ماہنامہ 'اشرفیہ' مبارک پور شمارہ مارچ اپریل ۲۰۰۰ء

ج: ماہنامہ 'بطحا' حیدر آباد، دکن، شمارہ فروری ۲۰۰۹ء

[۶] شیخ ابوبکر احمد مسلیار، الف :سالنامہ ’مرکز رضا‘ کالی کٹ، کیرلا، ودہلی ۱۹۹۹ء
ب: ماہنامہ ’الثقافہ‘ کالی کٹ، کیرلا، شمارہ اپریل ۲۰۰۰ء
ج: ماہنامہ ’سیارگان‘ بمبئی فروری ۲۰۰۶ء
[۷] ملک العلما: مکتوبات رضا کی روشنی میں، الف: ماہنامہ ’کنز الایمان‘ دہلی شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء
ب: عظیم وضخیم ’جہانِ ملک العلما‘ مرتبہ غلام جابر شمس، مطبوعہ بمبئی ۲۰۰۹ء میں شامل،
[۹] ’حدائق بخشش‘ کی اولین اشاعت: ایک تحقیقی وتاریخی جائزہ، ماہنامہ ’کنز الایمان‘ دہلی ۲۰۰۱ء
ب: ماہنامہ ’جہانِ رضا‘ لاہور اپریل ۲۰۰۱ء
[۱۰] علامہ ارشد القادری: اپنے مکاتیب کے آئینے میں، ماہنامہ ’جام نور‘ کا ’رئیس القلم نمبر‘ جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء
[۱۱] علامہ ارشد القادری: اہل سنت کے میر کارواں، ماہنامہ ’کنز الایمان‘ دہلی، جولائی ۲۰۰۲ء
[۱۲] مجموعہائے مکتوباتِ رضا کا تعارف وتجزیہ، الف: سہ ماہی ’رفاقت‘ پٹنہ اپریل تا جون ۲۰۰۳ء
ب: ماہنامہ ’معارف رضا‘ کراچی، خصوصی شمارہ مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء
ج: کلیات مکاتیب رضا، جلد اول، دوم مطبوعہ ۲۰۰۵ء کے مقدمے میں بھی شامل ہے۔
[۱۳] جامع الشواہد: ایک تحلیل وتجزیہ، ماہنامہ ’معارف رضا‘ کراچی، فروری ۲۰۰۵ء
[۱۴] امام احمد رضا کا اسلوب تحقیق، ماہنامہ ’معارف رضا‘ کراچی، جولائی ۲۰۰۵ء
[۱۵] فکر رضا کا ارتقائی سفر اور مکتوباتِ مسعودی، الف: ماہنامہ ’سیارگان‘ بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۵ء
ب: ماہنامہ ’ماہِ نور‘ دہلی، دسمبر ۲۰۰۷ء
[۱۶] نبیرۂ صدر الافاضل [سید شاہ رضوان الدین نعیمی] سے ایک ملاقات، ماہنامہ ’جہانِ رضا‘ لاہور، جولائی ۲۰۰۶ء
[۱۷] امام احمد رضا کا سیاسی زاویۂ نگاہ، الف: ماہنامہ ’سیارگان‘ بمبئی، نومبر ۲۰۰۵ء
ب: کتاب ’پروازِ خیال‘ مطبوعہ ہندوپاک میں شامل۔
[۱۸] دنیا کو دہشت گردی کی لعنت سے کیسے بچایا جائے، [تحریری مباحثہ] ماہنامہ ’جام نور‘ دہلی جون ۲۰۰۶ء
[۱۹] حضرت امام ابوالعباس احمد، ماہنامہ ’سیارگان‘ بمبئی نومبر ۲۰۰۶ء
[۲۰] امام احمد رضا کے ساتھ اپنوں اور بیگانوں نے کتنا انصاف کیا؟۔ مؤثر تدابیر کیا ہوسکتی ہیں؟۔ [تحریری مباحثہ] ماہنامہ ’جام نور‘ دہلی، اکتوبر ۲۰۰۶ء

[۲۱] امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی، الف: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، مئی ۲۰۰۷ء
ب: ہفت روزہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی کا 'امام احمد رضا نمبر' ۲۰۰۷ء
ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، مارچ ۲۰۰۸ء
[۲۲] غیر مطبوعہ خطوط رضا کا جائزہ، سالنامہ 'یادگار رضا' رضا اکیڈمی بمبئی ۲۰۰۷ء
[۲۳] فکر رضا میں ذکر مجدد الف ثانی، الف: سہ ماہی 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی/ستمبر ۲۰۰۸ء
ب: مجلہ 'المظہر' کرچی اور ج: 'جہان امام ربانی' کراچی میں شامل۔
[۲۴] دیکھتے ہی دیکھتے شوال آگیا، ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۸ء
[۲۵] پروفیسر محمد مسعود احمد: چراغ صدا انجمن، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی جون ۲۰۰۸ء
ب: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، خصوصی شمارہ جولائی ۲۰۰۸ء
ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور خصوصی شمارہ اگست ۲۰۰۸ء
[۲۶] نادرِ دہر تھے: پروفیسر محمد مسعود احمد، الف: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی، جولائی ۲۰۰۸ء
ب: سہ ماہی 'رضا بک ریویو' پٹنہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء،
ج: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی جولائی ۲۰۰۸ء،
د: ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی کا 'مسعود ملت نمبر' جولائی، اگست ۲۰۰۸ء
ر: حج ہاؤس بمبئی کے سالانہ 'میگزین' ۲۰۰۸ء میں شامل۔
[۲۷] حضور غریب نواز کا ستانہ حق پرستانہ اور یہ ملت مرحومہ، ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی ۲۰۰۸ء
[۲۸] علامہ ارشد القادری: یادوں کے نقوش، ماہنامہ 'جام نور' دہلی جولائی ۲۰۰۸ء
[۲۹] ملک العلما کی اولیات: ایک چشم کشا تحریر، الف: روزنامہ 'اردو ٹائمز' بمبئی میں ۳۱ر و ۴ر جولائی ۲۰۰۸ء کو دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ب: ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اگست ۲۰۰۸ء
ج: ضخیم کتاب 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، میں شامل۔
[۳۰] صدر العلما: قدیم اسلاف کے حقیقی وارث، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، ستمبر ۲۰۰۸ء
[۳۱] شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی: کچھ یادیں، کچھ باتیں، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، نومبر ۲۰۰۸ء
[۳۲] الف: اب دیکھا میں نے اپنا گھر: پورنیہ کی علمی سیر، ماہنامہ 'جام نور' دہلی، جنوری ۲۰۰۹ء
ب: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی جنوری ۲۰۰۹ء
ج: 'کاملانِ پورنیہ' جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء کے شروع میں شامل۔
د: سفر خوشبو دیش کا [سفر نامہ پورنیہ] طبع بمبئی ۲۰۱۱ء میں بھی شامل۔
[۳۳] صحیح البہاری: قدیم و جدید تقریظات، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۸ء

ب: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، جنوری ۲۰۰۹ء

ج: 'جہانِ ملک العلما' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بمبئی ۲۰۰۹ء، میں شامل۔

[۳۴] طوطیِ ہند علامہ قادر بخش سہسرامی: بندگی کے شہر میں، ماہنامہ 'جام نور' دہلی فروری ۲۰۰۹ء

ب: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، دسمبر ۲۰۱۰ء

[۳۵] امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کا ایک عمومی جائزہ، الف: سہ ماہی 'افکار رضا' بمبئی ۲۰۱۰ء

ب: کتاب 'خط و جواب خط' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع دہلی، ۲۰۱۰ء میں شامل۔

[۳۶] توقیر عرب تنویر عجم پروفیسر مختار الدین احمد، ماہنامہ 'جام نور' دہلی اگست ۲۰۱۰ء

ب: ماہنامہ 'بطحا' حیدر آباد، جون، جولائی، اگست ۲۰۱۰ء

[۳۷] مولانا کرامت حسین تمنا: حیات و شاعری، الف: ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی فروری ۲۰۱۱ء

ب: کتاب 'کاملان پورنیہ' جلد اول مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء میں بھی شامل ہے۔

[۳۸] قصہ آل انڈیا تنظیموں کا، سہ ماہی 'سواد اعظم' دہلی مئی، جون، جولائی ۲۰۱۱ء

ب: کتاب 'بولتی تصویریں' مطبوعہ مراد آباد ۲۰۰۹ء اور مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۰ء میں بھی شامل ہے۔

☆ الف: فکر رضا کے نئے زاویے، نئے آفاق، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۱ء

ب: کتاب 'امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل' مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء میں شامل۔

[۳۹] شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی: ایک صدرنگ شخصیت، الف: ماہنامہ 'جام نور' دہلی جنوری ۲۰۰۹ء

ب: کتاب: شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی اور جہان علم و دانش، مطبوعہ خانقاہ لطیفی رحمان پور ۲۰۰۹ء میں شامل

ج: ماہنامہ 'ضیائے صابر' بمبئی، مئی ۲۰۱۲ء

و نیز د: مجموعہ مقالات 'عرفانِ حفیظ' مطبوعہ خانقاہ لطیفی رحمان پور، بارسوئی، کٹیہار ۲۰۱۵ء میں شامل۔

[۴۰] حسان الہند علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی، الف: خصوصی شمارہ سالنامہ 'اہل سنت کی آواز' مارہرہ مطہرہ نومبر ۲۰۱۲ء، ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، مئی ۲۰۱۳ء

ج: 'روضۃ الاولیا'، مصنفہ حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کا اردو ترجمہ 'نزہۃ الاولیا' از مفتی محمد صابر رضا پورنوی، مطبوعہ سنی جمعیۃ العلما، مالیگاؤں، ۲۰۱۴ء میں بطور حیات مصنف شامل ہے۔

[۴۱] کوہ عزم آہنی کردار پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، [مدیر ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور کے وصال پر]

الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، فروری ۲۰۱۴ء

ب: ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی شمارہ مارچ ۲۱۴ء

ج: ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور کے خصوصی شمارہ ۲۰۱۴ء میں شامل۔

[۴۲] اعلیٰ حضرت کا سفر جبل پور: ایک تحقیقی جائزہ، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی مئی ۲۰۱۴ء

محمد شوق فیض احمد رشیدی کو مطالعہ ہا ماہشی ہو ر نیہ

ب: کتاب 'اعلیٰ حضرت اور علمائے جبل پور' مطبوعہ بمبئی والہ آباد ۲۰۱۳ء میں شامل۔

[۴۳] اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۴ء

ب: کتاب 'سفرنامۂ اعلیٰ حضرت' مرتبہ غلام جابر شمس، طبع بنگلور ۲۰۱۵ء میں شامل۔

ج: نیز کتاب 'اجمیر معلیٰ میں اعلیٰ حضرت' از غلام جابر شمس، زیر طبع میں شامل۔

[۴۴] شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں اور افکار مودودی، آل انڈیا شیخ الاسلام سیمینار منعقدہ ۱۳ رتا ۱۵ رجنوری ۲۰۱۵ء، بمقام بلگام کرناٹک میں پیش کیا گیا مقالہ، مشمولہ 'شیخ الاسلام: شخص و عکس نمبر مطبوعہ، بلگام، کرناٹک ۲۰۱۵ء میں شامل۔ صفحات: ۳۲ر

[۴۵] 'سیمانچل کے مسائل اور ان کے حل' پر خصوصی اشاعت منتخب از 'سیمانچل: آج اور کل' مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۳ء، مشمولہ ششماہی 'وجدان' اتر دیناج پور اگست ۲۰۱۴ء تا جنوری ۲۰۱۵ء

[۴۶] خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم شاہ غلام احمد شوق فریدی سنبھلی، [اولین تلاش و تحقیق]

الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی ۲۰۱۵ء

ب: زیر طبع کتاب 'خلفائے اعلیٰ حضرت' از مولانا محمد شاہد القادری کلکتہ میں شامل۔

[۴۷] مکتوبات امام احمد رضا کی عصری اہمیت و معنویت، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی اگست ۲۰۱۴ء، نوٹ: اردو کونسل دہلی کے اشتراک سے رضا فاؤنڈیشن جلگاؤں کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار ۲۹ رمارچ ۲۰۱۵ء میں پڑھا گیا مقالہ، اس سیمینار کی صدارت خود مقالہ نگار نے کی تھی۔

[۴۸] امام احمد رضا: اپنے مرشد کے در پر، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی نومبر ۲۰۱۵ء

ب: سفرنامۂ اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بنگلور دسمبر ۲۰۱۵ء میں شامل۔

[۴۹] سیمانچل کے مدارس اہل سنت، الف: سالنامہ 'روشنی' ویشالی کا 'مدارس بہار نمبر' ۲۰۱۵ء، ب: سالنامہ 'فکر ملت' میرا روڈ، بمبئی ۲۰۱۵ء میں شامل، ج: زیر طبع 'سیمانچل کے مسائل' میں شامل۔

[۵۰] افکار مودودی: اپنے پرانے ہم نوؤں کی نظر میں، الف: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، نومبر و دسمبر ۲۰۵۱ء میں دو قسط میں شائع شدہ، ب: سالنامہ 'فکر ملت' میرا روڈ، بمبئی ۲۰۱۵ء میں شامل،

ج: زیر طبع کتاب 'افکارِ مودودی کا علمی جائزہ' میں شامل۔

[۵۱] بنگال و بہار کا ایک علمی دورہ، الف: شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات، طبع کلکتہ میں شامل، ب: سیمانچل کے مسائل، فکری زاویے، میں بھی شامل۔

[۵۲] الف: شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یٰسین رشیدی، ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی، اپریل ۲۰۱۶ء۔

ب: ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جون ۲۰۱۶ء، ج: کتاب 'شیخ الاسلام: حیات و مکتوبات' میں شامل،

[۵۳] الف: مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی و علمی پس منظر، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی، قسط وار اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۶ء، ب: ماہنامہ 'سنی دنیا' بریلی شریف، قسط وار ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۶ء۔

[۵۴] الف: اودھ کی دو بستیاں، بانسہ و مسولی: ایک قلبی تاثر سہ ماہی 'تجلیات حبیب' مسولی شریف نومبر ۲۰۱۶ء، ب: کتاب 'بمبئی میں وہابیت کا پہلا قدم' طبع مسولی شریف بارہ بنکی، ۲۰۱۶ء میں شامل۔

[۵۵] آہ! سید شاہ تراب الحق قادری: ہائے! اے شہر خوباں کے شہریار! اے جلوۂ صد رنگ! تو کہاں کھو گیا!! مطبوعہ کراچی، بمبئی، بریلی شریف۔

[نوٹ: ان کے مضامین ایک سے زائد جریدوں میں شائع کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی اہمیت و افادیت ہے اور قارئین و شائقین کی دلچسپی ہے۔ مثلاً:

☆ کتاب 'کلیات مکاتیب رضا' کے منتخب مکتوبات شریفہ کی قسط وار اشاعت ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی ۲۰۰۵ء و ۲۰۰۶ء۔

☆ کتاب 'پرواز خیال' کی قسط وار اشاعت، ماہنامہ 'سیارگان' بمبئی، ۲۰۰۵ء و ۲۰۰۶ء۔

☆ کتاب 'پرواز خیال' کی قسط وار اشاعت، ماہنامہ 'سنی دعوت اسلامی' بمبئی جولائی و بعد ۲۰۰۸ء۔

☆ کتاب 'بولتی تصویریں' کی قسط وار اشاعت، روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' بمبئی ۲۰۰۹ء۔

☆ کتاب 'بولتی تصویریں' ماہنامہ 'کنزالایمان' دہلی ہندی ایڈیشن میں قسط وار اشاعت جنوری ۲۰۱۰ء اور اس کے بعد۔

انٹرویوز:

☆ نوادرات امام احمد رضا قدس سرہ کی تلاش و تحقیق کے سلسلہ میں سفر پاکستان ۲۰۰۷ء کی واپسی پر دونوں ملکوں میں امام احمد رضا قدس سرہ پر ہوئے علمی و اشاعتی کاموں کی رفتار کا تفصیلی و تحلیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ شروع میں کچھ اپنی گفت گو بھی ہے۔ ماہنامہ 'جام نور' دہلی شمارہ جون۔

☆ امام احمد رضا کے افکار و نظریات کی مؤثر ترویج و ترسیل کے تناظر میں 'امام احمد رضا قومی سیمنار و کانفرنس' منعقدہ فروری ۲۰۱۰ء کے زریں موقع پر عتیق الرحمن رضوی مالیگانوی نے 'انٹرویو' لیا۔ جس میں امام احمد رضا قدس سرہ کی ہمہ جہت شخصیت اور فکر پر بھرپور کام کرنے کی تجاویز زیر غور لائی گئی ہیں۔

الف: ہفت روزہ 'انوار' مالیگاؤں، مہاراشٹرا، جنوری ۲۰۱۰ء،

ب: مشمولہ 'امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، مطبوعہ بمبئی ۲۰۱۱ء۔

☆ دوردرشن دہلی کے نمائندوں کو 'انٹرویو' جس میں اردو زبان و ادب اور سیمانچل کے مسائل پر گفت گو کی گئی ہے۔ یہ انٹرویو دوردرشن دہلی سے بموقع یوم جمہوریہ ۲۶/ جنوری ۲۰۱۳ء کو نشر ہوا۔

☆ سیمانچل اور اس کے مسائل کے حل کی ممکنہ صورتوں پر فکر انگیز خاص 'انٹرویو' جس میں دینی وعصری تعلیم، تجارتی ومعاشی مسائل پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے اور بطور خاص وہاں مسلم اکثریت کی بنا پر مجلس اتحاد المسلمین حیدر آباد کے طرز پر مسلمانوں سے اپنا سیاسی پلیٹ فارم بنانے کی تجویز دی اور شفارش کی ہے۔ کیوں کہ تعلیم، معیشت، سیاست اور صحافت کسی بھی زندہ قوم کی باوقار لائف لیول کے لئے بنیادی ستون ہے۔ ششماہی 'وجدان' دیناج پور، دسمبر ۲۰۱۳ء تا مئی ۲۰۱۴ء، ص: ۳۶ تا ۳۹ رزیر اہتمام انجمن فروغ علم وادب گنجریا بازار، اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور، بنگال۔

چند یادگار وفکری مکتوبات:

☆ بنام حافظ محمد قمر الدین رضوی مالک ماہنامہ 'کنز الایمان' دہلی فروری ۲۰۰۱ء

☆ بنام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، جسے صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری نے 'فروغ رضویات میں ایک اہم پیش رفت' کے عنوان سے چھاپا۔ ماہنامہ 'معارف رضا' کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

☆ بنام پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدیر ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، جنوری ۲۰۰۶ء

☆ بنام صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری، ایک فکر انگیز ادبی مکتوب، جس کو قارئین نے کئی کئی بار پڑھا اور محظوظ ہوئے اور مکتوب نگار کو مبارک باد دی۔

اعزازات وسپاس نامے:

[۱] شال وگل پوشی ونقد انعام، بموقع شہید اعظم ومفتی اعظم کانفرنس، سنی بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی، بدست علامہ محمد منصور علی خان وسید شاہ کوثر ربانی صاحب وغیرہم ۲۰۰۵ء۔

[۲] بیسٹ ٹیچر ایوارڈ، من جانب: ملاڈ ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج ملاڈ بمبئی، ۲۰۰۶ء۔

[۳] شال وگل پوشی وگولڈ میڈل، من جانب: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، بموقع امام احمد رضا سیمنار وکانفرنس، منعقدہ ۱۷ر مارچ ۲۰۰۷ء، بدست سید شاہ محمد تراب الحق قادری رضوی، سید شاہ وجاہت رسول قادری، پروفیسر قاسم رضا وائس چانسلر کراچی یونیورسیٹی ووزیر دفاع حکومت سندھ وغیرہ علما ودانشوران۔

[۴] اعزازیہ واستقبالیہ نشست وشال وگل پوشی ونقد انعام، من جانب ادارۂ مسعودیہ کراچی، بدست پروفیسر محمد مسعود احمد مارچ ۲۰۰۷ء۔

[۵] اعزازیہ وگراں قدر تعارف وکتابی ہدیہ از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ 'جہانِ رضا' لاہور، بدست حضرت سید سلیم حماد صاحب سجادہ نشین داتا دربار لاہور مارچ ۲۰۰۷ء۔

[۶] اعزاز واستقبال وکتابی تحفہ ونقد ہدیہ، بدست محسن اہل سنت حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ لاہور مارچ ۲۰۰۷ء۔

[۷] کلمات تحسین ونقد انعام، بوقت اشاعت کتاب 'خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا' بدست امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قبلہ، بموقع عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۷ء۔

[۸] شال وگل پوشی وٹرافی، من جانب: ضیاء القرآن ایجوکیشن ٹرسٹ بھیونڈی مہاراشٹر ۲۰۰۸ء

[۹] شال وگل پوشی وٹرافی، من جانب: الحمد ہائی اسکول، بھیونڈی مہاراشٹرا، ۲۰۰۹ء۔

[۱۰] شال وگل پوشی و ملک العلما ایوارڈ' ونقد انعام، بموقع 'ملک العلما کانفرنس' واجرا 'جہانِ ملک العلما' بدست پروفیسر سید شاہ طلحہ برق رضوی، سید شاہ طاہر میاں بلگرامی، سید شاہ سراج اظہر رضوی ودیگر علما وحضار، قیصر باغ ہال بمبئی، ۲۰۰۹ء۔

[۱۱] 'جہانِ ملک العلما' کی تحقیق وتدوین وطباعت کے خوشگوار پس منظر میں شال وگل پوشی ونقد انعام، بدست پروفیسر مختار الدین احمد مرحوم علی گڈھ، نومبر ۲۰۰۹ء۔

[۱۲] شال وگل پوشی و 'رئیس الاولیا ایوارڈ' ونقد انعام، بدست سید شاہ امین میاں مارہروی، سید شاہ اویس میاں بلگرامی، سید شاہ گلزار میاں مسولوی، امام علم وفن خواجہ مظفر حسین پورنوی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری گھوسوی ودیگر علما وحضار، بموقع عرس اسماعیلی مسولی شریف بارہ بنکی ۲۰۱۱ء۔

[۱۳] رضویات، دیگر علمی وتحقیقی خدمات اور سیمانچل کے سلسلہ وار فکر انگیز مضامین وتاریخ وتذکرہ پر کتب سے خوش ہوکر نقد انعام، از امام علم وفن خوجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ ۲۰۱۲ء۔

[۱۳] رضویات وادبیات کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں 'منظوم ہدیۂ سپاس' من جانب انجمن برکات رضا پھوگلی بمبئی، بموقع ملک العلما کانفرنس ۲ر مئی ۲۰۱۳ء۔

[۱۴] شال وگل پوشی وٹرافی وہدیۂ خاص، من جانب: حضرت سید عبد اللہ باشیبان اکیڈمی، بلگام کرناٹک، بموقع شیخ الاسلام سیمنار، ۱۵ر جنوری ۲۰۱۵ء۔

[۱۵] 'قطب العارفین شاہ محمد یوسف ایوارڈ' بدست ابوالایتام شیخ ابوبکر احمد صاحب کیرالا ومفتی محمد عبد الواجد قادری مفتی اعظم ہالینڈ، سرکار مجھی اکیڈمی، مدھوبنی بہار، ۱۳ر مارچ ۲۰۱۵ء۔

[۱۶] اعزاز و 'پچیس سالہ علمی وادبی اعتراف خدمات وہدیۂ سپاس' من جانب: ڈاکٹر محمد احسن ودیگر اراکین واسٹاف کھریال ہائی اسکول کھریال کٹیہار بہار ۱۹ر مارچ ۲۰۱۵ء۔

[۱۷] نشانِ تاج العلماء مومنٹو، شال پوشی ونقد انعام بدست امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں

امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس کی بعض مطبوعہ تصانیف



Rs. 250/-

BARKAAT-E-RAZA FOUNDATION
Meera Road, Mumbai